ترجمان القرآن

جلد چہارم

ترجمان القرآن

majar shad
Narayan Kaulwal

از

مولانا ابو الکلام آزاد

جلد چہارم

ساہتیہ اکادیمی
نئی دلی

Tarjuman-ul-Qur'an — Urdu translation of the *Holy Qur'an* with commentary, annotations and introduction by the late Maulana Abul Kalam Azad, in four volumes, published by the Sahitya Akademi, New Delhi, as part of Maulana Abul Kalam Azad's collected works in Urdu.

Vol. IV Rs. 30.00

Sahitya Akademi Edition

First Published : 1971
Reprint : 1977
Reprint : 1980

ترجمان القرآن ، جلد چہارم ۔ کلام پاک کا اردو ترجمہ مع
تفسیر و تشریح از مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم ۔

ساہتیہ اکادیمی ، نئی دلی

پہلی بار : ۱۹۷۱ء
دوسری بار : ۱۹۷۷ء
تیسری بار : ۱۹۸۰ء

قیمت ۳۰/- روپے

ساہتیہ اکادیمی رابندرا بھون، نئی دلی نے
جے۔کے۔آفسٹ پرنٹرز، ۳۱۵ جامع مسجد دہلی ۶
میں طبع کرا کے شائع کیا

فہرست

ترجمان القرآن ج ـ ٤

الرعد

ابراهیم

الحجر

النحل

بنی اسرائیل

الکہف

مریم

طٰہٰ

الانبیاء

الحج

المؤمنون

النور

نقوش متعلق سورۂ کہف

۱ ۔ ذو القرنین کی مغربی، مشرقی اور شمالی فتوحات ۔

۲ ۔ سنہ ۶۰۰ قبل مسیح میں یاجوج و ماجوج کے مغربی ایشیا پر حملے اور سدّ ذُو القرنین کی تعمیر ۔

سورة الرعد - ۱۳

مكية وهى ثلث و اربعون اٰية

مکی، ۴۳ آیتیں

بسم الله الرحمن الرحیم

یہ سورت بھی مکی ہے اور خطاب مشرکین مکہ سے ہے۔

تمام مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی دین حق کے بنیادی عقائد کا بیان ہے، یعنی توحید، رسالت، وحی اور جزاء عمل۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ جس بات پر زور دیا گیا ہے اور جو سورت کی تمام موعظت و تذکیر کے لیے مرکز بیان و خطاب ہے وہ "حق" اور "باطل" کی حقیقت اور ان کی باہمی آویزش کا قانون ہے۔ چنانچہ سورت کی ابتداء بھی اسی اعلان سے ہوئی ہے کہ " والذی انزل الیك من ربك الحق " اور خاتمہ بھی اسی پر ہوا ہے کہ " فانما علیك البلاغ و علینا الحساب " (آیت ۴۰)۔ =

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ	الف لام میم را۔(اے پیغمبر!)
الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ	یہ "الکتاب"(یعنی قرآن) کی
اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ	آیتیں ہیں اور جو کچھ تیرے
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	پروردگار کی جانب سے تجھ
لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝	پر نازل ہوا ہے وہ امر حق ہے

(اس کے سوا کچھ نہیں)، مگر اکثر آدمی ایسے ہیں کہ (اس پر) ایمان نہیں لاتے ا ۔

= حق و باطل کے امتیاز کا یہی عالم گیر اور فیصلہ کن قانون ہے جو دعوت قرآنی کی حقانیت اور عدم حقانیت کا فیصلہ کردے گا۔ اگر پیغمبر اسلام کا اعلان رسالت "حق" ہے تو "حق" کا خاصہ یہی ہے کہ باقی رہے اور فتح مند ہو۔ اگر "باطل" ہے تو بلا شبہ "باطل" کے لیے مٹ جانا اور نامراد ہونا ہے۔ یہی اللہ کی شہادت ہے جس سے بڑھ کر کوئی فیصلہ کن شہادت نہیں ہو سکتی اور اب اس شہادت کے ظہور کا انتظار کرنا چاہیے۔

۱-سورت کی ابتداء اس اعلان سے ہوئی ہے کہ قرآن=

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ	یہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں
بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ	کو بلند کر دیا اور تم دیکھ
اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ	رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں
وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ	تھامے ہوئے نہیں ہے۔ پھر وہ
كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی	اپنے تخت (حکومت) پر نمودار
یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ	ہوا (یعنی مخلوقات میں اس کے
الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ	احکام جاری ہو گئے) اور
رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝	سورج اور چاند کو کام پر

لگا دیا کہ ہر ایک اپنی ٹھیرائی ہوئی میعاد تک (اپنی اپنی راہ) چلا جا رہا ہے۔ وہی (اس تمام کارخانۂ خلقت کا) انتظام کر رہا ہے اور (اپنی قدرت و حکمت کی) نشانیاں الگ الگ

= فکر انسانی کی بناوٹ نہیں ہے، اللہ کی جانب سے نازل ہوا ہے اور امر حق ہے۔ لیکن مخاطبین دعوت میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اسے نہیں مانتے، پس ضروری ہے کہ ان کے مقابلے میں اس کی حقانیت آشکارا ہو جائے۔

کر کے بیان کر دیتا ہے تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ (ایک دن) اپنے پروردگار سے ملنا ہے ۲۔

۲ - پھر اللہ کی ہستی اور آخرت کی زندگی پر برہان حکمت و ربوبیت کا استدلال کیا ہے اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کسی ایسی ہستی کی موجودگی کی شہادت دے رہی ہے جس نے جو کچھ بنایا ہے مصلحتوں اور حکمتوں کے ساتھ بنایا ہے اور یہاں کا ذرہ ذرہ اسی کی تدبیر و انتظام سے چل رہا ہے۔ پھر فرمایا: ان نشانیوں کا تفکر دلوں میں یقین پیدا کر دیتا ہے کہ انسانی زندگی صرف اتنے ہی کے لیے نہیں ہو سکتی جتنی حیات دنیوی میں نظر آ رہی ہے۔ ضروری ہے کہ کوئی دوسرا مرحلہ بھی پیش آنے والا ہو اور وہ ایسا ہو کہ مخلوق کو خالق کے حضور میں پیش کر دے۔

اس آیت میں قدرت و حکمت الٰہی کے تین مرتبے بیان کیے ہیں:

(۱) سب سے پہلے یہ کہ اجرام سماویہ کو پیدا کیا اور فضاء میں پھیلا دیا۔ وہ بلند ہیں لیکن کوئی سہارا نہیں جو انہیں تھامے ہوئے ہو۔ محض جذب و انجذاب =

= کا قانون ہے جس کے توازن نے انہیں اپنی اپنی جگہ معلق و قائم رکھا ہے ۔

(ب) یہ ان کی پیدایش تھی ، لیکن اب ان کے قیام و اجراء کے لیے ضروری تھا کہ احکام و قوانین ہوں اور نافذ ہو جائیں۔ پس اس تمام کائنات ہستی پر اللہ کی فرماں روائی نافذ ہو گئی ، یعنی اس کا تخت حکومت بچھ گیا ، اس کے احکام کے آگے سب جھک گئے ۔

(ج) یہ احکام و قوانین کس طرح نافذ ہوئے؟ اس طرح کہ سورج اور چاند کو دیکھو احکام الٰہی نے کس طرح انہیں مسخر کر رکھا ہے! بال برابر ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ ان کی سیر و گردش کے لیے جو میعادیں ٹھیرا دی گئی ہیں ٹھیک ٹھیک اس کے مطابق چل رہے ہیں ۔

پھر اس کے بعد اس معاملے کی وضاحت کر دی کہ "یدبر الامر" اور یہاں بھی بات بناء استدلال ہے ، یعنی یہ سب کچھ جو ہوا اور ہو رہا ہے اس حقیقت کی شہادت ہے کہ یہاں تدبیر امور کرنے والا ایک ہاتھ موجود ہے ، ورنہ ممکن نہ تھا کہ یہ سب کچھ ظہور میں آجاتا اور قائم و جاری رہتا ۔ اور اگر تدبیر امور کی قوت کام کر رہی ہے تو کیوں کر ممکن ہے کہ اعمال =

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهٰرًا ۖ وَمِن كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ ٣

اور (دیکھو!) وهی هے جس نے زمین کی سطح پھیلادی، اس میں پہاڑ بنا دیے، نہریں جاری کر دیں اور هر طرح کے پھلوں کے جوڑے دو دو قسموں کے اگا دیے. اس نے رات اور دن (کے بتدریج ظاهر هونے) کا ایسا قاعدہ بنا دیا که دن کی روشنی کو رات کی تاریکی ڈھانپ لیا کرتی هے. یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے کتنی هی نشانیاں هیں جو غور و فکر کرنے والے هیں۳.

= انسانی کے لیےاس نے کوئی انتظام نه کیا هو اور انسانی زندگی ایك فعل عبث کی طرح وایگاں جائے.

۳ - آیت ۲ میں عالم سماویه کا ذکر کیا تھا. آیت ۳ میں فرمایا: زمین کو دیکھو وہ ایك گیند کی طرح مدور اور گول هے، لیکن اس کی سطح کا هر حصه ایسا =

= واقع ہوا ہے کہ گولائی محسوس ہی نہیں ہوتی . ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے ایک مسطح فرش بچھا ہوا ہو . پھر اس میں پہاڑ پیدا کر دیے گئے جن کی چوٹیوں پر برف جمتی اور پگھلتی رہتی ہے اور اس طرح ان نہروں کی روانی کا سامان ہوتا رہتا ہے جو میدانی زمینوں سے گزرتی ہیں اور انہیں سیراب کرتی رہتی ہیں .

پھر زمین میں روئیدگی کی کیسی عجیب و غریب قوت پیدا کر دی کہ اس کی تمام سطح طرح طرح کی خوش ذائقہ غذاؤں کا خوان نعمت بن گئی ہے! ہر طرح کے پھلوں کے درخت ہیں، ہر طرح کے دانوں کی فصلیں ہیں، سب میں دو دو قسموں اور جوڑوں کا قانون کام کر رہا ہے، اس اعتبار سے بھی کہ نباتات کی کوئی قسم نہیں جس میں حیوانات کی طرح نر اور مادہ کی جنسی تقسیم نہ ہو اور اس اعتبار سے بھی کہ ہر درخت کے پھل دو قسموں کے ضرور ہوتے ہیں: مثلاً کھٹے اور میٹھے، خوش ذائقہ اور بد ذائقہ، اچھی قسم کے اور گری ہوئی قسم کے . پھر اس کی حکمت فرمائی کا یہ کرشمہ دیکھو کہ رات دن کا دائمی انقلاب طاری ہوتا رہتا ہے جو نباتات کی روئیدگی اور پختگی کے لیے ضروری تھا. جب دن کی تپش انہیں خوب اچھی طرح گرم کر دیتی ہے=

وَفِى الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ قف وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴

اور (دیکھو!) زمین میں (طرح طرح کے) ٹکڑے ہیں، ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ ان میں انگور کے باغ ہیں، (غلے کی) کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں، باہم دگر ملتے جلتے ہوئے اور بعض ایسے کہ ملتے جلتے ہوئے نہیں ہیں۔ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں، مگر ہم بعض پھلوں کو بعض پر مزے میں برتری دیتے ہیں۔ یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ۴۔

=تو رات آتی ہے اور زمین کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس کی چادر کے تلے وہ خنکی و برودت کی مطلوبہ مقدار حاصل کر لیتے ہیں۔

۴ - پھر ربوبیت الٰہی کی یہ کار فرمائی دیکھو کہ زمین=

وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬

اور (اے مخاطب!) اگر تو عجیب بات دیکھنی چاھتا ھے تو (سب سے زیادہ) عجیب

= کی سطح ایك ھے، مگر اس کے مختلف قطعات یکساں نہیں، سب ایك دوسرے سے ملے ھوے ھیں، لیکن اپنی روئیدگی اور پیداوار کی مختلف خدمتیں انجام دے رھے ھیں. ایك قطعه میں باغ ھیں، ایك میں کھیت ھیں، ایك میں نخلستان ھیں. پھر اگرچه زمین ایك ھے اور ایك ھی پانی سے ھر قطعه سیراب ھوتا ھے، لیکن ھر درخت کا پھل یکساں نہیں. کسی جگه ایك ھی پھل اعلٰی درجے کا ھوتا ھے، کسی جگه کا ادنٰی درجے کا کسی کا مزہ کچھ ھوتا ھے، کسی کا کچھ.

کائنات ھستی کے ان تمام کارخانوں کا اس نگرانی اور دقیقه سنجی کے ساتھ نافع و کار آمد ھونا اور مخلوقات کی ضروریات زندگی کا اس عجیب و غریب کار فرمائی کے ساتھ انتظام پانا، کیا اس حقیقت کا اعلان نہیں ھے که ایك پرورش کنندہ اور مدبر ھستی موجود ھے اور یہاں جو کچھ ھو رھا ھے کسی مقصد اور منتہٰی کے لیے ھو رھا ھے.

أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ بِرَبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ ٱلْأَغْلَٰلُ فِىٓ أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ۝

بات ان منکروں کا یہ قول ہے کہ جب ہم (مرنے کے بعد گل سڑ کر) مٹی ہو گئے تو پھر کیا ہم پر ایک نئی پیدایش طاری ہو گی؟ (یہ بات تو سمجھ میں آتی نہیں)۔ تو یقین کرو! یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا اور یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور یہی ہیں کہ دوزخی ہوئے، ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ۝.

---

۵ - آیت ۵ میں فرمایا: کائنات ہستی کی ہر بات یقین دلا رہی ہے کہ یہ کارخانۂ تدبیر و حکمت بغیر کسی مصلحت و مقصد کے نہیں ہو سکتا اور ضروری ہے کہ انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو کہ پیدا ہوا، کھایا پیا اور فنا ہو گیا، بلکہ اس کے بعد بھی کچھ نہ کچھ ہونے والا ہو، ورنہ تدبیر و مصلحت کا سارا کارخانہ باطل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اس پر بھی لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے کہ حیات آخرت کی بات ان کی سمجھ میں=

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ	اور (اے پیغمبر!) یہ تم سے
قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَ قَدْ خَلَتْ	برائی کے لیے جلدی مچاتے ہیں
مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ط	قبل اس کے کہ بھلائی کے لیے

= نہیں آتی تو اس سے زیادہ کونسی بات عجیب ہو سکتی ہے! عجیب بات یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد پھر انسان پر ایک دوسری زندگی طاری ہوگی، کیوں کہ اس کی شہادت تو دنیا کی ہر چیز دے رہی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ انسان صرف حیات دنیوی پر قانع و مطمئن ہو جائے اور سمجھ لے اس کی پیدایش سے جو کچھ مقصود تھا وہ صرف اتنا ہی تھا کہ ایک مرتبہ پیدا ہوا اور کچھ دنوں کھا پی کر مر گیا۔

عقل و بینش کا مقتضا تو یہ تھا کہ اگر کہا جاتا یہ زندگی صرف دنیا ہی کی زندگی ہے تو طبیعتیں کسی طرح مطمئن نہ ہوتیں اور شک و شبہ میں پڑ جاتیں کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ لیکن منکرین حشر کی عقل و بینش کا یہ حال ہے کہ انہیں کہا جا رہا ہے "زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے" اور وہ ہیں کہ حیران ہو کر کہتے ہیں: جب مر گئے اور گل سڑ کر مٹی ہو گئے تو کیا پھر ہمیں زندگی کا ایک نیا جامہ مل جائے گا؟

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ٦

خواست گار هوں، حالانکه ان سے پہلے ایسی سرگذشتیں گزر چکی هیں جن کی (دنیا میں) کہاوتیں بن گئیں (مگر یہ هیں که عبرت نہیں پکڑتے). تو اس میں شك نہیں که تیرا پروردگار لوگوں کے ظلم سے بڑا هی در گذر کرنے والا هے اور اس میں بھی شك نہیں که تیرا پروردگار سزا دینے میں بڑا هی سخت هے ٦.

٦ - آیت ٦ میں انکار و جحود کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا هے که انسان بھلائی کی جگه برائی کے لیے جلدی مچانے لگتا هے، یعنی کہنے لگتا هے: اگر انکار و بدعملی کا برا نتیجه نکلنے والا هے تو وہ نتیجه کہاں هے؟ کیوں پیش نہیں آ جاتا؟ فرمایا: اس لیے که الله بڑا هی بخشنے والا اور درگذر کرنے والا هے. پس فوراً نتیجهٔ بد پیش نہیں آجاتا، مہلتوں پر مہلتیں دی جاتی هیں. لیکن جب وقت آ جائے تو وہ شدید العقاب بھی هے، کیوں که پاداش عمل کبھی ٹلنے والی نہیں اور نه کسی طرح کی نرمی کرنے والی هے.

وَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ع ۷

اور جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں "اس آدمی پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری؟" حالانکہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ (انکار و بد عمل کے نتائج سے) خبردار کردینے والا ایک رہ نما ہے اور ہر قوم کے لیے ایک رہ نما ہوا ہے ۷ .

ع ۱ ۷

---

۷ - انسان کی ایک عالم گیر گم راہی یہ رہی ہے کہ وہ سچائی کو سچائی میں نہیں ڈھونڈھتا ، بلکہ دوسری چیزوں میں تلاش کرتا ہے . ازانجملہ یہ کہ اچنبھوں اور عجائب کاریوں کو سچائی کی دلیل سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے: سب سے زیادہ سچا انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ عجیب و غریب ہو .

قرآن نے جن بنیادی گم راہیوں کا ازالہ کیا من جملہ ان کے ایک گم راہی یہ ہے . اس نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ دعوت حق کی شناخت خود دعوت ہے ، نہ کہ عجائب و غرائب کا ظہور جسے لوگوں نے دلیل صداقت سمجھ رکھا تھا . =

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ	اللہ (کے علم کا تو یہ حال ہے
كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ	کہ وہ) جانتا ہے ہر مادہ کے پیٹ

= آیت ۷ میں فرمایا: یہ لوگ کہتے ہیں: عجیب و غریب قسم کی نشانیاں اس شخص کے لیے کیوں ظاہر نہیں ہوتیں؟ لیکن وہ نہیں جانتے کہ انبیاء کا ظہور عجائب نمائیوں کے لیے نہیں ہوتا، هدایت خلق کے لیے ہوتا ہے۔ جس طرح دنیا کی هر قوم میں ایك هدایت کرنے والا انسان پیدا ہو چکا ہے، اسی طرح تم بھی هدایت کے لیے ظاہر ہوئے ہو۔ تمہارا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ میں اچنبھے دکھانے کے لیے آیا ہوں۔ دعویٰ یہ ہے کہ هدایت کی راہ دکھانے آیا ہوں۔ پس طالب حق کو دیکھنا چاہیے کہ تمہاری زندگی، تمہاری تعلیم، تمہارا طور طریقہ واقعی هدایت کا ہے۔ یا نہیں ہے۔

یہی بات آگے چل کر آیت ۲۸ میں بھی فرمائی ہے اور وہاں زیادہ وضاحت ہو گئی ہے۔ فرمایا: ”الذین اٰمنوا و تطمئن قلوبهم بذکر الله“، جو ایمان لاتے ہیں وہ تو اس طرح لائے ہیں کہ ذکر الٰہی سے ان کے دلوں کو قرار مل گیا، تمام شکوك دور ہو گئے۔ انہیں اس کی ضرورت نہ ہوئی کہ اچنبھوں کی فرمائش کرتے۔

اَلۡاَرۡحَامُ وَ مَا تَزۡدَادُ ؕ میں کیا ہے (یعنی کیسا بچہ ہے)
وَ كُلُّ شَيۡءٍ عِنۡدَهٗ بِمِقۡدَارٍ ۸ اور کیوں پیٹ گھٹتے ہیں اور
کیوں بڑھتے ہیں (یعنی درجہ بدرجہ شکم مادر میں کیسی کیسی تبدیلیاں
ہوتی رہتی ہیں)، اس کے یہاں ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھیرایا ہوا ہے ۸۔
عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَ الشَّهَادَةِ وہ غیب اور شہادت (یعنی غیر
الۡكَبِيۡرُ الۡمُتَعَالِ ۹ محسوس اور محسوس دونوں)
کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا، بلند مرتبہ ۹ ۔
سَوَآءٌ مِّنۡكُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ تم میں کوئی چپکے سے کوئی
الۡقَوۡلَ وَ مَنۡ جَهَرَ بِهٖ بات کہے یا پکار کے کہے ۔

۸ - پھر آیت ۸ میں فرمایا: اللہ کے علم سے کوئی بات اور کوئی حالت پوشیدہ نہیں اور اس نے ہر بات کے لیے ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے ۔ اس سے باہر کوئی بات نہیں جاسکتی۔ پس وہ تمھاری نیتوں اور خیالوں سے بے خبر نہیں ۔ اس نے ہدایت و شقاوت کے معاملے کے لیے بھی اندازے ٹھیرا دیے ہیں ۔ جو ہدایت پائے گا اسی کے مطابق پائے گا، جو نہیں پائے گا اسی کے مطابق نہیں پائے گا ۔

وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ رات کی تاریکی میں چھپا ہو
بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝١٠ یا دن کی روشنی میں راہ چل
رہا ہو، ساری حالتیں اس کے لیے یکساں ہیں (اس کے علم سے
کوئی بات مخفی نہیں) ۱۰.
لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ انسان کے آگے اور پیچھے
يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ ایک کے بعد ایک آنے والی
يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (قوتیں) ہیں جو اللہ کے حکم
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ سے اس کی حفاظت کرتی ہیں.
حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۝ اللہ کبھی اس حالت کو نہیں
وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا بدلتا جو کسی گروہ کو حاصل
فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ ہوتی ہے، جب تک کہ وہ
مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝١١ خود ہی اپنی صلاحیت نہ بدل
ڈالے. اور (پھر) جب اللہ چاہتا ہے کسی گروہ کو (اس کی
تغیر صلاحیت کی پاداش میں) مصیبت پہنچے تو (مصیبت پہنچ
ہی کر رہتی ہے. وہ) کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی اور اللہ کے

سوا کوئی نہیں جو ان کا کار ساز ہو ۱۱ ۔

۱۱۔ ہدایت و شقاوت کا یہ اندازہ یعنی مقررہ قانون کیا ہے ؟ آیت ۱۱ میں فرمایا : عمل اور صلاحیت عمل کا قانون ہے ۔ یہی ایک کے بعد ایک آنے والی قوتیں ہیں جو حکم الہٰی سے انسان کی حفاظت کرتی ہیں ۔ یہ اس کے گزشتہ اعمال ہیں جن سے اس کا حال پیدا ہوتا ہے اور حال کے اعمال ہیں جو اس کا مستقبل بناتے ہیں ۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا : خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدل ڈالے ۔ یعنی اصل اس بارے میں خود انسان کا عمل ہے ۔ وہ جیسی حالت چاہے اپنے عمل اور صلاحیت عمل سے حاصل کر لے سکتا ہے ۔ اگر ایک قوم بد حال ہے اور وہ اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کر لیتی ہے جس سے خوش حالی پیدا ہوسکتی ہے تو خدا کا قانون یہ ہے کہ یہ تبدیلی فوراً اس کی حالت بدل دے گی اور بد حالی کی جگہ خوش حالی آجائے گی ۔ اسی طرح خوش حالی سے بد حالی کا تغیر بھی سمجھ لو ۔

پھر فرمایا : جب ایک قوم نے اپنی عملی صلاحیت کھودی اور اس طرح تبدیل حالت کی مستحق ہو گئی تو ضروری ہے کہ اسے برائی پہنچے ، یہ برائی کبھی ٹل سکتی نہیں ۔ ==

هُوَ الَّذِىْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ — وهی ہے جو تمہیں بجلی کی
خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنْشِئُ — چمك دکھاتا ہے، وہ دلوں میں
السَّحَابَ الثِّقَالَ ع ۱۲ — هراس بھی پیدا کر دیتی ہے

اور امید بھی . اور وہی ہے جو بادلوں کو (پانی سے) بوجھل کر دیتا ہے ۱۲ .

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ — اور بادلوں کی گرج اس کی
وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ع — ستایش کرتی ہے اور فرشتے
وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ — بھی اس کی دہشت سے سرگرم
فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ — ستایش رہتے ہیں . وہ بجلیاں
وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ ع — گراتا ہے اور جسے چاہتا ہے
وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۱۳ — ان کی زد میں لے آتا ہے .

لیکن یہ منکر ہیں کہ (اللہ کی قدرت و حکمت کی ان ساری

= کیوں کہ یہ خود خدا کی جانب سے ہوتی ہے، یعنی اس کے ٹھیرائے ہوئے قانون کا نفاذ ہوتا ہے اور خدا کے قانون کا نفاذ کون ہے جو روک سکے اور کون ہے جو کسی کو اس کی زد سے بچا سکے؟

نشانیوں سے آنکھیں بند کیے ہوے) اس (کی ھستی و یگانگت) کے بارے میں جھگڑ رہے ھیں، حالانکہ وہ (اپنی قدرت میں) بڑا ھی سخت اور اٹل ہے ۱۳ .

۱۲ و ۱۳ - لیکن یہ برائی جو پہنچتی ہے تو کیا اس لیے پہنچتی ہے کہ اس نے برائیوں کا سامان کر دیا ہے؟ آیت ۱۲ میں فرمایا کہ نہیں، اس نے تو جو کچھ بھی کیا ہے وہ بجز اچھائی اور خوبی کے اور کچھ نہیں ہے. لیکن اچھائی اور خوبی کی بڑی سے بڑی بات بھی تمھاری عاجز اور درماندہ نگاھوں کے لیے خوف و دہشت کی ہول ناکی بن جاتی ہے. تم اپنی حالت اور اضافت کے لحاظ سے سمجھنے لگتے ھو کہ برائی ہے اور تمھارے لیے برائی ھو بھی جاتی ہے، لیکن اس لیے نہیں کہ وہ فی نفسہ برائی ہے، بلکہ اس لیے کہ تمھاری حالت اور اضافت کے لحاظ سے برائی ھو گئی:

کفر هم نسبت بخالق حکمت است
چوں بما نسبت کنی کفر آفت است

یہ مقام تشریح طلب ہے اور تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مبحث "برھان رحمت" دیکھنا چاھیے.

چنانچہ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے ایک ایسی مثال بیان کی جو ھر انسان کے علم و مشاھدے میں ھمیشہ =

=آتی رھتی ھے. فرمایا: بجلی کا چمکنا مایوسیوں کے لیے پیام امید ھوتا ھے. اگر نہ چمکے تو باران رحمت کے ظہور کا پیغام بھی نہ ملے. لیکن تمھارے لیے یہ معاملہ خوف و امید کا معاملہ بن گیا. بارش کی امید سے خوش ھوتے ھو. لیکن ساتھ ھی بجلی کی تیزی سے ڈرنے بھی لگتے ھو. پھر وھی بجلی جو زمین کے لیے زندگیوں کا پیام ھے جب کسی انسان پر گرتی ھے تو اس کے لیے موت کا پیام بن جاتی ھے. اسی طرح بادل کا گرجنا تمھارے لیے سرتاسر دھشت و ھول ناکی ھے، حالانکہ وہ فی الحقیقت ھول ناکی نہیں ھے، سرتاسر خدا کی محمودیت کا اعلان ھے. وہ گرج گرج کر اس کی ستایشوں کا اعلان کرتا، اس کی تقدیس و تسبیح میں رطب اللسان ھوتا ھے. فرشتے اس کے خوف سے نہیں ڈرتے، خدا کے خوف سے ترساں رھتے ھیں. مگر تمھارے لیے وہ کائنات جو کی سب سے بڑی ھول ناکی ھو گئی ھے.

"و ھم یجادلون فی اللہ" یعنی اللہ کی قدرت وحکمت کی یہ نشانیاں ھمیشہ انسان کے علم و مشاھدے میں آتی رھتی ھیں، اس پر بھی اس کی غفلت کا یہ حال ھے کہ اللہ کی ھستی اور اس کی یگانگت کے بارے میں ھمیشہ جھگڑتا رھتا ھے. گویا یہ حقیقتیں ثابت نہیں، یہ نشانیاں کبھی ظہور ہی میں نہیں آئیں!

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ	اسی کو پکارنا سچا پکارنا ہے۔
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ	جو لوگ اس کے سوا دوسروں
لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ	کو پکارتے ہیں وہ پکارنے
اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى	والوں کی کچھ نہیں سنتے۔ ان
الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ	کی مثال ایسی ہے جیسے ایک
بِبَالِغِهٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ	آدمی (پیاس کی شدت میں)
اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ ۱۴	دونوں ہاتھ پانی کی طرف

پھیلائے کہ بس (اس طرح کرنے سے) پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے گا، حالانکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں (۱)۔ اور (یقین کرو!) منکرین حق کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں کہ ٹیڑھے رستوں میں بھٹکتے پھرنا ۱٤۔

---

۱٤ - قرآن کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ توحید ربوبیت و خالقیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے، چنانچہ یہاں بھی آیت ۱٤ سے سلسلۂ بیان اسی طرف پھر گیا ہے۔ فرمایا: عبودیت کی سچی پکار وہی ہے جس کا خطاب الله سے ہو۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں =

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَن فِى السَّمٰوٰتِ اور آسمانوں میں اور زمین
وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا میں جو کوئی بھی ہے اللہ ہی
وَظِلٰلُهُم بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۝ ۱۵ السجدة کے آگے سجدے میں گرا ہوا ہے السجدة ۲

(یعنی اللہ کے احکام و قوانین کے آگے جھکے بغیر اسے چارہ نہیں) خوشی سے ہو یا مجبوری سے ، اور (دیکھو!) ان کے سایے صبح و شام (کس طرح گھٹتے بڑھتے اور کبھی ادھر کبھی ادھر ہو جایا کرتے ہیں) ۱۵ .

= ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مٹھی میں پانی بند کرنا چاہے اور اسے اپنے تشنہ لبوں تک لے جانا چاہے . معلوم ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کبھی کام یاب نہ ہوگا ، اس کی کوششیں بھٹک بھٹک کر رہ جائیں گی !

۱۵ - آیت ۱۵ میں فرمایا : تمام مخلوقات اسی کے آگے چار و ناچار جھکی ہوئی ہے . کوئی مانے یا نہ مانے ، لیکن ہر آنکھ دیکھ لے سکتی ہے کہ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں . تم جو احکام الٰہی سے سرتابی کرنی چاہتے ہو خود اپنے سایے ہی کو دیکھ لو . جو اندازہ اس بارے میں بنا دیا گیا ہے اس سے کبھی وہ باہر نہیں جاسکتا . صبح کو چڑھتی دھوپ میں اس کا ایک خاص=

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ	(اے پیغمبر ! ان لوگوں سے)
وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ	پوچھو: آسمانوں کا اور زمین کا
اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ	پروردگار کون ھے؟ تم
لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ	کہو : اللہ ھے (اس کے سوا
نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ	کوئی نہیں) . پھر ان سے کہو:
يَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَ الْبَصِيْرُ ۙ۬	جب وھی پروردگار ھے تو پھر
اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ	یہ کیا ھے کہ تم نے اس کے سوا
وَ النُّوْرُ ۚ۬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ	دوسروں کو اپنا کار ساز
شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ	بنا رکھا ھے جو خود اپنی
فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ	جانوں کا نفع نقصان بھی اپنے
قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ	اختیار میں نہیں رکھتے ؟

= ڈھنگ ھوتا ھے ، شام کو ڈھلتی دھوپ میں ایک خاص
ڈھنگ. اگر غور کرو تو قدرت الٰہی کے احکام و قوانین
کے آگے ٹھیک اسی طرح تمہاری ھستیاں بھی مسخر ھیں ،
خواہ تمہیں اقرار ھو ، خواہ انکار .

وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ١٦ (نیز ان سے) کہو: کیا اندھا اور دیکھنے والا دونوں برابر ہیں؟ یا ایسا ہو سکتا ہے کہ اندھیرا اور اجالا برابر ہو جائے؟ یا پھر یہ بات ہے کہ ان کے ٹھیرائے ہوئے شریکوں نے بھی اسی طرح مخلوقات پیدا کی جس طرح اللہ نے پیدا کی ہے اور اس لیے پیدا کرنے کا معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا (کہ صرف اللہ ہی کے لیے نہیں ہے، دوسروں کے لیے بھی ہو سکتا ہے). تم ان سے کہو: اللہ ہی ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ (اپنی ساری باتوں میں) یگانہ ہے، سب کو مغلوب رکھنے والا ١٦ .

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً	اس نے آسمان سے پانی برسایا
فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا	تو اپنی سمائی کے مطابق وادیاں
فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا	بہ نکلیں اور میل پکھیل سے
رَّابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ	جھاگ بن بن کر پانی کی سطح
عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ	پر اٹھا تو سیلاب کی رو اسے
حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ	بہا لے گئی. اور (دیکھو!) اسی

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ	طرح کا جھاگ (میل کچیل سے)
وَالْبَاطِلَ ۥ فَاَمَّا الزَّبَدُ	اس وقت بھی اٹھتا ہے جب
فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا	لوگ زیور یا کوئی اور چیز
يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ	بنانے کے لیے (دھاتوں کو)
فِى الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ	آگ میں تپاتے ہیں ۔ حق اور
اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ ١٧	باطل کے معاملے کی مثال ایسی

ہی سمجھو جو اللہ بیان کر دیتا ہے ۔ پس (میل کچیل کا) جھاگ (جو کسی کام کا نہ تھا) رایگاں گیا اور جس چیز میں انسان کے لیے نفع تھا وہ زمین میں رہ گئی ۔ اسی طرح اللہ (لوگوں کی سمجھ بوجھ کے لیے) مثالیں بیان کر دیتا ہے ١٧ ۔

١٧ - آیت ١٧ مہمات معارف میں سے ہے اور سورت کے تمام مواعظ کے لیے مرکزی موعظت ہے ۔ فرمایا : یہ جو کچھ بھی ہے ''حق'' اور ''باطل'' کی آویزش ہے ۔ لیکن ''حق'' اور ''باطل'' کی حقیقت کیا ہے ؟ کونسا قانون الٰہی ہے جو اس کے اندر کام کر رہا ہے ؟ یہاں واضح کیا ہے کہ یہ ''بقاء انفع'' کا قانون ہے ، یعنی اللہ =

= نے کائنات ہستی کے قیام و اصلاح کے لیے یہ قانون ٹھیرا دیا ہے کہ یہاں وہی چیز باقی رہ سکتی ہے جس میں نفع ہو. جس میں نفع نہیں وہ ٹھیر نہیں سکتی، اسے نابود ہوجانا ہے. اس نازک اور دقیق حقیقت کے لیے کیسی صاف اور عامة الورود مثال بیان کردی جس کے معاینے سے کوئی انسانی نگاہ بھی محروم نہیں ہوسکتی! فرمایا: جب پانی برستا ہے اور زمین کے لیے شادابی و گل ریزی کا سامان مہیا ہونے لگتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ تمام وادیاں نہروں کی طرح رواں ہوجاتی ہیں. لیکن پھر کیا تمام پانی رک جاتا ہے؟ کیا میل کچیل اور کوڑا کرکٹ اپنی اپنی جگہ تھمے رہتے ہیں؟ کیا زمین کی گود ان کی حفاظت کرتی رہتی ہے؟ نہیں! زمین کو اپنی نشو و نما کے لیے جس قدر پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ جذب کرلیتی ہے، ندی نالوں میں جس قدر سمائی ہوتی ہے اتنا پانی وہ روک لیتے ہیں، باقی پانی جس تیزی کے ساتھ گرا تھا ویسی ہی تیزی سے بہ بھی جاتا ہے. میل کچیل اور کوڑا کرکٹ جھاگ بن بن کر سمٹتا اور ابھرتا ہے. پھر پانی کی روانی اسے اس طرح اٹھا کر لے جاتی ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد وادی کا ایک ایک گوشہ دیکھ جاؤ کہیں اس کا نام و نشان بھی نہیں ملے گا!

=

= اسی طرح جب چاندی سونا یا اور کسی طرح کی دھات آگ پر تپاتے ھو تو کھوٹ الگ ھو جاتا ھے، خالص دھات الگ نکل آتی ھے۔ کھوٹ کے لیے نابود ھو جانا ھے، خالص دھات کے لیے باقی رھنا۔

ایسا کیوں ھوتا ھے؟ اس لیے کہ یہاں بقاء انفع کا قانون کام کر رھا ھے۔ یہاں باقی رھنا اسی کے لیے ھے جو نافع ھو، جو نافع نہیں وہ چھانٹ دیا جائے گا۔ یہی حقیقت ''حق'' اور ''باطل'' کی ھے۔ ''حق'' وہ بات ھے جس میں نفع ھے، پس وہ کبھی مٹنے والی نہیں۔ ٹکنا، ثابت ھونا، باقی رھنا اس کا قدرتی خاصہ ھے اور ''حق'' کے معنی ھی قیام و ثبات ھیں۔ لیکن ''باطل'' وہ ھے جو نفع نہیں، اس لیے اس کا قدرتی خاصہ ھی یہ ھوا کہ مٹ جائے، محو ھو جائے، ٹل جائے: ''ان الباطل کان زھوقا'' (۱۷ : ۸۱)۔

اسی حقیقت کا ایک گوشہ ھے جسے ھم نے ''بقاء اصلح'' کی شکل میں دیکھا ھے۔ لیکن قرآن نے ''اصلح'' نہیں کہا، ''انفع'' کہا، کیوں کہ صالح وھی ھے جو نافع ھو۔ کارخانۂ ھستی کی فطرت میں بناوٹ اور تکمیل ھے اور تکمیل جبھی ھو سکتی ھے جب کہ صرف نافع اشیاء ھی باقی رکھی جائیں، غیر نافع چھانٹ دی جائیں۔ =

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ
الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا
لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ
جَمِيعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ
لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَمَاْوٰىهُمْ
النصف ع ۲ ۸ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ ۱۸

جن لوگوں نے اپنے پروردگار
کا حکم قبول کیا تو ان کے لیے
سر تا سر خوبی ہے ۔ جنهوں
نے قبول نہیں کیا (ان کے تمام
اعمال رایگاں جائیں گے، وہ
نامرادی و بد حالی سے کسی
طرح بچ نہیں سکتے) اگر
کرۂ ارضی کی تمام دولت ان کے اختیار میں آجائے اور اسے دوگنا
کردیا جائے تو یہ لوگ اپنے بدلے میں ضرور اسے بطور فدیے
کے دے دیں (کہ کسی طرح عذاب نامرادی سے بچاؤ مل جائے،
مگر انہیں ملنے والا نہیں) ۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے حساب کی
سختی ہے اور ٹھکانا جہنم اور (جس کا ٹھکانا جہنم ہو تو) کیا

= یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے جابجا ”قضاء بالحق“
سے بھی تعبیر کیا ہے، یعنی حق کا فیصلہ ۔ مزید تشریح کے
لیے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاہیے ۔

ھی برا ٹھکانا ھے ! ۱۸

اَفَمَنۡ يَّعۡلَمُ اَنَّمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَـقُّ كَمَنۡ هُوَ اَعۡمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِۙ‏ ۱۹

(اے پیغمبر!) کیا ایسا ھو سکتا ھے کہ دونوں آدمی برابر ھو جائیں؟ وہ جو یہ بات جان گیا ھے کہ جو بات تجھ پر تیرے پروردگار کی جانب سے اتری ھے حق ھے اور وہ جو (اس حقیقت کے مشاھدے سے) اندھا ھے؟ حقیقت یہ ھے کہ وھی لوگ سمجھتے بوجھتے ھیں جو دانش مند ھیں ۱۹ .

---

۱۸ - پھر آیت ۱۸ میں وضاحت کرتے ھوے فرمایا:
اسی قانون کا یہ نتیجہ ھے کہ جو لوگ احکام حق قبول کرتے ھیں ان کے لیے خوبی ھوتی ھے، جو نہیں کرتے ان کے لیے محرومی ھوتی ھے . کیوں کہ جنھوں نے قبول کیا ان کے اعمال نافع ھو گئے، اب نافع عمل مٹ نہیں سکتا . جنھوں نے انکار کیا وہ غیر نافع ھو گئے، غیر نافع باقی نہیں رہ سکتا .

۱۹ - آیت ۱۹ میں فرمایا: جسے حق کا علم و عرفان حاصل ھو گیا اور جس نے جان لیا کہ یہ بات سچائی ھے، یہ سچائی نہیں، کیا اس کا اور اس آدمی کا ایك ھی حکم =

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۲۰

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ اپنا عہد (عبودیت) پورا کرتے ہیں ، اپنا قول و قرار توڑنے والے نہیں ۲۰ .

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۲۱

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا انہیں جوڑے رکھتے ہیں ، اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، حساب سختی کے خیال سے اندیشہ ناک رہتے ہیں ۲۱ .

=ہو سکتا ہے جو تاریکی میں ہے اور حق کے مشاہدے سے اندھا ہو رہا ہے ؟ یعنی پہلا تو علم و بصیرت پیش کر رہا ہے ، دوسرے کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں کہ کہتا ہے کہ مجھے دکھائی نہیں دیتا . پس پہلے کی جگہ علم کی ہوئی ، دوسرے کی جہل و کوری کی ہوئی . دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں ؟

' انما یتذکر اولوا الالباب '' نصیحت پذیر وہی ہو سکتے ہیں جو اصحاب دانش ہیں ، جنھوں نے دانش و فہم سے منہ موڑ لیا ان سے کوئی توقع نہیں .

وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ
رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ
بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۲۲

اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے
اللہ سے محبت کرتے ہوئے
(ہر طرح کی نا گواریوں اور
سختیوں میں) صبر کیا، نماز
قائم کی، جو کچھ روزی انہیں
دے رکھی ہے، اس میں سے
خرچ کرتے رہے، پوشیدگی میں بھی اور کھلے طور پر بھی۔
انھوں نے برائی کے مقابلے میں برائی نہیں کی، جب پیش آئے
اچھائی ہی سے پیش آئے تو (بلا شبہ) یہی لوگ ہیں کہ ان کے
لیے عاقبت کا گھر ہے ۲۲۔

۲۰ تا ۲۲ - اس کے بعد ان لوگوں کے اعمال گنائے
ہیں جنھوں نے احکام حق قبول کیے اور دنیا کے لیے
نافع ہو گئے۔ یہ اعمال کیا کیا ہیں؟

(ا) اللہ کی بندگی کا عہد پورا کرتے ہیں، اپنی عبودیت
میں سچے اور کامل ہیں۔

(ب) اللہ نے جو رشتے جوڑ دیے ہیں انہیں ظلم
و نا انصافی سے توڑتے نہیں، بلکہ ہر رشتے کا پاس =

=کرتے اور ہر علاقے کا حق ادا کرتے ہیں. اس عمل میں تمام حقوق العباد آ گئے ، جس طرح پہلی بات میں حقوق اللہ آ گئے ہیں .

(ج) آخرت کی فکر سے بے پروا نہیں ہوتے. جو کچھ کرتے ہیں اس میں خوف آخرت کی کھٹک موجود ہوتی ہے. وہ یقین رکھتے ہیں کہ کسی کے آگے ایک دن حساب دینا ہے اور حساب کی سختی پیش آنے والی ہے .

(د) اللہ کی محبت میں ہر طرح کی نا گوار حالتیں صبر و ثبات کے ساتھ جھیل لیتے ہیں . شدتوں اور محنتوں سے منہ نہیں موڑتے، آزمایشوں کو پیٹھ نہیں دکھاتے .

(ہ) نماز اس کی ساری شرطوں کے ساتھ قائم رکھتے ہیں .

(و) جو کچھ کماتے ہیں اسے صرف اپنے نفس ہی پر خرچ نہیں کرتے، دوسروں پر بھی خرچ کرتے ہیں اور ہر حال میں خرچ کرتے ہیں ، کھلے طور پر بھی ، پوشیدہ طور پر بھی .

(ز) بدی کے بدلے بدی کرنا ان کا شیوہ نہیں . کوئی ان کے ساتھ کتنی ہی برائی کرے، یہ بھلائی ہی سے پیش آئیں گے .

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا همیشگی کے باغ جن میں وہ
وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ خود بھی داخل ہوں گے اور
وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ ان کے آبا و اجداد، بیویوں اور
وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ اولاد میں سے جو نیک کردار
عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ ۲۳ ہوں گے (وہ بھی جگہ پائیں گے)
اور (وہاں کی زندگی ایسی ہوگی کہ) ہر دروازے سے فرشتے
ان پر آئیں گے ۲۳ .

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ (اور کہیں گے) "یہ جو تم نے .
فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۲۴ (دنیا کی زندگی میں) صبر کیا
تو اس کی وجہ سے (آج) تم پر سلامتی ہو". پھر کیا ہی اچھا
عاقبت کا ٹھکانا ہے (جو ان لوگوں کے حصے میں آیا) ۲۴ .

وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ اور جن لوگوں کا حال یہ ہے
مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ کہ اللہ کا عہد مضبوط کرنے
وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ کے بعد پھر اسے توڑ دیتے ہیں

بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝۲۵

اور جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا ھے انہیں قطع کر ڈالتے ھیں اور ملک میں شر و فساد برپا کرتے ھیں تو ایسے ھی لوگ ھیں که ان کے لیے لعنت ھے اور ان کے لیے برا ٹھکانا ۲۵ .

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ وَ فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ

۳ ع ۹ اِلَّا مَتَاعٌ ۝۲۶

الله جس کی روزی چاھتا ھے فراخ کر دیتا ھے، اور (جس کی چاھتا ھے) نپی تلی کر دیتا ھے. لوگ دنیا کی (چند روزہ) زندگی (اور اس کے عارضی فوائد) پر شادمانیاں کرتے ھیں، حالانکه دنیا کی زندگی تو آخرت کی زندگی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ھے، محض تھوڑا سا برت لینا ھے ۲۶ .

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ٢٧

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ کہتے ہیں: ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس شخص پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی (عجیب و غریب) نشانی اترتی؟ (اے پیغمبر!) تم کہہ دو: اللہ جسے چاہتا ہے (کام یابی و سعادت کی) راہ میں گم کر دیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع ہوتا ہے تو اسے اپنی طرف بڑھنے کی راہ دکھا دیتا ہے ٢٧.

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ٢٨

(جو اس کی طرف رجوع ہوئے تو یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو گئے. اور یاد رکھو! یہ اللہ کا ذکر ہی ہے جس سے دلوں کو چین اور قرار ملتا ہے (اور شک و شبہ اور خوف و غم کے سارے کانٹے نکل جاتے ہیں) ٢٨.

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝ ۲۹

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو ان کے لیے خوش حالیاں هیں اور (بالآخر) بہت اچھا ٹھکانا ۲۹.

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝ ۳۰

(اور اے پیغمبر!) اسی طرح یہ بات ہوئی که هم نے تجھے ایک امت کی طرف بھیجا جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی هیں (اور ان سب میں سچائی کے پیغام بر اپنے اپنے وقتوں میں ظاهر هو چکے هیں). اور اس لیے بھیجا که جو بات تجھ پر اتاری هے وه ان لوگوں کو پڑھ کر سنا دے اور ان کا حال یه هے که سرے سے خدائے رحمٰن هی کے قائل نہیں . تم

(ان سے) کہہ دو: وہی میرا پروردگار ہے، کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں ۳۰۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ	اور (دیکھو!) اگر ایسا
بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ	ہو سکتا کہ کسی قرآن سے
بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ	پہاڑ چلنے لگتے یا زمین کی
الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ	(بڑی بڑی) مسافتیں طے ہو جاتیں
جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــــَٔسِ	یا مردے بول اٹھتے (تو ضرور
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ	اس قرآن سے بھی ایسا ہی
وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	ہوتا) مگر نہیں! ساری باتوں
تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا	کا اختیار اللہ ہی کو ہے (اور
قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ	اس کی یہ سنت نہیں کہ ایسا
دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ	کرے۔ وہ اپنا کلام ارشاد
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ع ۳۱	و ہدایت کے لیے نازل کرتا

ع ٤ ١٠

ہے ، نہ کہ عجائب آفرینیوں کے لیے). پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں کیا وہ (اس بات سے) مایوس نہیں ہو گئے کہ (نہ ماننے والے کبھی ماننے والے نہیں ؟ کیا انہوں نے یہ بات نہیں پالی کہ) اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو (ایک ہی) راہ حق دکھا دیتا ؟ (مگر اس نے ایسا نہیں چاہا . اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں استعداد و عمل کی آزمایشیں ہوں). اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (وہ یوں ماننے والے نہیں) انہیں ان کے کرتوتوں کی پاداش میں کوئی نہ کوئی سخت عقوبت پہنچتی ہی رہے گی یا ایسا ہوگا کہ ان کے ٹھکانے کے قریب ہی آ نازل ہو گی، یہاں تک کہ وہ وقت آجائے جب اللہ کا وعدہ ظہور میں آنے والا ہے . بلا شبہ (اس کا وعدہ سچا ہے) وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا ۳۱ .

---

۳۱ - آیت ۳۱ میں یہ حقیقت واضح کی کہ اللہ کی کتاب ہدایت خلق کے لیے نازل ہوتی ہے ، عجائب آفرینیوں کے لیے نازل نہیں ہوتی . اگر کوئی کتاب اس لیے نازل ہوئی ہوتی کہ پہاڑوں کو چلا دے اور مردوں سے صدائیں نکال دے تو تم پر بھی ایسی ہی چیز اترتی ، لیکن نہ ایسا ہوا ہے نہ اب ہوگا. اس طرح کی عجائب آفرینیوں کی فرمایش اس بات کی دلیل ہے کہ دلوں میں سچائی کی طلب نہیں. اگر طلب ہوتی تو پہاڑوں =

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ قف فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ ۳۲

اور (اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے بھی ایسا ہی ہو چکا ہے کہ پیغمبروں کی ہنسی اڑائی گئی اور ہم نے (اپنے مقررہ قانون کے مطابق) پہلے انہیں ڈھیل دی، پھر گرفتار کر لیا تو (دیکھو!) ہمارا ٹھیرایا ہوا بدلا کیسا تھا (اور کس طرح ظہور میں آیا!) ۳۲

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ

پھر جس ہستی کے علم و احاطے کا یہ حال ہے کہ ہر جان پر نگاہ رکھتی ہے کہ اس نے اپنے عملوں سے کیسی کمائی کی، (وہ کیا ان ہستیوں کی طرح سمجھ لی جاسکتی ہے جنہیں ان

=کے چلنے کا انتظار نہ کرتے، یہ دیکھتے کہ انسانوں کے دلوں کو کس راہ چلاتی ہے اور مردہ جسموں کی جگہ مردہ روحوں کو کس طرح زندہ کر دیتی ہے!

كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا
عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
هَادٍ ۝ ۳۳

لوگوں نے معبود بنا رکھا ھے؟) اور انھوں نے اللہ کے لیے شریک ٹھیرا رکھے ھیں۔ (اے پیغمبر!) ان سے پوچھ:

وہ کون ھیں؟ ان کے اوصاف بیان کرو! یا پھر تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دینی چاھتے ھو جو خود اسے بھی معلوم نہیں کہ زمین میں کہاں ھے؟ یا پھر محض ایک دکھاوے کی بات ھے جس کی تہ میں کوئی اصلیت نہیں؟ اصل یہ ھے کہ منکروں کی نگاھوں میں ان کی مکاریاں خوش نما بن گئیں اور راہ حق میں قدم اٹھانے سے رک گئے اور جس پر اللہ (کام یابی کی) راہ بند کردے تو کون ھے جو اسے راہ دکھانے والا ھو سکتا ھے ۳۳۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ
وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ
وَّاقٍ ۝ ۳۴

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ھے (اور آخرت میں بھی) اور آخرت کا عذاب یقیناً بہت زیادہ سخت ھوگا اور کوئی نہیں جو انھیں اللہ (کے قوانین کی پکڑ) سے بچا سکے ۳۴۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝٣٥

متقی انسانوں کے لیے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے اور اس کے تلے نہریں رواں ہیں (جن کی آبیاری اسے ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھتی ہے)۔ اس کے پھل دائمی ہیں (کبھی ختم ہونے والے نہیں)۔ اس کے درختوں کی چھاؤں بھی ہمیشگی کی (کبھی بدلنے والی نہیں)۔ یہ ہے ان لوگوں کا انجام جنھوں نے تقوے کی راہ اختیار کی اور کافروں کا انجام آگ ہے ۳۵۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ

اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں کو ہم نے کتاب (ہدایت) دی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ اس بات سے خوش ہوتے ہیں جو تجھ پر اتاری گئی ہے۔

بِهٖ ؕ اِلَيۡهِ اَدۡعُوۡا وَاِلَيۡهِ مَاٰبِ ۝۳٦

اور ان جماعتوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں اس کی بعض باتوں سے انکار ہے. تو تم کہہ دو : مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی بندگی کروں اور کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤں. اسی کی طرف تمہیں بلاتا ہوں اور اس کی طرف میرا رخ ہے ٣٦.

وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ حُكۡمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝۳۷ ع ١١

اور اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے اسے (یعنی قرآن کو) ایک عربی فرمان کی شکل میں اتارا (یعنی عربی زبان میں اتارا). اگر حصول علم کے بعد تو نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی تو سمجھ لے کہ پھر اللہ کے مقابلے میں نہ تو تیرا کوئی کارساز ہوگا نہ بچانے والا ٣٧.

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے بھی (بے شمار)

اَزْوَاجاً وَّذُرِّيَّةً ط وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللهِ ط لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ ۳۸

پیغمبر قوموں میں پیدا کیے اور (وہ تیری ہی طرح انسان تھے) ہم نے انہیں بیویاں بھی دی تھیں اور اولاد بھی۔ اور کسی پیغمبر کے لیے یہ بات نہ ہوئی کہ وہ (خود) کوئی نشانی لا دکھاتا مگر اسی وقت کہ اللہ کا حکم ہوا ہو۔ ہر وقت کے لیے ایک کتاب ہے ۳۸ ۔

يَمْحُوا اللهُ مَايَشَآءُ وَيُثْبِتُ ج صلے وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ ۳۹

اللہ جو بات چاہتا ہے مٹا دیتا ہے ، جو چاہتا ہے نقش کر دیتا ہے اور کتاب کی اصل و بنیاد اسی کے پاس ہے ۳۹ ۔

۳۸ - آیت ۳۸ میں فرمایا ''لکل اجل کتاب''۔ اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ہم نے ترجمے میں اختیار کیا ہے۔ دوسرا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر بات کے مقررہ وقت کے لیے ایک نوشتہ ہے، یعنی طے شدہ میعاد ہے اور وہ اس سے پہلے ظہور میں نہیں آسکتی ۔

وَاِنْ مَا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ ٤٠

اور هم نے ان لوگوں سے (یعنی کفار مکه سے ظهور نتائج کے) جو وعدے کیے هیں (کچھ ضرور نهیں که بیک دفعه سب ظهور میں آجائیں) . هو سکتا هے که ان میں سے بعض باتیں هم تجھے تیری زندگی هی میں دکھا دیں، هو سکتا هے که ان سے پهلے تیرا وقت پورا کر دیں. بهر حال جو کچھ تیرے ذمے هے وه یهی هے که پیام حق پهنچا دینا . ان سے (ان کے کاموں کا) حساب لینا همارا کام هے، تیرا کام نهیں . ٤٠ .

---

٤٠ - آیت ٤٠ سے آخر سورت تک سورت کے تمام مواعظ کا خلاصه هے . فرمایا: تمهارے ذمے جو کچھ هے وه تو یه هے که پیام حق پهنچا دو. محاسبه الله کا کام هے اور وه حساب لے کر رهے گا. هوسکتا هے که جن جن باتوں کا وعده کیا گیا هے تمهاری زندگی هی میں ظاهر هو جائیں، هو سکتا هے که تمهارے بعد ظهور میں آئیں. یه بات که ان نتائج و عواقب کا ظهور تمهارے سامنے نه هوا، مواعید الٰهی کی صداقت پر کچھ اثر نهیں ڈال سکتی . =

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ	پھر کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں
نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا	کہ ہم اس سر زمین کا قصد

= یہ بات مختلف سورتوں میں بار بار کہی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس سے مقصود صرف یہی نہیں تھا کہ مستقبل کی خبر دے دی جائے، بلکہ یہ حقیقت بھی واضح کرنی تھی کہ کوئی شخصیت کتنی ہی اہم ہو، لیکن پھر شخصیت ہے اور کاروبار حق کا معاملہ اس کی موجودگی و عدم موجودگی پر موقوف نہیں۔ جو کچھ ہونا چاہئے اور جو کچھ ہونے والا ہے بہر حال ہو کر رہے گا، خواہ پیغمبر اپنی زندگی میں اس کا ظہور دیکھ لے، یا نہ دیکھ سکے۔

پھر غور کرو! نتائج کا ظہور بھی ٹھیک ٹھیک اسی طرح ہوا۔ جن باتوں کی خبر دی گئی تھی ان کا بڑا حصہ تو خود پیغمبر اسلام کی زندگی ہی میں ظاہر ہو گیا، یعنی انھوں نے دنیا چھوڑنے سے پہلے تمام جزیرۂ عرب کو حلقہ بگوش اسلام پایا۔ البتہ بعض باتوں کا ظہور آپ کے بعد ہوا، مثلاً منافقوں کا استیصال، بیرونی فتوحات کا حصول اور خلافت ارضی کے وعدے کی تکمیل۔

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝٤١

کر رہے ہیں، اسے اطراف سے گھٹاتے ہوئے (اور ظالموں پر عرصۂ حیات تنگ کرتے ہوئے)؟ اور اللہ ہے جو فیصلہ کرتا ہے، کوئی نہیں جو اس کا فیصلہ ٹال سکے۔ وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے ٤١ ۰

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝٤٢

اور جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں انہوں نے بھی (دعوت حق کے مقابلے میں) مخفی تدبیریں کی تھیں۔ سو (یاد رکھو!) ہر طرح کی تدبیریں

---

٤١ - آیت ٤١ میں خبر دی گئی ہے کہ وہ "سریع الحساب" ہے، اس لیے ظہور نتائج کا وقت دور نہیں۔ نیز یہ کہ دعوت حق کی فتح مندی اس طرح ظہور میں آئے گی کہ بتدریج مکہ کے اطراف و جوانب قریش مکہ کے تسلط سے کٹتے جائیں گے اور بالآخر مکہ بھی فتح ہو جائے گا۔

اللہ ھی کے لیے ھیں۔ وہ جانتا ھے کہ ھر انسان کیا کمائی کر رھا ھے اور وہ وقت دور نہیں کہ کافروں کو معلوم ھو جائے گا کس کا انجام بخیر ھونے والا ھے ۴۲۔

وَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَ بَيْنَكُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتٰبِ ؏ ۴۳

(اے پیغمبر!) منکرین حق کہتے ھیں: تو خدا کا بھیجا ھوا نہیں۔ تو کہہ دے: میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواھی بس کرتی ھے اور اس کی جس کے پاس کتاب کا علم ھے ۴۳۔

ع ۶ ۱۲

۴۳ - آخری آیت میں واضح کر دیا کہ حق و باطل کی موجودہ آویزش کا نقطۂ نزاع کیا ھے۔ فرمایا: تمہارا دعوی ھے کہ اللہ کی طرف سے بھیجے ھوے ھو۔ منکر کہتے ھیں: نہیں! تم بھیجے ھوے نہیں۔ اب قانون قضاء بالحق کے مطابق فیصلہ اللہ کے ھاتھ ھے اور اس کی شہادت بس کرتی ھے۔

اللہ کی شہادت سے مقصود بھی قضاء بالحق اور بقاء انفع کے قانون کا نفاذ ھے جو ظاھر ھو کر بتلا دیتا ھے کہ حق کس کے ساتھ تھا اور باطل کا کون پرستار تھا۔ مزید تشریح کے لیے تفسیر سورۂ فاتحہ کا مطالعہ کرو۔

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ٤١

کر رہے ہیں، اسے اطراف سے گھٹاتے ہوئے (اور ظالموں پر عرصۂ حیات تنگ کرتے ہوئے)؟ اور اللہ ہے جو فیصلہ کرتا ہے، کوئی نہیں جو اس کا فیصلہ ٹال سکے۔ وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے ٤١۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۚ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۚ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ ٤٢

اور جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں انہوں نے بھی (دعوت حق کے مقابلے میں) مخفی تدبیریں کی تھیں، سو (یاد رکھو!) ہر طرح کی تدبیریں

---

٤١ - آیت ٤١ میں خبر دی گئی ہے کہ وہ "سریع الحساب" ہے، اس لیے ظہور نتائج کا وقت دور نہیں۔ نیز یہ کہ دعوت حق کی فتح مندی اس طرح ظہور میں آئے گی کہ بتدریج مکہ کے اطراف و جوانب قریش مکہ کے تسلط سے کٹتے جائیں گے اور بالآخر مکہ بھی فتح ہو جائے گا۔

الله ھی کے لیے ھیں ۔ وہ جانتا ھے کہ ھر انسان کیا کمائی کر رھا ھے
اور وہ وقت دور نہیں کہ کافروں کو معلوم ھو جائے گا کس
کا انجام بخیر ھونے والا ھے ٤٢ ۔

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ؑ ٤٣

(اے پیغمبر!) منکرین حق کہتے ھیں: تو خدا کا بھیجا ھوا نہیں ۔ تو کہہ دے: میرے اور تمھارے درمیان اللہ کی گواھی بس کرتی ھے اور اس ع ٦ ١٢
کی جس کے پاس کتاب کا علم ھے ٤٣ ۔

٤٣ - آخری آیت میں واضح کر دیا کہ حق و باطل کی موجودہ آویزش کا نقطۂ نزاع کیا ھے ۔ فرمایا: تمھارا دعوٰی ھے کہ اللہ کی طرف سے بھیجے ھوے ھو ۔ منکر کہتے ھیں: نہیں! تم بھیجے ھوے نہیں ۔ اب قانون قضاء بالحق کے مطابق فیصلہ اللہ کے ھاتھ ھے اور اس کی شہادت بس کرتی ھے ۔

اللہ کی شہادت سے مقصود بھی قضاء بالحق اور بقاء انفع کے قانون کا نفاذ ھے جو ظاھر ھو کر بتلا دیتا ھے کہ حق کس کے ساتھ تھا اور باطل کا کون پرستار تھا ۔ مزید تشریح کے لیے تفسیر سورۂ فاتحہ کا مطالعہ کرو ۔

سورۃ ابراھیم - ۱۴

مکیة وھی اثنتان و خمسون اٰیة

مکی ۵۲۰ آیات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ الف لام را ، یہ ایک کتاب ھے

اس سورت کی خصوصیت یہ ھے کہ اس میں انبیاء کے ظہور اور اس کے احوال و ظروف اور نتائج کو مجموعی طور پر پیش کیا گیا ھے .

بیان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ھے ، یعنی اس باب میں ان کی موعظت نقل کی گئی ھے . پھر سلسلۂ بیان دعوت قرآن کے ظہور پر متوجہ ھو گیا ھے اور واضح کیا ھے کہ جو نتائج ھمیشہ نکل چکے ھیں ویسے ھی نتائج اب بھی نکلیں گے .

آخر میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ھے کہ دعوت قرآن دراصل دعوت ابراھیمی کی تجدید ھے اور اسی عہد الٰہی کا ظہور ھے جو حضرت ابراھیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا . =

اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ	جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ	تاکہ لوگوں کو ان کے پروردگار
بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ	کے حکم کی تعمیل میں تاریکیوں
الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ ۱	سے نکالے اور روشنی میں

لائے کہ غالب اور ستودہ خدا کی راہ ہے ۱ .

اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ	وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں میں
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَوَيْلٌ	ہے اور جو کچھ زمین میں ہے
لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ۲	سب اسی کا ہے (اور سب

= ایک خاص بات یہ بھی نمایاں ہے کہ خطاب کا رخ زیادہ تر رؤساء قریش کی طرف ہے جن کے ہاتھ میں ملک کی ریاست و پیشوائی کی باگ تھی .

۱ - ہدایت روشنی ہے اور ضلالت تاریکی . سنت الٰہی یہ ہے کہ جب تاریکی پھیل جاتی ہے تو وہ ہدایت وحی کے ذریعے انسانوں کو تاریکی سے نکالتا اور روشنی میں لاتا ہے . چنانچہ قرآن کا ظہور اسی روشنی کا پیام ہے اور ایسا ہی پیام حضرت موسیٰ نے بھی دیا تھا .

اسی کے احکام کے آگے جھکے ہوے ہیں) اور عذاب سخت کی
خرابی ہے ان منکروں کے لیے ۲ .

الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ	جنھوں نے آخرت چھوڑ کر
الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ	دنیا کی زندگی پسند کرلی اور
وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	جو اللہ کی راہ سے انسانوں کو
وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ	روکتے ہیں اور چاہتے ہیں
فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ۞ ۳	اس میں کجی ڈالیں . یہی لوگ

ہیں کہ بڑی گہری گمراہی میں جا پڑے ۳ .

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ	اور ہم نے کوئی پیغمبر دنیا
اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ	میں نہیں بھیجا مگر اس طرح
لَهُمْ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ	کہ اپنی قوم ہی کی زبان میں
یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ	پیام حق پہنچانے والا تھا تاکہ
یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ	لوگوں پر مطلب واضح کردے.
الْحَكِیْمُ ۞ ٤	پس اللہ جس پر چاہتا ہے

(کام یابی کی) راہ گم کردیتا ھے، جس پر چاھتا ھے کھول دیتا ھے. وہ غالب ھے حکمت والا ٤ .

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسٰی	اور (دیکھو!) یہ واقعہ ھے کہ
بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ	ھم نے اپنی نشانیوں کے ساتھ
مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ	موسٰی کو بھیجا تھا کہ اپنی قوم
وَذَکِّرْھُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِیْ	کو تاریکیوں سے نکالے اور
ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ	روشنی میں لائے، نیز یہ کہ اللہ کے
شَكُوْرٍ ٥ °	(فیصلہ کن) واقعات کا تذکرہ

کرکے وعظ و نصیحت کرے، کیوں کہ ھر اس انسان کے لیے جو صبر و شکر کرنے والا ھے اس تذکیرے میں (عبرت و موعظت کی) بڑی ھی نشانیاں ھیں ° .

° - سورۂ ھود کے آخری نوٹ میں یہ بات واضح کی جا چکی ھے کہ کیوں گزشتہ اقوام کے وقائع و ایام کو "ایام اللہ" سے تعبیر کیا گیا ھے۔ یہاں فرمایا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کو وحی الٰہی سے ایما ھوا تھا کہ اپنی قوم کو "ایام اللہ" کی عبرتیں اور بصیرتیں یاد دلائیں،=

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ	اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ
اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ	موسیٰ نے اپنی قوم کو (وعظ
اِذْ اَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ	و نصیحت کرتے ہوئے)

= کیوں کہ ان میں صبر و شکر کرنے والوں کے لیے فتح و کامرانی کی بڑی بڑی نشانیاں پوشیدہ ہیں۔

بنی اسرائیل مصر میں عرصے تک مظلومی و مقہوری کی زندگی بسر کرچکے تھے، اس لیے طبیعتوں میں مایوسی و بے ہمتی سرایت کر گئی تھی۔ مستقبل کے فتح و اقبال کی بشارتیں سنتے، مگر اپنے دل میں عزم و ثبات کے ولولے نہیں پاتے تھے۔ پس حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ انہیں "ایام اللہ" کے تذکرے سناؤ۔ ان تذکروں میں قوانین حق کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں، یعنی بڑی بڑی دلیلیں ہیں۔ یہ دلیلیں واضح کردیں گی کہ جو لوگ مصائب و محن کے مقابلے میں ہمت نہیں ہار دیتے، سچائی کی راہ میں جمے رہتے ہیں اور سعی و عمل سے گھبراتے نہیں، ان کی کامیابی قطعی اور اٹل ہوتی ہے اور ہمیشہ ایسے ہی لوگ فتح و مراد سے ہم آغوش ہوئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آیت ٥ میں فرمایا: اس تذکرے میں صبر و شکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۚ ٦

کہا تھا: اللہ نے تم پر جو احسان کیے ہیں انہیں نہ بھولو۔ اس نے تمہیں خاندان فرعون (کی غلامی) سے نجات دی (اور یہ اس کا کتنا بڑا احسان ہے!) وہ تمہیں کیسے جان کاہ عذابوں میں ڈالتے تھے! تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے (تاکہ تمہاری تعداد بڑھنے نہ پائے) تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے (کہ ان کی باندیاں بن کر زندگی بسر کریں)۔ دیکھو! اس صورت حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے کیسی سخت آزمایش تھی! ٦۔

ع ١٣

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ ٧

اور (کیا وہ وقت بھول گئے) جب تمہارے پروردگار نے (اپنے اس قانون کا) اعلان کیا تھا: اگر تم نے شکر کیا تو میں تمہیں اور زیادہ نعمتیں بخشوں گا اور اگر ناشکری کی

تو (پھر یاد رکھو!) میرا عذاب بھی بڑا سخت عذاب ہے! ٧

٧ - "صبر" کے معنیٰ یہ ہیں کہ مشکلوں، مصیبتوں کے مقابلے میں جمے رہنا۔ "شکر" کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں کی قدر کرنا اور انہیں ٹھیک ٹھیک کام میں لانا۔ آیت ٧ میں فرمایا: خدا کا مقررہ قانون ہے کہ جو قوم شکر کرتی ہے، یعنی خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدر بجا لاتی ہے اور انہیں ٹھیک طور پر کام میں لاتی ہے، خدا اسے اور زیادہ نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ لیکن جو کفران نعمت کرتی ہے، یعنی قدر شناسی نہیں کرتی، وہ محرومی و نامرادی کے عذاب میں گرفتار ہوجاتی ہے اور یہ اللہ کا سخت عذاب ہے جو کسی انسانی گروہ کے حصے میں آتا ہے۔

غور کرو! حقیقت حال کی کتنی سچی تعبیر ہے! جو فرد یا جو گروہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدر کرتا ہے، مثلاً خدا نے اسے فتح مندی و کامرانی عطا فرمائی ہے، وہ اس نعمت کو پہچانتا، اسے ٹھیک طور پر کام میں لاتا اور اس کی حفاظت سے غافل نہیں ہوتا، وہ اور زیادہ نعمتوں کے حصول کا مستحق ہوجاتا ہے یا نہیں؟ جو ایسا نہیں کرتا، کیا اس کی نامرادی و تباہی میں کوئی شک ہوسکتا ہے؟

وَقَالَ مُوسٰىٓ اِنْ تَكْفُرُوْٓا	اور موسٰی نے کہا: اگر تم
اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ	اور وہ سب جو زمین میں بستے
جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ	ہیں کفران نعمت کریں تو
حَمِيْدٌ ۸	(اللہ کو اس کی کیا پروا ہو سکتی

ہے؟) اللہ کی ذات تو بے نیاز اور ستودہ ہے (لیکن محرومی
و ہلاکت خود تمہارے لیے ہوگی) ۸۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ	پھر کیا تم تک ان لوگوں کی
مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ	خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے
وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ	گزر چکے ہیں؟ قوم نوح، ع
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ	قوم عاد، قوم ثمود اور وہ
اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ	قومیں جو ان کے بعد ہوئیں
بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ	اور جن کا حال اللہ ہی کو معلوم
فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا	ہے۔ ان تمام قوموں کے پاس
اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ	ان کے رسول روشن دلیلوں

وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝ ۹

کے ساتھ آئے تھے، لیکن انھوں نے ان کی باتیں انھیں پر لوٹا دیں (اور کان دھرنے سے انکار کر دیا) . انھوں نے کہا: جو بات لے کر تم آئے ہو ہمیں اس سے انکار ہے اور جس بات کی طرف بلاتے ہو ہمیں اس پر یقین نہیں، ہم شك و شبه میں پڑ گئے ہیں ۹ .

۹ - سورۂ هود کے آخری نوٹ میں ایام و وقائع کا مبحث گزر چکا ہے، اسے پیش نظر رکھو اور دیکھو یہاں تمام ایام و وقائع کے مجموعی نتائج و سنن کس طرح بیان کیے جارہے ہیں اور کس طرح ان کے جزئیات کو ایك کلی حقیقت کی صورت میں پیش کیا جارہا ہے! یعنی سب کا ظہور ایك ہی طرح ہوا تھا، سب کے ساتھ ان کی قوموں نے ایك ہی طرح کا سلوك کیا تھا، سب کی دعوت ایك ہی تھی، سب کو جوابات ایك ہی طرح کے ملے تھے اور پھر نتیجہ بھی ہر واقعہ میں ایك ہی طرح کا نکلا . ہر رسول اور اس کے ساتھی کام یاب ہوگئے، ہر سرکش اور مقابل نامراد ہوا .

قرآن کے یہی مقامات ہیں جنھوں نے ایام و وقائع کے سنن و بصائر صاف صاف واضح کر دیے ہیں اور =

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِى اللّٰهِ شَكٌّ	ان کے رسولوں نے کہا:
فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ	کیا تمہیں اللہ کے بارے میں
يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ	شك ھے؟ وہ اللہ كه آسمان
مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرَكُمْ	و زمین کا بنانے والا ھے.
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا	وہ تمہیں بلا رہا ھے کہ تمہارے

= اس باب میں ھم نے جو مبادی و اصول مرتب کیے ھیں وہ تمام تر انہیں تصریحات سے ماخوذ ھیں .

حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرمایا: کیا پچھلی قوموں کے ایام و وقائع تم تك نہیں پہنچے؟ یعنی تم نہیں سن چکے ھو؟ پھر تین قوموں کا ذکر کیا جن کے حالات سے نہ تو بنی اسرائیل بے خبر تھے، نہ مصر کے باشندے بے خبر ھوسکتے تھے جہاں ان کی نشو ونما ھوئی تھی . بقیہ قوموں کا حال چوں کہ اس درجہ مشہور نہ تھا . اس لیے صرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا . ''و الذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ'' . ''لا یعلمھم الا اللہ'' میں یہ پہلو بھی موجود ھے کہ بہت سی قومیں تھیں جن کا شمار اللہ ھی کو معلوم ھے، تم ان کا احاطہ نہیں کرسکتے .

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ گناہ بخش دے اور ایک مقررہ
تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا وقت تك (زندگی و کام رانی
عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا کی) مہلتیں دے ۔ اس پر
فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۝ قوموں نے کہا: تم اس کے
سوا کیا ہو کہ ہماری ہی طرح کے آدمی ہو اور پھر چاہتے
ہو جن معبودوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ان کی
پوجا کرنے سے ہمیں روك دو ۔ اچھا! (اگر ایسا ہی ہے تو)
کوئی واضح دلیل پیش کرو ۔ ۱۰ ۔

۱ - آیت ۱۰ پر غور کرو! قوموں کا ہمیشہ یہی جواب رہا کہ ہمیں تمہاری دعوت کی سچائی میں شك ہے، ہم نہیں مانتے ۔ لیکن پیغمبروں کی پکار بھی یہی رہی کہ: ''افی اللہ شك فاطر السمٰوٰت والارض''؟ کس بارے میں تمہیں شك ہو رہا ہے؟ اللہ کے بارے میں جو آسمان و زمین کا بنانے والا ہے؟ یعنی اس ہستی کے بارے میں جس کا اعتقاد تمہاری فطرت کے خمیر میں موجود ہے اور تمہارے دل کا ایك ایك ریشہ کہہ رہا ہے کہ ایك ''فاطر السمٰوٰت و الارض'' ہستی موجود ہے! دنیا کی ہر بات میں شك کرسکتے ہو، لیکن اس بارے میں تم شك نہیں=

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ »

ان کے رسولوں نے جواب میں کہا: ہاں! ہم اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ تمہاری ہی طرح آدمی ہیں، لیکن اللہ جس بندے کو چاہتا ہے اپنے فضل و احسان کے لیے چن لیتا ہے. اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں کہ تمہیں کوئی سند لا دکھائیں مگر ہاں یہ کہ اللہ کے حکم سے ہو اور اللہ ہی ہے جس پر ایمان رکھنے والوں کا بھروسا ہے ۱۱ ۔

=کرسکتے. تم کیوں کر جرأت کر سکتے ہو کہ اپنے دل کے یقین سے انکار کردو، اپنی روح کے اعتقاد سے منکر ہو جاؤ، خود اپنی نسبت شک کرنے لگو؟

یہ قرآن کی معجزانہ بلاغت ہے کہ صرف ایک چھوٹے سے جملے اور استفہام تقریری میں وہ سب کچھ بیان کردیا جو زیادہ سے زیادہ اس بارے میں کہا جاسکتا ہے اور جو استدلال کی انتہا، اس بات کی تکمیل اور ساری برہانوں اور حجتوں کا جامع و مانع خلاصہ ہے، یعنی! "أفی اللہ شک فاطر السموٰت والارض؟" (تفصیل کے لیے دیکھو تفسیر سورۂ فاتحہ).

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ
۲ ع ۱۴ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝

اور ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر بھروسا نہ کریں؟ حالانکہ اسی نے ہماری (زندگی و معیشت کی) راہوں میں ہماری رہ نمائی کی ہے. ہم ان ایذاؤں پر صبر کریں گے جو تم ہمیں دے رہے ہو، بس اللہ ہی ہے جس پر بھروسا کرنے والوں کو بھروسا کرنا چاہیے ۱۲ .

۱۲ - آیت ۱۲ میں پیغمبروں کا قول نقل کیا ہے کہ "و ما لنا الا نتوکل علی اللہ و قد ھدٰنا سبلنا؟" اس آیت میں "ھدایت" اور "سبیل" سے مقصود ھدایت وحی اور سبیل دین نہیں ہے جیسا کہ مفسروں اور مترجوں نے سمجھا ہے، بلکہ ھدایت ربوبیت کا عام فیضان ہے اور اسی میں اسلوب خطاب کا استدلال پوشیدہ ہے. یعنی ہم تمہارے ظلم و تشدد سے کیوں ہراساں ہوں؟ کیوں اللہ کی تائید و نصرت پر بھروسا نہ کریں؟ جس ہستی نے زندگی و معیشت کی تمام راہوں میں ہماری رہ نمائی کا سامان کر دیا ہے، کیا حق و باطل کی اس آویزش میں ہم پر راہ نجات نہ کھول دے گی؟ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد کہا "و لنصبرن علی مآ اٰذیتمونا" ہم ضرور =

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور منکروں نے اپنے رسولوں
لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ سے کہا: ہم تمہیں اپنے ملك
مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ سے ضرور نکال باہر کریں گے
مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ یا پھر تم ہمارے مذہب میں
رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ ١٣ لوٹ آؤ۔ (جب معاملہ یہاں
تك پہنچ گیا) تو ہم نے رسولوں پر وحی بھیجی: اب ایسا
ضرور ہوگا کہ ہم ان ظالموں کو ہلاك کر ڈالیں ١٣۔
وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ اور ان کے بعد تمہیں اس
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ سرزمین میں جگہ دیں۔ یہ ہے
خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ١٤ نتیجہ اس کے لیے جو ہماری
(حکومت و عدالت کی) جگہ سے ڈرا، نیز (پاداش عمل کی)
تنبیہ سے ١٤۔

= صبر کریں گے اور ضرور ایسا ہوگا کہ صبر کا نتیجہ
ہمارے حصے میں آئے۔

اگر یہاں " ہدایت " کو ہدایت وحی سمجھا جائے تو
خطاب کا سارا زور اور استدلال مفقود ہو جاتا ہے۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۙ ۱۵ غرض که پیغمبروں نے فتح مندی طلب کی اور ہر سرکش ضدی (جس نے حق کا مقابلہ کیا تھا) نامراد ہوا ۱۵.

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ ۱۶ اس کے پیچھے دوزخ ہے (یعنی دنیا کی نامرادی کے بعد آخرت کی نامرادی پیش آنے والی ہے) وہاں خون اور پیپ کا پانی پلایا جائے گا ۱۶.

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۱۷ وہ ایک ایک گھونٹ کر کے منہ میں لے گا اور گلے سے اتار نہ سکے گا. ہر طرف سے اس پر موت آئے گی مگر مرے گا نہیں. اس کے پیچھے ایک سخت عذاب لگا ہوا ہے ۱۷.

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ جن لوگوں نے اپنے پروردگار

اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِنِ اشْتَدَّتْ — کا انکار کیا تو ان کے اعمال

بِهِ الرِّيحُ فِىْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ — کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ

لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا — کا ڈھیر کہ آندھی کے دن

عَلٰى شَىْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ — ہوا اسے اڑ دے . جو کچھ انہوں

الْبَعِيْدُ ١٨ — نے (اپنے اعمال کے ذریعے)

کمایا ہے ، اس میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ آئے گا . یہی گمراہی کی حالت ہے جو بڑی ہی گہری گمراہی ہے ١٨ .

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ — کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ — آسمانوں کو اور زمین کو ایک

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ — فعل عبث کی طرح نہیں بنا دیا

بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ ١٩ — ہے ، کسی مصلحت سے بنایا

ہے . اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہٹا دے اور ایک نئی پیدایش نمودار کر دے ١٩ .

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ٢٠ — ایسا کرنا اس پر کچھ دشوار

نہیں ٢٠ .

۱۹ - آیت ۱۸ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعظ اور ایام اللہ کا تذکرہ ختم ہوگیا ۔ آیت ۱۹ سے نیا خطاب شروع ہوتا ہے ۔ البتہ یہ خطاب بھی پچھلے بیان ہی کا تتمہ ہے، فرمایا: کیا تم تخلیق بالحق کی حقیقت پر غور نہیں کرتے؟ یعنی اس بات پر غور نہیں کرتے کہ کائنات ہستی کی ہر چیز اس طرح واقع ہوئی ہے کہ صاف نظر آتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی خاص مصلحت و مقصد سے بنایا گیا ہے ۔ ایسا نہیں ہے کہ بغیر کسی سوچے ہوے مقصد اور ٹھیرائی ہوئی مصلحت کے ویسے ہی ظہور میں آگیا ہو ۔ پھر اگر تم دیکھ رہے ہو کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کسی مصلحت کے ساتھ بنائی گئی ہے تو کیوں کر ممکن ہے کہ خود تمھاری ہستی کی پیدایش میں کوئی خاص مصلحت پوشیدہ نہ ہو اور کرۂ ارضی کی یہ سب سے بڑی اور اشرف مخلوق محض بے کار و عبث بنادی گئی ہو ۔

اگر وہ چاہے تو تمھیں چھانٹ دے اور ایک نئی قوم کی تخلیق کا سامان کردے، کیوں کہ اس کا ٹھیرایا ہوا قانون یہی ہے کہ جو جماعت غیر نافع ہو جائے اسے مٹ جانا ہے اور اس کی جگہ نافع و اصلح جماعت کو ظہور میں آنا ہے ''وما ذلک علی اللہ بعزیز''۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا فَقَالَ
الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا
اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ
اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ
عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ قَالُوْا
لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ
سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ
اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ
مَّحِیْصٍ ع ٢١

اور (دیکھو! قیامت کے دن)
سب لوگ اللہ کے روبرو حاضر
ہوگئے. پس ناتوانوں نے
سرکشوں سے کہا: ہم (دنیا میں)
تمھارے پیچھے چلنے والے
تھے، پھر کیا آج تم ایسا
کرسکتے ہو کہ اللہ کے عذاب
سے کچھ بچاؤ کردو؟ انھوں نے
٣ ع ١٥ کہا: اگر اللہ ہم پر بچاؤ کی
کوئی راہ کھولتا تو ہم بھی تمھیں کوئی راہ دکھاتے. (ہم تو خود ہی عذاب میں پڑے ہوئے ہیں) خواہ جھیل لیں، خواہ روئیں پیٹیں، ہمارے لیے دونوں حالتیں برابر ہوگئیں، ہمارے لیے آج کسی طرح چھٹکارا نہیں ٢١.

---

٢١ - آیت ٢١ میں جماعتوں کی گم راہی کی ایک سب سے بڑی علت کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی اپنے گم راہ سرداروں، امیروں، پادشاہوں اور پیشواؤں ==

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ	اور (دیکھو!) جب فیصلہ ہو چکا
الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ	تو شیطان بولا: بلا شبہ
وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ	اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا
فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ	سچا وعدہ (اور وہ پورا ہو کر
لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ	رہا) اور میں نے بھی تم سے

= کی اندھی تقلید و اطاعت کرنا اور خود اپنی عقل و بصیرت سے کام نہ لینا. فرمایا: کیا تمہارے یہ پیشوا تمہیں نتائج اعمال کی گرفت سے بچا سکتے ہیں؟ قیامت کے دن جماعتوں کے کم زور افراد یعنی عوام اپنے اپنے پیشواؤں اور سرداروں سے کہیں گے: دنیا میں ہم نے تمہاری پیروی کی تھی، آج عذاب الٰہی کی پکڑ سے ہمارا بچاؤ کر دو. وہ کہیں گے: ہم خود اپنے کو نہیں بچا سکتے، تمہیں کس طرح بچائیں؟

آیت میں قریش مکہ کی طرف اشارہ ہے جو قوم کے سردار و پیشوا تھے اور نہ صرف قبائل حجاز بلکہ تمام باشندگان عرب ان کے طور طریقے کی پیروی کرتے تھے. جب انہوں نے دعوت اسلام کی مخالفت میں قدم اٹھایا تو تمام قبائل عرب نے ان کی پیروی کی.

اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ	وعدہ کیا تھا مگر اسے پورا نہ
لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَ لُوْمُوْٓا	کیا۔ مجھے تم پر کسی طرح کا
اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ	تسلط نہ تھا (کہ تم میری پیروی
وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ	پر مجبور ہو گئے ہو)۔ جو کچھ
كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ	پیش آیا وہ صرف یہ ہے کہ
مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ	میں نے تمہیں بلایا اور تم نے
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ ٢٢	میرا بلاوا قبول کر لیا۔ پس اب

مجھے ملامت نہ کرو، خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔ آج کے دن نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں، نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔ تم نے اب سے پہلے (دنیا میں) جو مجھے (اللہ کا) شریك ٹھیرا لیا تھا (کہ اس کے احکام کی طرح میرے حکموں کی بھی اطاعت کرنے لگے تھے) تو میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ بلا شبہ ظلم کرنے والوں کے لیے بڑا ہی دردناك عذاب ہے ٢٢۔

وَ اُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اور (دیکھو!) جو لوگ ایمان

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ	لائے تھے اور جنھوں نے نیک
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	کام کیے تھے وہ (نعیم ابدی
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ	کے) باغوں میں داخل ہو گئے،
تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝ ۲۳	ان کے تلے نہریں بہ رہی ہیں،

اپنے پروردگار کے حکم سے، ہمیشہ انہیں میں رہیں کے (ان کی راحتوں کے لیے کبھی زوال نہیں). وہاں ان کے لیے (ہر طرف سے) دعاؤں کی پکار یہی ہے کہ "تم پر سلامتی ہو" ۲۳.

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ	کیا تم نے غور نہیں کیا کہ
مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ	اللہ نے کس طرح ایک مثال
طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ	بیان کی؟ ایک اچھی بات کی مثال

۲۳ - قرآن نے ہر جگہ ایمان کی خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ سر تا سر سلامتی ہے اور کفر کی پہچان یہ بتلائی ہے کہ سر تا سر اضطراب و محرومی ہے. یہی وجہ ہے کہ جنت کی زندگی کے مرقع میں بھی سب سے زیادہ نمایاں بات یہی نظر آتی ہے. وہ سلامتی کی زندگی ہو گی اور وہاں ہر طرف سے سلامتی ہی کی پکاریں سنائی دیں گی.

وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۙ ٢٤ ایسی ہے جیسے ایك اچھا درخت

جڑ اس کی جمی ہوئی اور ٹہنیاں آسمان میں پھیلی ہوئیں ٢٤ .

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ اپنے پروردگار کے حکم سے

بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ ہر وقت پھل پیدا کرتا رہتا

الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ ہے (اس کی ٹہنیاں کبھی بغیر

يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ٢٥ پھل کے نہیں رہ سکتیں) . اللہ

لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ سوچیں سمجھیں ٢۶ .

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ اور نکمی بات کی مثال کیا ہے؟

كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ جیسے ایك نکما درخت، زمین کی

مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا سطح پر اس کی جڑ کھوکھلی،

مِنْ قَرَارٍ ٢٦ جب چاہا اکھاڑ پھینکا اس

کے لیے جماؤ نہیں ٢٦ .

٢٤ تا ٢٦ - آیت ٢٤ قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے . لیکن افسوس ہے ہمارے مفسروں کو اس کی مہلت نہ ملی کہ اس کے حقائق کی وسعت کا مشاہدہ

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اللہ ایمان والوں کو جمنے اور
بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ	مضبوط رہنے والی بات کے

= کر سکتے۔

فرمایا: عجائب آباد ہستی کا کوئی گوشہ دیکھو، تمہیں دو طرح کی باتیں نظر آئیں گی۔ ایک کو قرار ہے، دوسری کو قرار نہیں۔ ایک میں جماؤ ہے، دوسری میں جماؤ نہیں۔ ایک اس لیے ہے کہ پھلے پھولے، دوسری اس لیے ہے کہ پامال ہو۔ پہلی کلمۂ طیبہ ہے، دوسری کلمۂ خبیثہ ہے۔ یعنی پہلی اچھائی ہے، پاکیزگی ہے، نفع و فیضان ہے۔ دوسری برائی ہے، گندگی ہے، ضرر و نقصان ہے۔

پہلی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھا درخت۔ اچھے درخت کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں؟ جڑ کی مضبوطی کہ اکھڑنے والی نہیں، شاخوں کی بلندی کہ جھکنے والی نہیں۔

دوسری کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نکما درخت۔ زمین میں جگہ پکڑ نہیں سکتا، ٹہنیاں معدوم، پھل نابود، جب چاہو پکڑ کے کھینچ لو، جڑ سمیت اکھڑ آئے۔

الـدُّنـيـا وَ فِي الْاٰخِــرَةِ ۚ ذریعے جماؤ اور مضبوطی دیتا
وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ قف هے، دنیا کی زندگی میں بهی
ع ٤ ١٦ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۚ ٢٧ اور آخرت کی زندگی میں بهی.

اور نافرمانوں پر (جماؤ اور مضبوطی کی) راہ گم کردیتا هے. اور وہ جو چاهتا هے کرتا هے (اس کی حکمت کا فیصله یہی هوا که ایسا کرے) ٢٧.

٢٧ - اس کے بعد فرمایا: الله کا قانون یه هے که جو ایمان لاتے هیں وہ انهیں جمنے والی اور مضبوط باتوں کے ساتھ جماؤ دے دیتا هے. ان کی یه خصوصیت دنیا کی زندگی میں بهی نمایاں هوتی هے اور آخرت میں بهی نمایاں هوگی. لیکن جو لوگ ظلم و نافرمانی کی راہ اختیار کرتے هیں انهیں یه بات نهیں مل سکتی، ان پر جماؤ اور استقرار کی راہ بند هو جاتی هے.

اس سے معلوم هوا که اهل ایمان کی خصوصیت یه هے که ان کی ساری باتیں جماؤ اور مضبوطی کی باتیں هوتی هیں. ٹلنے والی، اکهڑ جانے والی اور اپنی جگه سے هل جانے والی نهیں هوتیں. ان کا اعتقاد، ان کا عمل، ان کا طور طریقه، ان کے دلائل و شواهد، ان کے تمام کام =

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا (اے پیغمبر!) کیا تم نے ان
نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی
قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۲۸ جنہیں اللہ نے نعمت عطا فرمائی
تھی مگر انہوں نے کفران نعمت سے اسے بدل ڈالا اور اپنے
گروہ کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا ۲۸؟.
جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا یعنی دوزخ میں جا اتارا جس
وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۲۹ میں وہ داخل ہوں گے؟ (پھر
جس کا ٹھکانا دوزخ ہوا تو) کیا ہی برا ٹھکانا ہے! ۲۹.
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا اور انہوں نے اللہ کے لیے
عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعُوْا اس کے ہم درجہ بنائے کہ
فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۳۰ لوگوں کو اس کی راہ سے

= "القول الثابت" ہوتے ہیں اور ان کی مثال شجرۂ طیبہ کی
ہوتی ہے. لیکن جو لوگ ایمان حق سے محروم ہیں ان کی
کوئی بات بھی "القول الثابت" کی بات نہیں ہو سکتی.
ان کی مثال شجرۂ خبیثہ کی ہوتی ہے کہ "ما لها من قرار".

بھٹکائیں . (اے پیغمبر!) تم کہہ دو : اچھا! (زندگی کے چند روزہ) فائدے برت لو، پھر بالآخر تمہاری راہ آتش دوزخ ھی کی طرف ھے ٣٠ .

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خِلٰلٌ ۝ ٣١

(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو جو ایمان لائے ھیں یہ پیام پہنچادو: "اس سے پہلے کہ وہ (ھول ناك) دن آ نمودار ھو جب کہ (نجات کے لیے) نہ تو

٢٨ تا ٣٠ - اس کے بعد آیت ٢٨ میں قریش مکہ کی طرف اشارہ کیا ھے کہ ملك کی ریاست و پیشوائی کی باگ انھیں کے ھاتھ میں تھی اور عامة الناس انھیں کے پیچھے چلتے تھے . فرمایا : ان کی محرومی دیکھو کہ کس طرح اللہ کی نعمت کی ناشکری کر رھے ھیں اور کلمۂ طیبہ کی جگہ کلمۂ خبیثہ کو اپنا شعار بنا لیا ھے . اللہ نے انھیں قوم کی پیشوائی دی تھی، پس ان کا فرض تھا کہ دعوت حق کی قبولیت میں سب سے آگے ھوتے اور قوم کی سچی راہ نمائی کرتے، مگر انھوں نے استبدال نعمت کی راہ =

کسی طرح کا لین دین کام دے گا، نہ کسی طرح کی دوستی، (اپنے لیے نجات کا سامان کر لیں، یعنی) نماز قائم کریں اور ھماری دی ھوئی روزی میں سے ظاھر و پوشیدہ خرچ کرتے رھیں'' ۳۱.

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	یہ اللہ ھے جس نے آسمانوں
وَالْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ	کو اور زمین کو پیدا کیا اور
السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ	(زمین پر) اوپر سے پانی برسایا
مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ	جس کی آب یاری سے طرح طرح
وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ	کے پھل پیدا ھوتے ھیں کہ
لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ	تمھارے لیے غذا کا سامان ھیں،
وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ ۳۲	اور جہاز تمھارے لیے مسخر

= پسند کی، خود بھی گم راہ ھوے اور اپنی قوم کو بھی گم راھی میں ڈھکیل دیا.

۳۱ - قریش مکہ کے کفران نعمت کے ذکر کے بعد ھی روے سخن مؤمنوں کی طرف متوجہ ھو گیا ھے. آیت ۳۱ میں فرمایا: انھیں چاھیے نعمت الٰھی کی قدر بجا لائیں اور ناشکری سے بچیں. اس شکر گزاری نعمت کے =

کردیے کہ اس کے حکم سے (یعنی اس کے ٹھیرائے ہوئے قانون کے ماتحت) سمندر میں چلنے لگیں، نیز دریا بھی تمہارے لیے مسخر کردیے ٣٢.

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ ٣٣

اسی طرح سورج اور چاند بھی مسخر کردیے ہیں کہ ایک خاص دستور پر برابر چلے جارہے ہیں اور رات اور دن کا ظہور بھی مسخر ہے ٣٣.

وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۚ ٣٤

غرض کہ تمہیں (اپنی زندگی کی کار براریوں اور کام رانیوں کے لیے) جو کچھ مطلوب تھا سب اس نے عطا فرمادیا.

ع ١٧

اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی ان کا احاطہ نہ کرسکو. حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی نا انصاف، بڑا ہی نا شکرا ہے ٣٤.

= سب سے بڑے اعمال کونسے ہیں؟ فرمایا: قیام صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ. ان دو عملوں میں سرگرم رہیں.

٣٢ تا ٣٤ - آیت ٣٢ میں برھان ربوبیت کا استدلال ہے. =

= فرمایا: اپنی زندگی کی احتیاجوں کو دیکھو اور پھر ربوبیت الٰہی کی بخششوں اور کار فرمائیوں پر نظر ڈالو. زندگی کی کوئی قدرتی احتیاج ایسی نہیں ھے جس کا انتظام نہ کر دیا گیا ہو اور کارخانۂ عالم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ھے جو تمہارے لیے افادہ و فیضان نہ رکھتا ہو، حتی کہ معلوم ہوتا ھے دنیا کی ہر چیز صرف اسی لیے بنی ھے کہ تمہاری کوئی نہ کوئی ضرورت پوری کر دے اور کسی نہ کسی شکل میں خدمت و نفع رسانی کا ذریعہ ہو. پھر کیا ممکن ھے کہ یہ سب کچھ بغیر کسی ارادہ کے ظہور میں آ گیا ہو اور کوئی ربوبیت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہو؟ اور اگر ایک ایسی ہستی موجود ھے تو ہر طرح کی عبادتوں کی مستحق اس کی ذات ھے یا ان کی جو اپنی احتیاجوں میں خود کسی پروردگار کی پروردگاریوں کے محتاج ھیں؟

اس مقام میں ''واٰتٰکم من کل ما سالتموہ ؕ و ان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا '' کہہ کر جس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ھے وہ نہایت اہم اور تشریح طلب ھے. تشریح اس کی سورۂ فاتحہ میں ملے گی.

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝٣٥

اور (یاد کرو!) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے دعا مانگی تھی: اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن کی جگہ بنا دیجیو اور مجھے اور میری نسل کو اس بات سے دور رکھیو کہ بتوں کی پوجا کرنے لگیں ٣٥ ۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٣٦

پروردگار! ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو راہ حق سے بھٹکا دیا ہے تو جو میرے پیچھے چلا (اور بت پرستی کی گمراہی میں نہ پڑا) وہ میرا ہوا، جس نے میرے طریقے سے نافرمانی کی (اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں اور) تو بخشنے والا، رحمت فرمانے والا ہے ٣٦ ۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ

اے ہم سب کے پروردگار! (تو دیکھ رہا ہے کہ) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام

رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۰ ۳۷

و نشان نہیں ، میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسائی ہے اور خدایا! اس لیے بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں (تاکہ یہ محترم گھر عبادت گزاران توحید سے خالی نہ رہے) . پس تو (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کے لیے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کر دے تاکہ (بے آب و گیاہ ریگستان میں رہ کر بھی ضروریات معیشت سے محروم نہ رہیں اور) تیرے شکر گزار ہوں ۳۷

۳۵ تا ۳۷ - پچھلی آیت میں انسان کی اس غفلت کا ذکر کیا تھا کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار نہیں اور یہی گم راہی اس کی تمام محرومیوں کا سر چشمہ ہے" ان الانسان لظلوم کفار" . اب آیت ۳۵ میں اس ناشکری کی ایک مناسب مقام مثال بیان کر دی . فرمایا: اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے جو قریش مکہ نے کی ہے ؟ وہ دنیا کے ایک ایسے گوشے میں سکونت رکھتے ہیں جو انسانی آبادی کے لیے زیادہ سے زیادہ ناموزوں =

ــے مقام تھا کہ ایک بے آب و گیاہ ریگستان جہاں درندے بھی بھٹ نہ بنائیں اور پرند بھی ہوا میں اڑنا پسند نہ کریں. لیکن اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے ایسا دل چسپ اور معمور مقام بنادیا کہ انسانی گروہوں کے دل بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگے اور زمین کی ساری پیدواریں جو کسی سر سبز و شاداب ملک میں مل سکتی ہیں اس بنجر سر زمین میں مہیا ہو گئیں ۔ یہ انقلاب حال کیوں کر ظہور میں آیا؟ اس طرح کہ حضرت ابراہیم نے یہاں دین حق کی عبادت گاہ بنائی اور اس کی پاسبانی اپنی اولاد کے سپرد کی. انھوں نے دعا مانگی تھی کہ: خدایا! اس ویرانے کو آباد کردیجو. چنانچہ ان کی دعا مقبول ہوئی اور یہ ویرانہ اس طرح آباد ہو گیا کہ تمام عرب و اطراف عرب کے سالانہ اجتماع کا مرکز بن گیا .

رؤساء قریش انھیں کی نسل سے ہیں اور انھیں کی برکتوں کا ظہور ہیں .لیکن انھوں نے اس نعمت کا حق کس طرح ادا کیا ؟ یوں ادا کیا کہ ملت ابراہیمی سے منحرف ہو گئے ، ظلم و گم راہی کو اپنا شیوہ بنالیا ، وہ دین حق جس کے قیام کے لیے یہ عبادت گاہ بنائی گئی تھی اصنام پرستی سے بدل گیا اور اب اپنی تمام طاقتیں اس دعوت کی مخالفت میں خرچ کر رہے ہیں جو اسی ملت ابراہیمی کی تجدید ہے .

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝٣٨

اے ہمارے پروردگار! ہم جو کچھ چھپاتے ہیں وہ بھی تو جانتا ہے، جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی تیرے علم میں ہے. آسمان اور زمین کی کوئی چیز نہیں جو تجھ سے پوشیدہ ہو ٣٨ .

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝٣٩

(اور ابراهیم نے کہا:) ساری ستایش اللہ کے لیے ہے جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھے اسماعیل اور اسحاق (دو فرزند) عطا فرمائے. بلا شبہ میرا پروردگار (اپنے بندوں کی) دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے ٣٩ .

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا

خدایا! مجھے توفیق دے کہ میں نماز قائم کروں اور

وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝٤٠ میری نسل کو بھی اس کی

توفیق مل‌ے . پرور دگار! میری یہ دعا تیرے حضور قبول ہو . ٤٠ .

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ پرور دگار! جس دن اعمال

وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ کا حساب لیا جائے گا تو مجھے

ع ٦ ١٨ الْحِسَابُ ۝٤١ اور میرے ماں باپ کو اور ان

سب کو جو ایمان لائے (اپنے فضل و کرم سے) بخش دیجیو

(اور حساب کی سختی میں نہ ڈالیو) ٤١ .

وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا اور (اے پیغمبر!) ایسا خیال

عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ نہ کرنا کہ اللہ ان ظالموں کے

اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ کاموں سے غافل ہے (یعنی

تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ ۝٤٢ رؤساء مکہ کے کاموں سے) .

در اصل اللہ نے ان کا معاملہ اس دن تک کے لیے پیچھے ڈال

دیا ہے جب (نتائج عمل کی ہلاکتیں ظہور میں آئیں گی . اس

دن ان لوگوں کا یہ حال ہوگا کہ شدت خوف و حیرت سے)

آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی ٤٢ .

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝۴۳

حیران ، سر اسیمه ، سر اٹھائے ہوے دوڑ رہے ہوں کے ، نگاہیں ہیں که لوٹ کر آنے والی نہیں اور دل ہیں که (خوف و حیرانگی کے سوا ہر خیال سے) خالی ہو رہے ہیں ! ۴۳

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ ۝۴۴

اور (اے پیغمبر !) لوگوں کو اس دن کی آمد سے خبردار کر دو جب که ان پر عذاب نمودار ہو جائے گا. اس دن ظلم کرنے والے کہیں کے : پروردگار ! تھوڑی سی مدت کے لیے ہمیں مہلت دے دے، ہم (اب ہرگز انکار وسرکشی نہیں کریں کے اور) تیری پکار کا جواب دیں کے اور پیغمبروں

کی پیروی کریں گے ۔ (لیکن انہیں جواب ملے گا:) کیا تم وہی نہیں ہو کہ اب سے پہلے قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے "ہمیں کسی طرح کا زوال نہ ہو گا" ٤٤ ۔

وَ سَکَنْتُمْ فِیْ مَسٰکِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَیَّنَ لَکُمْ کَیْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَکُمُ الْاَمْثَالَ ۝٤٥

تم انہیں لوگوں کی بستیوں میں بسے تھے جنہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ نا انصافی کی تھی اور تم پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا ۔ نیز تمہیں سمجھانے کے لیئے طرح طرح کی مثالیں بھی ہم نے بیان کر دیں (پھر بھی تم سرکشی سے باز نہ آئے) ٤٥ ۔

وَقَدْ مَکَرُوْا مَکْرَهُمْ وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَکْرُهُمْ وَ اِنْ کَانَ مَکْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝٤٦

ان لوگوں نے اپنی ساری تدبیریں کر ڈالی تھیں اور اگرچہ ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ پہاڑوں کو جگہ سے ہلا دیں ۔ مگر اللہ کے پاس ان کی ساری تدبیروں کا جواب تھا (ان کی کوئی تدبیر بھی ظہور نتائج کو نہ روک سکی) ٤٦ ۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ ٤٧

پس ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے جو وعدہ کر چکا ھے اس کے خلاف کرے گا (ایسا ھونا ممکن نہیں). وہ (سب پر) غالب ھے اور (اعمال بد کی) سزا دینے والا ھے ٤٧ .

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ؕ ٤٨

وہ دن کہ جب یہ زمین بدل کر ایك دوسری ھی زمین ھو جائے گی اور سب لوگ خدائے یگانہ و غالب کے حضور حاضر ھوں گے! ٤٨ .

وَ تَرَی الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ۚ ٤٩

تم اس دن مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے

٤٨ - آیت ٤٨ سے معلوم ھوا کہ جس حادثے کو قرآن نے قیامت سے تعبیر کیا ھے وہ اجرام سماویہ کا کوئی ایسا حادثہ ھو گا جو کرۂ ارضی کو بالکل بدل دے گا. نہ تو زمین وہ زمین رھے گی جیسی کہ اب ھے، نہ آسمان ویسا آسمان ھو گا جیسا اب نظر آ رھا ھے.

ہوئے ہیں ٤٩ .

سَرَابِیْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ | ان کے کرتے گندھک کے
وَّتَغْشٰی وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۙ ٥٠ | ہوں گے اور چہرے آگ کے
شعلوں سے ڈھنپے ہوئے ٥٠ .

لِیَجْزِیَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ | یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ ہر جان
مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ | کو اس کی کمائی کے مطابق
سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝ ٥١ | بدلا دے دے . بلا شبہ وہ
حساب لینے میں بہت تیز ہے ! ٥١ .

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ | یہ انسانوں کے لیے ایک پیام ہے
وَلِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِیَعْلَمُوْٓا | اور اس لیے بھیجا گیا ہے کہ
اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ | لوگوں کو خبر دار کیا جائے
وَّلِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ٥٢ | اور وہ معلوم کرلیں کہ ان کا
ع ٧ ١٩
معبود ایک ہی معبود ہے ، نیز اس لیے کہ سمجھ بوجھ والے اس
سے نصیحت پکڑیں ! ٥٢ .

٥٢ - آخری آیت میں فرمایا : یہ سورت ایک پیام حق ہے =

= اور پیام اس لیے بھیجا گیا ہے کہ :

(ا) لوگ فساد و بدعملی کے نتائج سے متنبہ کیے جائیں۔

(ب) یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(ج) ارباب فہم و دانش کے لیے سرمایۂ نصیحت ہو۔

اب سورت کے تمام مطالب پر از سر نو نظر ڈالو اور دیکھو ان تینوں مقاصد پر وہ مشتمل ہے یا نہیں ؟

سورة الحجر - ۱۵

مکیة وهی تسع و تسعون اٰیة

مکی، ۹۹ آیتیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡكِتٰبِ الف لام را، یہ آیتیں ہیں

وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ ۝ ”الکتاب“ کی اور قرآن کی

جو (اپنی ساری باتوں میں) واضح اور روشن ہے! ۔

---

۱ ۔ قرآن نے جابجا اپنے اس وصف پر زور دیا ہے کہ وہ ”مبین“ ہے، یعنی ظاہر ہے، نمایاں ہے، روشن ہے، لیکن کس بات میں؟

اپنے مطالب میں، اپنی دعوت میں، اپنے دلائل و آیات میں، یعنی اس کی کوئی بات نہیں جو الجھی ہوئی ہو، مشکل ہو، ناقابل فہم ہو۔ ہر ذہن اسے بوجھ لے سکتا ہے، ہر دل اسے قبول کر لے سکتا ہے، ہر روح اس پر مطمئن ہو سکتی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ سیدھی سادی بات ہے =

۲ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝۲
جن لوگوں نے (اس کتاب کی سچائی سے) انکار کیا ہے ایک وقت آنے والا ہے کہ آرزوئیں کریں گے کاش ہم ماننے والوں میں ہوتے ۲.

- جو انسان کے دل و دماغ کےلیے ہو سکتی ہے، کیوں کہ وہ سچائی ہے اور سچائی کی کوئی بات مشکل اور الجھی ہوئی نہیں ہو سکتی.

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اپنے کو "النور" بھی کہا ہے، یعنی روشنی. روشنی کا خاصہ ہے کہ ہر بات کو نمایاں کر دیتی ہے، کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی. اگر وضاحت اور نمود نہیں ہے تو پھر اجالا بھی نہیں. اجالا جب کبھی ہوگا نمود و وضاحت اپنے ساتھ لائے گا.

۲ - جن لوگوں نے اس کے خلاف انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی ہے وہ اپنی ہلاکت کا اپنے ہاتھوں سامان کر رہے ہیں. لیکن انہیں معلوم نہیں ایک دن آنے والا ہے جب وہ حسرت و ندامت کے ساتھ کہیں گے: کاش ہم نے انکار نہ کیا ہوتا!

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ ٣

(اے پیغمبر!) انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو، کھائیں پیں، عیش و آرام کریں، (باطل) امیدوں پر بھولے رہیں. لیکن وہ وقت دور نہیں کہ انہیں معلوم ہو جائے گا (وہ کیسے دھوکے میں پڑے ہوئے تھے) ۳.

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتٰبٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ ٤

ہم نے کبھی کسی بستی کے باشندوں کو ہلاک نہیں کیا مگر اسی طرح کہ اس کے لیے ایک ٹھیرائی ہوئی بات تھی (یعنی ایک مقررہ قانون تھا کہ جب حالت اس طرح کی ہوگی اور اس مقدار میں ہوگی تو ایسا نتیجہ ضرور نکلے گا) ۴.

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ٥

کوئی امت نہ تو اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے، نہ پیچھے رہ سکتی ہے ۵.

وَقَالُوْا يٰاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں نے تم سے کہا "اے وہ آدمی

لَمَجْنُونٌ ؕ٦ که تجھ پر نصیحت اتری ہے،
تو (ہمارے خیال میں) یقیناً دیوانہ ہے ٦.

لَوْمَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اگر تو اپنے دعوے میں سچا
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ؕ٧ ہے تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ
فرشتے اتار کر ہمیں دکھادے؟ ٧

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ ہم فرشتے بے کار کو نہیں
وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ؕ٨ اتارا کرتے، جبھی اتارتے
ہیں کہ کوئی مصلحت ہوتی ہے اور (جب فرشتے اتریں گے
تو) اس وقت انہیں مہلت عمل نہیں ملے گی (وہ تو فیصلے کا
دن ہوگا) ٨.

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ بلا شبہ خود ہم نے "الذکر"
وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ؕ٩ (یعنی قرآن کہ سر تا پا نصیحت
ہے) اتارا ہے اور بلاشبہ خود ہم ہی اس کے نگہبان ہیں ٩.

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ
فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ؕ١٠ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی

پچھلے گروہوں میں پیغمبر بھیجے ۱۰.

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ ایکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ

اِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۱۱ کسی گروہ میں کوئی پیغمبر

آیا ہو اور لوگوں نے اس کی ھنسی نہ اڑائی ہو (یہ پہلے سے ہوتا

آیا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے) ۱۱.

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ (تو دیکھو!) اس طرح ہم مجرموں

الْمُجْرِمِينَ ۱۲ کے دلوں میں کلام حق کی

مخالفت بٹھا دیتے ہیں (یعنی ہمارا ٹھیرایا ہوا قانون ایسا ہی ہے

کہ جن دلوں میں جرم ہوتا ہے ان میں حق کی مخالفت بھی جم

جاتی ہے) ۱۲.

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ وہ اس پر ایمان لانے والے

سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۱۳ نہیں اور جو پہلے گزر چکے

ہیں ان کا بھی ایسا ہی دستور رہ چکا ہے ۱۳.

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم اگر ہم ان پر آسمان کا ایک

بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا دروازہ کھول دیں اور یہ دن

فِيهِ يَعْرُجُونَ ۱۴ دھاڑے اس پر چڑھنے لگیں

(جب بھی نہیں مانیں گے) ۱٤ ۔

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ یہ کہنے لگیں گے : ضرور
اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ ہماری آنکھیں متوالی ہو گئی
۱ ع ۱ مَّسْحُوْرُوْنَ ع ۱۵ ہیں ۔ یا ہم پر جادو کر دیا
کیا ہے ۱۵ ۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ اور (دیکھو:) یہ ہماری ہی
بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ لا ۱٦ کار فرمائی ہے کہ آسمان میں
برج بنا دیے (یعنی روشن کواکب پیدا کر دیے) اور اسے دیکھنے
والوں کے لیے خوش نما کر دیا ۱٦ ۔

---

۱٦ - یہاں آیت ۱٦ میں نیز دو اور مقامات میں بھی قرآن نے "برج" کا لفظ استعمال کیا ہے : " تبٰرك الذی جعل فی السماء بروجا و جعل فیها سرٰجا و قمرا منیرا" (۲۵ : ٦۱) "والسماء ذات البروج" (۸۵ : ۱) ۔ چونکہ بعد کو عربی زبان میں "برج" کا لفظ ستاروں کی ان بارہ فرضی اشکال کے لیے مستعمل ہو گیا جو قدماء نے دورۂ شمسی کے انضباط کے لیے قرار دی تھیں، اس لیے سوال پیدا ہوا کہ قرآن میں بھی یہ لفظ اسی مصطلحہ =

ـــ معنیٰ میں بولا گیا ہے اور مقصود بارہ برج ہیں یا لغوی معنیٰ میں مستعمل ہوا ہے اور مقصود بڑے بڑے روشن ستارے ہیں جو بحروبر کی ظلمتوں میں مسافروں کی راہ نمائی کرتے ہیں ؟

بارہ برجوں کی تقسیم سب سے پہلے اہل بابل نے کی ، پھر سریانی اقوام ان سے آشنا ہوئیں اور بالآخر یونانیوں نے اختیار کر لیا ۔ عربی زبان اپنی ابتدائی شکلوں میں عراق ، مصر اور شام کی حکم راں زبان رہ چکی ہے اور ان ممالک کے ساتھ عربوں کے قدیم تجارتی تعلقات بھی معلوم و مسلم ہیں ۔ پس اگر چاند کی منزلوں کی طرح سورج کے بارہ برجوں سے بھی عربی زبان آشنا ہو چکی ہو تو یہ کوئی عجیب بات نہ ہوگی ۔ لیکن اس میں شك نہیں کہ عرب جاہلیت کے کلام سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ۔ عبد الرحمن بن عمر الصوفی نے « صور الکواکب » میں ان تمام کواکب کے نام جمع کر دیے ہیں جو عرب جاہلیت میں مشہور تھے اور جن کی تعداد ڈھائی سو کے قریب ہے ، لیکن ان میں بارہ برجوں کی صورتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے ۔ اور تبریزی نے ابو العلاء کا قول نقل کیا ہے « لم تکن العرب تعرفها فی القدیم » (۲) =

= پس زیادہ صاف بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہاں برج سے مقصود روشن کواکب ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے ایسی ہی تفسیر منقول ہے اور ترجمے میں ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

اسی آیت میں فرمایا ,, و زینٰھا للنّٰظرین '' ہم نے اس فضا کو جو تمہارے اوپر پھیلی ہوئی ہے اس طرح بنادیا کہ دیکھنے والوں کے لیے اس میں خوش نمائی پیدا ہو گئی۔ یہ مقام بھی من جملہ ان مقامات کے ہے جہاں قرآن نے جمال فطرت سے استدلال کیا ہے، یعنی اس بات سے استدلال کیا ہے کہ کائنات ہستی کے تمام مظاہر اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ان میں حسن و جمال کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ رحمت و فیضان کا کوئی ارادہ یہاں ضرور کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے کہ جو کچھ بنے حسن و خوبی کے ساتھ بنے اور اس میں روحوں کے لیے سرور اور نگاہوں کے لیے عیش و نشاط ہو۔

اگر ایک صاحب رحمت ہستی کی یہ کار فرمائی نہیں ہے تو پھر کس کی ہے؟ نہیں، تمہاری فطرت کہہ رہی ہے کہ یہ سب کچھ کسی ایسی ہستی کی کاریگری ہے —

= جو حسن و جمال ہے اور جس نے چاہا ہے کہ حسن و جمال کا فیضان ہو ۔

یہاں فرمایا کہ آسمان کو دیکھو ۔ عربی میں "سماء" کے معنیٰ بلندی کے ہیں ۔ مکان کے لیئے اس کی چھت اس کی "سماء" ہوتی ہے ۔ پس یہ جو بلندی تمھیں نظر آ رہی ہے کس طرح دیکھنے والوں کے لیے حسین و جمیل بنادی گئی ہے ! چاندنی راتوں میں چاند کی شب افروزیاں دیکھو ۔ اندھیری راتوں میں ستاروں کی جلوہ ریزیوں کا نظارہ کرو ، صبح جب اپنی ساری دل فریبیوں کے ساتھ آتی ہے ، شام جب اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ چھپتی ہے ، گرمیوں میں صاف و شفاف آسمان کا نکھرنا ، بارش میں بادلوں کا ہر طرف سے امنڈنا ، شفق کی لالہ گونی ، قوس قزح کی بوقلمونی ، سورج کی ذرہ فشانی ، غرض کہ آسمان کا کونسا منظر ہے جس میں نگاہوں کے لیے زینت نہیں ؟ جس میں دلوں کے لیئے راحت و سکون نہیں ؟

یہ استدلال مہمات دلائل قرآنی میں سے ہے اور ضروری ہے کہ تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث برہان فضل و رحمت کا مطالعہ کر لیا جائے ۔

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۙ ١٧	نیز ھر پھٹکارے ھوئے شیطان سے اس کی حفاظت کردی ١٧ .
اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ١٨	الا یہ کہ کوئی کن سن لیناچاھے تو پھر ایك چمکتا ھوا شعلہ ھے جو اس کا تعاقب کرتا ھے ١٨ .

١٧ - آیت ١٧ سے معلوم ھوتا ھے کہ اجرام سماوی کی حفاظت کا سامان نہ کردیا گیا ھوتا تو ایسی شیطانی قوتیں تھیں جو ان کے اعمال میں خلل انداز ھوتیں . نیز یہ کہ جب کوئی ایسی قوت ٹوہ لگانا چاھتی ھے تو شعلے بھڑکتے ھیں اور انھیں قریب نہیں آنے دیتے .

١٨ - آیت ١٨ میں "شہاب مبین" کا لفظ آیا ھے . "شہاب" شعلے کو کہتے ھیں . لیکن چوں کہ اس کا اطلاق اس ستارے پر بھی ھوتا ھے جو راتوں کو ٹوٹتا ھوا دکھائی دیتا ھے ، اس لیے مفسرین نے خیال کیا یہاں شہاب سے مقصود وھی ستاروں کا ٹوٹنا ھے . لیکن قرآن میں کوئی ایسی تفصیل نہیں جس سے یہ بات متعین کی جاسکے . =

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝ ۱۹

اور (دیکھو!) ہم نے زمین (کی سطح) پھیلادی (یعنی ایسی بنادی کہ تمہارے لیے فرش کی طرح ہوگئی) اور اس میں پہاڑ گاڑ دیے، نیز جتنی چیزیں اس میں اگائیں سب وزن کی ہوئی اگائیں ۱۹ .

= صرف شہاب کا لفظ ہے اور اس کے معنیٰ شعلے کے ہیں . باقی رہی اس معاملے کی حقیقت تو یہ عالم غیب کے معاملات میں سے ہے جسے ہم اپنے وسائل علم و ادراك سے معلوم نہیں کرسکتے . وحی الٰہی نے جس قدر تصریح کردی ہے اس پر یقین کرنا چاہیے اور مزید کاوش میں نہیں پڑنا چاہیے .

۱۹ - زمین گیند کی طرح گول ہے ، لیکن حکمت الٰہی نے اس کی کرویت کا نشیب و فراز اس طرح پھیلادیا ہے کہ کوئی آنکھ اونچ نیچ محسوس نہیں کرسکتی اور اس کا ہر گوشہ اپنی جگہ ایك بچھے ہوے فرش کی طرح مسطح ہے . اگر سطحیت کی یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو وہ تمام ارضی خصوصیات بھی ظہور میں نہ آتیں جنھوں نے زمین کو زندگی و معیشت کے لیے خوش گوار =

= بنادیا ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن جا بجا اس کی سطح کے پھیلاؤ پر زور دیتا ہے اور کہتا ہے: خدا نے اسے فرش کی طرح بچھا دیا۔ یہاں بھی آیت ۱۹ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

لیکن زمین کے قابل معیشت و سکون ہونے کے لیے صرف اسی قدر کافی نہ تھا ۔ اس کی بھی ضرورت تھی کہ اس میں جا بجا ایسی بلندیاں ہوتیں جو پانی کے خزانے جمع کرتیں اور پھر بلندی سے اس طرح گراتیں کہ سیکڑوں کوسوں تک بہتا ہوا چلا جاتا اور میدانی علاقوں کو سرسبز وشاداب کردیتا ۔ پس فرمایا: ''والقینا فیھا رواسی'' ہم نے اس کی سطح پھیلا دی، پھر اس میں پہاڑ پیدا کردیے جو اس لحاظ سے بھی کہ طرح طرح کی معدنیات کا سرچشمہ ہیں اور اس لحاظ سے بھی کہ دریاؤں کی روانگی کا منبع ہیں، زمین کی افادی نوعیت کے لیے ایک ضروری عنصر تھے ۔

آیت ۱۹ میں زمین کی نسبت تین باتیں ہیں : پہلی یہ کہ بچھی ہوئی ہے ۔ دوسری یہ کہ پہاڑوں کی بلندیاں ہیں ۔ تیسری یہ کہ جتنی چیزیں اس میں اگتی ہیں، سب =

= "موزون" ھیں ۔

"موزون" یعنی وزن کی ہوئی ۔ اگر کسی چیز کو ٹھیك ٹھیك کسی خاص اندازے پر رکھنا ہوتا ھے تو اسے کانٹے میں تول لیا کرتے ھیں کہ رتی بھر بھی ادھر ادھر نہ ہوجائے ۔ پس ھر چیز کے "موزون" ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ زمین میں جتنی نباتات اگتی ھیں ، سب کے لیے حکمت الٰہی نے ایك خاص اندازہ ٹھیرا دیا ھے ۔ ھر چیز اپنی نوعیت ، اپنی کمیت ، اپنی کیفیت میں ایك جچی تلی حالت رکھتی ھے جس سے کبھی باھر نہیں جا سکتی ۔ ممکن نہیں کہ گھانس کی ایك شاخ بھی ایسی اگ آئے جو گھانس کے مقررہ اندازے اور تناسب کے خلاف ہو ۔

طرح طرح کے غلے ، طرح طرح کے پھول ، طرح طرح کے پھل ، طرح طرح کی سبزیاں ، طرح طرح کے درخت ، طرح طرح کی گھانسیں ھر طرف اگ رھی ھیں اور نہیں معلوم کب سے اگ رھی ھیں ، لیکن کوئی چیز بھی ان میں ایسی ھے جس کی شکل ، ڈیل ڈول ، رنگت ، خوش بو ، مزہ اور خاصہ ایك خاص مقررہ اندازے پر نہ ہو اور ٹھیك ٹھیك کانٹے کی تول نہ ہو؟ گیہوں کا ایك دانہ اٹھاو ، =

= پھول کی ایک کلی توڑ لو۔ گھانس کی ایک پتی سامنے رکھ لو اور دیکھو ان کی ساری باتیں کس طرح تلی ہوئی اور کس دقیقہ سنجی کے ساتھ سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں! اگر حجم ہے تو اس کا ایک مقررہ اندازہ ہے۔ لاکھ مرتبہ بوؤ، کروڑ مرتبہ بوؤ، اس اندازے میں فرق آنے والا نہیں۔ اگر شکل ہے تو اس کا ایک خاص اندازہ ہے۔ وہ چیز جب اگے گی اسی شکل میں اگے گی۔ اگر رنگت ہے، خوش بو ہے، مزہ ہے، خاصہ ہے تو سب کا ایک مقررہ اندازہ ہے اور یہ اندازہ قطعی ہے، دائمی ہے، اٹل ہے، امٹ ہے اور ہمیشہ اس یکسانیت کے ساتھ ظہور میں آتا ہے گویا مٹی کے ایک ایک ذرہ میں ایک ایک ترازو رکھ دیا گیا ہے اور وہ ایک ایک دانے، ایک ایک پتے، ایک ایک پھل کو تول تول کر بانٹ رہا ہے، ممکن نہیں اس تول میں کبھی خرابی پڑے!

"موزون" میں تناسب و اعتدال کا مفہوم بھی داخل ہے۔ جتنی چیزیں اگتی ہیں اپنی ساری باتوں میں تناسب و اعتدال کی حالت رکھتی ہیں۔ کوئی شے نہیں جو اپنی کمیت و کیفیت میں غیر متناسب اور غیر معتدل ہو۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ اور تمہارے لیے معیشت کا
وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝۲۰ سارا سامان مہیا کردیا اور
ان مخلوقات کے لیے بھی کر دیا جن کے لیے تم روزی مہیا کرنے
والے نہیں ہو ۲۰۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا اور (دیکھو!) کوئی چیز ایسی
خَزَآئِنُهٗ ۚ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ نہیں ہے کہ اس کے ذخیرے
اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱ ہمارے پاس نہ ہوں، مگر
ہم انہیں ایک ٹھیرائے ہوے اندازے کے مطابق ہی بھیجتے
ہیں ۲۱۔

۲۰ و ۲۱ - تفسیر سورۂ فاتحہ میں " نظام ربوبیت "
کی بحث گزر چکی ہے۔ آیت ۲۰ کا اسی روشنی میں
مطالعہ کرو اور دیکھو کتنے مختصر اور کیسے سیدھے
سادے لفظوں میں کتنی بڑی حقیقت بیان کردی گئی ہے!
فرمایا "جعلنا لکم فیھا معایش"، ہم نے زمین میں تمہارے
لیے زندگی و معیشت کے سارے سر و سامان مہیا کردیے۔
لیکن کس طرح مہیا کیے؟ اس طرح کہ اگرچہ ہر چیز
کے ہمارے پاس ذخیرے ہیں، لیکن ان کی بخشش ایک =

وَأَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ أَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝٢٢

اور (دیکھو!) ہم نے ہوائیں چلائیں کہ (پانی کے ذروں سے) باردار تھیں، پھر آسمان سے پانی برسا دیا اور وہ تمہارے پینے کے کام آیا اور تم نے اسے ذخیرہ کر کے نہیں رکھا تھا ۲۲.

= مقررہ اندازے ھی کے ساتھ ھوتی ھے. ایسا نہیں ھوتا کہ بغیر کسی اندازے اور نظام کے تمام چیزیں بکھیر دی ھوں.

اور یہ جو ایک مقررہ اندازے کا نظام ھے، یعنی تقدیر اشیاء کا تو یہی ھے جو بتلا رہا ھے کہ یہاں کوئی اندازہ مقرر کرنے والی اور اسے قائم رکھنے والی ھستی ضرور ھے، کیونکہ اگر ایسا نہ ھوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس اندازہ شناسی اور انضباط کے ساتھ ھر ضروری چیز کی بخشش کا نظام قائم ھوجاتا.

۲۲ - پھر اس کے بعد بارش کی مثال دے کر مزید وضاحت فرما دی. فرمایا: بارش زمین کی شادابی اور روئیدگی کا ذریعہ ھے. اگر یہ نہ ھو تو زمین کی روئیدگی بھی نہ ھو. لیکن دیکھو کس طرح یہ معاملہ ظہور میں =

= آتا ہے اور کس طرح مقررہ اندازوں اور پیمانوں کا ایک پورا نظام کام کر رہا ہے ! پہلے سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے، وہ پانی کے ذروں سے باردار ہو کر (یعنی انہیں اپنے اندر لے کر) بلندی کی طرف چڑھتی ہے، پھر بلندی میں ابر کی چادریں بنتی ہیں اور چادریں فضا میں پھیل جاتی ہیں۔ پھر وہی چادریں بارش کے قطرے بن کر گرنے لگتی ہیں اور زمین کے ایک ایک ذرے کو شاداب کر دیتی ہیں۔ تم نے پانی کے ذخیرے جمع کر کے نہیں رکھے تھے، لیکن آسمان جمع کرتا رہتا ہے اور پھر ٹھیک ٹھیک تمہاری احتیاج کے مطابق مطلوبہ مقدار تمہیں بخش دیتا ہے!

یہ بات کہ پانی کے جمع ہونے اور ایک خاص ترتیب اور اندازے کے ساتھ برستے رہنے کا ایک پورا کارخانہ بنا ہوا ہے اور وہ زمین کی احتیاج کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہے، یہاں استدلال کا اصلی نقطہ ہے، کیونکہ تقدیر و نظم کی یہ حالت بغیر اس کے نہیں ہو سکتی کہ ربوبیت کا کوئی ارادہ پس پردہ کام کر رہا ہو۔ اسی حقیقت کو ہم نے تفسیر سورۂ فاتحہ میں ''نظام ربوبیت'' سے تعبیر کیا ہے اور ضروری ہے کہ اس پر نظر ڈال لی جائے۔

وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ اور یہ ہمیں ہیں کہ جلاتے ہیں

وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ ٢٣ اور موت طاری کرتے ہیں

اور ہمارے ہی قبضے میں سب کی کمائی آتی ہے ٢٣ ۔

وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ اور بلا شبہ ہم نے ان لوگوں

مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا کو بھی جانا جو تم میں پہلے

الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ۝ ٢٤ آنے والے تھے اور انہیں بھی

جو پیچھے آنے والے ہیں ٢٤ .

---

٢٣ و ٢٤ ـ اس کے بعد فرمایا: ہمیں ہیں کہ جلاتے ہیں اور موت طاری کرتے ہیں اور اس کا علم رکھتے ہیں کہ کون پہلے آنے والوں میں ہوے، کون پیچھے آنے والوں میں. یعنی جس طرح ہم نے تمام چیزوں کی تقدیر کر دی ہے، یعنی مقررہ اندازہ ٹھیرادیا ہے، اسی طرح موت وحیات کا بھی ایک خاص اندازہ ٹھیر دیا ہے اور قوموں کے تقدم و تأخر کے لیے بھی مقررہ اندازہ ہے. ہر ہستی جو پیدا ہوتی ہے اپنے مقررہ اندازے کے مطابق پیدا ہوتی ہے اور ہر ہستی جو مرتی ہے مقررہ اندازے کے مطابق مرتی ہے. تقدیر اشیاء واجسام کا قانون عالم گیر قانون ہے،=

وَ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ اور (اے پیغمبر!) یہ تیرا
إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۚ ٢٥ پروردگار ہی ہے جو ان سب ع ٢ ٢
کو (قیامت کے دن اپنے سامنے) جمع کرے گا۔ وہ حکمت والا،
علم والا ہے ٢٥ .

= ہستی کا کوئی گوشہ نہیں جو اس سے باہر ہو .

یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن میں ''قدر'' اور ''تقدیر'' کا مطلب کیا ہے . نیز ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا جو اس بارے میں پھیلی ہوئی ہیں .

٢٥ - اس کے بعد آیت ٢٥ میں فرمایا: ''و ان ربك هو يحشرهم ۚ انه حكيم عليم'' یعنی ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ تمہارا پروردگار جزاء عمل کے لیے انہیں اپنے حضور جمع کرے، کیوں کہ تمام باتوں کی طرح اس بات کے لیے بھی اس نے ایك اندازہ ٹھیرا دیا ہے . وہ حکیم و علیم ہے . اور جب وہ حکیم ہے تو ممکن نہیں کہ اس نے انسان کے اعمال کے لیے کوئی اندازہ نہ ٹھیرایا ہو اور جب وہ علیم ہے تو ممکن نہیں کہ انسان کے اعمال اس کی نظر سے پوشیدہ رہ سکیں .

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۚ ٢٦

اور بلا شبہ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو خمیر اٹھے ہوے گارے سے بنایا جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے ٢٦.

وَالْجَانَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۞ ٢٧

اور ہم جان کو اس سے پہلے جلتی ہوئی ہوا کی گرمی سے پیدا کر چکے تھے ٢٧.

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۞ ٢٨

اور (اے پیغمبر!) جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا: میں خمیر اٹھے ہوے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں (یعنی نوع انسانی پیدا کرنے والا ہوں) ٢٨.

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ

تو جب ایسا ہو کہ میں اسے درست کر دوں (یعنی وہ وجود

سٰجِدِيْنَ ۝ ٢٩ تکمیل کو پہنچ جائے) اور اس میں اپنی روح پھونك دوں تو چاهیے که تم سب اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ ٢٩ .

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ ٣٠ چنانچه جتنے فرشتے تھے سب اس کے آگے سر بسجود ھو گئے ٣٠ .

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ ٣١ مگر ابلیس ، اس پر یه بات شاق گزری که سجده کرنے والوں میں سے ھو ٣١ .

٢٦ تا ٣١ - اس کے بعد یه حقیقت واضح کی که قدرت الٰہی نے کس طرح ایك حقیر ترین چیز سے جو همیشه تمھارے قدموں سے پامال ھوتی رھتی ھے تمھاری ھستی پیدا کی اور اسے اس درجے تك بلند کیا که ملائکه کی مسجود ھوگئی اور دنیا کی تمام قوتیں اس کے اختیار و تصرف میں دے دی گئیں . البته ایك قوت تمھارے آگے نہیں جھکی ، وہ ابلیس کی تھی . یه تمھارے آگے جھکتی نہیں ، بلکه تمھیں اپنے آگے جھکانا چاھتی ھے . فرمایا : جو انسان اس سے مغلوب ھوگیا اس نے راہ سعادت گم کر دی ، جو مغلوب نہیں ھوا ، بلکه اسے اپنے سے مغلوب رکھا، =

قَالَ يٰۤاِبۡلِيۡسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِيۡنَ ۝ ٣٢

اللہ نے فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا ٣٢ .

= وہ اللہ کا سچا بندہ ہوا، یعنی اس نے انسانیت کا وہ بلند ترین مقام پالیا جو حکمت الٰہی نے اسے عطا فرمایا ہے .

نیز فرمایا: جو اللہ کے مخلص بندے ہیں ان پر ابلیس کا داؤ چلنے والا نہیں، مغلوب وہی ہوتے ہیں جو راہ عبودیت سے بھٹک گئے .

قرآن حکیم نے مختلف سورتوں میں نوع انسانی کی پیدایش کا ذکر کیا ہے. ضروری ہے کہ ان تمام مقامات پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے اور معلوم کیا جائے کہ اس بارے میں قرآن کی تصریحات کیا کیا ہیں، چوں کہ آگے چل کر سورۂ ص میں یہ بیان پھر آنے والا ہے، اس لیے یہاں صرف ربط مطالب کی تشریح پر اکتفا کرتے ہیں، باقی تمام تشریحات سورۂ مذکورہ کے تشریحی نوٹ میں ملیں گی .

اس آیت میں ''جان'' کی پیدایش کا بھی ذکر کیا گیا ہے. ''جان'' اور ''جن'' کے لیے سورۂ جن کا نوٹ دیکھنا چاہیے .

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ ٣٣

کہا: مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا ہے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے ٣٣ .

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۙ ٣٤

حکم ہوا: اگر ایسا ہے تو یہاں سے نکل جا کہ تو راندہ ہوا ٣٤.

وَّ اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ٣٥

اور جزاء کے دن تک تجھ پر لعنت ہوئی ٣٥ .

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ ٣٦

اس نے کہا: خدایا! مجھے اس دن تک مہلت دے جب انسان (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے ٣٦ .

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ ٣٧ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ ٣٨

فرمایا: اس مقررہ وقت کے دن تک تجھے مہلت دی گئی ٣٧ و ٣٨.

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ ٣٩

اس نے کہا: خدا یا! چوں کہ تو نے مجھ پر (نجات و سعادت کی) راہ بند کر دی تو اب میں ضرور ایسا کروں گا کہ زمین میں ان کے لیے (جھوٹی) خوش نمائیاں بنادوں (اور راہ حق سے) گم راہ کروں ۳۹.

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ٤٠

ہاں، ان میں جو تیرے مخلص بندے ہوں گے (میں جانتا ہوں) میرے بھکانے میں آنے والے نہیں ۴۰.

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝ ٤١

فرمایا: بس، یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والی ہے ۴۱.

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ ٤٢

جو میرے (مخلصین) بندے ہیں، ان پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا، صرف انہیں پر چلے گا جو (بندگی کی) راہ سے بھٹک گئے ۴۲.

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ۴۳ — اور ان سب کے لیے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے (جو کبھی ٹلنے والا نہیں) ۴۳ ۔

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۴۴ ؏ — اس کے سات دروازے ہیں ان کی ہر ٹولی کے حصے میں ایک دروازہ آئے گا (جس سے جہنم میں داخل ہوں گے) ۴۴ ۔

۳
ع
۳

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ؕ۴۵ — بلا شبہ متقی انسان (اس دن) باغوں اور چشموں (کے عیش وراحت) میں ہوں گے ۴۵ ۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۴۶ — (انھیں کہا جائے گا:) سلامتی کے ساتھ بہ اطمینان ان باغوں میں داخل ہو جاؤ ۴۶ ۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۴۷ — ان کے دلوں میں جو کچھ (باہمی) رنجشیں تھیں سب ہم نے نکال دیں ۔ وہ بھائیوں کی

طرح ایك دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے ٤٧ .

لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ۝٤٨ وہاں کسی طرح کا صدمہ انہیں چھو نہیں سکے گا، نہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے ٤٨ .

نَبِّیْٔ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝٤٩ (اے پیغمبر !) میرے بندوں کو آگاہ کردے کہ بلا شبہ میں ہی ہوں کہ بخشنے والا، رحمت والا ہوں ٤٩ .

وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ۝٥٠ اور بلا شبہ میرا عذاب بڑا درد ناك عذاب ہوتا ہے ٥٠ .

رکوع

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ۝٥١ اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں

٤٩ و ٥٠ - پھر آیت ٤٩ و ٥٠ میں واضح کر دیا کہ اس بارے میں قانون الٰہی کیا ہے . فرمایا : بخشش اور رحمت ہے ، لیکن جو لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو ان کے لیے عذاب بھی ہے اور یہ عذاب بڑا ہی درد ناك عذاب ہوتا ہے

کا معاملہ بھی سنا دو ۵۱ ۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝ ٥٢

جب یہ مہمان اس کے پاس آئے تو کہا "تم پر سلامتی ہو" ابراهیم نے کہا "ہمیں تم سے اندیشہ ہے (کہ تم کون لوگ ہو؟)" ۵۲ ۔

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ ٥٣

انہوں نے کہا ڈرو مت ۔ ہم تو تمہیں ایک علم والے فرزند کی پیدایش کی خوش خبری سناتے ہیں ۵۳ ۔

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝ ٥٤

ابراهیم نے کہا تم مجھے اس بات کی خوش خبری دیتے ہو حالانکہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو گیا ہے، کونسی امید اب رہ گئی ہے کہ یہ خوش خبری مجھے سناؤ ۵٤ ۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ

انہوں نے کہا ہم نے تمہیں

فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَانِطِينَ ۝٥٥ سچائی کے ساتھ خوش خبری
سنائی ، پس تمھیں نا امید نہ ہونا چاھیے ٥٥ ۔
قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ ابراھیم نے کہا (نہیں ، میں
رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّآلُّونَ ۝٥٦ اللہ کی رحمت سے نا امید نہیں
ہوں ، کیوں کہ) گمراہوں کے سوا کون ھے جو اپنے پروردگار
کی رحمت سے مایوس ہوسکتا ھے ٥٦ ۔
قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا پھر اس نے پوچھا تم لوگ جو
الْمُرْسَلُونَ ۝٥٧ بھیجے ہوئے آئے ہو تو تمھیں
(اور) کونسی مہم در پیش ھے ؟ ٥٧
قَالُوٓا إِنَّآ أُرْسِلْنَآ إِلَىٰ انھوں نے کہا ھم ایك مجرم
قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝لا ٥٨ گروہ کی طرف بھیجے گئے
ھیں (کہ ھلاك ہونے والا ھے) ٥٨ ۔
إِلَّآ ءَالَ لُوطٍ ط إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ مگر (ھاں) ایك خاندان وھاں
أَجْمَعِينَ ۝لا ٥٩ لوط کا ھے ، اس کے تمام افراد

کو ہم بچالیں گے . البتہ اس کی بیوی نہیں بچے گی ٥٩ .

إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا ۙ إِنَّهَا لَمِنَ — اس کے لیے ہمارا اندازہ ہو چکا

٤ ع ٤

الْغَابِرِينَ ٦٠ — وہ پیچھے رہ جانے والوں کا

ساتھ دے گی ٦٠ .

فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ — پھر جب ایسا ہوا کہ بھیجے

الْمُرْسَلُونَ ٦١ — ہوئے (فرشتے) خاندان لوط

کے پاس پہنچے ٦١ .

قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ٦١ — تو اس نے کہا تم لوگ اجنبی

آدمی معلوم ہوتے ہو ٦٢ .

قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا — انہوں نے کہا نہیں، یہ بات

فِيهِ يَمْتَرُونَ ٦٣ — نہیں ہے، بلکہ ہم تمہارے

پاس وہ بات لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک کیا کرتے تھے
(یعنی ہلاکت کے ظہور کی خبر جس کا لوگوں کو یقین نہ تھا) ٦٣ .

وَأَتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا — ہمارا آنا ایک امر حق کے لیے

لَصٰدِقُوْنَ ۝ ٦٤ ہے اور ہم اپنے بیان میں

سچے ہیں ٦٤ ۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ پس چاہیے کہ کچھ رات رہے

الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ اپنے گھر کے لوگوں کو

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ لے کر نکل جاؤ اور ان کے

وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ ٦٥ پیچھے قدم اٹھاؤ اور (اس بات

کا خیال رکھو کہ) کوئی پیچھے مڑ کے نہ دیکھے جہاں جانے کا

حکم دے دیا گیا ہے، (اسی طرف رخ کیے) چلے جائیں ٦٥ ۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ غرض کہ لوط پر حقیقت حال

الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰؤُلَاۗءِ واضح کردی کہ ہلاکت کا

مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ ٦٦ ظہور ہونے والا ہے اور

باشندگان شہر کی بیخ و بنیاد صبح ہوتے ہوتے اکھڑ جانے

والی ہے ٦٦ ۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ اور (اس اثناء میں ایسا ہوا کہ)

يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ ٦٧ شہر کے لوگ خوشیاں مناتے

ہوئے آپہنچے ٦٧ ۔

قَالَ اِنَّ هٰؤُلَاۗءِ ضَيْفِيْ لوط نے کہا: (دیکھو!) یہ

فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ ٦٨ (نئے آدمی) میرے مہمان

ہیں تو میری فضیحت نہ کرو ٦٨ ۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝ ٦٩ اللہ سے ڈرو ، تم میری رسوائی

کے کیوں درپے ہوگئے ہو؟ ٦٩ ۔

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ انہوں نے کہا: کیا ہم نے

الْعٰلَمِيْنَ ۝ ٧٠ تجھے اس بات سے نہیں روک

دیا تھا کہ کسی قوم کا آدمی ہو لیکن اپنے یہاں نہ ٹھہراو (اگر

ٹھہراوگے تو جو کچھ ہمارے جی میں آئے گا کر گذریں گے) ٧٠ .

قَالَ هٰؤُلَاۗءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ لوط نے کہا : اگر ایسا ہی ہے

فٰعِلِيْنَ ۝ ٧١ تو دیکھو، یہ میری بیٹیاں

(کھڑی) ہیں (یعنی باشندگان شہر کی بیویاں جن کی طرف وہ

ملتفت نہیں ہوتے تھے) ان کی طرف ملتفت ہو ٧١ .

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ٧٢ (تب فرشتوں نے لوط سے کہا) "تمہاری زندگی کی قسم یہ لوگ تو اپنی بدمستیوں میں کھوئے گئے ہیں" (تمہاری باتیں ماننے والے نہیں) ٧٢ .

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ ٧٣ غرض که سورج نکلتے نکلتے ایک ہولناک آواز نے انہیں آلیا ٧٣ .

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ ٧٤ پس ہم نے وہ بستی زیر و زبر کر ڈالی اور پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی ان پر بارش کی ٧٤ .

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ ٧٥ بلا شبہ اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو (حقیقت کی) پہچان رکھنے والے ہیں ٧٥ .

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝ ٧٦ اور (قوم لوط کی) یہ بستی (کسی غیر معروف گوشنے میں نہ تھی، وہ) ایسی راہ پر واقع ہے

جہاں آمد و رفت کا (اب بھی) سلسلہ قائم ہے (اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو) ٧٦ ۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ؕ ٧٧ بلا شبہ اس (بستی کی حالت) میں ایمان رکھنے والوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے ٧٧ ۔

وَاِنْ کَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ لَظٰلِمِیْنَ ۙ ٧٨ اور (اسی طرح) گھنے جنگل کے باشندے بڑے ظالم تھے (یعنی قبیلۂ مدین کے لوگ) ٧٨ ۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ ؕ ع ٧٩ انہیں بھی ہم نے (ظلم و سرکشی کی) سزا دی اور یہ دونوں بستیاں (یعنی قوم لوط کی اور قبیلۂ مدین کی) شارع عام پر سب کو دکھائی دیتی ہیں ٧٩ ۔ ع ۵ یع ٢٠

وَلَقَدْ کَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ ۙ ٨٠ اور (دیکھو!) حجر کے لوگوں نے بھی رسولوں کی بات جھٹلائی ٨٠ ۔

وَاٰتَیْنٰهُمْ اٰیٰتِنَا فَکَانُوْا ہم نے اپنی نشانیاں انہیں

عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝٨١ دکھائیں ، مگر وہ رو گردانی هی کرتے رهے ٨١ .

وَ كَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝٨٢ وہ پہاڑ تراش کے گھر بناتے تھے کہ محفوظ رهیں ٨٢ .

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝٨٣ لیکن (یہ حفاظتیں کچھ بھی کام نہ آئیں) ایک دن صبح کو اٹھے تو ایک هول ناك آواز نے آ پکڑا تھا ٨٣ .

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٨٤ اور جو کچھ انهوں نے اپنی سعی وعمل سے کمایا تھا ، وہ کچھ بھی ان کے کام نہ آیا ٨٤ .

---

٥٠ تا ٨٤ - اس کے بعد گذشته قوموں کے ایام و وقائع کی طرف توجه دلائی هے کہ انکار و بد عملی اور شرارت و سرکشی کا نتیجه کیسے درد ناك عذابوں کی شکل میں ظاهر هوا ؟ اس سلسلے میں صرف تین قوموں کا ذکر کیا هے جن کی آبادیوں پر سے عرب کے قافلے گزرتے رهتے تھے اور ان کی هول ناك هلاکتوں کے مناظر ان =

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ ٨٥

ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے کسی مصلحت ہی سے بنایا ہے، بے کار کو نہیں بنایا ہے) اور یقیناً مقررہ وقت آنے والا ہے ۔ پس (اے پیغمبر) چاہیے کہ حسن و خوبی کے ساتھ (مخالفوں کی مخالفتوں سے) در گزر کرو ٨٥ ۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ ٨٦ تمہارا پروردگار ہی ہے جو (سب کا) پیدا کرنے والا (اور سب کی حالت) جاننے والا ہے ٨٦.

= کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھے ۔ یعنی قوم لوط جس کی بستیاں عرب اور فلسطین کے درمیان شاہراہ عام پر واقع تھیں ، قبیلۂ مدین کی بستی بحر قلزم کے کنارے تھی ۔ اور حجاز سے فلسطین کی طرف جائیں ، خواہ مصر کی طرف ، ان کے کھنڈر راہ میں ضرور پڑتے تھے ۔ شہر حجر میں بسنے والی قوم یعنی قوم ثمود جس کا مقام بھی اسی شاہراہ پر واقع تھا ، یعنی حجاز اور شام کی شاہراہ پر ۔

٨٥ و ٨٦ - قرآن میں "الساعۃ" کا لفظ کہیں تو روز قیامت کے لیے بولا گیا ہے ، کہیں ایک ایسے فیصلہ کن =

= ان کے لیے جو دعوت حق اور اس کے مخالفوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا. آیت (۸۵) میں "الساعة" سے مقصود ایسا ہی دن ھے . قیامت کا دن نہیں ھے جیسا کہ اکثر مفسروں اور مترجموں نے قرار دیا ھے . مطلب یہ ھے کہ جس طرح پچھلے رسولوں سے مقابلہ کرنے والے ناکام رھے اسی طرح اب بھی مخالف و سرکش ناکام رھیں کے اور وہ دن دور نہیں جب حق و باطل کی اس کش مکش کا فیصلہ ہو جائے گا.

اس کے بعد فرمایا : "فاصفح الصفح الجميل" "ان ربك هو الخلّٰق العلیم" . یعنی جب صورت حال ایسی ھے تو چاھیے کہ لوگوں کی سرکشی و شرارت سے آزردہ خاطر نہ ہو اور حسن و خوبی کے ساتھ درگزر کرتے رھو . اللہ سب کا پیدا کرنے والا اور سب کی حالت جاننے والا ھے . پس اس کے بندوں کا معاملہ اسی پر چھوڑ دینا چاھیے .

کسی بات سے درگزر کرنے کی ایک صورت تو یہ ہوتی ھے کہ آدمی بے بس ہوتا ھے ، اس لیے مجبور ہو کر بدلا نہیں لیتا ، درگزر کر دیتا ھے ؛ لیکن دل نفرت و انتقام سے لب ریز رھتا ھے . یہ «صفح» ھے . مگر «صفح جمیل» نہیں ھے . =

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ٨٧	اور بلا شبه هم نے تمهیں دهرائی جانے والی آیتوں میں سے سات آیتوں کی سورت عطا فرمائی هے (یعنی سورۂ فاتحه) اور قرآن عظیم (اور اس کا دهرا دهرا کر نماز میں پڑهنا تمهارے لیے کفایت کرتا هے) ٨٧ .

= «صفح جمیل» یه هے که مجبور هو کر نهیں، بلکه خود اپنی مرضی اور خواهش سے در گزر کیا جائے، اور نفرت و انتقام کا کوئی جذبه دل میں نه اٹهے. اگر اٹهے تو غالب نه آسکے. مغلوب هوکر ره جائے. پس فرمایا: تمهیں مخالفوں کے ساته «صفح جمیل» کرنا چاهیے.

٨٧ - آیت ٨٧ سے آخر تك سورت کا خاتمه هے اور اس کی تمام موعظت و ارشاد کی خلاصه. خطاب اگرچه پیغمبر اسلام سے هے، مگر فی الحقیقت مؤمنوں کی وه ابتدائی جماعت مخاطب هے جو مکه میں ایمان لائی تهی اور مظلومی و بے سروسامانی کی بسر کررهی تهی. فرمایا: تم دیکهتے هو که مخالفوں کے پاس هر طرح کی دنیوی آسایشیں اور دنیوی طاقتیں هیں، تمهارے پاس ان میں سے =

= کوئی چیز بھی نہیں لیکن تم بھولتے ھو ، تمھارے پاس بھی ایك چیز ھے جس سے تمھارے مخالف یك قلم تہی دست ھیں . اور وہ اللہ کا کلام ھے : ''و لقد اٰتینٰك سبعا من المثانی و القراٰن العظیم''. اور اگر یہ نعمت تمھارے پاس موجود ھے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم مخالفوں کی موجودہ خوش حالیوں کو حسرت و رشك کی نظر سے دیکھو . یہی ایك نعمت تمھیں دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے سر فراز کر دینے والی ھے .

احادیث سے ثابت ھے کہ یہاں ''سبعا من المثانی'' سے مقصود سورۂ فاتحہ ھے .

یہاں خصوصیت کے ساتھ سورۂ فاتحہ کا اس لیے ذکر کیا کہ وہ قرآن کی تمام تعلیم کا خلاصہ اور ایمان وعمل کی زندگی کا روزانہ دستور العمل ھے اور جس فرد اور جماعت کی زندگی ان سات آیتوں کی ورد و مداومت میں بسر ھو رھی ھو ممکن نہیں کہ وہ دینی و دنیوی سعادتوں سے محروم رھے .

نیز اس کے اس وصف پر زور دیا کہ وہ دھرائی =

= جانے والی چیز ہے ، یعنی ایك مؤمن کی زندگی کے لیے شب و روز کا ورد اسی میں ہے ، وہ ہر روز اپنی نمازوں میں اور نماز کی ہر رکعت میں اسے دھراتا رہتا ہے . اس پر صبح آتی ہے تو اسی کی صدائیں چھیڑتی ہے ، شام ہوتی ہے تو اسی کی صدائیں اٹھتی ہیں . اس کی دوپہر کا نغمہ بھی یہی ہوتا ہے اور اس کی راتوں کا ترانہ بھی اس کے سوا کوئی نہیں :

جز نغمۂ محبت سازم نوا نه دارد

اس آیت سے سورۂ فاتحہ کی بڑی ہی خصوصیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے . لیکن تشریح کی یہاں ضرورت نہیں ، کیونکہ یہ مبحث تفسیر فاتحہ میں گزر چکا ہے .

اس آیت سے یہ بات بھی متحقق ہوگئی کہ سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور اس کے کلمات کی کوئی ایسی تقسیم صحیح نہیں ہوسکتی جس سے آیتوں کی یہ تعداد گھٹ جائے یا بڑھ جائے . چنانچہ جب اس اعتبار سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے یا تو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" بھی اس میں شامل ہے ، یعنی اس کی پہلی آیت ہے ، یا پھر "صراط الذین انعمت علیہم" اور "غیر المغضوب علیہم و لا الضالین" =

= دو آیتیں ھیں، ایك آیت نہیں ھے، کیوں که بغیر اس کے سات آیتوں کی تعداد بنتی نہیں. روایات سے معلوم ھوتا ھے که صحابه و تابعین کی ایك بڑی جماعت اس طرف گئی ھے که «بسم الله» اس کی پہلی آیت ھے. مفصل بحث «البیان» میں ملے گی.

اور پھر یہی وجه ھے که احادیث سے معلوم ھوتا ھے آنحضرت (صلی الله علیه وسلم) سورۂ فاتحه سات وقفوں کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور ھر آیت کا آخری لفظ کسی قدر کھینچ کر ختم کرتے تھے جو اختتام صوت کی قدرتی صورت ھے. ایسا نہیں کرتے تھے که صرف تین وقفوں میں پوری سورت ختم کردیں. یعنی «الحمد» سے لے کر «یوم الدین» تك ایك سانس میں اور «اھدنا الصراط المستقیم» سے لے کر «ولا الضالین» تك ایك سانس میں، جیسا که آج کل قراءت کا عام طریقه اختیار کرلیا گیا ھے. راوی نے صرف اتنی ھی تصریح پر قناعت نہیں کی ھے، بلکه آیتیں پڑھ کر بتلا بھی دیا ھے که آپ اس طرح ھر آیت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے اور اس طرح ھر آیت پر وقفه کرتے تھے =

= یعنی الحمد لله رب العلمین (وقف) الرحمن الرحیم (وقف) مالك یوم الدین (وقف) ایاك نعبد و ایاك نستعین (وقف) اهدنا الصراط المستقیم (وقف).

اور فی الحقیقت سورۂ فاتحه کے پڑھنے کا قدرتی اور صحیح طریقه یہی هوسکتا ہے. سورۂ فاتحه ایك دعاء ہے اور اس کی هر آیت سائل کی زبان سے نکلی هوئی طلب والحاح کی ایك صدا کا حکم رکھتی ہے. جب ایك سائل کسی کے آگے کھڑا هوتا ہے اور اس کی مدح و ثنا کرکے حرف مطلب زبان پر لاتا ہے تو ایسا نہیں کرتا که ایك خطیب کی طرح مسلسل تقریر کرنا شروع کردے اور ایك هی سانس میں سب کچھ کہہ جائے. بلکه طلب و نیاز کے لہجه میں ٹھہر ٹھہر کر ایك ایك بات کہے گا، طلب و نیاز اور عجز والحاح کی حالت اسے مہلت هی نه دے گی که ایك مرتبه میں سب کچھ کہہ جائے، مثلا کہے گا: آپ فیاض هیں، آپ کریم هیں، آپ کی جود و سخا کی دهوم ہے. اگر آپ سے نه مانگوں تو کس سے مانگوں؟ اور ان میں سے هر بول دوسرے بول سے ملا کر نہیں =

= کہے گا. الگ الگ کر کے اور ٹھیر ٹھیر کر کہے گا. بلا شبہ ان میں سے ہر جملہ بہ اعتبار مطلب کے دوسرے سے ملا ہوا ہے. بات ایک ہی جملہ میں پوری نہیں ہوجاتی. لیکن وقف و اتصال کے لیے صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے، طریق خطاب و کلام کا ادا شناس جانتا ہے کہ زور کلام اور حسن خطاب کے لیے کہاں وقفہ کرنا چاہیے، کہاں نہیں کرنا چاہیے.

یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہوجاتی ہے جب قرآن کے ان تمام مقامات پر نظر ڈالی جائے جہاں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وقف کرنا روایات سے ثابت ہوتا ہے. ان میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں متأخرین قراء کے نزدیک وقف نہیں ہونا چاہیے، لیکن آنحضرت کا وقف کرنا ثابت ہے. اور اگر مقام کی نوعیت پر غور کروگے تو واضح ہوجائے گا کہ طریق کلام کا خطیبانہ اسلوب یہی چاہتا ہے کہ یہاں وقفہ ہو، بغیر اس کے زور کلام ابھرتا نہیں. اور گو آیت میں بات پوری نہیں ہوئی ہے، لیکن موقع کا قدرتی اسلوب خطاب یہی ہے کہ وقفہ کیا جائے، اتصال صوت نہ ہو.

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا (اور) یہ جو ہم نے ان میں سے
مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ کئی قسم کے لوگوں کو (فوائد
وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ زندگی سے) بہرہ مند کر دیا ہے
جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۸۸ تو تم (رشك کی نظر سے) انہیں

نہ دیکھو اور نہ ایسا ہو کہ ان کی حالت پر بے کار کو غم کہانے لگو. تم مؤمنوں کے لیے اپنے بازو پہیلا دو (یعنی انہں کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ) ۸۸ .

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۝ ۸۹ اور اعلان کر دو کہ میں (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبر دار کرنے والا ہوں. آشکارا ۸۹ .

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝ ۹۰ (اے پیغمبر! ہم نے اسی طرح
الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ یہ کلام تم پر نازل کیا ہے) جس
عِضِيْنَ ۝ ۹۱ طرح ان لوگوں پر نازل کیا تھا

جنہوں نے (دین حق کے) ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں، (اور اپنے) قرآن کو پارہ پارہ کر دیا ہے ۹۰ و ۹۱ .

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ	تو (دیکھو!) تمہارا پروردگار
اَجْمَعِيْنَ ۙ ٩٢	شاهد ہے کہ ان سب سے ضرور
عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ٩٣	ان کے کاموں کی باز پرس

ہوگی ۹۲ و ۹۳ .

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ	پس جو کچھ تمہیں حکم دیا گیا
عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ٩٤	ہے، لوگوں پر آشکار کرو اور

مشرکوں کی کچھ پروا نہ کرو ۹٤ .

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ ٩٥	ان هنسی اڑانے والوں کے لیے

ہم تمہاری طرف سے بس کرتے هیں ۹٥ .

اَلَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا	(یه هنسی اڑانے والے) جو
اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ ٩٦	الله کے ساتھ دوسری ہستیوں

کو بھی معبود بناتے هیں ، عن قریب معلوم کرلیں گے (که حقیقت حال کیا تھی) ۹٦ .

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ	هم اس سے بے خبر نہیں که ان
صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۙ ٩٧	لوگوں کی باتوں سے تمہارا دل

دکھنے لگتا ہے .

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ سو چاہیے کہ اپنے پروردگار

مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ ٩٨ کی ستایش کو (شب و روز)

وردِ زباں کرلو، اس کے حضور سجدے میں کرے رہو ٩٨ .

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ اس کی بندگی میں لگے رہو ،

الْيَقِيْنُ ۚ ٩٩ یہاں تک کہ یقین تمہارے ع ٦ ٦

سامنے آجائے ٩٩ .

سورۃ النحل - ١٦

مکیۃ وھی مائۃ و ثمان و عشرون اٰیۃ

مکی، ١٢٨ آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ ١

اللہ کا حکم آپہنچا، پس اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ (اور انتظار کرو)۔ (اے مخاطب!) اس کی ذات ان باتوں سے پاک اور بلند ہے جو یہ لوگ شرک کی کر رہے ہیں ١.

---

١ - یہ سورت من جملہ ان سورتوں کے ہے جو مکی عہد کے آخری ایام میں نازل ہوئیں۔

"امر اللہ" سے مقصود اللہ کی یہ ٹھیرائی ہوئی بات کہ دعوت وحی کامیاب ہوتی ہے اور اس کی مخالف قوتیں ناکام رہتی ہیں۔ اسی حقیقت کو قرآن نے قضاء بالحق اور شہادت الٰہی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ =

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ أَنْ أَنْذِرُوٓا أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝٢

وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ؛ اس غرض سے چن لیتا ہے کہ اپنے حکم سے فرشتے 'الروح' کے ساتھ اس پر بھیجے (یعنی وحی کے ساتھ بھیجے) اور اسے حکم دے کہ لوگوں کو اس حقیقت سے خبردار کر دو "میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے،

= منکر اس بات کی ھنسی اڑاتے تھے اور کہتے تھے : اگر سچ مچ ایسا ہونے والا ہے تو کیوں نہیں ہو چکتا ؟ یعنی کیوں اللہ کا حکم ظہور میں نہیں آجاتا ؟ ابتدائی عہد کی سورتوں میں کہا گیا تھا کہ قانون حق نے ہر بات کے لیے ایک وقت ٹھہرادیا ہے اور وہ اپنے وقت ہی پر ظاہر ہوتی ہے . اس سورت میں فرمایا : وہ وقت آ گیا ہے یعنی اب بالکل قریب ہے . کیوں کہ اب مخالفوں کا ظلم و تشدد انتہائی حد تک پہنچ چکا تھا ، مؤمنوں پر زندگی دشوار ہو گئی تھی ، عن قریب ھجرت مدینه کا معاملہ ظہور میں آنے والا تھا اور اس کا ظہور فیصلۂ امر کا اعلان تھا .

پس مجھ سے ڈرو" (اور انکار و بد عملی سے باز آجاؤ) ۲ .

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اس نے آسمان و زمین کا تمام

بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا کارخانہ تدبیر و مصلحت سے

یُشْرِکُوْنَ ۝۳ پیدا کیا ہے (بے کار کو نہیں

بنایا) اس کی ذات اس بات سے (پاک و) بلند ہے جو یہ لوگ

---

۲ - قرآن نے جا بجا وحی الٰہی کو "الروح" سے تعبیر کیا ہے. یہاں آیت (۲) میں بھی "الروح" سے مقصود وحی ہے، اور ظاہر ہے کہ وحی کے لیے اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی. وہ نظر نہیں آتی لیکن جس جسم پر اترتی ہے، وہ اس سے معمور ہو جاتا ہے اور اس کے اندر سے اس کی صدائیں اٹھنے لگتی ہیں. نیز اس اعتبار سے بھی وہ الروح ہے کہ انسانی سعادت کی زندگی اسی سے قائم ہے. "استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم" (۸ : ۲٤).

حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی حقیقت کو "روح القدس" سے تعبیر کیا ہے اور حواریوں نے بھی اسی معنی میں اسے استعمال کیا ہے. اگرچہ بعد کو اس کی حقیقت عیسائیوں پر مشتبہ ہو گئی.

شرك کی کر رہے ہیں ۳ ۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ ٤ اس نے انسان کو نطفے (کے ایک قطرہ) سے پیدا کیا ۔ پھر (دیکھو!) وہ ایک جھگڑنے والا اور ابھرنے والا وجود ہو گیا ٤ .

۳ - آیت (۲) میں فرمایا تھا کہ اللہ کی مقررہ سنت ہے کہ وہ ہدایت خلق کے لیے کسی بندے کو چن لیتا ہے اور اسے وحی کی روح سے معمور کر دیتا ہے ۔ اور اس ہدایت وحی کی دعوت کیا ہوتی ہے ؟ توحید الٰہی کی تلقین یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں پس صرف اسی کی بندگی کرو ۔

اب آیت (۳) سے توحید الٰہی کے دلائل کا بیان شروع ہوتا ہے ۔ مبدء استدلال " تخلیق بالحق " کی حقیقت ہے جس کی تشریح پہلے گزر چکی ، اور مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے ۔

آیت (٤) میں قدرت الٰہی کی اس کرشمہ سازی پر توجہ دلائی ہے کہ نطفے کے ایک قطرۂ حقیر سے ایک ایسا عقیل و مفکر وجود پیدا ہو جاتا ہے جس میں بحث و نزاع کی قوت ہوتی ہے اور جو بال کی کھال نکالنے لگتا ہے ۔ پس یہاں " فاذا ھو خصیم مبین " سے مقصود=

= بیان واقعہ ہے نہ کہ مذمت و ملامت جیسا کہ بعض دوسرے مقامات میں ہے۔

پہلے تخلیق بالحق کی حقیقت پر توجہ دلائی کہ کارخانۂ ہستی کی ہر چیز کسی سوچی سمجھی ہوئی مصلحت سے بنائی گئی ہے، بے کار و عبث نہیں بنی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: انسان خود اپنی ہستی کو دیکھے اور اپنے چاروں طرف نظر ڈالے کس طرح ہر شئے بول رہی ہے کہ مجھے کسی رب و رحیم ہستی نے بنایا ہے جو پرورش کرنا چاہتی ہے، فائدہ پہنچانا چاہتی ہے، ساری احتیاجیں اور ضرورتیں پوری کررہی ہے اور سرتاسر بخشش، فضل، احسان اور رحمت ہے؟

پھر اگر ایک ایسی ربوبیت و رحمت رکھنے والی ہستی موجود ہے تو ہر طرح کی پرستاریوں کا مستحق اسے ہونا چاہیے یا انہیں جو خود اپنی پرورش کے لیے اس کی پروردگاری کے محتاج ہیں؟ اور اگر وہ پروردگار ہستی تمہاری تمام جسمانی ضرورتوں اور آسایشوں کا انتظام کررہی ہے تو کیا ضروری نہ تھا کہ تمہاری روحانی سعادت و زندگی کا بھی سروسامان کر دیتی؟ یہی سروسامان ہے جو ہدایت وحی اور ترسیل رسل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر کیوں تمہیں اس پر انکار و تعجب ہو؟

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ ۝۵

اور (دیکھو !) اس نے چار پائے پیدا کیے۔ ان میں (یعنی ان کی کھال اور اون میں) تمہارے لیے گرم کرنے والی پوشش ہے ، نیز طرح طرح کے فائدے اور انہیں میں ایسے جانور بھی ہیں جن کا تم گوشت کھاتے ہو ۵ .

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶

اور (دیکھو ! انہیں کس طرح پیدا کیا کہ) ان میں تمہاری نگاہوں کے لیے خوش نمائی پیدا ہو گئی ہے جب تم شام کے وقت انہیں (میدانوں سے چرا کر) واپس لاتے ہو اور جب صبح کو (میدانوں میں) چھوڑ دیتے ہو (تو اس وقت ان کا منظر کیسا خوش نما ہوتا ہے !) ٦ .

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۚ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷

اور (پھر دیکھو !) یہی جانور ہیں جو تمہارا بوجھ اٹھا کر ایسے (دور دراز) شہروں تک لے جاتے ہیں کہ تم وہاں

تك نہیں پہنچ سکتے تھے مگر بڑی جاں کاھی کے ساتھ. بلا شبہ
تمہارا پروردگار بڑا ھی شفقت رکھنے والا ، بڑا ھی رحمت رکھنے
والا ھے! ۷.

وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ اور (دیکھو!) گھوڑے،
وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا خچر اور گدھے پیدا کردیے
وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ مَا لَا ھیں کہ تم ان سے سواری کا کام
تَعْلَمُوْنَ ۝ ۸ لو اور ویسے ان میں خوش نمائی

اور رونق بھی ھے. وہ اور بہت سی چیزیں بھی پیدا کرتا ھے
جن کی تمھیں خبر نہیں ۸.

وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ اور یہ الله کا کام ھے کہ را
وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ حق واضح کردے اور راہوں
ع ۱ ۷ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ۹ مین ٹیڑھی راھیں بھی ھیں. و

اگر چاھتا تو تم سب کو (ایک ھی) راہ دکھا دیتا (اور مختلف
راھیں یہاں پیدا ھی نہ ھوتیں ، لیکن تم دیکھ رھے ھو کہ مختلف
راھیں ھوئیں اور اس کی حکمت کا ایسا ھی فیصلہ ھوا) ۹

هُوَ الَّذِیٓ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمۡ مِّنۡهُ شَرَابٌ وَّمِنۡهُ شَجَرٌ فِيۡهِ تُسِيۡمُوۡنَ ۝ ١٠

وهی هے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ اس میں سے کچھ تو تمهارے پینے کے کام آتا هے، (کچھ زمین کو سیراب کرتا هے) اس سے درختوں کے جنگل پیدا هو جاتے هیں اور تم اپنے مویشی ان میں چراتے هو ١٠ .

يُنۡۢبِتُ لَـكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَالزَّيۡتُوۡنَ وَالنَّخِيۡلَ وَالۡاَعۡنَابَ وَمِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝ ١١

اسی پانی سے وہ تمهارے لیے (هر طرح کے غلوں کی) کهیتیاں بهی پیدا کر دیتا هے، نیز زیتون، کهجور، انگور اور هر طرح کے پهل، یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے ایك بڑی نشانی هے جو غور و فکر کرنے والے هیں! ١١ .

وَسَخَّرَ لَـكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ

اور (دیکھو!) اس نے تمهارے لیے رات اور دن اور سورج

وَالنُّجُومُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۙ ١٢

اور چاند مسخر کر دیے (کہ تمھاری کاربراریوں کے لیے کام کر رہے ہیں) اور اسی طرح ستارے بھی اس کے حکم سے تمھارے لیے مسخر ہو گئے ہیں. یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں! ١٢.

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ١٣

اور زمین کی سطح پر طرح طرح کے رنگوں کی پیداوار جو تمھارے لیے پیدا کر دی ہیں (ان پر غور کرو!) بلا شبہ اس میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں! ١٣.

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا

اور (دیکھو!) وہی ہے جس نے سمندر تمھارے لیے مسخر

وَ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَاۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ۱۴

کو دیا که اس سے تروتازه گوشت نکالو اور کھاؤ اور زیور کی (قیمتی اور خوش نما) چیزیں نکالو جنھیں آرایش کے لیے پہنتے ہو. نیز تم دیکھتے هو که جهاز پانی چیرتے هوے چلے جاتے هیں، تاکه اس کا فضل تلاش کرو (یعنی جهازوں کے ذریعے تجارت کرو) اور (اس کی نعمتوں کی قدر بجا لاکر) شکرگزار هو! ۱۴.

وَ اَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَۙ ۝ ۱۵

اور (دیکھو!) اسی نے زمین میں پہاڑ قائم کر دیے که وه تمھیں لے کر (کسی طرف کو) جھک نه پڑے. اور اس نے نہریں رواں کردیں اور راستے نکال دیے تاکه تم (تری اور خشکی کی راهیں قطع کر کے) اپنی منزل مقصود تک پہنچو ۱۵.

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝١٦

اور (دیکھو!) اس نے (قطع مسافت کے لیے طرح طرح کی) علامتیں پیدا کر دیں اور ستاروں سے لوگ رہ نمائی پاتے ہیں! ١٦.

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝١٧

پھر بتلاؤ! کیا دونوں ہستیاں برابر ہوگئیں؟ وہ جو پیدا کرتی ہے (یعنی جس نے ربوبیت و فیضان کا یہ تمام کارخانہ بنادیا ہے) اور وہ جو کچھ پیدا نہیں کرتی (بلکہ خود اپنی ہستی کے لیے پروردگار عالم کی ربوبیت کی محتاج ہے) پھر کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں! ١٧.

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٨

اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی گن نہ سکو. بلا شبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے! ١٨.

---

١٨ - آیت ١٨ میں فرمایا: ان چند اشیاء کی پیدایش ہی پر موقوف نہیں، اس کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ اگر گننا چاہو تو تمھاری طاقت سے باہر ہے کہ گن سکو. تمھاری زندگی کا ہر سانس اس کی کسی نہ کسی نعمت کا =

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝١٩

اور الله سب کچھ جانتا ہے، جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو (کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں) ۱۹ ۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ

اور الله کے سوا جن ہستیوں کو یہ پکارتے ہیں ان کا حال

= رہین منت ہے ۔ کارخانہ ہستی کا ہر ذرہ کسی نہ کسی بخشش و کرم کی شانی ہے ۔ درختوں کا ہر پھول، دھوپ کی ہر کرن، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، چاند کی ہر نمود، ستاروں کی ہر چمك، پرندوں کی ہر چہچہاہٹ اس کی ربوبیت کی ایك پروردگاری اور اس کی رحمت کی ایك چارہ سازی ہے ۔ تم اگر درختوں کے سبز پتے، پھولوں کے رنگین ورق اور سورج کی سنہری کرنیں گن سکتے ہو تو اس کی نعمتیں بھی گن لو ۔ تم درختوں کے ہر پتے سے پوچھو، بارش کے ہر قطرے سے سوال کرو، سورج کی ہر کرن کا منہ دیکھو! تمھیں یہی جواب ملے گا کہ "ان الله لغفور رحیم" جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے!

يُخْلَقُونَ ۝٢٠ یه ہے کہ وہ کوئی چیز پیدا نہیں

کرسکتے، خود کسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں ٢٠ .

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وہ مردے ہیں، نہ کہ زندگی

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ رکھنے والے . انہیں اس کی بھی

ع ٢ ٨ يُبْعَثُوْنَ ۝٢١ خبر نہیں کہ کب (موت سے)

اٹھائے جائیں گے ٢١ .

---

٢٠ و ٢١ - آیت ٢٠ اور اس کے بعد کی آیتوں میں دلائل سے نتیجہ نکلا ہے . ایسا نتیجہ جو خود بخود ابھر رہا اور ہر نگاہ کے سامنے آرہا تھا . یعنے جس پروردگار نے اپنی پروردگاریوں کا یہ تمام کارخانہ پیدا کردیا ہے کیا کوئی دوسری ہستی اس کے برابر ہوسکتی ہے؟ کیا وہ ہستی جو سب کچھ پیدا کررہی ہے اور وہ جو پیدا نہیں کرسکتی دونوں برابر ہوسکتی ہیں؟ اگر نہیں ہوسکتیں تو اس سے بڑھ کر عقل کی کوری اور روح کی موت کیا ہوسکتی ہے کہ تم دوسری ہستیوں کو بھی پروردگار عالم کے ساتھ معبودیت میں شریك کررہے ہو؟

اِلٰـهُـكُـمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ج فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ٥ ٢٢	تمهارا معبود تو ايك هى معبود هے (اس كے سوا كوئى نهيں) پهر جو لوگ آخرت كى زندگى پر يقين نهيں ركهتے تو ضرور ان كے دل انكار ميں ڈوبے هوے هيں . وه (سچائى كے مقابلے ميں) گهمنڈ كر رهے هيں .
لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ٥ ٢٣	يقنا (الله ان كے حال سے بے خبر نهيں) يه جو كچھ (اپنے دل ميں) چهپائے هوے هيں اور جو كچھ (زبان ‌سے) ظاهر كرتے هيں سب اس كے علم ميں هے . وه گهمنڈ كرنے والوں كو پسند نهيں كرتا .
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ لا قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ لا ٢٤	اور جب ان لوگوں سے پوچها جاتا هے " وه كيا بات هے جو تمهارے پروردگار نے اتارى هے ؟ " تو كهتے هيں " كچھ نهيں ، محض اگلے وقتوں كے افسانے هيں " ٢٤ .

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ ع ۲۵

(ان کے اس کہنے کا نتیجہ کیا ھے؟) یہ کہ قیامت کے دن پورا پورا (اپنے گناھوں کا) بوجھ اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ کا بھی ایک حصہ جنھیں (اس طرح کی باتیں کہہ کہہ کر یہ بغیر علم و روشنی کے گم راہ کر رھے ھیں. (تو دیکھو!) کیا ھی برا بوجھ ھے جو یہ اپنے اوپر لادے چلے جا رھے ھیں ۲۵ .

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ۲۶

ان سے پہلے جو گزر چکے ھیں انھوں نے بھی (دعوت حق کے خلاف) تدبیریں کی تھیں، لیکن (کیا نتیجہ نکلا؟) انھوں نے اپنی تدبیروں کی جو عمارت بنائی تھی اللہ نے اس کی بنیاد کی اینٹیں تک ھلادیں. پس ان کے اوپر (انھیں کی بنائی ھوئی) چھت آ گری اور ایسی راہ سے عذاب نمودار ھوا جس کا انھیں وھم و گمان بھی نہ تھا ۲۶ .

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيهِمْ	پھر (اس کے بعد) قیامت کا
وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ	دن (پیش آنے والا) ہے جب
كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ ؕ	وہ انھیں رسوائی میں ڈالے گا
قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ	اور پوچھے گا" (بتلاو! آج) وہ
إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوٓءَ	هستیاں کہاں گئیں جنھیں تم
عَلَى الْكٰفِرِينَ ۙ ٢٧	نے میرا شریك بنایا تھا اور جن

کے بارے میں تم (اهل حق سے) لڑا کرتے تھے؟" اس وقت وہ لوگ جنھیں (حقیقت کا) علم دیا گیا تھا پکار اٹھیں کے "بے شك آج کے دن کی رسوائی اور خرابی سر تا سر کافروں کے لیے ہے ٢٧.

الَّذِينَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ	ان کافروں کے لیے کہ فرشتوں
ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ ص فَأَلْقَوُا	نے جب ان کی روحیں قبض
السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ	کی تھیں تو اپنی جانوں پر خود
سُوٓءٍ ؕ بَلٰٓى إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ	اپنے ھاتوں ظلم کر رہے تھے".

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ٢٨ تب وہ اطاعت کا اظہار کریں گے (اور کہیں گے) "ہم نے تو (اپنی دانست میں) کوئی برائی کی بات نہیں کی تھی" (لیکن اہل علم جواب دیں گے) "ہاں! تم نے ضرور کی اور تم جو کچھ کرتے رہے ہو اللہ اس سے اچھی طرح واقف ہے" ٢٨.

٢٨ - برائی اور معصیت کرنے کو ہر جگہ قرآن نے "ظلموا انفسھم" اور "اسرفوا علی انفسھم" سے تعبیر کیا ہے. یعنے انہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ نا انصافی کی اور اپنی جانوں پر زیادتی کی. یہاں بھی آیت (٢٨) میں ایسی ہی تعبیر ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک کفر و بدعملی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ خود اپنے ہاتھوں اپنی جانوں کو نقصان و ہلاکت میں ڈالنا ہے.

اس بات کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی آدمی کو ہم سنکھیا کھانے دیکھتے ہیں تو بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو؟ اپنے ہاتوں اپنے کو ہلاک کر رہے ہو؟ قرآن کے نزدیک کفر و معصیت بھی ایسی ہی چیز ہے. یہ دودھ پینے کی جگہ سنکھیا کھانا ہے، اور جو کھاتا ہے وہ خود ہی اپنی جان کے ساتھ نا انصافی کرتا ہے اور خود اپنے اوپر زیادتی کرنے والا ہوتا ہے.

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ
مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝٢٩
وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ
اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ
الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ
الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ
دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝٣٠ لا
جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا

"پس اب تمہارے لیے یہی ہے کہ جہنم کے دروازوں میں (گروہ گروہ ہو کر) داخل ہو جاؤ . تمہیں ہمیشہ کے لیے اسی میں رہنا ہے" تو (دیکھو حق کے مقابلے میں) گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہوا ۲۹.

اور (جب) متقیوں سے پوچھا گیا "وہ کیا بات ہے جو تمہارے پروردگار نے نازل کی ہے؟" تو انہوں نے کہا "سر تا سر خیر و برکت کی بات" (سو دیکھو!) جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی ان کے لیے اچھائی ہی ہے، اور یقیناً (ان کے لیے) آخرت کا گھر بھی خیر و برکت ہی کا گھر ہے . پس متقیوں کا ٹھکانا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہوا ۳۰ .

دائمی (راحت و سرور کے)

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ ٣١

باغ جن میں وہ داخل ہوں گے ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اس لیے بھی خشک ہونے والے نہیں) جو کچھ چاہیں گے وہاں ان کے لیے مہیا ہو جائے گا. اسی طرح اللہ متقیوں کو (ان کی نیک عملی کا) بدلا دیتا ہے ٣١.

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ٣٢

وہ (متقی) جنہیں فرشتے اس حال میں وفات دیتے ہیں کہ (دل کے اطمینان اور ایمان کے یقین کی وجہ سے) خوش حال ہوتے ہیں. فرشتے انہیں کہتے ہیں "تم پر سلامتی ہو، جنت میں داخل ہو جاؤ، یہ نتیجہ ہے ان کاموں کا جو تم کرتے رہے ہو" ٣٢.

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ

(اے پیغمبر!) یہ لوگ جو انتظار کر رہے ہیں تو اس بات کے سوا اور کونسی بات اب

اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ٣٣

باقی رہ گئی ہے کہ فرشتے ان پر اتر آئیں، یا تیرے پروردگار کا (مقررہ) حکم ظہور میں آجائے؟ ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (کہ سرکشی و فساد سے باز نہ آئے، یہاں تک کہ حکم الٰہی ظہور میں آ گیا) اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا، بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے ٣٣۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ع ٣٤

٤
ع
١٠

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ جیسے کچھ ان کے کام تھے ویسے ہی برے نتیجے بھی ملے اور جس بات کی ہنسی اڑایا کرتے تھے وہی انہیں آ لگی ٣٤۔

---

٣٤ - آیت (٢٤) سے آیت (٣٢) تک گروہوں کی دو متضاد حالتیں اور متضاد نتیجے بیان کیے ہیں:

ایک گروہ منکروں کا ہے، ایک متقی انسانوں کا۔

منکروں کے نزدیک وحی الٰہی کی حقیقت کیا ہے؟ "قالوا اساطیر الاولین" یہ تو وہی اگلوں کے افسانے ہیں، اس =

= کے سوا کچھ نہیں. لیکن جو لوگ متقی ھیں ان کے نزدیک اس کی حقیقت کیا ھے؟ "قالوا خیرا" سر تا سر خیر و برکت.

پہلے گروہ پر جب موت آتی ھے تو اس حال میں آتی ھے کہ برائیوں میں سرگرم ہوتے ھیں "تتوفٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم". لیکن دوسرے گروہ پر جب آتی ھے تو وہ ایمان و یقین اور پاکی عمل کی روح سے خوش حال ہوتے ھیں "تتوفٰھم الملٰئکۃ طیبین".

جزاء عمل کے لحاظ سے بھی دونوں کی حالتیں متضاد ہوئیں. پہلے گروہ کو کہا جائے گا "ادخلوا ابواب جھنم" دوسرے سے کہا جائے گا "ادخلو الجنۃ".

پہلے کے لیے خواری و عذاب کا پیام ہوگا "ان الخزی الیوم و السوء علی الکٰفرین" دوسرے کے لیے سلامتی کا پیام: "سلٰم علیکم ادخلوا الجنۃ"

پہلے نے گھمنڈ کیا تھا تو گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ھی برا ٹھکانا ہوا "فلبئس مثوی المتکبرین" دوسرے نے تقوے کی روش اختیار کی تھی تو تقوے کی راہ چلنے والوں کا کیا ھی اچھا ٹھکانا ہوا "و لنعم دار المتقین"

پہلے کے لیے عذاب دائمی ہوا "خٰلدین فیھا" دوسرے کے لیے نعیم و سرور کی زندگی دائمی ہوئی "جنّٰت عدن یدخلونھا".

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ	اور مشرکوں نے کہا "اگر
مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ	اللہ چاہتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا
نَحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا	کہ ہم یا ہمارے باپ دادا اس
مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ	کے سوا دوسری ہستیوں کی
فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ	پوجا کرتے اور نہ ایسا ہوتا کہ
فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلٰغُ	بغیر اس کے حکم کے کسی چیز
الْمُبِينُ ۞ ٣٥	کو (اپنے جی سے) حرام ٹھیرا

لیتے"۔ ایسی ہی روش ان لوگوں نے بھی اختیار کی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ پھر (بتلاؤ!) پیغمبروں کے ذمے اس کے سوا اور کیا ہے کہ صاف صاف پیغام حق پہنچادیں؟ ۳۵۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ	اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے
رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ	(دنیا کی) ہر امت میں کوئی نہ
وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۚ	کوئی رسول ضرور پیدا کیا،
فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ	(تاکہ اس پیام حق کا اعلان

مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۚ کردے) کہ اللہ کی بندگی کرو

فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا اور سرکش قوتوں سے بچو.

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ٣٦ پھر ان امتوں میں سے بعض

ایسی تھیں جن پر اللہ نے (کام یابی کی) راہ کھول دی . بعض ایسی تھیں جن پر گم راہی ثابت ہو گئی . بس ملکوں کی سیر کرو اور دیکھو جو قومیں (سچائی کی) جھٹلانے والی تھیں انہیں بالآخر کیسا انجام پیش آیا؟ ٣٦ .

---

٣٥ و ٣٦ - قرآن نے جا بجا مشرکوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”اگر شرک برائی ہے تو خدا کیوں ہمیں برائی کرنے دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا کہ اس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کی جائے تو کبھی ایسا نہ ہوسکتا کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد ایسی بات کرسکتے . اگر وہ چاہے تو اب بھی ہمیں روک دے سکتا ہے . اس شور و ہنگامہ کی جگہ جو تم نے بپا کر رکھا ہے کیوں خدا سے نہیں کہتے کہ ہمیں روک دے؟“ چنانچہ یہاں بھی آیت ٣٥ میں ان کا یہی قول نقل کیا ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے:

فرمایا: یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو انہوں نے کہدی، پہلے بھی لوگ ایسی ہی روش اختیار کرچکے ہیں، لیکن

یہ روش گم راہی اور ہٹ دھرمی کی روش ہے۔ اللہ کے رسول اس لیے نہیں آتے کہ لوگوں سے برائی کرنے کی طاقت سلب کرلیں اور انہیں ایسا بنادیں کہ برائی کر ہی نہ سکیں۔ وہ تو پیام حق پہنچانے والے ہیں اور پیام پہنچانے والے کا کام صرف یہ ہے کہ صاف صاف اور روشن طریقے پر پیام پہنچا دے۔ اب اسے ماننا یا نہ ماننا یہ سننے والوں کا کام ہے۔ پیام پہنچانے والا اس کے لیے ذمہ دار نہیں۔

اور جب اللہ کی مشیت یہی ہوئی کہ انسان کو کسی ایک حالت پر مجبور نہ کر دیا جائے بلکہ ہر طرح کی حالت اختیار کرنے کی قدرت دی جائے تو اللہ کے رسولوں سے کیوں اس کی توقع کی جائے کہ لوگوں سے یہ قدرت سلب کر لیں؟

پھر فرمایا: دنیا کی کوئی امت نہیں جس میں اللہ کا رسول نہ آیا ہو اور اس نے توحید و خدا پرستی کی تعلیم نہ دی ہو، پھر کسی نے مانا اور اللہ نے فلاح و سعادت کی راہ اس پر کھول دی، کسی نے نہیں مانا اور گم راہی کی بات ثابت ہوگئی اور گم راہی کا نتیجہ پیش آ گیا۔ پس اللہ کا قانون ہدایت و شقاوت ایسا ہی چلا آیا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنادیا گیا ہو۔

إِنْ تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدٰىهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ
لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ
مِنْ نّٰصِرِينَ ۝ ٣٧

(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں کے ھدایت پانے کے کتنے ھی خواھش مند ھو، لیکن (یہ راہ پانے والے نہیں، کیوں کہ) اللہ اس آدمی پر (کام یابی کی) راہ کبھی نہیں کھولتا جس پر (اس کے انکار و سرکشی کی وجہ سے) راہ گم کر دیتا ھے اور ایسے لوگوں کے لیے کوئی مددگار بھی نہیں ھوتا (کہ انہیں نتائج عمل سے بچالے) ٣٧ .

وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ
أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ
مَنْ يَمُوتُ ۚ بَلٰى وَعْدًا
عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۙ ۝ ٣٨

اور (دیکھو!) ان لوگوں نے اللہ کی سخت سے سخت قسمیں کھائیں کہ "جو مر جاتا ھے اسے اللہ کبھی دوبارہ نہیں اٹھائے گا". ھاں! ضرور اٹھائے گا. یہ اس کا وعدہ ھے اور اس کا پورا کرنا اس پر لازم ھے، لیکن اکثر آدمی ھیں جو اس بات کا علم نہیں رکھتے ٣٨ .

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ

(اور پھر کیوں اٹھائے گا؟)

فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ اس لیے کہ جن باتوں میں لوگ
كَفَرُوْا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اختلاف کرتے ہیں ان کی
حقیقت کھول دے اور اس لیے کہ منکر جان لیں وہ (اپنی روش
میں) جھوٹے تھے ۳۹

۳۸ و ۳۹ - یہ اعتقاد کہ انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی دنیا میں بسر کرتا ہے، بلکہ اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس زندگی میں جزاء عمل کا معاملہ پیش آنے والا ہے. تمام مذاہب عالم کا عالم گیر اعتقاد ہے. لیکن مشرکین عرب اس سے بے خبر تھے. اس لیے جب قرآن نے آخرت کی زندگی اور حشر اجساد کا اعلان کیا تو انہیں بڑی ہی عجیب بات معلوم ہوئی. وہ کہتے تھے: "جب آدمی مرگیا تو مرگیا پھر اس کے بعد زندگی کیسے ہو سکتی ہے؟" چنانچہ قرآن نے جا بجا ان کے اقوال نقل کیے ہیں اور جواب دیا ہے. یہاں آیت ۳۸ میں فرمایا: "یہ لوگ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اللہ مردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا. لیکن نہیں جانتے کہ اللہ کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے. کیوں کہ یہ اس کا وعدہ ہے، یعنی اس کی ٹھیرائی ہوئی بات ہے اور ضروری ہے کہ ظہور میں آئے. =

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؏ ۴۰ | جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کوئی چیز پیدا کردیں تو اس کے سوا ہیں اور کچھ کہنا نہیں

ع ١١

= یہ اس کا وعدہ کیونکر ہے؟ اس طرح کہ خود دنیوی زندگی کی ہر بات کہہ رہی ہے کہ اسے ایسا کرنا ہے اور وہ ضرور کرے گا. چنانچہ اس کے بعد فرمایا "لیبین لهم الذی یختلفون فیه، و لیعلم الذین کفروا انهم کانوا کٰذبین" تاکہ جن حقیقتوں کا انسان دنیوی زندگی میں فیصلہ نہیں کرسکتا اور اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کا فیصلہ ہوجائے اور حقیقت سب کے سامنے آجائے. نیز اس لیے کہ گم راہ اور بدعمل اپنی گم راہی و بدعملی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں.

یعنے دنیوی زندگی میں پردوں کا نہ اٹھنا اور مشاہدۂ حقیقت کا نہ ہونا بتلارہا ہے کہ کوئی اور زندگی ضرور ہے جہاں بالآخر پردے اٹھیں گے. پس یہ صورت حال گویا خالق ہستی کی طرف سے ایک وعدہ ہوئی کہ اب نہیں لیکن آیندہ ایسا ہونے والا ہے اور ضروری ہے کہ یہ وعدہ پورا ہوکر رہے.

هو تا کہ کہہ دیتے ہیں " ہو جا " اور بس وہ ہو جاتا ہے ! ٤٠ .

٤٠ - آیت ٤٠ میں فرمایا : تمہیں انسان کے دوبارہ زندہ ہونے پر اس لیے تعجب ہو رہا ہے کہ اللہ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہیں . تم اسی ترازو سے اس کے کام بھی تولنا چاہتے ہو جس سے اپنے کام تولا کرتے ہو .

وہ کسی چیز کے ظہور میں لانے کے لیے نہ تو کسی سروسامان کا محتاج ہے . نہ کسی دوسری ہستی کی موجودگی کا . صرف اس کا ارادہ ہی ہر طرح کی علت ہے ، ہر طرح کا سر و سامان ہے ، ہر طرح کا مواد ہے . وہ جب چاہتا ہے کہ ایک چیز ظہور میں آجائے تو بس اس کا چاہنا ہی سب کچھ ہے . جونہیں اس کی مشیت کا فیصلہ ہوا ہر چیز ظہور میں آ گئی !

یاد رہے کہ " ان یقول لہ کن " کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عربی کا لفظ " کن " جو کاف اور نون سے مرکب ہے بولنے میں آتا ہے ، یا کلمۂ خطاب و امر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چیزیں وجود میں آجاتی ہیں ، بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ صرف اس کا ارادہ تخلیق کے لیے کافی ہے اور اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ جس بات کا حکم دے دیتا ہے وہ بمجرد حکم ظہور میں آجاتی ہے . وہ اپنے ارادہ اور =

وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ	اور (یاد رکھو!) جن لوگوں
بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ	پر (ان کے ایمان لانے کی وجہ
فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجْرُ	سے) ظلم ہوا اور ظلم سہنے کے
الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا	بعد انہوں نے اللہ کی راہ میں
يَعْلَمُوْنَ ۙ ٤١	ھجرت کی تو ہم ضرور انہیں

وقف لازم

= حکم کے نفاذ میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں.

پس ہمارے مفسرین نے یہاں جس قدر فلسفیانہ کاوشیں کی ہیں اور خطاب به معدوم وغیرہ کے سوالات اٹھائے ہیں سب بے محل اور بے معنی ہیں اور درخور التفات نہیں.

غور کرو! کس طرح چند لفظوں کے اندر اللہ کی خالقیت و قدرت کی کامل تصویر کھینچ دی ہے! ایسی تصویر که اس سے زیادہ انسانی تصور نه تو کچھ سوچ سکتا ہے، نه سوچ سکنے کی قدرت رکھتا ہے. اس نے تمام کارخانۂ ھستی کیوں کر پیدا کیا؟ وہ جو کچھ پیدا کرنا چاھتا ہے کس طرح ظہور میں آجاتا ہے؟ اس طرح که اس کا حکم ہوتا ہے اور اس کا حکم ہی ساری علتوں کی علت اور سارے سببوں کا آخری سبب ہے!

دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا بدلا تو کہیں بڑھ کر
ھے ، اگر یہ لوگ جان لیتے ٤١ .

٤١ - جب دشمنوں کا ظلم و تشدد اس حد تك پہنچ
گیا کہ مسلمانوں پر زندہ رھنا دشوار ھوگیا تو پیغمبر اسلام
نے اجازت دے دی کہ حبش (ابی سینیا = Abyssinia)
کی طرف ھجرت کر جائیں . چنانچہ پہلے بارہ مرد اور چار
عورتوں کا قافلہ مکہ سے نکلا جس کے رئیس حضرت
عثمان بن عفان تھے . اس کے بعد اور لوگ نکلے جن کی
تعداد ۷۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں تك پہنچ گئی .
تاریخ اسلام کی یہ پہلی ھجرت ھے ، دوسری ھجرت
یثرب کی ھجرت تھی .

آیت ٤١ میں جن مہاجرین کا ذکر کیا ھے اس سے
مقصود ابی سینیا کے مہاجرین ھیں . فرمایا: انھوں
نے اللہ کی سچائی کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا ھے اور
ھجرت کی مصیبتیں برداشت کی ھیں تو ضروری ھے کہ
اللہ اُن کا مددگار ھو اور ان کے لیے دنیا میں اچھا ٹھکانا
پیدا کردے .

چنانچہ ایسا ھی ھوا اور ابی سینیا کا دار غربت ان کے
لیے امن و عزت کا مہمان سرا بن گیا . یہ وھی ابی سینیا ھے =

الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۝ ٤٢ یہ لوگ جو (ہر طرح کی مصیبتوں میں) ثابت قدم رہے

اور جو اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں ٤٢ ۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَۙ ۝ ٤٣ اور (اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسولوں کو بھیجا تو اسی طرح بھیجا کہ آدمی تھے، ان پر ہم وحی

بھیجتے تھے (ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آسمان کے فرشتے اتر آئے ہوں)۔ پس (اے منکرین حق!) اگر خود تمہیں (یہ بات) معلوم

= جس کے ایک سپہ سالار ابرھہ نے پچاس برس پہلے مکہ پر حملہ کیا تھا۔ لیکن اب اسی مکہ کے مظلوموں کا اخلاص و محبت کے ساتھ استقبال کر رہا ہے۔

اتنا ہی نہیں، بلکہ مظلومیت کی یہ ہجرت تبلیغ حق کی کامرانیوں کا ایک عجیب و غریب وسیلہ بن گئی، یعنی ابی سینیا کے بادشاہ کا دل قبولیت حق کے لیے کھل گیا اور دعوت اسلام پر ایمان لے آیا۔ چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیۃ ۸۳ میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

نہیں تو ان لوگوں سے دریافت کرلو جو (آسمانی کتابوں کی)
سمجھ بوجھ رکھتے ہیں (یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے) ۴۳۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ؕ وَ اَنْزَلْنَاۤ	ہم نے ان رسولوں کو روشن
اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ	دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ
مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ	بھیجا تھا اور (اسی طرح) تجھ
يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۴	پر بھی "الذکر" (یعنی قرآن)

نازل کیا، تاکہ جو تعلیم لوگوں کی طرف بھیجی گئی ہے وہ
ان پر واضح کردے، نیز اس لیے کہ وہ غور و فکر کریں (اور
ھدایت کی راہ پائیں) ۴۴ .

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ	پھر جن لوگوں نے (اپنے)
اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ	برے مقصدوں کے لیے تدبیریں
اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ	کی ہیں، کیا وہ اس بات سے
حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ ۝۴۵	مطمئن ہوگئے ہیں کہ اللہ انہیں

زمین میں دھنسا دے یا ایک ایسی راہ سے عذاب آ نازل ہو جس
کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو؟ ۴۵ .

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ ۔ یا ایسا ہو کہ عین اس وقت جب
فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ ٤٦ وہ (اپنی کوششوں میں)
تنگ و دو کر رہے ہوں، عذاب الٰہی انہیں آ پکڑے کہ وہ اللہ کو
(اپنی تدبیروں سے) عاجز نہیں کر دے سکتے ٤٦ .

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ط فَاِنَّ یا ایسا ہو کہ انہیں (پہلے)
رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ٤٧ ڈرا دے پھر پکڑے، کیوں کہ
بلا شبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت والا، بڑا ہی رحمت والا
ہے ٤٧ .

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ کیا ان لوگوں نے اللہ کی
مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ مخلوقات میں سے کسی چیز پر
الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ بھی غور نہیں کیا؟ انہوں نے
وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ ۝ ٤٨ نہیں دیکھا کہ ہر چیز کا سایہ
دہنی طرف سے اور بائیں طرف سے ڈھلتا رہتا ہے اور اللہ کے
آگے سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتا رہتا ہے اور یہ کہ سب اس کے
آگے عاجز و در ماندہ ہیں ٤٨ .

---

٤٨ - قوانین الٰہی کی عجائب آفرینیوں میں سے ایک عجیب=

= و غریب منظر "ظل" یعنی اجسام کے سایے کا ھے .
نظام شمسی کے تمام کرشمے اس چیز میں ھم دیکھ لے سکتے ھیں . یہ ھمارے جسم کے ساتھ ساتھ رھتا اور ساتھ ساتھ چلتا ھے ، لیکن لاکھوں میل فاصلے کی خبر دے دیتا ھے . سورج کا طلوع ، عروج ، زوال ، غروب ، ساری حالتیں ھم اس آئینے میں دیکھ لے سکتے ھیں .

یہ کبھی بڑھتا ھے ، کبھی گھٹتا ھے ، کبھی ابھرتا ھے ، کبھی غائب ھو جاتا ھے ، کبھی کھڑا ھوتا ھے ، کبھی جھکتا ھے ، کبھی دھنے ھوتا ھے ، کبھی بائیں . اس کی ان تمام حالتوں کا قانون اس درجہ قطعی ، اس درجہ یکساں ، اس درجہ منظم ھے کہ اس میں فتور پڑنے کا ھمیں وھم و گمان بھی نہیں ھو سکتا . جس وقت تک گھڑیاں ایجاد نہیں ھوئی تھیں ، یہی سایہ گھڑی کا کام دیتا تھا اور اسی سے دھوپ گھڑی بنی تھی . آج کل بھی میدانوں اور دیہاتوں میں جہاں گھڑیاں نہیں ھوتیں ، دھقان سایہ دیکھ کر معلوم کر لیتا ھے کہ کتنا دن چڑھ چکا ھے ، کتنا ڈھل چکا ھے . سایہ جب مساوی ھو جائے تو دو پہر کا وقت ھے . جب گھٹنے بڑھنے لگے تو اس کی ھر مقدار گھڑی کی سوئی ھے . =

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۝٤٩

اور آسمان میں جتنی چیزیں ہیں اور زمین میں جتنے جانور ہیں سب اللہ کے آگے سر بسجود ہیں، نیز فرشتے اور وہ سرکشی نہیں کرتے ٤٩.

= یہی وجہ ہے کہ قرآن قوانین الٰہی کے احاطہ و نفاذ کا ذکر کرتے ہوئے سایے کی طرف توجہ دلاتا ہے اور کہتا ہے: '' یہ تم سے دور نہیں، ہر وقت تمہارے جسم کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے، ہمیشہ اس پر تمہاری نگاہیں رہتی ہیں، کیوں کہ اسی سے وقت کا اندازہ لگایا کرتے ہو۔ پس غور کرو اس کی حقیقت کیا ہے؟ کس طرح یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کی ہر چیز کسی مدبر و حکیم ہستی کے احکام کے آگے سر بسجود ہے اور اس نے جس چیز کے لیے جو حکم نافذ کر دیا ہے، ممکن نہیں کہ اس کی تعمیل میں بال برابر بھی انحراف ہو''. یہاں بھی آیت ٤٨ میں اسی کی طرف توجہ دلائی ہے. چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا ''و للہ یسجد ما فی السمٰوٰت وما فی الارض من دآبۃ''.

يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ — وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے

وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۩ ٥٠ السجدة — رہتے ہیں جو ان کے اوپر ع ٦ ١٢

موجود ہے اور جو کچھ حکم انہیں دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں ٥٠.

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوٓا اِلٰهَيْنِ — اور اللہ نے فرمایا: "دو دو

اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ — معبود اپنے لیے نہ بناؤ۔ حقیقت

فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ٥١ — اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ

وہی ایک معبود ہے۔ تو دیکھو! صرف میں ہی ہوں۔ پس صرف مجھی سے ڈرو" ٥١.

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمان

وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۚ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ — اور زمین میں ہے اور اسی

تَتَّقُوْنَ ٥٢ — کے لیے دین ہے دائمی۔ پھر

کیا تم اللہ کے سوا دوسری ہستیوں سے ڈرتے ہو؟ ٥٢.

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ — اور نعمتوں میں سے جو کچھ

ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ — تمہارے پاس ہے سب اللہ ہی کی

تَجْـــَٔرُوْنَ ۚ ٥٣ طرف سے ہے۔ پھر جب تمہیں
کوئی دکھ پہنچتا ہے تو اسی کے آگے زار نالی کرتے ہو ٥٣ .
ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ وہ
اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ تم سے دکھ دور کر دیتا ہے
يُشْرِكُوْنَ ۙ ٥٤ تو دیکھو! تم میں سے ایک
گروہ معاً اپنے پروردگار کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک
بنانے لگتا ہے ٥٤ .
لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ تاکہ جو نعمت ہم نے اسے دی
فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ٥٥ تھی اس کی (پوری طرح)
نا شکری کرے۔ اچھا! (زندگی کے چند روزہ) فائدے اٹھا لو .
پھر ایک وقت آئے گا کہ (اپنی ان نا شکریوں کا نتیجہ) معلوم
کر لوگے ٥٥ .
وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ اور پھر (دیکھو!) ہم نے جو
نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ کچھ رزق انہیں عطا کیا ہے
لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ٥٦ اس میں یہ ان ہستیوں کا بھی
حصہ ٹھیراتے ہیں جن کی حقیقت کی انہیں خبر نہیں ۔ بخدا تم سے

ضرور اس بارے میں باز پرس ہوگی کہ (حقیقت کے خلاف) کیسی افترا پردازیاں کرتے رہتے ہو ٥٦ .

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝٥٧
اور یہ اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں۔ اس کے لیے پاکی ہو! (بھلا اللہ کے لیے بیٹیاں!) اور خود ان کے لیے کیا؟ وہ جس کے یہ بڑے خواہش مند ہیں (یعنی بیٹے) ٥٧ .

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝٥٨
جب ان لوگوں میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو (مارے رنج کے) اس کا چہرہ کالا پڑجاتا ہے اور وہ غم میں ڈوب جاتا ہے ٥٨ .

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝٥٩
جس بات کی اسے خوش خبری دی گئی ہے، وہ ایسی برائی کی بات ہوئی کہ (شرم کے مارے) لوگوں سے چھپتا پھرے (اور سوچ میں پڑ جائے کہ) ذلت قبول کرکے بیٹی کو لیے رہے

یا مٹی کے تلے گاڑ دے. افسوس ان پر! کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں ٥٩.

٥٧ تا ٥٩ - انسان میں مرد اور عورت کا امتیاز ہے. لوگوں نے خیال کیا کہ اسی طرح روحانی قوتوں میں بھی دونوں جنسیں ہونی چاہییں. مرد دیوتا ہیں، عورتیں دیبیاں ہیں. چنانچہ دنیا کی تمام اصنام پرست اقوام کی دیوبانیوں میں یہ خیال عام طور پر نمایاں رہا ہے.

مشرکین عرب میں بھی یہ تخیل پیدا ہو گیا تھا. قبیلۂ خزاعہ اور کنانہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کا تصور دیبیوں کی شکل میں کرتے تھے اور کہتے تھے: "یہ خدا کی بیٹیاں ہیں". قرآن نے جا بجا یہ خیال نقل کیا ہے اور اس کی سخافت پر توجہ دلائی ہے. یہاں آیت ٥٧ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے.

وہ فرشتوں کو تو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے، لیکن خود عورتوں کی جنس کے لیے ان کے تصورات کیا تھے؟ یہ کہ زیادہ سے زیادہ ذلیل و حقیر مخلوق ہے. جب کسی کے یہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اسے بڑی غمگینی اور بد نصیبی کی بات سمجھتا. بعض قبائل جنھیں اپنے نسلی شرف کا بڑا =

= گھمنڈ تھا، بیٹی کے باپ ہونے میں ایسی ذلت سمجھتے
کہ اکثر حالتوں میں اسے خود اپنے ہاتھ سے زندہ گاڑ کر
مار ڈالتے۔ جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے
کی خبر ملتی تو مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہ آتا
اور سوچنے لگتا کہ ذلت گوارا کر کے بیٹی والا بن جائے
یا ایک باعزت آدمی کی طرح اسے زمین میں زندہ
دفن کر دے۔

یہاں ایک طرف تو ان کے عقیدے کی سخافت دکھلائی
ہے کہ جس بات کو خود اپنے لیے ذلت کی بات سمجھتے
ہیں، اسے خدا کے لیے تجویز کرنے میں انہیں باک نہیں۔ دوسری
طرف اس گمراہی کا ابطال کیا ہے کہ عورت کی جنس
کو جو مرد ہی کی طرح ایک انسانی جنس ہے، ذلیل و حقیر
سمجھتے ہیں، حتی کہ اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتوں قتل
کر دینے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آیت ۵۹
میں فرمایا "آلا ساء ما یحکمون" دیکھو! کیسا ہی برا
فیصلہ ہے جو انہوں نے اس معاملے میں کیا۔

مردوں کا عورتوں کے ساتھ معاملہ ظلم و معصیت کی
ایک مسلسل سرگذشت ہے اور اس سرگذشت کا ایک =

= سب سے زیادہ وحشیانہ واقعہ دختر کشی کی رسم ہے .
اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب کے اکثر قبیلوں میں یہ رسم اسی طرح جاری تھی جس طرح ہندوستان کی مختلف قوموں میں پچھلی صدی تک جاری رہ چکی ہے. لوگ اس پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے: ہمارے قبیلے کے افراد بیٹی کے باپ ہونے کا ننگ گوارا نہیں کرسکتے. لیکن اسلام نے نہ صرف یہ رسم مٹادی بلکہ وہ ذہنیت بھی مٹادی جو ان تمام وحشیانہ مظالم کے اندر کام کر رہی تھی. اس نے اعلان کیا کہ مرد اور عورت کا جنسی اختلاف کسی فضیلت اور محرومی کی بنیاد نہیں ہوسکتا. دونوں کو اللہ نے بحیثیت انسان ہونے کے ایک درجے میں رکھا ہے اور دونوں کے آگے یکساں طریقے پر ہر طرح کی فضیلتوں کی راہ کھول دی ہے: "للرجال نصیب مما اکتسبوا ؕ وللنساء نصیب مما اکتسبن ؕ وسئلوا اللہ من فضلہ" (٤ : ٣٢) .

سورۂ تکویر میں جہاں قیامت کے دن کی ہولناکیوں کا نقشہ کھینچا ہے، وہاں پرسش اعمال میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ اسی ظلم کو دی ہے: وإذا الموءدة سئلت بای ذنب قتلت" (٨١ : ٨ و ٩) . =

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶۰ ع

جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ان کے لیے ہی (۳) سوچنے کے برے تصور ہوے، حالانکہ اللہ کے لیے تو تصور کی اونچی سے اونچی جگہ ہوئی۔ وہ سب پر غالب ہے، حکمت والا ہے ۶۰۔

۷
ع
۱۳

۶۰ - انسان کے لیے اس بات کے تصور سے بڑھ کر اور کوئی تصور قدرتی اور حقیقی نہیں ہو سکتا کہ ایک خالق و پروردگار ہستی موجود ہے۔ لیکن وہ ہستی کیسی ہے؟ اس کی صفتوں کا بھی تصور کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کیا جاسکتا ہے تو وہ صفتیں کیا کیا ہیں اور کس نوعیت کی ہیں؟ یہاں سے انسانی عقل کی درماندگیاں شروع ہوجاتی ہیں اور پھر کوئی گم راہی ایسی نہیں ہے جس میں وہ گم ہوجانے کے لیے مستعد نہ ہو جاتا ہو، حتی کہ بعض اوقات بھٹکتے بھٹکتے اتنا دور چلا جاتا ہے کہ جس درجے پر خود کھڑا ہے اس سے بھی خدا کا تصور نیچے گرادیتا ہے: "و یجعلون للہ ما یکرھون"۔

مشرکین عرب کی سخافت تصور کا ذکر کرنے کے بعد آیت ۶۰ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ج فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ٦١

اور اگر ایسا ہوتا کہ اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر (فوراً) پکڑتا تو ممکن نہ تھا کہ زمین کی سطح پر ایک حرکت کرنے والی ہستی بھی باقی رہتی، لیکن وہ انہیں یک خاص ٹھہرائے ہوئے وقت تک ڈھیل دے دیتا ہے۔ پھر جب وہ مقررہ وقت آپہنچا تو نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں، نہ ایک گھڑی آگے ٦١۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ

اور (دیکھو!) یہ اللہ کے لیے ایسی باتیں ٹھہراتے ہیں جنہیں خود (اپنے لیے) پسند نہیں

---

٦١ - آیت ٦١ میں قانون امہال کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہے اور مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے۔

الْحُسْنٰى لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ٦٢

کرتے . ان کی زبانیں جھوٹے دعووں میں بے باک ہیں ، (یہ کہتے ہیں) کہ ان کے لیے (ہر حال میں) اچھائی ہی اچھائی ہے . ہاں! البتہ ان کے لیے (دوزخ کی) آگ ہے ، البتہ یہ سب سے پہلے اس میں پہنچنے والے ہیں ٦٢ .

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٦٣

(اے پیغمبر !) اس بات کی سچائی پر ہم شاهد ہیں کہ ہم نے تجھ سے پہلے کتنی ہی امتوں کی طرف رسول بھیجے . پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے لوگوں کو ان کی بدعملیاں اچھی کر دکھائیں (اور وہ سچائی کی دعوت پر کار بند نہ ہوئے) . سو وہی حال آج بھی ہو رہا ہے . وہی شیطان ان منکروں کا رفیق ہے اور (بالآخر) ان کے لیے عذاب درد ناک ہے ٦٣ .

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ

اور ہم نے تجھ پر "الکتٰب" نہیں اتاری ہے مگر اس لیے کہ

الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ٦٤

جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کی حقیقت ان پر واضح کر دے اور ایمان والوں کے لیے یہ ہدایت ہے اور رحمت ٦٤ ۔

٦٤ - قرآن نے جابجا کہا ہے کہ ہدایت وحی کا ظہور تبیین حقیقت اور رفع اختلاف کے لیے ہوتا ہے، یعنی جن باتوں کو انسان اپنی عقل و ادراك سے نہیں پاسکتا اور اس لیے طرح طرح کے اختلافات میں مبتلا ہو جاتا ہے، کوئی کچھ سمجھنے لگتا ہے، کوئی کچھ، وحی الٰہی نمودار ہوتی ہے، تاکہ ان اختلافات کو دور کر دے اور بتلا دے کہ اصل حقیقت کیا ہے. چنانچہ یہاں بھی آیت ٦٤ میں قرآن کے نزول کا ایك مقصد یہ بتلایا کہ "لتبین لهم الذی اختلفوا فیه"

یہ باتیں کونسی ہیں جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں اور جن کا اختلاف بغیر اس کے دور نہیں ہو سکتا کہ کتاب الٰہی آئے اور پردہ اٹھا دے؟ وہ تمام باتیں جو انسان کی عقل و ادراك کی سرحد سے ماوراء ہیں . اللہ کی صفات، مرنے کے بعد کی زندگی، عالم معاد کے احوال =

وَاللّٰهُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ٦٥ ع

اور (دیکھو!) اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کی آب پاشی سے زمین کو جو مردہ ہو چکی تھی (از سرنو) زندہ کر دیا۔

٨ ع ١٤

بلا شبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے جو (صدائے حق کو بھی لگا کر) سنتے ہیں ٦٥ .

=و واردات، جزاء عمل کا قانون، عالم غیب کے حقائق، یعنی وہ ساری باتیں جن کے اعتقاد و عمل کی درستگی سے روحانی سعادت کی زندگی پیدا ہو سکتی ہے۔ انسان جب کبھی اس راہ میں وحی الٰہی کی روشنی سے الگ ہو کر قدم اٹھاتا ہے، اختلافات کی تاریکیوں میں گم ہو جاتا ہے۔ لیکن جونہیں اس روشنی کی نمود میں آجاتا ہے حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور ہر طرح کے اختلافات و شکوک معدوم ہو جاتے ہیں۔

٦٥ - آیت ٦٤ میں فرمایا تھا کہ ”الکتٰب“ کا نزول ہدایت و رحمت ہے۔ آیت ٦٥ میں فرمایا: یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے باران رحمت کا نزول۔ وہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے، یہ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتا ہے۔=

وَ اِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ ٦٦

اور بلا شبہ تمہارے لیے چارپایوں میں سوچنے سمجھنے کی بڑی عبرت ہے۔ ہم ان کے جسم سے خون اور کثافت کے درمیان دودھ پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ پینے والوں کے لیے ایسی لذیذ چیز ہوتی ہے کہ بے غل وغش اٹھا کر پی لیتے ہیں ٦٦ .

وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ ٦٧

اسی طرح کھجور اور انگور کے درختوں کے پھل ہیں کہ ان سے نشہ آور عرق اور اچھی غذا دونوں طرح کی چیزیں تم حاصل کرتے ہو۔ بلا شبہ اس

= اس اسلوب موعظت کی تشریح پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہے، نیز تفسیر فاتحہ میں .

بات میں ان لوگوں کے لیے (فہم و بصیرت کی) ایك نشانی ھے
جو عقل سے کام لیتے ھیں ٦٧ .

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ
اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ
وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۙ ٦٨

اور (دیکھو!) تمھارے پروردگار
نے شہد کی مکھی کے دل میں
یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں،
درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں
جو اس غرض سے بلندی میں بنا دی جاتی ھیں ، اپنا چھتا بنائے ٦٨ .

ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ
فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ
يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا
شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ
فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ٦٩

پھر ھر طرح کے پھولوں سے
رس چوستی پھرے، پھر اپنے
پروردگار کے ٹھہرائے ھوئے
طریقے پر پوری فرماں برداری
کے ساتھ گام زن ھو جائے .
(تو دیکھو!) اس کے پیٹ سے
مختلف رنگتوں کا رس نکلتا ھے،

اس میں انسان کے لیے شفا ہے. بلا شبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے ایك نشانی ہے جو غور وفکر کرنے والے ہیں ٦٩.

٦٦ تا ٦٩ - آیت ٦٦ سے ٦٩ تك ربوبیت الٰہی کی بخشایشوں کا نقشہ کھینچا ہے، ساتھ ہی اس کی صنعت وحکمت کی کرشمہ سازیوں پر بھی توجہ دلائی ہے اور بحیثیت مجموعی ربوبیت، رحمت اور حکمت کا استدلال ہے. فرمایا: تمہاری غذا میں تین چیزیں سب سے زیادہ مفید اور لذیذ ہیں: دودھ، پھلوں کا عرق اور شہد. تم میں سے کوئی نہیں جو ان تین نعمتوں سے آشنا نہ ہوا ہو. یہ تمہاری روزانہ غذا کا جوہر، لذت طعم کا ذریعہ اور جسمانی شفا کا نسخہ ہے.

(١) لیکن یہ دودھ جو طفولیت سے لے کر بڑھاپے تك تمہاری سب سے زیادہ دل پسند غذا ہوتی ہے کس طرح اور کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ تم نے کبھی غور کیا؟ اگر غور کرتے تو تمہارے فہم وعبرت کے لیے صرف یہی ایك بات کافی تھی. یہ اسی جسم میں بنتا ہے جس جسم میں غلاظت بنتی ہے، جو طرح طرح کی آلایشوں سے بھرا ہوا ہے، جس میں اگر کوئی سیال شے موجود ہوتی ہے تو وہ خون ہے جسے کبھی ہونٹوں سے لگانا پسند نہ کرو. پھر دیکھو! جانوروں میں اس کے اترنے کا مخرج کہاں ہے؟=

= وهیں جس کے قریب ہی بول و براز کا مخرج ہے۔ یعنی ایك ہی کارخانے میں ایك ہی مادے سے اور ایك ہی طرح کے ظروف میں ایك طرف تو غلاظت بنتی اور نکلتی رہتی ہے جسے تم دیکھنا بھی پسند نہ کرو۔ دوسری طرف ایك ایسا جوہر غـذا و لذت بھی بنتا اور نکلتا ہے جسے تم دیکھتے ہی اٹھالو اور بے غل و غش ایك ایك قطرہ پی جاؤ۔

کون ہے جس کی حکمت نے یہ عجیب و غریب کارخانہ بنا دیا؟ کون ہے جو ایسے عجیب طریقوں سے زندگی کے بہترین وسائل بخش رہا ہے اور پھر کیا ممکن ہے کہ قدرت کی یہ کار فرمائی، حکمت کی یہ صنعت طرازی، ربوبیت کی یہ چارہ سازی بغیر کسی قدیر، حکیم اور رب العالمین ہستی کے ظہور میں آ گئی ہو؟

(ب) پھلوں میں طرح طرح کے خوش ذائقہ عرق پیدا ہوتے ہیں اور انہیں مختلف طریقوں سے تم کام میں لاتے ہو۔ مثلاً کھجور اور انگور کے درخت ہیں۔ ان کے عرق سے نشہ کی چیز بناتے ہو اور اچھی اور جائز غذائیں بھی اس سے بنتی ہیں۔ لیکن یہ پھل پیدا کس طرح ہوے؟ کھجور اور انگور کا ہر دانہ شیرینی اور غذائیت کی ایك سر بمہر شیشی ہے جو درختوں میں لٹکنے لگتی ہے اور تم ہاتھ بڑھا کر لے لیتے ہو۔ لیکن یہ بنتی کس کارخانے =

= میں ہے؟ زمین اور مٹی میں، یعنی اس مٹی میں جس کا ایک ذرہ بھی تمہارے منہ میں پڑ جاتا ہے تو بے اختیار ہو کر تھوکنے لگتے ہو!

تم خشک گٹھلیاں مٹی میں پھینک دیتے ہو۔ مٹی وہی گٹھلی ان نعمتوں کی شکل میں تمہیں واپس دے دیتی ہے. کون ہے جس کی ربوبیت وحکمت مٹی کے ذروں سے یہ خزانے اگلوا رہی ہے؟ خوش بو، ذایقہ اور غذائیت کے خزانے!

(ج) پھر شہد کے چھتوں کو دیکھو. یہ کارخانے ہیں جن میں تمہارے لیے شب و روز شہد تیار ہوتا رہتا ہے. تم دنیا کے سارے پھول اور پھل جمع کر کے چاہو کہ شہد کا ایک قطرہ بنالو تو کبھی نہ بنا سکو گے. لیکن ایک چھوٹی سی مکھی بناتی رہتی ہے اور اس نظم و انضباط، محنت و استقلال، تحسین و تدقیق، ترتیب و تناسب، اجتماع و اشتراک اور یکسانیت وہم آہنگی کے ساتھ بناتی رہتی ہے کہ اس کی ہر بات ہماری عقلوں کو درماندہ کر دینے والی اور ہماری فکروں کی ساری توجیہوں اور تعلیلوں پر دروازہ بند کر دینے والی ہے.

قرآن کے الفاظ پر غور کرو! کس طرح معاملے کے دقائق واضح کر دیے ہیں؟ چوں کہ شہد کی مکھی کی =

= یہ صنعت گری جدوجہد ، نظم و انضباط اور سر گرمی وباقاعدگی کا ایك پورا سلسلہ ھے جو عرصے تك جاری رھتا ھے اور یکے بعد دیگرے بہت سی منزلوں سے گزر کر مکمل ہوتا ھے ، اس لیے اس کے کاموں کو '' سبل '' سے تعبیر کیا ، یعنی عمل کی راهوں سے '' فاسلکی سبل ربك ''.

اور پھر چوں کہ اس بات پر توجہ دلانا مقصود تھا کہ جو راہ عمل ٹھیرا دی گئی ھے اس پر ٹھیك ٹھیك چلتی رھتی ھے ، کبھی ایسا نہیں ھو سکتا کہ ذرا بھی ادھر ادھر ھو ، اس لیے فرمایا '' ذللا '' حکم الٰہی کے آگے جھکی ھوئی کام کیے جا . چنانچہ اس کا ھر فرد اس طرح حکم الٰہی کے آگے جھک گیا ھے کہ ممکن نہیں کسی کو راہ عمل سے منحرف ھوتا ھوا پاؤ !

یاد رھے کہ جس وقت تك هندوستان کا گنا دوسرے ملکوں میں نہیں پہنچا تھا ، میٹھی غذاؤں کے بنانے کا تمام تر دارومدار شہد ھی پر تھا ، یا پھر ایسے پھلوں پر جو بہت زیادہ میٹھے ھوتے ھیں جیسے کھجور . سکندر اعظم جب هندوستان آیا تھا اور یونانیوں نے یہاں کی قند کھائی تھی تو خیال کیا تھا یہ بلور کی طرح کوئی معدنی چیز ھے جس کا مزہ شہد کی طرح میٹھا ھوتا ھے . غالباً سب سے پہلے عربوں نے هندوستانی گنے کی کاشت =

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ ۙ قف	اور (دیکھو!) اللہ ھی نے تمھیں
وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى	پیدا کیا، پھر وھی ھے که جو
اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ	تمھاری زندگی پوری کر دیتا ھے
بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ	اور تم میں سے کوئی ایسا بھی
عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۷۰ ع	ھوتا ھے جو (بڑھاپے کی) بدترین

۹ ع ۱۰

عمر تك پہنچ جاتا ھے که (ذھن وعقل کی) سمجھ بوجھ رکھنے کے

=مصر میں کی اور پھر مصر سے "مصری" یورپ میں پہنچی۔

پس شہد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے کیا گیا که دنیا کے اکثر حصوں میں مٹھاس کا مادہ اس کے سوا اور کچھ نه تھا۔ نیز یه محض لذیذ غذا ھی نہیں ھے، بلکه کتنی ھی بیماریوں کے لیے نسخهٔ شفاء بھی ھے۔

"وحی" مخفی اشارے کو کہتے ھیں اور یہاں لغوی معنوں میں مستعمل ھوا ھے۔ فرمایا: یه ربوبیت الٰہی کی وحی ھے جو تمام مخلوقات کو ان کے کاموں پر لگاتی ھے اور جس نے ایك حقیر سے جانور میں سعی وعمل کی ایسی حیرت انگیز قوت پیدا کر دی ھے!

بعد پھر نادان ہو جائے۔ بے شك اللہ (سب کچھ) جاننے والا، ہر بات کی قدرت رکھنے والا ہے! ٧٠.

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ ٧١

اور (دیکھو!) اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر باعتبار روزی کے برتری دی ہے (کہ کوئی زیادہ کماتا ہے، کوئی کم کماتا ہے)، پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے زیر دستوں کو لوٹا دے، حالانکہ سب اس میں برابر کے حق دار ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے صریح منکر ہو رہے ہیں؟ ٧١

٧١ - دنیا میں انسانی معیشت کا کارخانہ اس طرح چل رہا ہے کہ ہر طرح کے فوائد و وسائل کے حصول کا دروازہ ہر انسان اور ہر گروہ پر کھول دیا گیا ہے۔ مگر کوئی چیز کسی کو خود نہیں مل جاتی، اسی کو ملتی ہے جو اس کے لیے جد وجہد کرے اور وہ تمام طریقے کام میں لائے جو حصول مقصد کے لیے ضروری ہیں۔ =

= لیکن هر انسان کی ذهنی و جسمانی استعداد یکساں نہیں هوتی اور چوں که یکساں نہیں هوتی ، اس لیے وسائل معیشت کے حصول کے اعتبار سے بھی سب کی حالت یکساں نہیں هوئی . کسی نے وسائل معیشت پر زیاده قابو پالیا ، کسی نے کم ، کسی کو کمانے کے زیاده مواقع حاصل هو گئے ، کسی کو تھوڑے . پہلے جسمانی قوت میں مقابله هوا اور طاقت ور نے کم زور کو مغلوب کر لیا ، پھر ذهن و جسم کا مقابله شروع هوا اور ذهنی قوت نے جسمانی قوت کو مقهور کر لیا .

آیت ۷۱ بھی قرآن کی ان آیتوں میں سے هے جن سے هم معلوم کر سکتے هیں که اس بارے میں قرآن کی تعلیم کا رخ کس طرف هے . اس سے معلوم هوا که قرآن اس صورت حال سے تو تعرض نہیں کرتا که معیشت کے اعتبار سے تمام انسانوں کی حالت یکساں نہیں ، کسی کے پاس زیاده سامان معیشت هے ، کسی کے پاس کم . لیکن وه یه صورت حال برداشت نہیں کر سکتا که حصول رزق کے اعتبار سے لوگوں کی حالت یکساں نه هو ، کسی کو ملے ، کسی کو نه ملے . وه کہتا هے : هر انسان جو دنیا میں پیدا هوا دنیا کے سامان و رزق سے حصه پانے کا یکساں طور پر حق دار هے اور کسی فرد اور گروه کو حق نہیں که اس=

= سے اسے محروم کر دے، خواہ وہ طاقت ور ہو یا کم زور، تندرست ہو یا بیمار، قابل ہو یا نا قابل، دولت مندوں کے گھر پیدا ہو یا فقیروں کے، لیکن اگر انسان ہے تو ماں کے پیٹ سے وہ یہ حق لے کر آیا ہے کہ زندہ رہے اور زندگی کا سر و سامان پائے!

لیکن ہر فرد زندگی کا سر وسامان کیوں کر پاسکتا ہے؟ جو کم زور ہے یا جو ایسے حالات میں پڑ گیا ہے کہ کمانے کا موقع نہیں پاتا یا جو معذور اور لاچار ہو گیا ہے وہ سر وسامان معیشت کہاں سے پائے گا؟ قرآن کہتا ہے: اس طرح کہ جن لوگوں کو کمائی کا زیادہ موقع ملا ہے، ان کے ذمے خرچ کرنے کا فرض بھی زیادہ عائد ہو گیا ہے. وہ اپنی کمائی کا ایک حصہ کم زوروں کو لوٹا دیں. "لوٹا دیں" کیوں کہ فی الحقیقت کمائی کی یہ زیادہ مقدار ان افراد کے لیے تھی جو کم زوری کی وجہ سے حاصل نہ کر سکے. اب چلی گئی ہے طاقت ور افراد کے پاس، اس لیے چاہیے کہ حق داروں کو لوٹا دی جائے، یعنی جو ان کا حق ہے وہ انھیں مل جائے.

وہ کہتا ہے: یہ بات کہ تمھیں سامان معیشت کے زیادہ کمانے کا موقع مل گیا ہے، تمھیں اس بات کا حق دار نہیں بنا دیتی کہ اپنی ساری کمائی صرف اپنی انفرادی زندگی=

=هی کے لیے روك لو، کیوں کہ دنیا کے وسائل زندگی کسی خاص انسان کی حقیقی ملکیت نہیں ہو جاسکتے۔ یہاں جو کچھ ہے تمام نوع کے لیے ہے. پس اگر ایك فرد نے زیادہ کمالیا تو کمالے سکتا ہے. لیکن ایسا نہیں سمجھ سکتا کہ ساری کمائی اسی کی ہو گئی. جو کچھ اس نے کمایا ہے در اصل نوع انسانی کی ایك امانت ہے اور اس کے قبضے میں آ گئی ہے. وہ اس پر قابض رہ سکتا ہے، لیکن اسے صرف اپنے ہی لیے خاص نہیں کر لے سکتا. اس کا فرض ہے کہ خود بھی کھائے اور ان کم زوروں کو بھی کھلائے جو حصول معیشت سے محروم رہ گئے ہیں.

در اصل قرآن کی اس تعلیم کی تہ میں یہ بنیادی اصل کام کر رہی ہے کہ وہ نوع انسانی کے مختلف افراد اور جماعتوں کو ایك دوسرے سے الگ اور منقطع تسلیم نہیں کرتا، بلکہ سب کو ایك ہی گھرانے کے مختلف افراد قرار دیتا ہے. ایسے افراد جو آپس میں ایك دوسرے سے جڑے ہوے ہیں، ایك دوسرے کے شریك حال ہیں اور ایك دوسرے سے تعاون کرنے والے ہیں. بلا شبہ ان میں کا ہر فرد اپنے اپنے طور پر اپنی اپنی استعداد کے مطابق جدو جہد معیشت میں لگا ہوا ہے اور کوئی زیادہ کام یاب ہوتا ہے، کوئی کم، لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایك فرد دوسرے فرد کی=

= حالت سے بے پروا ہو جائے۔ جو زیادہ کماتا ہے وہ اپنی کمائی دوسرے کو اٹھا کر نہیں دے دیتا، لیکن ایسا بھی نہیں کر سکتا کہ دوسرے کی یک قلم محرومی برداشت کر لے اور اس کے لیے اپنے کو ذمے دار نہ سمجھے۔ جو زیادہ کماتا ہے اس کے پاس زیادہ کمائی رہتی ہے، جو کم کماتا ہے اس کے پاس کم رہتی ہے، لیکن کھاتے پیتے سب ہیں، بھوکا کوئی نہیں رہ سکتا۔ کمائی میں سب الگ الگ جدوجہد کریں گے، کھانے میں سب ایک دوسرے کے شریک ہو جائیں گے۔

دنیا میں نسل و توارث کے قریبی رشتوں نے خاندانوں کی بنیاد ڈال دی ہے۔ یہ خاندانی زندگی ٹھیک ٹھیک اس زندگی کا ایک نمونہ ہے جو قرآن چاہتا ہے کہ تمام نوع انسانی کی ہو جائے۔ ایک خاندان میں مختلف افراد ہوتے ہیں اور استعداد کار کے لحاظ سے تمام افراد کی حالت یکساں نہیں ہوتی۔ کوئی فرد زیادہ کماؤ ہوتا ہے، کوئی کم، کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ نہیں کماتا یا کچھ نہیں کما سکتا۔ جو زیادہ کماتا ہے وہ اپنی کمائی اپنے ہی پاس رکھتا ہے، ایسا نہیں کرتا کہ اٹھا کر دوسرے کو دے دے۔ لیکن باہمی رشتے داری نے باہمی فرائض و تعاون کا جو فرض عائد کر دیا ہے، اسے خاندان کا کوئی فرد نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ خاندان کا ایک =

=فرد خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے، لیکن دوسروں کو فقر وفاقے کی حالت میں ھلاك ھونے کے لیے چھوڑ دے . کمانے میں سب کی راھیں الگ ھوتی ھیں اور نتائج بھی سب کو ایك طرح کے پیش نہیں آتے، لیکن کھانے میں سب ایك دوسرے کے شریك ھوتے ھیں اور ایك دوسرے کی فکر سے غافل نہیں ھو سکتے . اگر خاندان کا ایك فرد زیادہ کماتا ھے تو وہ محسوس کرتا ھے کہ خرچ کرنے کی ذمے داری بھی اس پر زیادہ عائد ھوگئی ھے اور دوسرے بھی سمجھتے ھیں کہ یہ زیادہ کماتا ھے تو اسے ھماری خبر گیری بھی دوسروں سے زیادہ کرنی چاھیے .

ایسا بھی ھوتا ھے کہ ایك ھی خاندان کے مختلف افراد ھوتے ھیں، مگر باھمی تعاون و اشتراك کا فرض بھلا دیتے ھیں. ایك بھائی لاکھوں کماتا ھے، دوسرا بھائی بھوکا مرتا ھے . لیکن دنیا ایسے آدمی کو ملامت کرے گی. وہ کہے گی: یہ ننگ خاندان ھے. اس نے یہ بات کیسے گوارا کرلی کہ خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے اور اس کا بھائی ایك ایك دانے کو ترسے .

قرآن چاھتا ھے ایسا ھی اعتقاد نوع انسانی کے تمام افراد میں پیدا ھو جائے. وہ کہتا ھے: تمام افراد انسانی=

= در اصل ایك هی گهرانے کے مختلف افراد هیں۔ انسانیت ان کی نسل هے اور کرۂ ارضی ان کا وطن هے۔ بلا شبه ان میں کا هر فرد حق رکهتا هے که اپنی اپنی حالت اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق معیشت کے وسائل حاصل کرے، لیکن اس کا حق نهیں رکهتا که اپنی کمائی کو صرف اپنے هی لیے سمجھ لے اور اپنے کم زور بهائی کے لیے کچھ نه نکالے۔ کمانے میں سب کی راهیں الگ هوں گی، قبضه و تصرف میں بهی سب الگ الگ رهیں گے، لیکن کهانے میں الگ نهیں رہ سکتے۔ یه خدا کے اس عالم گیر گهرانے کے هر فرد کا قدرتی حق هے۔ وہ کما سکے یا نه کما سکے، لیکن اسے زنده رهنے کا سامان ملنا چاهیے۔

وہ کهتا هے: کمائی کے حق کا دامن انفاق کی ذمے داری سے بندها هوا هے۔ یه دونوں لازم و ملزم هیں۔ تم انهیں ایك دوسرے سے الگ نهیں کر سکتے۔ یهاں کمائی کرنے کے معنی هی یه هیں که خرچ کرنے کی ذمے داری اٹهائی جائے۔ اگر تم کچھ نهیں کما سکتے، تم پر کوئی ذمے داری نهیں هے۔ جونهیں تم کمانے لگے، تم پر ذمے داری عائد هو گئی۔ اب یه جتنی بڑهتی جائے گی انفاق کی ذمے داری بهی بڑهتی جائے گی۔ هر پیسه جو تمهاری جیب میں آئے گا انفاق کی ایك تازہ ذمے داری =

= اپنے ساتھ لائے گا. تمھاری کمائی کی راہ میں کوئی روک نہیں، تم جس قدر کما سکتے ہو کماؤ. بلکہ چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ کماؤ، لیکن یہ نہ بھولو کہ زیادہ سے زیادہ کمانا زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں.

وہ کہتا ہے: افراد کے ہاتھ کمائی کے لیے ہیں، لیکن جماعت کا حق خرچ کرانا ہے. افراد جتنا کما سکتے ہیں کمائیں، لیکن ڈھیر لگانے کے لیے نہیں، خرچ کرنے کے لیے.

یہی وجہ ہے کہ وہ "اکتناز" کو روکنا چاہتا ہے، یعنی چاندی سونے کے ڈھیر لگانے کو اور کہتا ہے: ان کے لیے عذاب الیم کی بشارت ہے جو ڈھیر لگاتے ہیں اور خرچ نہیں کرتے: "و الذین یکنزون الذھب و الفضۃ و لا ینفقونھا" (۹: ۳٤)، شرح اس کی سورۂ توبہ میں گزر چکی.

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا کہ جہاں تک نظام معیشت کا تعلق ہے قرآن نے اکتساب مال کا معاملہ انفاق مال کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے. وہ فرد کے حق اکتساب سے تعرض نہیں کرتا، لیکن اس حق کو انفاق کی ذمے داری کے ساتھ باندھ دیتا ہے. جس قدر کما سکتے ہو کماؤ، لیکن کوئی کمائی جائز تسلیم نہیں =

= کی جا سکتی اگر انفاق سے انکار کرتی ہو . ہر وہ کمائی جو محض ''اکتناز'' کے لیے ہو اور انفاق کے لیے دروازہ کھلا نہ رکھے، قرآن کے نزدیک ناجائز، ناپاک اور مستحق عقوبت ہے .

چنانچہ یہاں آیت ۷۱ میں فرمایا : ''واللہ فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق'' سرو سامان رزق کے اعتبار سے سب کی حالت یکساں نہ ہوئی، کسی کے پاس زیادہ ہے، کسی کے پاس کم ہے، کوئی بالکل محروم ہے . ''فما الذین فضلوا برادی رزقھم علیٰ ما ملکت ایمانھم'' پھر جن لوگوں کو رزق میں برتری دی گئی ہے وہ ایسا کرنے والے نہیں کہ اپنے کمائے ہوے رزق اپنے غلاموں اور زیر دستوں کو دے دیں . ''فھم فیہ سوآء'' حالانکہ جو رزق انہوں نے کمایا ہے وہ کچھ ان کا خلق کیا ہوا نہیں ہے، اللہ ہی کا دیا ہوا ہے اور اس لیے رزق کے حق دار ہونے میں وہ سب برابر ہیں، خواہ کوئی زیر دست ہو کر محروم ہو گیا، خواہ کوئی زبردست ہو کر خوش حال ہو گیا ہو . ''افبنعمۃ اللہ یجحدون'' پھر کیا یہ اللہ کی نعمت کے منکر ہیں؟ '' اللہ کی نعمت کے'' کیوں کہ دنیا میں جس قدر سرو سامان معیشت ہے وہ در اصل فطرت ہی کی پیداوار ہے، کسی فرد انسانی کی =

= پیدا کی ہوئی نہیں ہے اور اگر ایک فرد کے قبضے میں آجاتی ہے تو یہ ایک اللہ کا فضل ہے. بس چاہیے کہ اس کی شکر گزاری بجا لائی جائے، نہ یہ کہ کفران نعمت کیا جائے. اس کی شکر گزاری کیا ہے؟ ان افراد پر خرچ کرنا جو اس کے حصول سے محروم ہیں.

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ سرو سامان معیشت سب کے پاس یکساں نہیں اور یہ اختلاف حال قدرتی ہے، اسی لیے اسے اللہ نے براہ راست اپنی طرف منسوب کیا. دوسری یہ کہ رزق کے حق دار ہونے میں سب برابر ہوے، خواہ کوئی آقا ہو، کوئی مملوک، کوئی طاقت ور ہو، کوئی زیردست. چوں کہ یہ دونوں باتیں یک جا ہوکر اس سوال پر روشنی ڈالتی ہیں کہ نظام معیشت کے معاملے میں قرآن کا رخ کس طرف ہے، اس لیے ضروری تھا کہ مندرجۂ صدر تشریحات اسی محل میں کردی جائیں.

اس آیت میں ”فهم فيه سواء“ کا مطلب قرار دیتے ہوے بعض مفسرین نے اسے عدم تساوی حال پر محمول کیا ہے اور تقدیر عبارت یوں قرار دی ہے کہ ”افهم فيه سواء“؟ بعضوں نے ”فهم“ کی فاء کو حتیٰ کے معنوں میں لیا ہے، لیکن جملے کا صاف صاف مطلب وہی ہے =

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ	اور (دیکھو!) اللہ نے تمہیں
اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ	میں سے تمہارے لیے جوڑے
لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ	پیدا کر دیے (یعنی مرد کے لیے
وَحَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ	عورت اور عورت کے لیے
الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ	مرد) اور تمہارے جوڑوں
يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ	سے تمہارے لیے بیٹے اور
هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۙ ۷۲	پوتے پیدا کر دیے (کہ

ان سے تمہاری زندگی ایك وسیع خاندان کی نوعیت اختیار کر لیتی ہے)۔ نیز تمہاری روزی کے لیے اچھی چیزیں مہیا کر دیں۔ پھر کیا یہ لوگ جھوٹی باتیں تو مان لیتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں؟ ۷۲

= جو ہم نے قرار دیا ہے، یعنی یہ صریح تساوی حال کی خبر ہے نہ کہ اس کی نفی۔ اور جب مطلب ٹھیك ٹھیك بیٹھ رہا ہے تو پھر کونسی وجہ ہے کہ جگہ سے ہٹنے کے لیے مضطرب ہوں۔

۷۲ - آیت ۷۲ میں ربوبیت الٰہی کی نعمتوں میں سے =

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۚ ٧٣

یہ اللہ کے سوا ان ہستیوں کی پوجا کرتے ہیں جو آسمان و زمین سے رزق دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور نہ انہیں

= تین نعمتوں کا ذکر کیا ہے: ایک یہ کہ اس نے انسان کی زندگی دو مختلف جنسوں مرد اور عورت میں تقسیم کر دی اور پھر ایک کو دوسرے کا ساتھی بنا دیا، یعنی ازدواجی زندگی کا نظام قائم کر دیا۔ دوسری یہ کہ ازدواجی زندگی سے خاندانی زندگی پیدا ہو گئی۔ اولاد پیدا ہوتی ہے، پھر ان کی اولاد ہوتی ہے اور اس طرح ایک دائرہ قریبی رشتہ داروں کا بن جاتا ہے جس کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہوتا ہے اور اسی وابستگی سے اجتماعی زندگی کی ساری برکتیں اور راحتیں حاصل ہوتی ہیں۔ تیسری یہ کہ اس کی غذا کے لیے اچھی چیزیں پیدا کر دیں جو نہ صرف مفید ہیں، بلکہ خوش گوار ہیں، خوش رنگ ہیں، خوش بو ہیں۔

اس مقام کی تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مبحث "تسکین حیات" دیکھنا چاہیے۔

کسی بات کا مقدور ہے ۷۳ .

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۷۴

پس (دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرکے) اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو . اللہ جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے ۷۴ .

۷۴ - آیت ۷۴ میں فرمایا : " فلا تضربوا للہ الامثال " اپنے جی سے اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو .

انسان کی ساری درماندگی اس راہ میں یہ ہے کہ اپنے معیار خیال سے اللہ کا تصور آراستہ کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے مثالیں تراشتا ہے ، حالانکہ اس کے سارے تصور ، اس کے سارے قیاسات ، اس کی ساری تمثیلیں اس کے لیے ٹھوکروں پر ٹھوکریں اور گم راہیوں پر گم راہیاں ہو جاتی ہیں . وہ اپنی سونچی ہوئی تمثیلوں میں جتنا بڑھتا جاتا ہے ، اتنا ہی حقیقت سے دور ہوتا جاتا ہے ، کیوں کہ وہ جتنی بھی تمثیلیں بناتا ہے اپنے ادراک و احساسات کے اندر رہ کر بناتا ہے اور ذات مطلق اس دائرے کی رسائی سے ماوراء ہے :

اے بروں از وهم و قال و قیل من
خاك بر فرق من و بر تمثیل من

= جہاں تك تصور الٰہی کی تنزیہ کا تعلق ہے قرآن کی دو چھوٹی چھوٹی آیتوں میں سب کچھ کہہ دیا گیا ہے: جن میں سے ایك آیت یہ ہے، دوسری "لیس کمثلہ شیء" (٤٢ : ١١). تنزیہ کے بارے میں تم جو کچھ بھی کہو اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتے: اس کے لیے تمثیلیں نہ گھڑو، وہ ان ساری چیزوں میں سے کسی چیز کے بھی مثل نہیں ہے جس کا تم تصور کر سکتے ہو.

لیکن اگر قرآن کے تصور الٰہی کی تنزیہ کا یہ حال ہے تو پھر کیوں اس نے صفات کا اثبات کیا؟ صفات کے اثبات کا لازمی نتیجہ تشخص (٤) ہے اور تشخص پیدا ہوا تو اطلاق باقی نہ رہا اور اطلاق باقی نہیں رہا تو تنزیہ بھی اپنی بلندی سے نیچے اتر آئی.

اس لیے کہ اگر تنزیہ کا مطلب یہ سمجھا جائے تو انسان کے تصور کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا. خدا کا تصور محض ایك سلبی (٥) تصور ہو جاتا ہے اور سلبی تصور سے خدا پرستی کی زندگی پیدا نہیں ہو سکتی. خدا کا ایسا تصور اس کی فطرت کے لیے ایك ناقابل برداشت بوجھ ہو جائے گا. وہ وجدانی طور پر ایك خالق و پروردگار ہستی کا یقین رکھتا ہے تو نا گزیر ہے کہ اس کا تصور بھی کرے اور جب تصور کرے گا تو تشخص کے =

= ساتھ ھی کرے گا۔ غیر مشخص اور سلبی حقیقت کا تصور اس کی فطری طاقت سے باھر ھے۔ اور اگر بہ تکلف وہ ایسا تصور پیدا بھی کرنا چاھے تو یہ اس کے لیے کوئی زندہ عامل تصور نہیں ھو سکتا۔

یہ بات کہ اس کی فطرت میں ایک ایسی ھستی کا وجدانی اعتقاد موجود ھے، اس بات کا بھی فطری ثبوت ھے کہ اسے اس کا تصور کرنا چاھیے، یعنی فطرت کا تقاضا ھے کہ وہ تصور کرے، وہ وجدانی طور پر مجبور ھے کہ تصور کرے۔ لیکن جب وہ تصور کرے گا تو یہ ایک انسان ھی کا تصور ھو گا۔ ماوراء انسانیت تصور نہیں ھو گا اور انسانی تصور تشخص کی پرچھائیں سے منزہ نہیں ھو سکتا۔

اس تصور کا ولولہ انسان کی فطرت میں کیوں ابل رھا ھے؟ اس لیے کہ اس کے معنوی ارتقاء کے لیے ایک نصب العین کی ضرورت تھی اور یہ نصب العین اللہ کی ھستی کے سوا اور کچھ نہیں ھو سکتا۔ مخلوقات میں جتنی چیزیں ھیں سب اس سے پست ھیں۔ وہ بلند ھونے کے لیے ان کی طرف نہیں دیکھ سکتا۔ اسے ایک ایسی ھستی کی ضرورت ھے جو سب سے بلند ھو اور زیادہ سے زیادہ بلندیوں تک اسے کھینچنے والی ھو۔ یہ صرف =

= اللہ کا تصور ہے۔ یہی تصور ہے جو اس کے لیے اڑنے اور اونچے ہونے کا ایک ایسا نصب العین بہم پہنچا دیتا ہے جس سے بلند تر کوئی نصب العین نہیں ہو سکتا اور یہاں جو کچھ ہے سب اس سے فروتر ہے۔ یہ اس کے آگے مقام انسانیت کی غیر محدود ترقیوں کی شاہ راہ کھول دیتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ اپنے سامنے ایک تصور رکھے اور تصور رکھے تو یہ ایک ایجابی تصور ہو، محض نفی و سلب نہ ہو۔ نفی و سلب اسے کچھ نہیں دے سکتا، اسے کھینچ نہیں سکتا، اسے اپنی آغوش میں لے نہیں سکتا۔ اور اس کا وجدان ایک ایسی ہستی کے لیے تشنہ ہے جو دینے والی ہو، بلانے والی ہو، کھینچنے والی ہو، اپنے حسن و جمال کی صفتوں کے اندر سے جھانکنے والی ہو!

اس کی پیاس صرف اس سے نہیں بجھ سکتی کہ اسے بتلا دیا جائے خدا کی ذات ایسی نہیں ہے، ایسی نہیں ہے۔ اس کی طلب و احتیاج تو کسی ایسے کو ڈھونڈ رہی ہے جو بتلائے: میں ایسا ہوں اور مجھ میں ایسی ایسی صفتیں ہیں۔

پھر تمام کائنات ہستی کی پکار کیا ہے جو انسان کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے؟ اور خود اس کی ہستی کا =

ــه ایك ایك لمحه کیا کہہ رھا ھے ؟ کیا ممکن ھے که انسان اس کی طرف سے کان بند کر لے ؟ کیا ھو سکتا ھے که وہ آنکھیں کھولنے سے انکار کر دے ؟ یہاں کی ھر چیز گواھی دے رھی ھے که کسی بنانے والے میں بنانے اور سنوارنے کی صفتیں ھیں اور اس کی صفتوں کے هم نقش و نگار ھیں . انسان یہ سارے نقش و نگار دیکھتا ھے اور ان میں حقیقتیں پاتا ھے ، پس ان کا تصور اسے کرنا ھی پڑے گا . وہ دیکھتا ھے که یہاں حسن و جمال ھے ، اس لیے اسے تصور کرنا ھی پڑے گا که اس میں حسن و جمال ھے . وہ دیکھتا ھے که یہاں پروردگاری ھے ، اس لیے اسے تصور کرنا ھی پڑے گا که وہ پروردگار ھے .

پس اس راہ کی ٹھوکر اثبات صفات میں نه ھوئی ، اس میں ھوئی که صفات کیسی ھونی چاھییں ؟ ذھن انسانی نے جب کبھی نقشه کھینچنا چاھا تو اپنی رسائی فکر کے مطابق تمثیلیں بنائیں اور اسی میں گم راہ ھوا . انبیاء کرام کی دعوت کا مقصد یہ که اس گم راھی سے دنیا کو نجات دلائیں اور صفات الٰہی کا صحیح تصور پیدا کر دیں . قرآن کا تصور الٰہی اسی لیے تصور کی تکمیل ھے که اس نے تنزیہ کا مقصد بھی پورا کر دیا اور صفات الٰہی =

= کا کامل نقشہ بھی کھینچ دیا ۔ اس نے ایك طرف تو ہر طرح کے تمثل و تجسم کا دروازہ بند کردیا کہ ”لا تضربوا للہ الامثال“ اور ”لیس کمثلہ شیء“۔ اور دوسری طرف اس کی صفتوں سے بھی ہمیں آشنا کردیا جو تمام تر ”حسنیٰ“ ہیں، یعنی حسن و خوبی کی صفتیں ہیں اور جنہیں ہم کائنات ہستی کے ایك ایك ذرہ سے پوچھ لے سکتے ہیں اور ایك ایك ذرہ کے منہ سے سن لے سکتے ہیں! ”شہد اللہ انہ لآ الٰہ الا ہو، و الملٰئکۃ و اولوا العلم قآئماً م بالقسط ط لآ الٰہ الا ہو العزیز الحکیم“ (۳: ۱۸)۔

اس کی تنزیہ بھی کامل ہے، کیوں کہ تشبہ اور تجسم کی پرچھائیں بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کی بتلائی ہوئی صفتیں بھی اعلیٰ ہیں، کیوں کہ سرتاسر حسن، سرتاسر کبریائی، سرتاسر عظمت و جلال ہیں۔

اسی سورت کی آیت ۶۰ میں گزر چکا ہے: ”للذین لا یؤمنون بالاٰخرۃ مثل السوء ج و للہ المثل الاعلیٰ“ افسوس ہے کہ اس آیت کا مطلب لوگوں نے نہیں سمجھا۔ اس میں بھی یہی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ قرآن اس سے نہیں روکتا کہ انسان خدا کے تصور کے لیے ایك بات دھیان میں لائے، لیکن وہ بات کیسی ہونی چاہیے؟ یہیں اسے ہمیشہ ٹھوکر لگی۔ وہ اسے نہیں پا سکا، وہ حسن =

= و جمال ، کبریائی و کمال اور علو و عظمت کی بات تھی ۔
لیکن اس نے کم راھی فکر سے بری باتیں ، گری ھوئی باتیں ، نا سزا باتیں گھڑلیں ، یعنی "مثل السوء" سے کام لیا ، "المثل الاعلیٰ" نہ پا سکا ، حالانکہ اللہ کے لیے جو بات ھوگی "المثل الاعلیٰ" ھی کی ھوگی ، "مثل السوء" کی نہیں ھو سکتی ۔ قرآن نے اسی "المثل الاعلیٰ" کا جمال حقیقت نمایاں کر دیا ھے اور یہی "المثل الاعلیٰ" ھے جسے سورۂ اعراف میں "اسماء الحسنیٰ" سے تعبیر کیا اور "مثل السوء" کے لیے "الحاد فی الاسماء" کی تعبیر اختیار کی : "و للہ الاسمآء الحسنیٰ فادعوہ بہا ص و ذروا الذین یلحدون فی اسمآئہ ط سیجزون ما کانوا یعملون" (۷ : ۱۸۰) ۔

ایک دوسری جگہ فرمایا : "لہ الاسمآء الحسنیٰ ط یسبح لہ ما فی السمٰوٰت و الارض ج و ھو العزیز الحکیم" (۵۹ : ۲٤) اس کے لیے حسن و خوبی کی صفتیں ھیں اور آسمانوں میں اور زمین میں جتنی مخلوقات ھیں سب اس کی تسبیح کر رھی ھیں ، یعنی تمام کائنات ھستی ان صفتوں کی شہادت دے رھی ھے ۔ آسمان و زمین کی ھر چیز ان صفتوں کا اعتراف ھے ، ان صفتوں کی نمود ھے ، اس کی پاکی و کبریائی کے اعلان میں تسبیح کی زبان ھے ، تقدیس کی پکار ھے ۔

= بہر حال اثبات صفات ایك ایسی حقیقت ہے جس کی وجدانی طلب فطرت انسان میں موجود ہے اور اس لیے اس حد تك تشخص کا ہونا فطری مطالبہ پورا کرنا ہے. اگر اس سے اعراض کیا جائے گا تو غیر فطری بات ہو جائے گی اور انسان کی وجدانی پیاس کبھی نہیں بجھے گی. ہندوستان کے فلسفہ ویدانت نے (٦) نفی صفات کا مسلك اختیار کیا اور تشخص کو مٹانا چاہا، لیکن عملاً نتیجہ کیا نکلا؟ یہ نکلا کہ نہ صرف تشخص کی بلکہ تجسم تك کی لوگوں کو اجازت دے دینی پڑی. کیوں کہ انہوں نے محسوس کیا کہ غیر مشخص تصور سے خدا پرستی کی پیاس بجھ نہیں سکتی اور ضروری ہے کہ فکر انسانی کے سامنے ایك چیز لائی جائے. اس کا وجدان بغیر اس کے مطمئن نہیں ہو سکتا کہ کوئی نہ کوئی صورت سامنے دیکھے. اگر صفات کی صورت نہ ہوگی تو پتھر کی مورتی تراش لے گا:

کرے کیا کعبہ میں جو سرّ بت خانہ سے آگہ ہے
یہاں تو کوئی صورت بھی ہے واں اللہ ہی اللہ ہے

یا تو تنزیہ میں اس قدر بلند ہونا چاہا تھا کہ اثبات صفات بھی ان پر شاق گزراحتیٰ کہ اس کے بھی روادار نہ ہوے کہ اس کی طرف "وہ" کہہ کے اشارہ کریں، =

= کیوں کہ ہمارا "وہ" کہنا بھی تشخص کی آلودگی سے منزہ نہیں ہو سکتا . یا پھر تجسم کی پستی میں گرے تو ایسے گرے کہ نہ صرف تشخص کو اس کی ساری تمثیلوں اور جسمانیتوں کے ساتھ جائز کر دیا، بلکہ اس کے سب سے زیادہ ادنیٰ اور اسفل درجے کی بھی اجازت دے دی، یعنی مورتی پوجا کی . چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ویدانت کی توحید وجودی کا مسلك فلسفہ کا ایك مذهب بن گیا، لیکن انسان کا عملی مذہب نہ بن سکا . عملی مذہب کے لیے اصنام پرستی ہی اختیار کرنی پڑی .

نفی صفات اور استغراق اطلاق کا یہی مسلك ہے جسے اصحاب حدیث نے "تعطیل" سے تعبیر کیا ہے، قرآن کی توحید تنزیہ پر مبنی ہے، تعطیل پر نہیں ہے .

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے نفی صفات کی صدا جہم بن صفوان نے بلند کی جس کی طرف جہمیہ منسوب ہیں، پھر متکلمین و نظار کے مختلف گروہ اس سے کم و بیش متاثر ہوئے . باطنیہ کا مذہب اثبات و نفی بھی اسی پر مبنی تھا، یعنی وہ اثبات کے ساتھ نفی بھی کر دیتے تھے اور کہتے تھے "النور لا نور" اور "الحکیم لا حکیم". توجیہ اس کی یہ کرتے تھے کہ اثبات حقیقت صفات کے لیے ہے، نفی تشبہ کے لیے .

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَىْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ ٧٥

الله ایك مثال بیان کرتا ھے (اس پر غور کرو!) ایك غلام ھے کسی دوسرے آدمی کی ملك، وہ خود کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا. اور ایك دوسرا آدمی ھے (خود مختار)، ھم نے اپنے فضل سے اسے اچھی روزی دے رکھی ھے اور وہ ظاھر و پوشیدہ (جس طرح چاھتا ھے) اسے خرچ کرتا ھے. اب بتلاؤ کیا یہ دونوں آدمی برابر ھوسکتے ھیں؟ ساری ستایش الله کے لیئے ھے (اس کے برابر کوئی نہیں) مگر اکثر آدمی ھیں جو نہیں جانتے! ٧٥

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَىْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى

اور (دیکھو!) الله نے ایك (اور) مثال بیان فرمائی: دو آدمی ھیں، ایك گونگا ھے، کسی

مَوْلٰىهُ لا اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ بات کے کرنے کی قدرت نہیں ،

لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ط هَلْ يَسْتَوِیْ اپنے آقا پر ایك بوجھ ، جہاں

هُوَ لا وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ لا کہیں بھیجے کوئی خوبی کی

وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ع ٧٦ بات اس سے بن نه آئے. دوسرا ١٠ ع ١٦

ایسا ہے که (گونگے ہونے کی جگه) لوگوں کو عدل و انصاف کی باتوں کا حکم دیتا ہے اور خود بھی (عدل و راستی کے) سیدھے راستے پر ہے. کیا پہلا آدمی اور یه دونوں برابر ہوسکتے ہیں ؟ ٧٦

---

٧٥ و ٧٦ - اس آیت کے بعد دو مثالیں بیان کی ہیں :
" ضرب الله مثلا عبدا مملوكا " اور " و ضرب الله مثلا رجلین احدهما ابكم " :

(ا) پہلی مثال میں فرمایا : اگر تمہیں احتیاج ہو تو تم کس کے پاس جاؤ گے؟ ایك غلام کے پاس جو کسی دوسرے کے اختیار میں ہے اور خود کوئی اختیار نہیں رکھتا ، یا اس کے پاس جو مالك و مختار ہے اور جس طرح چاہے اپنا مال خرچ کرسکتا ہے؟ کیا دونوں برابر ہوسکتے ہیں : ایك بے بس غلام اور ایك مالك و مختار آقا ؟ اگر نہیں =

= ہوسکتے تو اس سے بڑھ کر عقل کی ہلاکت اور کیا ہوسکتی ہے کہ تم اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں ان کے آگے جھکتے ہو جو خود اللہ کے بندے ہیں اور اپنی ساری احتیاجوں میں اس کی بخشایش کے محتاج، اور اس کی طرف سے گردن موڑ لیتے ہو جس کے اختیار میں سب کچھ ہے اور کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑنے والا ہو!

(ب) دوسری مثال ایمان اور کفر کی مثال ہے. فرمایا: فرض کرو دو آدمی ہوں: ایک گونگا بہرا، اپنے ساتھیوں کے لیے بوجھ، کوئی کام بھی اس سے بن نہ پڑے. دوسرا متکلم اور رہ نما، فلاح و کام یابی کی راہ چلنے والا اور دوسروں کو بھی راہ دکھانے والا. تو کیا ان دونوں کی حالت میں تمہیں کوئی فرق نہیں دکھائی دے گا؟ تمہاری نگاہ میں دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟ اگر نہیں ہوگا اور تم بے اختیار بول اٹھو گے کہ کہاں ایک گونگا بہرا اور کہاں ایک گویا اور کار فرما، تو پھر کیا ہو گیا ہے کہ تم ایمان کی زندگی پر کفر کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو؟ ایمان کی زندگی کیا ہے؟ عقل و بصیرت کی زندگی جو خدا کے دیے ہوئے حاسوں سے کام لیتی، خود بھی سیدھی راہ چلتی اور دوسروں کی بھی رہ نمائی کرتی ہے. کفر کی=

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ٧٧

اور آسمانوں اور زمین کی جتنی مخفی باتیں ہیں سب کا علم اللہ ہی کے پاس ہے ۔ اور (آنے والے) مقررہ وقت کا معاملہ بس ایسا سمجھو جیسے آنکھ کا جھپکنا ، بلکہ اس سے بھی جلد تر . بے شک اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں ٧٧ .

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ

اور (دیکھو!) اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے نکالا اور اس حال میں نکالا کہ تم

=زندگی کیا ہے ؟ بہری گونگی زندگی ، عقل و حواس تاراج کردینے والی ، جس راہ میں قدم اٹھائے کوئی خوبی کی بات حاصل نہ کرسکے .

قرآن ہر جگہ ایمان کو عقل و بصیرت اور ہدایت و رہنمائی کی راہ قرار دیتا ہے اور کفر کو جہل و کوری اور تعطل و ہیچ کاری سے تعبیر کرتا ہے .

السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٔدَةَ لا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥ ۷۸ کچھ بھی نہیں جانتے تھے (یعنی علم و ادراك سے محروم تھے)

پھر تمھارے لیے شنوائی، بینائی اور عقل کی قوتیں پیدا کردیں تاکہ تم شکر گزار ہو ۷۸ .

۷۸ - آیت ۷۸ میں فرمایا: وہ کون ہے جس نے عقل و حواس کا چراغ تمھارے نہاں خانۂ دماغ میں روشن کردیا ہے؟ جب تم پیدا ہوتے ہو تو تمھاری تمام ذہنی قوتیں بظاہر معدوم ہوتی ہیں، لیکن پھر جوں جوں بڑھتے جاتے ہو حواس کی قوتیں ابھرنے لگتی ہیں، ادراك کا جوہر ابھرنے لگتا ہے اور عقل کا چراغ روشن ہوجاتا ہے .

اس آیت اور اس کی ہم معنیٰ آیات میں ربوبیت الٰہی کی معنوی پروردگاریوں سے استدلال کیا ہے اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اللہ کی ربوبیت نے انسان کے لیے عقلی ہدایت کا سر و سامان کردیا اور یہی ہدایت ہے جس نے اسے تمام مخلوقات ارضی میں سب سے بلند مقام پر پہنچادیا ہے. تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کے مبحث «برھان ربوبیت» کا مطالعہ کرو .

اس کے بعد کی آیات میں بھی ربوبیت الٰہی کی بخشایشوں =

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ٧٩

کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے جو آسمان کی فضا میں مطیع و منقاد (اڑ رہے) ہیں؟ اللہ کے سوا کون ہے جو انہیں تھامے ہوئے ہے؟ بلا شبہ ایمان والوں کے لیے اس بات میں (قدرت حق کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں ٧٩۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا

اور (دیکھو!) اللہ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لیے سکونت کی جگہ بنا دیا۔ نیز تمہارے لیے چار پایوں کی

= پر توجہ دلائی ہے کہ کس طرح کرۂ ارضی کی ہر پیداوار میں تمہارے لیے افادہ و فیضان کی نوعیت پیدا ہوگئی ہے۔ اور کوئی شے نہیں جو تمہاری کسی نہ کسی کار برآری کا ذریعہ نہ ہو۔ اس مقام کی تشریح تفسیر فاتحہ کے مبحث «افادہ و فیضان فطرت» میں ملے گی۔

يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ لا	کھالوں سے گھر بنا دیے (یعنی
وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا	خیمے جنھیں ایك جگه سے دوسری
وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا	جگه اپنے ساتھ لیے پھرتے هو)
اِلٰى حِيْنٍ ۝ ٨٠	کوچ کرو یا اقامت کی حالت

میں هو، دونوں حالتوں میں نہایت سبك. اور پھر چار پایوں کی اون سے اور رووں سے اور بالوں سے کتنے هی سامان اور مفید چیزیں بنادیں که ایك خاص وقت تك کام دیتی هیں ٨٠.

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ	اور الله نے اپنی پیدا کی هوئی
ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ	چیزوں سے تمھارے لیے سایے
الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ	پیدا کردیے (که جنهیں خیمے
لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ	میسر نہیں هوتے وه درختوں،
الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ	مکانوں اور پہاڑوں کے سایے
بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ	میں پناه لیتے هیں) اور پہاڑوں
عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ ٨١	میں پناه لینے کی جگهیں بنا دیں

اور لباس پیدا کردیا کہ (او کی) گرمی سے بچاتا ھے، نیز آھنی
لباس جو (ھتیاروں کی) زد سے بچاتا ھے۔ (دیکھو!) اس طرح
اللہ اپنی نعمتیں پوری طرح بخش رھا ھے تاکہ اس کے آگے
(اطاعت میں) جھك جاؤ ۸۱۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۸۲ پھر (اے پیغمبر!) اگر اس پر بھی لوگ اعتراض کریں
(اور سمجھنے بوجھنے کے لیے تیار نہ ھوں) تو (ان کی فکر
چھوڑ دو!) تمھارے ذمے جو کچھ ھے وہ صرف یہی ھے کہ صاف
صاف پیغام حق پہنچا دینا ۸۲۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ع ۸۳ یہ اللہ کی نعمتیں پہچانتے ھیں پھر بھی اس سے انکار کرتے ھیں اور اکثر ایسے ھیں جنھیں
سچائی سے (قطعاً) انکار ھے ۸۳۔

١١ ع ١٧

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۸۴ اور جس دن ایسا ھوگا ھم ھر امت میں سے ایك گواھی دینے والا (یعنی پیغمبر) اٹھا کھڑا

کریں گے، پھر کافروں کو اجازت نہ دی جائے گی (کہ زبان کھولیں) نہ ہی ان سے کہا جائے گا کہ توبہ کریں ٨٤.

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ٨٥

اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے جب وہ عذاب اپنے سامنے دیکھیں گے تو ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ ان پر عذاب ہلکا کردیا جائے، نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی ٨٥.

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ٨٦

اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھیرائے ہیں جب (قیامت کے دن) اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے "اے پروردگار! یہ ہیں ہمارے (بنائے ہوئے) شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے". اس پر وہ بنائے ہوئے شریک ان کی طرف اپنا جواب پھینکیں گے: "نہیں! تم سراسر جھوٹے ہو" ٨٦.

وَ اَلْقَوْا اِلَى اللهِ يَوْمَئِذِ ۨ السَّلَمَ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ٨٧

اور اس دن سب اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیں گے اور وہ ساری افترا پردازیاں ان سے کھوئی جائیں گی جو (دنیا میں) کیا کرتے تھے ٨٧ .

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۝ ٨٨

جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا تو ان کی شرارتوں کی پاداش میں ہم نے ان کے عذاب پر ایک اور عذاب بڑھا دیا (کہ ایک عذاب کفر کا ہوا، دوسرا راہ حق سے روکنے کا) ٨٨ .

وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ

اور وہ (آنے والا) دن جب ہم ہر ایک امت میں ایک گواہ (یعنی پیغمبر) اٹھا کھڑا کریں گے جو انہیں میں سے

اَلْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ ع ٨٩

١٢
ع
١٨

ہوگا (اور جو بتلائے گا کہ کس طرح اس نے پیام حق پہنچایا اور کس طرح لوگوں نے اس کا جواب دیا). اور (اے پیغمبر!) تجھے ان لوگوں کے لیے (جو آج تجھے جھٹلا رہے ہیں) گواہ بنائیں گے. (یہی بات ہے کہ) ہم نے تجھ پر "الکتاب" نازل کی، (دین کی) تمام باتیں بیان کرنے کے لیے اور اس لیے کہ مسلمانوں کے لیے رہ نمائی ہو اور رحمت اور خوش خبری! ٨٩

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ٩٠

(مسلمانو!) اللہ حکم دیتا ہے کہ (ہر معاملے میں) انصاف کرو، (سب کے ساتھ) بھلائی کرو اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرو اور تمہیں روکتا ہے (کن باتوں سے؟) بے حیائی کی باتوں سے، ہر طرح کی برائیوں سے اور ظلم و زیادتی کے کاموں سے. وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے

تاکہ (سمجھو اور) نصیحت پکڑو ۹۰ .

۹۰ - آیت ۸۹ میں سلسلۂ بیان نے یہ رخ اختیار کیا تھا کہ "نزلنا علیك الکتٰب" ہم نے تجھ پر ایك کتاب نازل کی جو دین کی تمام باتیں واضح کرتی ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے .

لیکن وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت کیوں کر ہوئی؟ اس طرح ہوئی کہ انہیں فلاح و سعادت کی راہ پر چلاتی ہے، بدعملیوں کی راہوں سے روکتی ہے . چنانچہ اس کے بعد ہی سلسلۂ بیان مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوگیا، اور فرمایا: "ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان" اللہ کا تمہارے لیے فرمان یہ ہے کہ عدل کو اپنا شیوہ بناؤ، نیك کرداری میں سرگرم رہو، قرابت والوں کے ساتھ حسن سلوك کرو، فحش کاموں سے بچو، ہر طرح کی برائیوں سے اجتناب کرو، ظلم و زیادتی سے کبھی آلودہ نہ ہو .

جو لوگ مسلمان ہوچکے تھے ان کے لیے اب آزمایش عقائد میں نہ تھی، اعمال میں تھی، اس لیے اس آیت میں عملی زندگی کی تمام مہمات بیان کردیں . یہ گویا قرآن کے اس وصف کی تفسیر ہے جو پچھلی آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ "تبیاناً لکل شیء" اس لیے مفسرین نے اسے جوامع آیات میں شمار کیا ہے . ==

= عدل تمام محاسن اعمال کی اصل ہے۔ جس انسان کے اندر یہ بات پیدا ہوگئی کہ جو بات کرنی چاہیے انصاف کے ساتھ کرنی چاہیے، اس نے سب کچھ پالیا۔ احسان سے یہاں مقصود حسن عمل ہے۔ جو بات کرو حسن وخوبی کی کرو، نیکی اور بھلائی کی کرو، یعنی بنیاد عمل بھلائی ہو، برائی نہ ہو۔ جس نے یہ بات پالی اس کے لیے اور کیا باقی رہا؟ پھر جو ہم سے قریب کا رشتہ رکھتے ہیں وہ ہمارے حسن سلوک کے زیادہ حقدار ہیں، اس لیے ''ایتا ذی القربیٰ'' کی رعایت بھی ضروری ہوئی اور اس حکم پر اوامر کا معاملہ پورا ہوگیا۔ پھر فحشاء، منکر اور بغی سے روک کر نواہی کے سارے مقاصد پورے کردیے۔ فحش سے مقصود وہ برائیاں ہیں جو حد درجے کی برائیاں تسلیم کرلی گئی ہیں، مثلاً زنا، کنجوسی، افترا پردازی۔ منکر میں ہر طرح اور ہر قسم و درجے کی برائیاں آگئیں۔ بغی میں ہر طرح کی زیادتی آگئی، کسی گوشے اور کسی شکل میں کی گئی ہو۔

جو کتاب ایسے سانچے لے کر آئی ہو، جس سے ایسے اعمال ڈھلتے ہوں، جو ایسی زندگیاں بناتی ہو، اگر وہ ہدایت، رحمت اور بشارت نہیں ہے تو اور کس نام سے اسے پکارا جاسکتا ہے؟

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ	اور جب تم آپس میں قول
وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ	و قرار کرو تو (سمجھ لو کہ یہ
تَوْکِیْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ	اللہ کے نزدیك ایك عہد ہو گیا
عَلَیْکُمْ کَفِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ	تو) چاهیے کہ اللہ کا عہد پورا
یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۹۱	کرو اور ایسا نہ کرو کہ قسمیں

پکی کرکے انہیں توڑ دو، حالانکہ تم اللہ کو اپنے اوپر نگہبان ٹھیرا چکے ہو (یعنی اس کے نام کی قسم کھا کر اسے شاهد قرار دے چکے ہو) . یقین کرو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ سے پوشیدہ نہیں (اس کا علم ہر بات کا احاطہ کیے ہوے ہے) ۹۱ .

۹۱ - اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ ایك خاص معاملے پر زور دیا جو عموماً طرح طرح کی لغزشوں کا باعث ہوتا ہے . اور مسلمانوں کو بحیثیت ایك جماعت کے سب سے زیادہ اس میں سرگرم و استوار ہونے کی ضرورت تھی ، یعنی ایفاء عہد پر . جب تم نے کسی فرد سے یا جماعت سے کوئی قول و قرار لیا تو اب یہ قرآن کے نزدیك "عہد اللہ" ہو گیا یعنی ایسا عہد جس کے لیے تم اللہ کے آگے ذمہ دار ہو گئے . اگر تم نے اسے پورا نہیں کیا تو اللہ کے آگے =

= جواب دہ ہوں گے ۔ چنانچہ فرمایا : ” و اوفوا بعهد الله اذا عاهدتم “ .

عہد و میثاق کے معاملات میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ نازك معاملہ جماعتوں کے معاہدوں کا ہے اور اسی میں اس کی اصلی آزمایش ہے ۔ افراد بحیثیت فرد کے بہت کم عہد شکنی کرتے ہیں اور کریں تو اس کے قبائح شخصی دائرے سے باہر نہیں جاتے ، لیکن جماعتیں بحیثیت جماعت کے اکثر عہد شکن ہوتی ہیں اور اس کے نتائج سینکڑوں ہزاروں افراد کے حصے میں آتے ہیں ۔ بسا اوقات ایك جماعت کے افراد کبھی گوارا نہیں کریں گے کہ اپنی انفرادی زندگی کے معاملات میں عہد شکنی کا عار گوارا کریں ۔ لیکن اگر انہیں لوگوں کو بحیثیت ایك جماعت ، قوم اور حکومت کے بد عہدی کرنی پڑے تو ایك لمحے کے لیے بھی اس میں تامل نہیں کریں گے اور اسے جماعتی کام جوئی و فتح مندی کی ایك ہشیاری اور دانش مندی سمجھیں گے ، خصوصاً اگر بد عہدی کسی ایسے گروہ کے ساتھ کرنی پڑے جس سے دشمنی اور لڑائی ہو ۔ آج بیسویں صدی میں دنیا کی متمدن اقوام کا سیاسی اخلاق ہمارے سامنے ہے ۔ ان کے جو افراد چھوٹی سی چھوٹی بات میں بھی یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ وعدہ خلاف ثابت ہوں ، قومی اور سیاسی معاملات میں ہر طرح کی بد عہدیاں =

= اور خلاف ورزیاں جائز سمجھتے ہیں اور تاریخ کے اوراق کو آج تك اس کی مہلت نہیں ملی ہے کہ سیاسی معاہدوں کی شکست کی افسانہ سرائی سے فارغ ہو جائے!

ایك انگریز، ایك فرنچ، ایك جرمن شریف آدمی کی انفرادی زندگی کی سیرت (کیرکٹر = Character) دیکھو وہ اپنے وعدوں میں سچا اور اپنے قول و قرار میں بے داغ ہوگا۔ اس کے لیے اس سے بڑھ کر توہین کی کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ اس کے وعدے میں شك کیا جائے۔ لیکن انہیں افراد کا مجموعہ جب ایك جماعتی ذہنیت کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور قومی اور سیاسی معاہدوں کی پابندی اس کی خود غرضانہ کام جوئیوں کی راہ میں حائل ہونے لگتی ہے تو پھر کیا ہوتا ہے؟ کیا ایك لمحے کے لیے بھی یہ انفرادی سیرت جماعتی بد عہدی کی راہ روك سکتی ہے؟ نہیں، بلکہ سب سے بڑا مدبر انسان وہی سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ عہد شکنیوں میں بے باك ہو!

جس جماعت کے افراد ایك فرد واحد کے ساتھ بد عہدی کرنا گوارا نہیں کرسکتے، وہ لاکھوں کروڑوں افراد کے ساتھ بد عہدی کرنے میں کوئی بد اخلاقی محسوس نہیں کرتے!

ہندوستان میں انگریزی اقتدار کی تخم ریزی اس وقت =

= شروع ہوئی جب کہ انگریزی قوم کی قومی سیرت اپنے بہترین سانچوں میں ڈھل رہی تھی اور ان کا اخلاقی پیمانہ روز بروز اونچا ہورہا تھا، یعنی اٹھارہویں صدی کے اوائل میں۔ لیکن ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم صرف ہندوستان کی گزشتہ دو صدیوں کی تاریخ ہی میں دیکھ لے سکتے ہیں کہ اس بارے میں انگریزی قوم کے جماعتی اخلاق کا معیار کیا رہا ہے؟ ہر معاہدہ جو طاقت ور فریق کے ساتھ کیا گیا اور وہ طاقت ور رہا، معاہدہ تھا۔ ہر معاہدہ جو کم زور فریق کے ساتھ کیا گیا اور وہ کم زور ہی رہا، معاہدہ نہ تھا۔ امی چند، میر جعفر، میر قاسم، شاہ عالم، راجہ چیت سنگھ، نواب فیض اللہ، سعادت علی خاں، نظام علی خان، برار، جے پور، میران سندھ کے لیے معاہدے کچھ مفید نہ ہوسکے، لیکن حیدر علی، ہلکر، سندھیا اور رنجیت سنگھ کے معاہدوں کی اخلاقی قدر و قیمت سے اس وقت تک انکار نہیں کیا گیا۔ جماعتی معاہدے اگر پورے کیے جاتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ معاہدے ہیں اور معاہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے، بلکہ اس لیے کہ طاقت ور فریق سے کیے گئے ہیں اور ان کی شکست مفید ہونے کی جگہ مضر ہوگی۔

عہد جاہلیت میں عربوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ وفاء عہد کی اخلاقی قیمت سے بے خبر نہ تھے۔ ان میں ایسے =

=لوگ بھی تھے جو اپنے اور اپنے قبیلے کے مفاخر میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ وفاء عہد ہی کو دیتے تھے . لیکن جہاں تك جماعتی معاھدوں کا تعلق ھے وفاء عہد کا عقیدہ کوئی عملی قدر و قیمت نہیں رکھتا تھا . آج ایك قبیلہ ایك قبیلے سے معاھدہ کرتا تھا . کل دیکھتا تھا کہ اس کے مخالف زیادہ طاقت ور ھو گئے ھیں تو بے دریغ ان سے جا ملتا تھا اور معاھد و حلیف پر حملہ کردیتا تھا . اگر کسی دشمن فریق سے امن کا معاھدہ کرتے اور پھر دیکھتے کہ اس کی کم زوری سے فائدہ اٹھانے کا موقع پیدا ھو گیا ھے تو ایك لمحے کے لیے بھی معاھدے کا احترام انہیں حملہ کردینے سے نہیں روکتا تھا اور بے خبر دشمن پر جا کرتے .

لیکن قرآن راست بازی کی جو روح پیدا کرنی چاھتا تھا ، وہ ایك لمحے کے لیے بھی یہ بد اخلاقی گوارا نہیں کرسکتی تھی . اس نے وفاء عہد اور احترام مواثیق کا جو معیار قائم کیا ھے وہ اس درجہ بلند ، قطعی ، بے لچك اور عالم گیر ھے کہ انسانی اعمال کا گوشہ بھی اس سے باھر نہیں رہ سکتا . وہ کہتا ھے : فرد ھو یا جماعت ، ذاتی معاملات ھوں یا سیاسی ، عزیز ھو یا اجنبی ، ھم قوم و مذھب ھو یا غیر قوم و مذھب ، دوست ھو یا دشمن ، امن کی حالت ھو یا جنگ کی لیکن کسی حال میں بھی عہد =

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ
غَزْلَهَا مِنْ ۢ بَعْدِ قُوَّةٍ
أَنكَاثًا ؕ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ
دَخَلًا ۢ بَيْنَكُمْ أَن تَكُونَ
أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ؕ
إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ؕ
وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اور (دیکھو!) تمہاری مثال اس
عورت کی سی نہ ہو جائے جس
نے بڑی محنت سے سوت کاتا
پھر توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے
کر دیا۔ تم آپس کے معاملے میں
اپنی قسموں کو مکر و فساد
کا ذریعہ بناتے ہو، اس لیے کہ

= شکنی جائز نہیں۔ وہ ہر حال میں جرم ہے، معصیت ہے، اللہ کے ساتھ ایک بات کر کے اسے توڑ دینا ہے، عذاب عظیم کا اپنے کو مستحق ثابت کرنا ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جا بجا وفاء عہد پر زور دیا ہے اور جہاں کہیں مؤمنوں کے ایمانی خصائل کی تصویر کھینچی ہے، یہ وصف سب سے زیادہ ابھرا ہوا نظر آتا ہے: "و الموفون بعہدھم اذا عٰہدوا (۲ : ۱۷۷) و الذین ھم لامٰنتھم و عھدھم راعون (۲۳ : ۸) اور احادیث میں ہر جگہ منافق کی یہی پہچان بتلائی گئی ہے کہ «اذا وعد اخلف» (صحیحین ۷) جب وعدہ کرے گا پورا نہیں کرے گا۔

مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۞ ٩٢ ایك گروہ (کسی) دوسرے
گروہ سے (طاقت میں) بڑھ چڑھ گیا ھے. (یاد رکھو!) اللہ اس معاملے
میں تمھاری (راست بازی و استقامت کی) آزمایش کرتا ھے (کہ
تم طاقت ور گروہ کا پاس کرنے لگتے ھو یا اپنے قول و قرار کا).
جن جن باتوں میں تمھارے اختلافات ھیں ضرور ایسا ھوگا کہ وہ
قیامت کے دن (حقیقت حال) تم پر آشکارا کردے ۹۲.

۹۲ - یہاں خصوصیت کے ساتھ جماعتی عہد و قرار کے
احترام پر زور دیا ھے، چنانچہ فرمایا: " تتخذون ایمانکم
دخلا ء بینکم ان تکون امة ھی اربیٰ من امة "، اگر تم نے
ایك گروہ سے معاھدہ کیا ھے اور کل کو اس کا مخالف
گروہ زیادہ طاقت ور نظر آئے تو محض اس لیے کہ طاقت ور
کا ساتھ دینا تمھارے لیے زیادہ مفید ھوگا، نہ کم زور کا،
بد عہدی پر آمادہ نہ ھوجاؤ. جب تم نے ایك گروہ سے
قول و قرار کرلیا تو ھر حال میں اس کا پورا کرنا لازمی
ھوگا، خواہ وہ کم زور ھوگیا ھو خواہ طاقت ور. اگر اس
کے مخالف طاقت ور ھوگئے ھیں اور ان کے خلاف جانے
مین تمھارے لیے خطرات ھیں تو تمھارا فرض ھے کہ
خطرات برداشت کرو، کیوں کہ عہد کرچکے ھو. =

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ٩٣

اور (دیکھو!) اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا (یعنی مختلف گروہوں اور مختلف طریقوں کا اختلاف ظہور ہی میں نہ آتا) لیکن (تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں چاہا) وہ جس کسی پر چاہتا ہے

= پھر اس طرح کی بد عہدی کی مثال کیا ہے؟ فرمایا: "کالتی نقضت غزلها من بعد قوة انکاثا"، اس عورت کی سی ہے جس نے بڑی جاں فشانی سے سوت کاتا اور پھر خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر کے برباد کر دیا۔ یعنی جب ایک شخص یا ایک گروہ کوئی معاہدہ کرتا ہے تو اس کی پختگی کے لیے بڑی بڑی باتیں کرتا ہے اور ہر طرح دوسرے فریق کو یقین دلاتا ہے۔ پھر اگر ایک بات اتنی کوشش کے بعد پختہ کی گئی ہے تو کیوں کر جائز ہو سکتا ہے کہ جس نے کل پختہ کی تھی وہی آج اسے اپنے ہاتھوں سے توڑ کر رکھ دے؟

(کام یابی کی) راہ گم کر دیتا ہے، جس کسی پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے اور (پھر) ضرور ایسا ہونا ہے کہ تم سے ان کاموں کی باز پرس ہو جو (دنیا میں) کرتے رہتے ہو ۹۳۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝٩٤

اور (دیکھو!) آپس کے معاملات میں اپنی قسموں کو مکر و فریب کا ذریعہ نہ بناؤ کہ لوگوں کے پاوں جمنے کے بعد اکھڑ جائیں اور اس بات کی پاداش میں کہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا، برے نتیجوں کا تمھیں مزہ چکھنا پڑے اور (بالآخر) ایک بڑے عذاب کے سزاوار ہو ۹۴۔

۹۴ - اس کے بعد آیت ۹۴ میں فرمایا: اپنی قسموں کو لوگوں کے لیے ٹھوکر نہ بناؤ، کیوں کہ اگر تم نے بد عہدی کی تو لوگوں کا یقین تم سے اٹھ جائے گا۔ وہ کہیں گے: ایسے لوگوں کا دین کیا جو اپنی بات کے پکے نہیں۔ اس طرح تم نہ صرف بد عہدی کے مجرم ہو گے، بلکہ راہ حق سے لوگوں کو روکنے کا باعث ہو گے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ٩٥

اور اللہ کے نام پر کیے ہوئے عہد (دنیا کے) بہت تھوڑے فائدے کے بدلے نہ بیچو۔ (راست بازی کا) جو اجر اللہ کے پاس ہے وهی تمهارے حق میں بہتر هے بشرطیکہ تم سمجھتے بوجھتے هو ٩٥ .

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ٩٦

جو کچھ تمهارے پاس هے (ایك نه ایك دن) ختم هو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس هے وه ختم هونے والا نہیں ۔ جن لوگوں نے صبر کیا (اور زندگی کی عارضی مشکلیں جھیل گئے) هم ضرور انہیں ان کا اجر عطا فرمائیں گے . انهوں نے جیسے جیسے اچھے کام کیے هیں اسی کے مطابق همارا اجر بهی هو گا ٩٦ .

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ

جس کسی نے اچھا کام کیا

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ٩٧

خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے تو (یاد رکھو!) ہم ضرور اسے (دنیا میں) اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں بھی ضرور اسے اجر دیں گے۔ انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کیے اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا ۔ ٩٧

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ ٩٨

پس جب تم قرآن پڑھنے لگو تو چاہیے کہ شیطان مردود (کے وسوسوں سے) اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو ٩٨ .

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ ٩٩

جو لوگ ایمان والے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں ، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ان پر اس کا زور چلے ٩٩ .

إِنَّمَا سُلْطَٰنُهُۥ عَلَى — اس کا زور تو انہیں پر چلتا ہے

الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُۥ وَالَّذِينَ — جو اسے اپنا رفیق بناتے ہیں

١٣ ع ١٩ هُم بِهِۦ مُشْرِكُونَ ع ١٠٠ — اور جو اس کی وجہ سے شرک

کا ارتکاب کرتے ہیں ۱۰۰ .

وَإِذَا بَدَّلْنَا ءَايَةً مَّكَانَ — اور جب ہم ایک آیت کی جگہ

ءَايَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ — دوسری آیت نازل کرتے ہیں

قَالُوٓا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ ۚ — اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ١٠١ — کہ وہ کیا نازل کر رہا ہے تو

یہ لوگ کہتے ہیں "تم تو بس اپنے جی سے گھڑ لیا کرتے ہو"
حالانکہ ان میں سے اکثروں کو معلوم نہیں کہ حقیقت حال
کیا ہے ۱۰۱ .

قُلْ نَزَّلَهُۥ رُوحُ الْقُدُسِ — (اے پیغمبر!) تم کہ دو: (یہ

مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ — میرے جی کی بناوٹ نہیں ہے

الَّذِينَ ءَامَنُوا وَهُدًى — اور نہ ہو سکتی ہے) یہ تو ف

وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝ ١٠٢ — الحقیقت تمہارے پروردگار کی

طرف سے روح القدس نے اتاری ہے اور اس لیے اتاری ہے کہ ایمان والوں کے دل جمادے، فرماں بردار بندوں کے لیے رہ نمائی ہو اور (نجات و سعادت کی) خوش خبری ۱۰۲.

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ۝ ۱۰۳

اور بلا شبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ (قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہ) کہتے ہیں: ''اس شخص کو تو ایک آدمی (یہ باتیں) سکھا دیتا ہے''، حالانکہ اس آدمی کی زبان جس کی طرف اسے منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ صاف اور آشکارا عربی زبان ہے ۱۰۳ .

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۙ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ۱۰۴

اصل یہ ہے کہ جو لوگ (دیدہ و دانستہ) اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں کرتے اللہ انہیں (کام یابی کی) راہ کبھی نہیں دکھاتا اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہونا ہے ۱۰۴

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ

اپنے جی سے جھوٹ گھڑنا تو

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ج وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝١٠٥

انہیں کا کام ہے جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے، (اللہ پر ایمان رکھنے والا تو کبھی افترا پردازی نہیں کر سکتا) یہی ہیں کہ سرتا سر جھوٹے ہیں ١٠٥.

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٠٦

جو کوئی ایمان لانے کے بعد اللہ سے منکر ہوا اور اس کا دل اس انکار پر رضا مند ہو گیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے. مگر ہاں، جو کوئی کفر پر مجبور کیا جائے (اور بے بس ہو کر بخوف جان کوئی ایسی بات کہہ دے) اور اس کا دل اندر سے ایمان پر مطمئن ہو (تو ایسے لوگوں سے مواخذہ نہیں) ١٠٦.

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا

یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ	آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگی
وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ	سے محبت کی ، نیز اس وجہ سے
الْكٰفِرِيْنَ ۝ ١٠٧	که الله (کا قانون ہے وہ)

منکرون پر (فلاح و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا ۱۰۷ .

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى	یہ وہ لوگ ہیں کہ الله نے ان کے
قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ	دلو ن پر ، کانون پر اور آنکھون
وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ	پر مہر کر دی (کیون که اس کا
الْغٰفِلُوْنَ ۝ ١٠٨	مقررہ قانون ہے کہ جو عقل

و حواس سے کام نہیں لیتے ، وہ اس کی روشنی سے محروم
ہوجاتے ہیں) اور یہی ہیں که غفلت میں ڈوب گئے ہیں ۱۰۸ .

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ	لا محاله یہی لوگ ہیں که آخرت
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ١٠٩	میں تباہ حال ہون گے ۱۰۹ .
ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ	اور پھر جن لوگون کا یه حال
هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا	ہوا که (کفر و ایمان کی)

ثُمَّ جَاهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا لا آزمایشوں میں پڑنے کے بعد

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا ہجرت کی اور پھر (راہ حق میں)

١٤ ع ٢٠ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ع ١١٠ جہاد بھی کیا اور (ہر طرح کی

مصیبتوں میں) صابر رہے تو بلا شبہ تمہارا پروردگار ان اعمال کے بعد ضرور بخشنے والا، ضرور رحمت فرمانے والا ہے ١١٠ .

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ وہ (قیامت کا) آنے والا دن

عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ جب ہر جان صرف اپنے ہی

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لیے سوال وجواب کرتی ہوئی

لَا يُظْلَمُوْنَ ١١١ آئے گی (یعنی کسی کو کسی کی

فکر نہ ہوگی) اور جس دن ہر جان کو اس کے عمل کا پورا پورا نتیجہ مل جائے گا، کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہوگی ١١١ .

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً اور (دیکھو!) اللہ نے ایک مثال

كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً بیان کی: ایک بستی تھی جہاں

يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ ہر طرح کا امن چین تھا، ہر

كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ جگہ سے سامان رزق آتا رہا

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ١١٢

اور هر شخص فراغت سے کھاتا پیتا تها . لیکن پهر ایسا هوا که انهوں نے الله کی نعمتوں کی ناشکری کی تو الله نے بهی ان کے کاموں کی پاداش میں انهیں نعمتوں سے محروم کر دیا ، (تنعم کی جگه) فاقه اور (اطمینان کی جگه) خوف ان پر چها گیا ۱۱۲ .

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ١١٣

اور پهر خود انهیں میں سے ایك رسول بهی ان کے سامنے آیا (اور کام یابی وسعادت کی راه کی دعوت دی) مگر انهوں نے اسے جهٹلایا ، پس عذاب میں گرفتار هو گئے اور وه (خود اپنے اوپر) ظلم کرنے والے تهے ۱۱۳ .

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ص وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ ١١٤

پس چاهیے که الله نے جو رزق تمهیں عطا کیا هے اسے شوق سے کهاؤ ، حلال اور پاکیزه چیزیں هیں . اور (ساته هی) چاهیے که

الله کی نعمت کا شکر بھی بجا لاؤ اگر فی الحقیقت تم صرف اسی کے پجاری ہو ١١٤ .

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ
وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ
وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ج
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ١١٥

جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے
وہ تو صرف یہ ہے کہ مردار
جانور، لہو، سور کا گوشت
اور وہ جانور جسے خدا کے سوا
کسی دوسری ہستی کے لیے
پکارا جائے. پھر جو کوئی (حلال غذا نہ ملنے کی وجہ سے) ناچار ہو جائے اور نہ تو (حکم الٰہی سے) سرتابی کرنے والا ہو، نہ (حد ضرورت سے) گزر جانے والا (اور وہ جان بچانے کے لیے کچھ کھا لے) تو الله بخشنے والا، رحمت والا ہے ١١٥ .

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ
اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا
حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط اِنَّ الَّذِيْنَ

اور (دیکھو!) ایسا نہ کرو کہ
تمہاری زبانوں پر جو جھوٹی بات
آجائے بے دھڑک نکال دیا
کرو اور (اپنے جی سے ٹھیرا کر)

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ ؕ حکم لگا دو: یہ چیز حلال ہے،
لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ ۱۱٦ یہ چیز حرام ہے۔ اس طرح حکم
لگانا اللہ پر افتراپردازی کرنا ہے۔ (اور یاد رکھو!) جو لوگ اللہ
پر افتراپردازیاں کرتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں ۱۱٦ ۔

---

۱۱٦ ۔ سورۂ انعام میں گزر چکا ہے کہ مشرکین عرب نے اپنے اوہام سے طرح طرح کی چیزیں حرام ٹھیرا دی تھیں۔ یہودیوں نے بھی کھانے پینے میں طرح طرح کی رکاوٹیں اختیار کرلی تھیں اور سمجھتے تھے یہ شریعت کا حکم ہے۔

آیت ۱۱٦ میں فرمایا: اپنی زبانوں کو کذب سرائی کے لیے بے لگام نہ چھوڑ دو کہ جس چیز کو چاہا اپنی رائے اور قیاس سے حرام ٹھیرادیا، جس کو چاہا حلال کہ دیا۔ حلال و حرام ٹھیرانے کا حق تو صرف وحیِ الٰہی کو ہے اور تمہارے پاس اپنے اوہام و آراء کے سوا کوئی وحی کی روشنی نہیں جو قرآن کے خلاف پیش کر سکو۔

یہ آیت ان لوگوں کے خلاف حجت قاطع ہے جو محض اپنے گھڑے ہوئے قیاسوں کی بناء پر جس چیز کو چاہتے ہیں حرام ٹھیرا دیتے ہیں اگرچہ کوئی نص قطعی موجود نہ ہو۔ اصل قرآنی اس بارے میں یہ ہے (جیسا کہ=

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ص وَّلَهُمْ (یہ دنیا کے) بہت تھوڑے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١١٧ فائدے ہیں جو اٹھالیں،
(آخر کار) انہیں عذاب دردناك پیش آنے والا ہے ١١٧ .
وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا اور (اے پیغمبر!) یہودیوں پر
مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی
قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ تھیں جن کی سرگذشت تجھے
وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ پہلے سنا چکے ہیں. اور (یہ
يَظْلِمُوْنَ ۝١١٨ پابندیاں جو ان پر لگائی گئیں
تو خود انہیں کی گم راھیوں کا نتیجہ تھیں) ہم نے ان پر زیادتی

= سورۂ اعراف کی آیت ٣٢ میں تصریح گزر چکی ہے)
کہ خدا کی تمام پیدا کی ہوئی چیزیں انسان کے برتنے کے
لیے ہیں، الّا وہ جو مضر ہیں اور وحی الٰہی نے ان سے
روك دیا ہے. پس معلوم ہوا کہ ہر چیز مباح ہے جب
تك کہ شریعت اسے حرام نہ ٹھیرا دے اور شریعت کے
معنٰی قرآن و سنت کے نصوص قطعیہ ہیں، نہ کہ کسی
فرد یا گروہ کی مجرد رائے اور قیاس .

نہیں کی (کیوں کہ یہ ھمارا شیوہ نہیں) وہ خود اپنے ھاتھوں اپنے اوپر ظلم کرتے رھے ۱۱۸ .

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوٓا إِنَّ رَبَّكَ مِنۢ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۱۱۹

ھاں ! جو لوگ نادانی سے برائیوں میں پڑ گئے ، لیکن اس کے بعد تائب ھو گئے اور توبہ کے بعد اپنی حالت بھی سنوار لی تو تمھارا پروردگار ، ھاں ! بلا شبہ تمھارا

۱۵ ع ۲۱

پروردگار اس صورت حال کے بعد ضرور بخشنے والا ، رحمت فرمانے والا ھے ۱۱۹ .

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۱۲۰

بلا شبہ ابراھیم (اپنی شخصیت میں) ایک پوری امت تھا ، اللہ کے آگے جھکا ھوا ، تمام (بناوٹی) راھوں سے ھٹا ھوا اور ھرگز مشرکوں میں سے نہ تھا ۱۲۰ .

۱۲۰ - مشرکین عرب اپنے اوھام و خرافات کو حضرت ابراھیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے . آیت ۱۲۰ میں اس نسبت کی تغلیط کی ھے اور واضح =

شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ١٢١

وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالانے والا تھا۔ اللہ نے اسے برگزیدگی کے لیے چن لیا (اور سچائی کے) سیدھے راستے پر لگا دیا ۱۲۱۔

وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ١٢٢ ؕ

اسے دنیا میں بھی بہتری دی اور بلا شبہ آخرت میں اس کی جگہ صالح انسانوں میں ہوگی ۱۱۲۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ١٢٣

اور پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی کہ (اسی) ابراھیم کے طریقے کی پیروی کرو، ہر طرف سے ھٹا ھوا (صرف دین حق ھی پر کار بند رھنے والا) اور جو مشرکوں میں سے نہ تھا ۱۲۳۔

= کیا ھے کہ ان کی راہ وھی راہ تھی جس کی طرف پیغمبر اسلام دعوت دے رھے ھیں۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۞ ١٢٤

"سبت" منانے کا حکم تو صرف انہیں لوگوں کو دیا گیا تھا جو اس بارے میں اختلاف کرنے لگے تھے اور بلا شبہ تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کردے گا کہ جن جن باتوں میں اختلافات کرتے رہے ان کی اصل حقیقت کیا تھی ١٢٤ ۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

(اے پیغمبر!) اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ، اس طرح کہ حکمت کی باتیں بیان کرو اور اچھے طریقے پر

---

١٢٤ — ایک اور شبہ جو حلت و حرمت کے بارے میں کیا گیا تھا یہ تھا کہ "سبت" کے دن کا شکار یہودیوں پر حرام کردیا گیا تھا، پس کیوں قرن اس سے نہیں روکتا؟ فرمایا: یہودیوں کو جو اس سے روکا گیا تھا تو اس لیے نہیں =

اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ	پند و نصیحت کرو اور مخالفوں
سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ	سے بحث و نزاع کرو تو (وہ
بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ ١٢٥	بھی) ایسے طریقے پر کہ حسن

وخوبی کا طریقہ ہو . تمھارا پروردگار ھی بہتر جانتا ھے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ھے اور وھی جانتا ھے کہ کون راہ راست پر ھے ١٢٥ .

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا	اور مخالفوں کی سختی کے جواب
بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ	میں سختی کرو تو چاھیے کہ
وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ	ویسی ھی اور اتنی ھی کرو
لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ ١٢٦	جیسی تمھارے ساتھ کی گئی ھے.

اور اگر تم نے صبر کیا (یعنی جھیل گئے اور سختی کا جواب

= کہ سبت کے دن حلال جانور شکار کیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ھے، بلکہ یہ ان کے اختلاف اور عدم اطاعت کی ایك سزا تھی، یعنی جب انھوں نے احکام سبت کی تعمیل نہ کی اور حیلے بہانے نکال کر شکار کرنے لگے توسداً للذریعہ سبت کے شکار کا گوشت ممنوع قرار دیا گیا ۰

سختی سے نہیں دیا) تو بلا شبہ صبر کرنے والوں کے لیے صبر ہی بہتر ہے ۱۲۶ .

۱۲۵ و ۱۲۶ - آیت ۱۲۵ میں واضح کیا ہے کہ دعوت الی الحق کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا: سر تا سر حکمت اور موعظۂ حسنہ ہے ، حکمت ، یعنی دانائی کی باتیں ، موعظۂ حسنہ ، یعنی پند و نصیحت کی باتیں جو حسن و خوبی کے ساتھ کی جائیں . اس کے بعد فرمایا: '' وجادلھم بالتی ھی احسن '' اور اگر بحث ونزاع کرنی پڑے تو کر سکتے ہو ، لیکن ایسی ہی بحث ونزاع جو نہایت اچھے طریقے پر ہو . اس سے معلوم ہوا کہ دعوت حق کا طریقہ حکمت اور موعظۂ حسنہ کا طریقہ ہے اور بحث و نزاع کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ احسن طریقے پر ہو ، پس ہر بحث ونزاع جو احسن طریقے پر نہ ہو دعوت کا طریقہ نہیں ہوگی .

احسن طریقے سے مقصود کیا ہے؟ یہ کہ مقصود طلب حق ہو ، اپنی بات کی پچ نہ ہو ، مخالف کے اندر یقین پیدا کرنا ہو ، اسے باتوں سے ہرانا نہ ہو . اگر وہ چپ ہوگیا اور دل کا کانٹا نہ نکلا تو بحث سے کیا فائدہ ہوا ؟ ایسا اسلوب ، ایسا طریق خطاب ، ایسا لب ولہجہ ، اس طرح کے الفاظ اختیار نہ کیے جائیں جو مخالف کے دل کو دکھ=

= پہنچانے والے ہوں یا اسے سننے والوں کی نظروں میں ذلیل و رسوا کرنے والے ہوں۔ کیوں کہ اگر بحث سے مقصود دعوت حق ہے تو مخاطب کے دل کو نرمی و محبت سے حق کی طرف متوجہ کرنا چاہیے، نہ یہ کہ صدمہ پہنچانا، ضد میں لانا اور جوش نفرت سے بھر دینا . بد قسمتی سے دنیا میں طلب حق کی راہ بھی محض جدل و نزاع کی راہ بن گئی ہے ، ہم اپنے دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے لڑنے جھگڑنے کے عادی ہیں . جب کبھی کوئی ایسا جھگڑا پیش آجاتا ہے تو صرف اپنی جیت ہی کے لیے لڑتے ہیں . اس خیال سے نہیں لڑتے کہ حق و انصاف کیا ہے؟ اکثر اوقات خود ہمارا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ ہم برسرحق نہیں ہیں اور انصاف مخالف کے ساتھ ہے، لیکن چوں کہ اپنا مطلب کسی نہ کسی طرح حاصل کرنا ہوتا ہے، اس لیے کبھی اعتراف حقیقت کے لیے تیار نہیں ہوتے . حق اور انصاف ہم سے جس قدر الگ ہوتا جاتا ہے ، بحث و نزاع کی سرگرمی اتنی ہی زیادہ بڑھتی جاتی ہے . اگر ہمارا مقدمہ سب سے زیادہ کم زور ہوگا تو ہم خیال کریں گے کہ ہماری بحث و نزاع کی سرگرمی سب سے زیادہ ہونی چاہیے .

چاہیے تو یہ تھا کہ کم از کم دین کے معاملے میں ہم ایسا=

= نہ کرتے۔ دنیوی معاملات میں کچھ نہ کچھ لینا دینا ہوتا ہے، اس لیے غرض پرست آدمی اپنی بات کی پچ کرتا ہی رہے گا، لیکن دین کی راہ لین دین کی راہ نہیں ہے، سچ کو سچ مان لینے کی راہ ہے۔ اور جونہیں ہم نے کسی بات کو سچ نہ سمجھ کر بھی سچ ثابت کرنا چاہا، دین کی راہ نہ رہی، عین اس کی ضد ہو گئی۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم نے سچائی کے کام کو بھی جھوٹ کا کاروبار بنا دیا ہے۔ ہم دین کے بارے میں بھی ٹھیک اسی طرح جھگڑتے ہیں جس طرح دنیا کے معاملات میں۔ ہم جب کبھی کسی سے بحث کریں گے تو ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہیں گزرے گا کہ اس راہ میں اصل مقصود طلب حق ہے اور جو نہیں حق سامنے آجائے ہمارا فرض ہے کہ اعتراف کر لیں، بلکہ بحث کریں گے ہی اس لیے کہ اپنی اور اپنے فریق کی بات منوانی ہے اور خواہ کچھ ہو، فریق مخالف کو ہرانا ہے۔ اگر دیکھیں گے کہ حق اور معقولیت ہمارے ساتھ نہیں ہے تو غیر متعلق باتوں پر زور دینے لگیں گے، بدزبانی پر اتر آئیں گے، مارنے مرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور پھر کہیں گے کہ ہم جیت گئے۔

قرآن کہتا ہے: یہ "جدل" کا طریقہ ہے، "دعوت" کا طریقہ نہیں ہے اور دین کی راہ دعوت کی راہ ہے، =

=جدل کی راہ نہیں ھے. اگر جدل کرنا ھی پڑے تو صرف اسی حالت میں کیا جاسکتا ھے کہ احسن طریقے پر ھو یعنی راست بازی، دیانت، شیریں زبانی اور شایستگی کے ساتھ کیا جائے. آگے چل کر سورۂ عنکبوت میں بھی یہی حکم ملے گا:
''ولا تجادلوا اھل الکتٰب الا بالتی ھی احسن ٤٦

اس کے بعد فرمایا: '' وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصّٰبرین ''، اگر مخالف ناحق کوشش میں سرگرم ھے اور سختی و زیادتی پر اتر آیا ھے تو ایسا نہیں ھونا چاھیے کہ تم بھی آپے سے باھر ھو جاؤ. ایسا کرنا راست بازی کا طریقہ نہ ھوگا. ایک برائی کے جواب میں دوسری برائی کا ارتکاب ھوگا. جو ممکن ھے پہلی سے بھی زیادہ سخت برائی ھو جائے. بہتری تو اس میں ھے کہ سختی کا جواب سختی سے نہ دو، جھیل جاؤ، پروا نہ کرو، بخش دو. اسی میں تمھاری اصلی جیت ھے. لیکن اگر طبیعت پر قابو نہیں پاتے اور سختی کا جواب سختی سے دینا چاھتے ھو تو پھر انصاف کا سر رشتہ ھاتھ سے نہ چھوٹے. جتنی اور جیسی سختی تمھارے ساتھ کی گئی ھے، ویسی ھی اور اتنی ھی تم بھی کرلو. اس سے آگے نہ بڑھو، ذرا بھی بڑھے تو یہ ظلم ھوگا اور ظلم راستی کے ساتھ جمع نہیں ھو سکتا.

غور کرو! قرآن کا محض ایک لفظ یا ایک ترکیب کس=

=طرح مقاصد و مسائل کے فیصلے کر دیا کرتی ہے؟ پہلے بصیغۂ امر دعوت کا حکم دیا گیا تھا "ادع الی سبیل ربك" پس چاہیے تھا کہ یہاں بھی بدلا لینے کا حکم دیا جاتا اور کہا جاتا: اگر تمہارے ساتھ سختی کی گئی ہے تو تم بھی ویسی ہی سختی کرو۔ مگر نہیں، ایسا نہیں فرمایا، بلکہ کہا: "وان عاقبتم" اگر ایسا ہو کہ تم مخالف کی سختی کے جواب میں سختی کرنا چاہو تو چاہیے کہ حد سے نہ بڑھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ سختی کے جواب میں سختی کا حکم نہیں ہے، محض اجازت ہے، یعنی اگر ایك آدمی وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا جو اس بارے میں بہتری اور خوبی کا اصلی مقام ہے، یعنی جھیل جانا اور بخش دینا تو پھر اسے بدلے کی اجازت دے دی گئی ہے، لیکن اجازت کو "بمثل ما عوقبتم" سے مقید کر دیا ہے تاکہ زیادتی کا دروازہ بکلی بند ہو جائے۔ اب دو ہی راہیں کھلی رہ گئیں: عزیمت تو اس میں ہوئی کہ جھیل جاؤ اور بخش دو، رخصت اس کی ہوئی کہ جتنی سختی کی گئی ہے، اتنی ہی تم بھی کر لو، اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایك تقریر بہت مقبول ہوئی ہے جو انہوں نے "القسطاس المستقیم" میں لکھی ہے اور بعد کے مفسرین نے عموماً اسے =

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۱۲۷

(اے پیغمبر!) صبر کر اور تیرا صبر کرنا نہیں ہے مگر اللہ کی مدد سے اور ان لوگوں کے حال پر غم نہ کھا، نہ ہی ان کی مخالفانہ تدبیروں سے دل تنگ ہو ۱۲۷۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا
١٦ ع ٢٢ وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ع ۱۲۸

یقیناً اللہ انہیں کا ساتھی ہے جو متقی ہیں اور نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں ۱۲۸۔

= اختیار کر لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: استعداد و فہم کے لحاظ سے ہر انسان کی طبیعت یکساں نہیں اور ہر ذہنی حالت ایک خاص طرح کا اسلوب خطاب چاہتی ہے۔ ارباب دانش کے لیے استدلال کی ضرورت ہوتی ہے، عوام کے لیے موعظت کی اور اصحاب خصومت کے لیے جدل کی۔ پس اس آیت میں قرآن نے تینوں جماعتوں کے لیے یہ تینوں طریقے بتلا دیے ہیں: ارباب دانش کو حکمت کے ساتھ مخاطب کرو، عوام کو موعظت کے ساتھ اور ارباب خصومت کے لیے جدل کی بھی اجازت ہے مگر بطریق احسن۔

۱۲۷ و ۱۲۸ - آخر میں سورت ختم کرتے ہوئے=

= پیغمبر اسلام کو مخاطب کیا ھے کہ:

(ا) صبر کرو اور تیرا صبر کرنا اللہ ھی کی مدد و توفیق سے ھے۔

(ب) منکروں کی محرومی پر غم نہ کھا۔ جو ماننے والے نہیں ھیں وہ کبھی نہیں مانیں گے۔

(ج) دعوت حق کی مخالفت میں وہ جو کچھ مخفی تدبیریں اور سازش کر رھے ھیں، ان سے بھی دل تنگ نہ ھو۔

(د) یہ قانون الٰہی یاد رکھ کہ اللہ کی نصرت انہیں کا ساتھ دیتی ھے جو برائیوں سے بچتے ھیں اور جن کی زندگی نیک کرداروں کی زندگی ھوتی ھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سورة بنی اسرائیل ـ ۱۷

مکیة و هی مائة و احدی عشرة اٰیة

مکی، ۱۱۱ آیات

بسم الله الرحمٰن الرحیم

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۱

پاکی ہے اس ذات کے لیے جس نے اپنے بندے کو (یعنی پیغمبر اسلام کو) راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک که اس کے اطراف کو هم نے بڑی هی برکت دی ہے سیر کرائی اور اس لیے سیر کرائی که اپنی نشانیاں اسے دکھادیں. بلا شبه وهی ذات ہے جو سننے والی، دیکھنے والی ہے [1].

---

۱ ـ هجرت مدینه سے تقریباً ایک سال پہلے پیغمبر اسلام =

= (صلی اللہ علیہ و سلم) کو اسراء کا معاملہ پیش آیا جو عام طور پر معراج کے نام سے مشہور ھے ۔ اس سورت کی ابتداء اسی واقعے کے ذکر سے کی گئی ھے اور واضح کیا ھے کہ اس معاملے سے مقصود کیا تھا: ''لنریہ من اٰیٰتنا''، تاکہ اللہ کی نشانیاں ان کے مشاھدے میں آجائیں، یعنی دلائل حقیقت کا عینی مشاھدہ کرلیں ۔ اس سے معلوم ھوا کہ یہ معاملہ وحی کی تکمیل تھا ۔ چنانچہ یہی وجہ ھے کہ اس کے بعد فرمایا: '' و اٰتینا موسی الکتٰب''۔ اسی طرح حضرت موسٰی کا معاملۂ وحی بھی کوہ طور کے اعتکاف میں مکمل ھوا تھا کہ ''و لما جاء موسٰی لمیقاتنا و کلمہ ربہ'' (۷ : ۱۴۳) اور انھیں کتاب شریعت دی گئی تھی ۔

'' انہ ھو السمیع البصیر'' وھی ھے جو سننے والا، دیکھنے والا ھے ۔ پس جسے چاھے اس سے زیادہ سنا دے جتنا سب سن رھے ھیں اور اس سے زیادہ دکھا دے جتنا سب دیکھ رھے ھیں ۔

یہاں مسجد حرام سے مقصود مکہ ھے اور مسجد اقصٰی سے بیت المقدس کا ھیکل ۔ اسے اقصٰی اس لیے فرمایا کہ عرب کے لیے قریب کی عبادت گاہ خانۂ کعبہ تھی اور دور کی عبادت گاہ ھیکل ۔

وَ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَجَعَلۡنٰهُ هُدًى لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِىۡ وَكِيۡلًا ؕ ۲

اور (اسی طرح) ہم نے موسیٰ کو کتاب (شریعت) دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ ٹھیرایا (اور حکم دیا) کہ (دیکھو!) میرے سوا اور کسی کو اپنا کارساز نہ ٹھیراؤ ۲ .

ذُرِّيَّةَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبۡدًا شَكُوۡرًا ‏۳

تم ان لوگوں کی نسل ہو جنھیں ہم نے (طوفان کی ہلاکت سے نجات دی تھی اور) نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کرایا تھا اور وہ ایک شکر گزار بندہ تھا ۳ .

وَقَضَيۡنَاۤ اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ فِى الۡكِتٰبِ لَـتُفۡسِدُنَّ فِى الۡاَرۡضِ مَرَّتَيۡنِ وَلَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا كَبِيۡرًا ‏۴

اور (دیکھو!) ہم نے کتاب میں (یعنی توراۃ میں) بنی اسرائیل کو اس فیصلے کی خبر دے دی تھی کہ تم ضرور ملک میں دو مرتبہ خرابی پھیلاؤ گے اور بڑی ہی سخت درجے کی سرکشی

کرو گے ٤ .

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰـهُـمَـا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ٥

پھر جب ان دو وقتوں میں سے پہلا وقت آ گیا تو (اے بنی اسرائیل!) ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے بھیج دیے جو بڑے ہی خوفناک تھے . پس وہ تمہاری آبادیوں کے اندر پھیل گئے اور اللہ کا وعدہ تو اسی لیے تھا کہ پورا ھوکر رہے ٥ .

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ

پھر (دیکھو!) ہم نے زمانے کی

٤ - آیت ٤ میں کتاب سے مقصود انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفے ھیں ، چنانچه یسعیاه، یرمیاه اور حزقیل کی کتابوں میں بنی اسرائیل کے دو بڑے فسادوں اور دو بڑی بربادیوں کی خبر دے دی گئی تھی . پہلی بربادی بابل کے بادشاہ نبوخذ نصر (Nebuchadnezzar) (بخت نصر) کے حملے سے ھوئی، دوسری رومیوں کے حملے سے جو ٹیٹس (Titus) کے زیر قیادت ھوئی تھی .

عَلَيۡهِمۡ وَاَمۡدَدۡنٰكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ وَجَعَلۡنٰكُمۡ اَكۡثَرَ نَفِيۡرًا ٥ [٦]

گردش تمہارے دشمنوں کے خلاف اور تمہارے موافق کردی اور مال ودولت اور اولاد کی کثرت سے تمہاری مدد کی اور تمہیں (پھر) ایسا بنادیا کہ بڑے جتھے والے ہو گئے [٦].

٦ - بابل کے حملے نے صرف یہودیا (Judea) کی آبادیوں ہی کو پامال نہیں کیا تھا، بلکہ بنی اسرائیل کی نسل و قومیت بھی ھلاک و منتشر ھو گئی تھی. لیکن ایك صدی کے بعد گردش زمانہ نے پھر پلٹا کھایا اور کار ساز قدرت نے وقت کی سب سے بڑی فاتح شہنشاھیت کو ان کی اغانت و دست گیری کے لیے کھڑا کر دیا، یعنی شہنشاہ فارس کو. اب یہودیا کی تمام اجڑی بستیاں پھر آباد ہو گئیں اور یہودی جمعیت کا جسم مردہ پھر زندہ ھوگیا. آیت ٦ میں اسی عہد کی طرف اشارہ کیا ھے. فرمایا: اگر تم نے اچھے کام کیے تھے تو اپنے ھی لیے کیے تھے، یعنی اس کے نتائج تمہارے ھی حصے میں آئے. اور بد عملیاں کی تھیں تو =

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ	اگر تم نے بھلائی کے کام کیے
لِاَنْفُسِكُمْ ۖ وَاِنْ اَسَاْتُمْ	تو اپنے ہی لیے کیے اور اگر
فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ	برائیاں کیں تو بھی اپنے ہی
الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ	لیے کیں ۔ پھر جب دوسرے
وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا	وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے
دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا	اپنے دوسرے بندوں کو بھیج
مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ ۷	دیا) تاکہ تمہارے چہروں پر

رسوائی پھیر دیں اور اسی طرح (ہیکل کی) مسجد میں داخل ہو جائیں جس طرح پہلی مرتبہ حملہ آور گھسے تھے اور جو کچھ پائیں توڑ پھوڑ کر برباد کر ڈالیں ۷ ۔

= وہ بھی اپنے ہی لیے کی تھیں ۔ اس کی پاداش بھی تمہارے ہی حصے میں آئی ۔ چنانچہ جب ایسا ہوا کہ اس دوسری مہلت کی بھی تم نے قدر نہ کی اور اپنی توبہ و انابت کے وہ تمام عہد بھلا دیے جو بابل کی اسیری کے زمانے میں کیے تھے تو پھر دوسری ہلاکت کا وقت نمودار ہو گیا یعنی رومی حملے کا ۔ یہ بنی اسرائیل کی آخری ہلاکت تھی ، اس کے بعد پھر نہ سنبھل سکے ۔

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ ۚ وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا ۝۸

وقف لازم

کچھ عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے (اگر اب بھی باز آجاؤ)، لیکن اگر تم پھر (سرکشی و فساد کی طرف) لوٹے تو (اللہ فرماتا ہے:) ہماری طرف سے بھی پاداش عمل لوٹ آئے گی اور (یاد رکھو!) ہم نے منکرین حق کے لیے جہنم کا قید خانہ تیار کر رکھا ہے ۸.

۸ - آیت ۸ نے دو لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو جزاء عمل کے بارے میں کہا جاسکتا ہے اور اس سے قرآن کی معجزانہ بلاغت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے: "وان عدتم عدنا"، اگر تم پھر انہیں شرارتوں کی طرف لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے. یعنی اگر تم بد عملیوں کی طرف لوٹو گے تو اللہ کا قانون مجازات بھی پاداش و عقوبت کی طرف لوٹے گا. جونہیں تم نے برائی کا رخ کیا، نتائج عمل کا قانون بھی پاداش و عقوبت میں سرگرم ہو گیا. "عمل" اور "نتیجہ" دو ایسی لازم و ملزوم حقیقتیں ہیں جو کسی حال میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتیں. نتیجہ عمل کا سایہ ہے. جہاں عمل آیا اس کا سایہ بھی ساتھ آ گیا. تم نے اچھے عمل کی طرف رخ کیا اور اچھے نتائج بھی تمہاری طرف تکنے لگے. تم نے برے عمل کی طرف =

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ	بلا شبہ یہ قرآن اس راہ کی
لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ	طرف رہ نمائی کرتا ہے جو سب
وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ	سے زیادہ سیدھی راہ ہے اور

= قدم اٹھایا برے نتائج کے بھی قدم اٹھ گئے۔ اس راہ میں جتنے بڑھتے جاؤ اور جس قدر بھی غور کرو حقیقت ھر جگہ یہی نظر آئے گی کہ "و ان عدتّم عدنا"۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو ھلاکتیں ھو چکیں۔ اب تیسری مہلت تمھیں ملی ھے۔ یعنی دعوت حق کے ظہور نے رحمت الٰہی کی بخشایشوں کا دروازہ کھول دیا ھے۔ اگر انکار و سرکشی سے باز آجاؤ تو تمھارے لیے سعادت و کامرانی ھے۔ باز نہ آؤ گے تو پھر جس طرح دو مرتبہ نتائج عمل کا قانون اپنی عقوبتیں دکھلا چکا ھے، تیسری مرتبہ بھی دکھلائے گا۔

چنانچہ ایسا ھی ھوا۔ یہودیوں نے جس طرح اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھایا تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور نے انھیں دی تھی، اسی طرح دعوت اسلام سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور محرومی و نامرادی کی مہر ھمیشہ کے لیے ان کی قسمت پر لگ گئی۔

الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا ۙ ۹

ایمان والوں کو جو نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ انہیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے ۹ ۔

---

۹ ۔۔ آیت ۸ میں فرمایا تھا : عجب نہیں کہ پروردگار تم پر رحم فرمانے اگر سرکشی و فساد سے باز آجاؤ اور دعوت حق پر لبیک کہو ۔ پس آیت ۹ میں اس کی مزید تشریح کی اور فرمایا : '' ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم '' قرآن ھدایت کی ایسی راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی راہ ہے اور ان لوگوں کے لیے جو اس راہ پر چلیں ہر طرح کی کام یابیوں کی بشارت ہے ۔

قرآن نے اپنے جس قدر اوصاف بیان کیے ہیں ان سب میں جامع ترین وصف یہی ہے ۔ زندگی اور سعادت کے ہر گوشے میں اس کی رہ نمائی سیدھی سے سیدھی بات کے لیے ہے ۔ کسی طرح کی کجی ، کسی طرح کا پیچ وخم ، کسی طرح کا الجھاؤ ، کسی طرح کی افراط و تفریط اس کی رہ نمائی میں نہیں ہو سکتی ۔ یہی حقیقت دوسری جگہ '' صراط مستقیم '' اور '' دین قیم '' سے تعبیر کی گئی ہے ۔

وَّ اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اور (اس بات کا بھی اعلان

بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ کرتا ہے کہ) جو لوگ آخرت

عَذَابًا اَلِيْمًا ع ١٠ کا یقین نہیں رکھتے ان ١ ع ١

کے لیے ہم نے عذاب دردناك تیار کر رکھا ہے ١٠ .

وَ يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ اور (دیکھو!) جس طرح انسان

بِالْخَيْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اپنے لیے بھلائی کی دعائیں

عَجُوْلًا ۝ ١١ مانگتا ہے اسی طرح (بسا

اوقات) برائی بھی مانگنے لگتا ہے (اگرچہ نہیں جانتا کہ یہ

اس کے لیے برائی ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی جلدباز

ہے ١١ .

---

١١ - آیت ١١ میں انسان کی اس کمزوری کی طرف

اشارہ کیا ہے کہ وہ خیر و شر میں امتیاز نہیں کرتا اور

بسا اوقات شر کا اس طرح طالب ہو جاتا ہے جس طرح

اسے خیر کا خواست گار ہونا چاہیے۔ =

وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ	اور (دیکھو!) ہم نے رات
اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ	اور دن کو ایسا بنایا کہ (ہماری
وَ جَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ	قدرت و حکمت کی) دو نشانیاں
مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا	ہو گئیں۔ سو رات کی نشانی

= یہ حالت اسے کیوں پیش آتی ہے؟ اس لیے کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہے یعنی ایسی خواہشیں ہیں جو فوراً پورا ہونا چاہتی ہیں اور جب چھا جاتی ہیں تو ایک لمحے کے لیے بھی صبر و انتظار نہیں کر سکتیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اچھائی کی طلب گاری کرتے ہوئے برائیوں کا طلب گار ہو جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کی طلب گاری اسے برائیوں کی طرف لے جا رہی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اسے ایک رہ نمائی کی ضرورت ہے جو خیر و شر کا امتیاز سکھلائے اور خواہشوں کی ٹھوکروں سے اس کی حفاظت کرے۔ یہی رہ نمائی ہدایت وحی کی راہ نمائی ہوئی اور اسی لیے انسان کسی ایسی رہ نمائی کا بالطبع محتاج ہوا۔

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا دھیمی کردی (کہ راحت وسکون
عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ کا وقت بن جائے) اور دن کی
وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا [12] نشانی روشن کردی کہ (اس کے
اجالے میں) اپنے پروردگار کا فضل ڈھونڈھو (یعنی معیشت کا
سروسامان مہیا کرو)، نیز (رات دن کے اختلاف سے) برسوں کی
گنتی اور (برسوں کی گنتی سے ہر طرح کا) حساب بھی معلوم
کرلو۔ ہم نے (قرآن میں) ہر چیز کا بیان کھول کھول کر
الگ الگ واضح کردیا ہے ۱۲۔

---

۱۲ - اس کے بعد آیت ۱۲ میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کس طرح ربوبیت الٰہی نے تمہاری ہدایت کا فطری سامان کردیا ہے اور کس طرح کارخانۂ ہستی کا ہر معاملہ تمہاری کار برآریوں کا ذریعہ ہے۔ اور جب ربوبیت الٰہی کی یہ کار فرمائیاں شب و روز دیکھ رہے ہو تو اس سے تمہیں کیوں انکار ہو اگر وہ وحی ونبوت کے قیام کے ذریعے تمہاری ہدایت کا مزید سامان کردے؟

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰٮهُ مَنْشُوْرًا ۝ ١٣

اور ہم نے ہر انسان کی شامت خود اس کی گردن سے باندھ دی ہے (کہیں باہر سے اس پر آکر نہیں گرتی) اور قیامت کے دن ہم اس کے لیے (نامۂ اعمال کی) ایک کتاب نکال کر پیش کردیں گے، وہ اسے اپنے سامنے کھلا دیکھ لے گا ١٣ .

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؕ ١٤

(ہم کہیں گے :) اپنا نامۂ اعمال پڑھ لے . آج کے دن خود تیرا وجود ھی تیرے احتساب کے لیے بس کرتا ہے ١٤ .

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ

جو سیدھے رستے چلا تو اپنے ھی لیے چلا اور جو بھٹک گیا تو بھٹکنے کا خمیازہ بھی وھی

وِزْرَ اُخْرٰی ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵

اٹھائے گا۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا (ہر جان کو خود اپنے ہی اعمال کا بوجھ اٹھانا ہے)۔ اور ہم کبھی ایسا نہیں کرتے کہ (کسی قوم کو) عذاب دیں مگر اسی وقت جب کہ اس میں ایك رسول پیدا کردیتے ھیں (اور پھر بھی لوگ سرکشی و فساد سے باز نہیں آتے) ۱۵۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝۱۶

اور جب ہمیں منظور ہوتا ھے کہ کسی بستی کو ھلاك کریں تو ایسا ہوتا ھے کہ اس کے خوش‌حال لوگوں کو حکم دیتے ھیں (یعنی وحی کے ذریعے احکام حق پہنچا دیتے ھیں)، پھر وہ (بجائے اس کے کہ اس کی تعمیل کریں) نافرمانی میں سرگرم ہوجاتے ھیں۔ پس ان پر عذاب کی بات ثابت ہوجاتی ھے اور (پاداش عمل میں) انھیں برباد و ھلاك کر ڈالتے ھیں ۱۶۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ ۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ۝ ۱۷

اور (دیکھو!) نوح کے بعد قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا اور (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی خبرداری اور نگرانی اس کے بندوں کے (گناہوں کے) لیے بس کرتی ہے ۱۷ .

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا

جو کوئی فوری فائدہ (اسی دنیا میں) چاہتا ہے تو جس کسی کو ہم دینا چاہیں اور جتنا دینا چاہیں، اسی دنیا میں

---

۱۳ تا ۱۷ - آیت ۱۳ سے آیت ۱۷ تک یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسان اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے اور جو برائی بھی اسے پیش آتی ہے خود اسی کے اعمال کی پیداوار ہے. یہ مقام تشریح طلب ہے. اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی .

مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ۱۸ دے دیتے ھیں ۔ پھر آخر کار اس کے لیے جہنم بنا دی ہے، اس میں داخل ھو گا، بدحال، ٹھکرایا ھوا ۱۸ ۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰی لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُورًا ۱۹ لیکن جو کوئی آخرت کا طالب ھوا اور اس کے لیے جیسی کچھ کوشش کرنی چاھیے ویسی کوشش کی، نیز ایمان بھی رکھتا ہے تو (اس کے لیے دائمی کامیابیاں ھیں اور) ایسے ھی لوگ ھیں جن کی کوشش مقبول ھو گی ۱۹ ۔

---

۱۸ و ۱۹ - آیت ۱۸ میں فرمایا کہ نتائج عمل کے لحاظ سے انسان کے دو گروہ ھو گئے ھیں: ایك وہ ہے جس کی ساری طلب دنیا کی چند روزہ زندگی ھی کے لیے ہے ۔ دوسرا وہ ہے جو یقین رکھتا ہے کہ اس زندگی کے بعد بھی ایك زندگی ہے اور اس لیے اس دوسری زندگی کی سعادت کا بھی طالب ہے ۔ جہاں تك دنیا کی زندگی کا تعلق ہے ھمارا قانون یہ ہے کہ دونوں کے آگے یکساں طریقے پر دنیوی نتائج کا دروازہ کھول دیا جائے اور=

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰

ہم ہر فریق کو اپنی پروردگاری کی بخشایشوں سے (دنیا میں) مدد دیتے ہیں، ان کو بھی (کہ صرف دنیا ہی کے پیچھے پڑ گئے) اور ان کو بھی (کہ آخرت کے طالب ہوے اور راہ حق پر چلے) اور (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی بخشش عام کسی پر بند نہیں ۲۰ .

= سب کو کارخانۂ ربوبیت کا فیضان مل رہا ہے، انہیں بھی جو صرف دنیا کے ہو رہے، انہیں بھی جو آخرت کے بھی طالب ہوے . لیکن جہاں تك آخرت کی سعادتوں کا تعلق ہے پہلے کے لیے محرومیاں ہوں گی، دوسرے کے لیے کامرانیاں .

آیت ۱۹ نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ سعادت اخروی کی شرائط کیا ہیں . فرمایا: دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ سعادت اخروی کے لیے کوشش کرے، لیکن کیسی کوشش؟ ویسی کوشش جو اس کے لیے صحیح کوشش ہو سکتی ہے، یعنی جو اللہ کی وحی نے بتلا دی ہے . دوسری یہ کہ اللہ پر اور اس کی صداقتوں پر ایمان ہو . اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کی سعادت کی کوئی سعی بغیر ان دو شرطوں کے مقبول نہیں ہو سکتی .

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ ۲۱

دیکھو! ہم نے کس طرح (یہاں) بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر برتری دے دی ہے (کہ کوئی کسی حال میں نظر آتا ہے، کوئی کسی میں) اور حقیقت یہ ہے کہ آخرت کے درجے سب سے بڑھ کر ہیں اور سب سے برتر ۲۱۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ ع ۲۲

۲ ع ۲

اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھیراؤ، ورنہ ایسے ہو رہو گے کہ ہر طرف سے نفریں کے مستحق اور ہر طرف سے درماندگی میں پڑے ہوے ۲۲۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ

اور تمہارے پروردگار نے یہ بات ٹھیرا دی کہ اس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ

اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ بھلائی کرو۔ اگر ماں باپ میں
لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا سے کوئی ایک یا دونوں
وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝۲۳ تمہاری زندگی میں بڑھاپے کی
عمر تك پہنچ جائیں (اور ان کی خدمت کا بوجھ تم پر آ پڑے)
تو ان کی کسی بات پر اف نہ کرو (یعنی کوئی بات کتنی ھی
ناگوار گزرے مگر حرف شکایت زبان پر نہ لاؤ) اور نہ (تیزی
میں آ کر) جھڑکنے لگو، ان سے بات چیت ادب و عزت کے
ساتھ کرو۲۳ ۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ ان کے آگے محبت و مہربانی
الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ کے ساتھ عاجزی کا سر جھکائے
رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ رکھو، ان کے حق میں (ھمیشه)
صَغِيْرًا ۝۲۴ دعا کرو که پروردگار! جس
طرح انھوں نے مجھے صغر سنی میں پالا پوسا اور بڑا کیا تو
اسی طرح تو بھی ان پر رحم کیجیو ۲٤ ۔
رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ تمہارا پروردگار خوب جانتا ھے

اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ ۲۵ جو کچھ تمھارے جی میں ہوتا ہے۔ اگر تم نیک کردار ہوئے (اور بغیر قصد کے تم سے کوئی فروگزاشت ہوگئی) تو (اس کی وجہ سے تمہیں مضطرب نہیں ہونا چاہیے) وہ بلا شبہ توبہ کرنے والوں کے لیے بڑا ہی بخشنے والا ہے ۲۵۔

---

۲۲ تا ۲۵ - آیت ۲۲ سے سلسلۂ بیان اوامر و نواہی کی طرف متوجہ ہوا ہے اور واضح کیا ہے کہ طالب آخرت گروہ کے اعمال کیسے ہونے چاہییں۔ طالبین آخرت کی کامیابی اس سے مشروط کردی تھی کہ "وسعیٰ لہا سعیہا"، اب اس کی تشریح کی ہے کہ سعادت اخروی کے لیے سعی اس طرح کرنی چاہیے۔

سب سے پہلے توحید فی العبادۃ کی تلقین کی کہ اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔ کیوں کہ نفس توحید کا اعتقاد تو تمام پیروان مذاہب میں موجود تھا، لیکن توحید فی العبادۃ کی حقیقت مفقود ہوگئی تھی۔ پھر والدین کے حقوق پر توجہ دلائی۔ کیوں کہ انسان کے لیے والدین کی ربوبیت، ربوبیت الٰہی کا پرتو ہے، اور اس لیے عبودیت الٰہی کے بعد جو عمل اس کے لیے مقدم ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ والدین کے حقوق پرورش سے غافل نہ ہو۔ =

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝٢٦

اور (دیکھو!) جو لوگ تمھارے قرابت دار ہیں، جو مسکین ہیں، جو (بے یار و مددگار) مسافر ہیں ان سب کا تم پر حق ہے، ان کا حق

= والدین کی خدمت و اطاعت کی آزمایش کا اصلی وقت ان کے بڑھاپے کا وقت ہوتا ہے. کیوں کہ بڑھاپے کی کم زوریاں انھیں دوسروں کی خدمت و اعانت کا محتاج بنا دیتی ہیں اور اولاد اپنی جوانی کی امنگوں اور عیش پرستیوں میں اس کی بہت کم مہلت پاتی ہے کہ اپنے محتاج اور معذور ماں باپ کی خبر گیری کرے. پس یہاں سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیا، کیوں کہ جو اولاد اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت و اطاعت میں کوتاہی نہیں کرے گی وہ دوسرے وقتوں میں کب کوتاہی گوارا کر سکتی ہے.

انسان کی احتیاج کے دو ہی وقت ہوتے ہیں: طفولیت اور بڑھاپا. طفولیت میں ماں باپ نے خدمت کی تھی، بڑھاپے میں اولاد کو کرنی چاہیے. یہی وجہ ہے کہ فرمایا: ''رب ارحمھما کما ربینی صغیرا''.

ادا کرتے رہو اور مال و دولت کو بے محل خرچ نہ کرو جیسا کہ بے محل خرچ کرنا ہوتا ہے ۲۶ ۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ کَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ کَفُوْرًا ۝۲۷

بے محل خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کی نعمتوں کا کفران کرنے والا ہے ۲۷ ۔

---

۲۶ و ۲۷ - ماں باپ کے بعد قرابت داروں کے حقوق ہیں اور پھر ان سب کے ہیں جو ہماری خبر گیری کے محتاج ہوں ۔ پس آیت ۲۶ میں اس کا حکم دیا اور فرمایا "و لا تبذر تبذیرا"، تمھارے خرچ کرنے کا صحیح محل یہ ہے، پس مال و دولت بے محل خرچ نہ کرو ۔

پھر فرمایا: جو لوگ تبذیر کرتے ہیں، یعنی خدا کی دی ہوئی دولت بے محل خرچ کر ڈالتے ہیں، مثلاً محض اپنے نفس کی عیش پرستیوں میں اڑا دیں گے تو وہ شیطان کے بھائی بندوں میں سے ہیں، کیوں کہ شیطان کی راہ کفران کی راہ ہے اور انھوں نے بھی کفران نعمت کی راہ اختیار کی ۔

مال و دولت کے بے جا استعمال کی دو ہی صورتیں ہیں

وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝۲۸

اور اگر ایسا ہو کہ تم اپنے پروردگار کی مہربانی کی راہ دیکھ رہے ہو (یعنی تنگ دستی کی حالت میں ہو اور رزق کی جستجو کر رہے ہو) اور اس لیے تمھیں (ان حق داروں سے) منہ پھیرنا پڑے تو چاہیے کہ نرمی سے انہیں سمجھا دو (سختی سے پیش نہ آؤ) ۲۸ .

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا

اور (دیکھو!) نہ تو اپنا ہاتھ اتنا سکیڑ لو کہ گردن میں بندھ جائے اور نہ بالکل ہی

= ہو سکتی ہیں: ایك یہ کہ آدمی نہ تو اپنے اوپر خرچ کرے نہ دوسروں پر، محض جمع کرکے رکھے. دوسری یہ کہ صرف اپنے اوپر خرچ کرے، دوسروں پر خرچ نہ کرے. قرآن نے دونوں صورتوں کو معصیت قرار دیا ہے. پہلی صورت "اکتناز" کی ہے: "و الذین یکنزون الذهب و الفضة" (۹ : ۳٤)، دوسری تبذیر کی. یہاں تبذیر سے روکا ہے.

مَّحْسُوْرًا ۝ ٢٩ پھیلا دو . دونوں صورتوں کا نتیجه یه نکلے گا که هر طرف سے ملامت پڑے اور درمانده هو کر ره جاؤ ٢٩ .

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۗ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۝ ٣٠ تمھارا پروردگار جس کسی کی روزی چاھتا ھے فراخ کردیتا ھے اور جس کی چاھتا ھے نپی تلی . وه اپنے بندوں (کی حالت) کی خبر رکھنے والا (اور سب کچھ) دیکھنے والا ھے ٣٠ .

٣ ع ٣

٢٩ - آیت ٢٩ جوامع مواعظ میں سے ھے . فرمایا : مال و دولت خرچ کرنے میں اور ھر بات میں اعتدال کی راه اختیار کرو . کسی ایك ھی طرف کو جھك نه پڑو . مثلاً خرچ کرنے پر آئے تو سب کچھ اڑا دیا ، احتیاط کرنی چاھی تو اتنی کی که کنجوسی پر اتر آئے .

در اصل تمام محاسن و فضائل کی بنیادی حقیقت توسط و اعتدال ھے اور جتنی برائیاں بھی پیدا ھوتی ھیں ، افراط و تفریط سے پیدا ھوتی ھیں .

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ ۳۱

اور (دیکھو!) افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو ھلاك نه کرو. ھم ھی ھیں که انھیں بھی اور تمھیں بھی روزی دیتے ھیں . انھیں ھلاك کرنا بڑے ھی گناہ کی بات ھے ۳۱ .

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ ۳۲

اور زنا کاری کے قریب بھی نه جاؤ. یقین کرو وہ بڑی ھی بے حیائی کی بات اور بڑی برائی کا چلن ھے ۳۲ .

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ ۳۳

اور کسی جان کو ناحق قتل نه کرو، جسے قتل کرنا الله نے حرام ٹھیرادیا ھے . جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ھم نے اس کے وارث کو (قصاص کے مطالبے کا) اختیار دے دیا ھے . پس

چاھیے کہ خون ریزی میں زیادتی نہ کرے (یعنی حق سے زیادہ بدلا لینے کا قصد نہ کرے)، وہ (حد کے اندر رھنے میں) فتح مند ھے ۳۳.

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ

اور یتیموں کے مال کے قریب بھی نہ جانا (یعنی اسے خرچ کرنے کا ارادہ بھی نہ کرنا) مگر ھاں، ایسے طریقے پر جو بہتر ھو،

---

۳۳ - قرآن نے قتل نفس کو انسان کی سب سے بڑی معصیت قرار دیا ھے. شرك کے بعد اگر کوئی برائی ھوسکتی ھے تو وہ یہی ھے: " و الذین لا یدعون مع اللہ الٰھاً اٰخر و لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق (۲۵ : ۶۸). اس بارے میں طبیعت انسانی کے لیے اصلی آزمایش کا وقت وہ ھوتا ھے جب انتقام کا جوش ابھر آتا ھے اور بسا اوقات ایك قتل کے بدلے سینکڑوں جانوں کا خون بہادیا جاتا ھے. پس یہاں آیت ۳۳ میں خصوصیت کے ساتھ اس فتنے پر توجہ دلائی: "فلا یسرف فی القتل". جو شخص کسی ظلم سے مارا جائے تو اس کے وارثوں کو قصاص کے مطالبے کا حق دیا گیا ھے، لیکن اس حق کا بے جا استعمال نہیں ھونا چاھیے کہ ایك خون ریزی کے بدلے بہت سی خون ریزیاں ھو جائیں.

كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝٣٤ یہاں تك كه یتیم جوان هو جائیں (اور تم ان کی امانت ان کے حوالے کردو) . اور (دیکھو!) اپنا عہد پورا کرو . عہد کے بارے مین تم سے بازپرس کی جائے گی٣٤ .

وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ اور جب کوئی چیز مانپو تو وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ پیمانه بھر پور رکھا کرو (اس ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝٣٥ میں کمی نه کرو) اور جب تولو تو درست ترازو سے تولو (یعنی نه تو ترازو غلط هو، نه تولنے میں ڈنڈی دبائی جائے) . یه (معاملے کا) بهتر طریقه هے اور اچھا انجام لانےوالا هے ٣٥ .

وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝٣٦

اور (دیکھو!) جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نه پڑو (اپنی حد کے اندر رهو). (یاد رکھو!) کان، آنکھ، عقل، ان سب کے بارے میں باز پرس هونے والی هے ٣٦ .

---

٣٦ - آیت ٣٦ مہمات معارف قرآنی میں سے هے . اس کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی .

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ج	اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو .
اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ	یقیناً تم زمین میں شگاف نہیں ڈال
وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ	سکتے اور نہ پہاڑوں کی لمبان
طُوْلًا ۞ ۳۷	تك پہنچ سکتے ہو ۳۷ .
كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ	ان ساری باتوں کا یہ حال ھے کہ
رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۞ ۳۸	ان کی برائی تمہارے پروردگار

کے نزدیك بڑی ھی نا پسندیدہ ھے ۳۸ .

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ	(اے پیغمبر!) یہ ان دانائی کی
رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ط وَلَا	باتوں میں سے ھیں جو تیرے
تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ	پروردگار کی جانب سے تجھ پر
فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا	وحی کی گئی ھیں . اور (تمام
مَّدْحُوْرًا ۞ ۳۹	باتوں کی جڑ یہ ھے کہ) اللہ کے

ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ کہ بالآخر دوزخ میں ڈالے جاؤ ،
ملامت کے مستوجب اور ٹھکرائے ہوے ۳۹ .

اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝ ۴۰ ع ۴

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں تو اس برگزیدگی کے لیے چن لیا ہو کہ بیٹے والے ہو اور خود اپنے لیے یہ پسند کیا ہو کہ فرشتوں کو بیٹیاں بنائے؟ (افسوس تم پر!) کیسی سخت بات ہے جو تم کہہ رہے ہو ۴۰ .

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ ۴۱

اور (دیکھو!) ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے طریقوں سے (مطالب حق) بیان کیے تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں. لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا. ہوا تو یہ ہوا کہ (سچائی سے) اور زیادہ نفرت بڑھ گئی ۴۱ .

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ ۴۲

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو: اگر اللہ کے ساتھ اور بہت سے معبود ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں

تو اس صورت میں ضروری تھا کہ وہ فوراً صاحب تخت ہستی تک (مقابلے کی) راہ نکال لیتے (اور کار خانۂ ہستی میں فساد پڑجاتا) ۴۲ ۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴۳ ان ساری باتوں سے جو یہ کہتے ہیں اس کی ذات پاک اور بلند ہے ، بے حد بلند ہے ۴۳ ۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۴ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اس کی پاکیزگی و کبریائی کا زمزمہ بلند کر رہے ہیں ۔ یہاں کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج نہ ہو ، مگر تم ان کی زمزمہ سنجیاں سمجھتے نہیں ۔ بلا شبہ وہ بڑا ہی بردبار ہے ، بڑا ہی بخشنے والا ۴۴ ۔

---

۴۴ - آیت ۴۴ میں فرمایا : کائنات ہستی میں کوئی چیز =

= نہیں جو اللہ کی حمد و تسبیح نہ کر رہی ہو، لیکن تم میں سمجھ نہیں کہ ان کی تسبیح و تقدیس پر غور کرو.

یہ تسبیح جو کائنات ہستی کی ہر چیز کر رہی ہے، کیا محض صداؤں کی تسبیح ہے؟ نہیں، وہ اپنی ہستی میں، اپنی بناوٹ میں، اپنی صورت میں، اپنے افعال و خواص میں مجسم تسبیح و تقدیس ہیں. ان کی ہستی ہی تسبیح کا ترانہ اور ان کی موجودگی ہی سر تا سر حمد و ثنا ہے. وہ اپنی ہر بات میں کسی بنانے والے کی صنعت، کسی پرورش کرنے والے کی پرورش اور کسی سرچشمۂ حسن و کمال کی حسن افروزیاں ہیں اور اس لیے زبان حال سے اس کی خالقیت و حکمت و ربوبیت و رحمت کی تحمید و تسبیح کر رہی ہیں.

عربی میں ''مَن'' ذوی العقول کے لیے آتا ہے، اس لیے پہلے فرمایا: آسمان اور زمین میں جتنی ذوی العقول ہستیاں ہیں سب تسبیح الٰہی میں سرگرم ہیں. پھر فرمایا ''وان من شیء''، اور کائنات ہستی میں کوئی شے نہیں جو اس تسبیح میں ان کی شریک نہ ہو. عربی میں ''شے'' کا اطلاق نہ صرف ان چیزوں پر ہوتا ہے جو جسم و حجم رکھتی ہوں، بلکہ ہر بات اور ہر حادثے پر ہوتا ہے، حتیٰ کہ دروازہ کھلنے کی آواز کو بھی ''شے'' کہیں گے. پس مطلب یہ ہوا کہ =

= کائنات ہستی کا ہر وجود، ہر ہستی، ہر چیز، ہر حالت، ہر حادثہ اپنے بنانے والے کی یکتائی اور صنعت گری کی تصویر ہے۔ اور خود تصویر سے بڑھ کر اور کس کی زبان ہوسکتی ہے جو مصور کے صنعت و کمال کا اعلان کرے؟

اگر ایک با کمال سنگ تراش موجود ہے تو اس کی صناعی و کمال کی تعریف تم زبانوں سے نہیں کرسکتے، اس کی مجسم تعریف و توصیف خود اس کی بنائی ہوئی مورتی ہوتی ہے۔ اس مورتی کا حسن، اس کا تناسب، اس کا انداز، اس کی ساری باتیں اپنے سنگ تراش کے دست صناعی کی ابھرتی ہوئی تعریف اور ابلتی ہوئی مدح و ثنا ہوتی ہے!

اس آیت نے یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہے سر تا سر حسن و خوبی ہی ہے۔ کیوں کہ حمد کے معنی ثناء جمیل کے ہیں اور تمام چیزوں کا صدائے حمد ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ بنانے والے نے جتنی چیزیں بنائی ہیں حسن و خوبی ہی کی بنائی ہیں اگرچہ تمہاری کوتاہ بینی اسے نہ پاسکے۔ اس مقام کی مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مبحث برہان رحمت دیکھنا چاہیے۔

لیکن کیا کائنات ہستی کی یہ تسبیح محض صدائے حال=

وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۙ ٤٥

(اے پیغمبر!) جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تجھ میں اور ان لوگوں میں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ایک پوشیدہ پردہ حائل کردیتے ہیں (یعنی ہمارا ٹھیرایا ہوا قانون یہ ہے کہ ایسے لوگوں میں اور صداے حق میں ایک پردہ سا حائل ہوجاتا ہے)٤٥.

وَّ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۞ ٤٦

اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف ڈال دیے کہ سمجھ کام نہیں دیتی اور کانوں میں گرانی کہ کچھ سنائی نہیں دیتا. اور جب تو قرآن میں تن تنہا صرف اپنے

= ہی کی تسبیح ہے، صداے مقال کا اس میں کوئی حصہ نہیں؟ کون ہے جو ایسا کہنے کی جرأت کرسکتا ہے؟ ابھی چند آیتوں کے بعد اسی سورت میں تم پڑھوگے: "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا".

پروردگار ھی کا ذکر کرتا ھے (اور یہ اپنے ٹھیرائے شریکوں کا ذکر نہیں پاتے) تو پیٹھ پھیر کے بھاگنے لگتے ھیں، نفرت میں بھرے ھوے ۴۶ .

۴۵ و ۴۶ - پچھلی آیت میں منکرین حق کی یہ حالت بیان کی تھی کہ: ''لا یفقھون تسبیحھم''، اب آیت ۴۵ میں فرمایا: یہی حال ان کا قرآن کے بارے میں ھے کہ اس کی طرف رخ نہیں کرتے، اسے سننا نہیں چاھتے، اسے سمجھنے کے لیے تیار نہیں .

اللہ کا مقررہ قانون یہ ھے کہ اگر تم آنکھیں نہیں کھولو گے تو تمھارے آگے ایک سیاہ پردہ حائل ھوجائے گا، اگر تم سننا نہیں چاھو گے تو تمھارے کان بہروں کے کان ھوجائیں گے، اگر تم سوچنے سے انکار کردو گے تو تمھاری عقل پر پردے پڑجائیں گے، اس کی روشنی کام نہیں دے سکے گی . قرآن نے انکار و اعراض کی یہ حالت جا بجا بتلائی ھے اور یہاں بھی اس طرف اشارہ کیا ھے .

منکروں کی یہ حالت خود انھیں کی پسند کی ھوئی حالت تھی . یہ قانون اللہ کا ٹھیرایا ھوا ھے کہ نہ دیکھنے والوں کی آنکھوں پر پردہ پڑجاتا ھے، لیکن اسی وقت=

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ ۴۷

جب یہ لوگ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو جو کچھ ان کا سننا ہوتا ہے اسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور جب یہ ظالم باہم سرگوشیاں کرتے ہیں اور سرگوشیاں کرتے ہوئے کہتے ہیں "تم جس آدمی کے پیچھے پڑے ہو وہ اس کے سوا کیا ہے کہ جادو سے مارا ہوا ہے"

= پڑتا ہے جب دیکھنے والا دیکھنے سے انکار کر دیتا ہے.

یہاں تین باتیں بیان کی گئی ہیں: آنکھوں کے آگے حجاب، کانوں میں گرانی اور عقل پر تہ در تہ غلافوں کا چڑھ جانا. لیکن یہ وہی تین حالتیں ہیں جو خود منکروں نے اپنے لیے پسند کرلی تھیں: "و قالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ و فی اٰذاننا وقر و من بیننا و بینك حجاب" (۴۱ : ۵)

"حجابًا مستورًا" یعنی ایسا پردہ جو حائل تو ہوجاتا ہے مگر دکھائی نہیں دیتا. اور دکھائی دے کس طرح؟ وہ لکڑی کا یا اینٹوں کا پردہ تو ہوتا نہیں. وہ تو اعراض و غفلت کا پردہ ہوتا ہے جسے تمہاری ظاہر بیں نگاہیں پا نہیں سکتیں.

تو اس سے بھی ہم بے خبر نہیں ہیں ۴۷ ۔

اُنظُرْ کَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ (اے پیغمبر) غور کر! ان
اَلْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا لوگوں نے تیری نسبت کیسی
یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ۴۸ کیسی باتیں بنائی ہیں جس کی
وجہ سے گم راہی میں پڑ گئے ، پس اب راہ نہیں پاتے ۴۸ ۔

وَ قَالُوْٓا ءَ اِذَا کُنَّا عِظَامًا اور (دیکھ!) انھوں نے کہا :
وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ جب ہم (مرنے کے بعد)
خَلْقًا جَدِیْدًا ۴۹ محض چند ھڈیوں کی شکل میں
رہ گئے اور گل سڑ گئے تو پھر کیا ایسا ھوسکتا ہے کہ از سر نو
اٹھا کھڑے کیے جائیں ؟ ۴۹

قُلْ کُوْنُوْا حِجَارَۃً اَوْ تم کہدو: ھاں، تم (مرنے کے بعد)
حَدِیْدًا ۵۰ کچھ ھی کیوں نہ ھو جاؤ ، پتھر
ھو جاؤ ، لوھا ھو جاؤ ۵۰ ۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَکْبُرُ فِیْ یا کوئی اور چیز جو تمھارے

صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝

خیال میں (دو بارہ زندہ ہونے کے لیے) بہت ہی سخت ہو (لیکن قدرت الٰہی تمھیں دوبارہ زندہ کر کے رہے گی)۔ یہ سن کر وہ کہیں گے "لیکن کون ہے جو اس طرح ہمیں دوبارہ زندہ کر دے گا؟"۔ تم کہو "وہی جس نے پہلی مرتبہ تمھیں پیدا کیا!" اس پر یہ لوگ تیرے آگے سر مٹکانے لگیں گے اور کہیں گے "ایسا کب ہوگا"؟ تم کہو: عجب نہیں کہ اس کا وقت قریب ہو ۵۱۔

۵۱ - قرآن حکیم نے جابجا نشأۃ اولیٰ سے نشأۃ ثانیہ پر استدلال کیا ہے، یعنی جس خالق و قدیر نے تمھیں پہلی مرتبہ زندگی دی کیا وہ تمھیں دوبارہ زندگی نہیں دے سکتا؟ پھر اس پر اچنبھا کیوں ہو؟

یہاں بھی آیت ۵۱ میں یہی استدلال ہے۔ پہلی زندگی سے مراد نوع کی زندگی بھی ہوسکتی ہے اور فرد کی بھی۔ =

يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيلًا ؏ ۵۲
وہ دن کہ اللہ تمہیں بلائے گا اور تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کا جواب دو گے
اور ایسا خیال کروگے کہ (دونوں زندگیوں کے درمیان) تم نے جو وقت گزارا وہ کوئی بڑی مدت نہ تھی، تھوڑا سا وقت تھا! ۵۲

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۵۳
اور (اے پیغمبر!) میرے بندوں سے کہہ دو (یعنی ان سے جو دعوت حق پر ایمان لائے ہیں: مخالفوں سے گفتگو

== ہر فرد اپنی ہستی میں غور کر سکتا ہے۔ اس کا وجود نہ تھا مگر ظہور میں آگیا۔ اور کس طرح ظہور میں آیا؟ محض نطفے کے ایک خورد بینی کیڑے سے جو "علقہ" کی طرح ہوتا ہے یعنی جونک کی طرح۔ پھر اگر کیڑے کے ایک ذرے سے اس کا وجود بن جاسکتا تھا تو کیا اس کے پورے وجود کے ذرات سے دوبارہ وجود نہیں بن سکتا؟ "ما لکم کیف تحکمون"؟

کرتے ہوئے) جو بات کہو ایسی کہو کہ خوبی کی بات ہو.
شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے . یقیناً شیطان انسان کا
صریح دشمن ہے ۵۳ .

۵۳ - آیت ۵۳ میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ منکرین اسلام سے گفتگو کرو تو پسندیدہ طریقے پر کرو . اس طرح کی باتیں نہ کہو جس سے باہم فتنہ و فساد پیدا ہو اور بجائے کھنچنے کے اور زیادہ لوگ متنفر ہو جائیں .

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے بعض مشرکوں کو کہا تھا " انکم من اہل النار " تم جہنمی ہو ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو اس بات سے روکا گیا کہ تعین کے ساتھ کسی انسان یا جماعت کو ایسا نہ کہیں کہ تم جہنمی ہو . کیوں کہ کوئی نہیں جانتا کس آدمی کا خاتمہ کس حال پر ہونے والا ہے . بہت ممکن ہے جسے تم جہنمی کہہ رہے ہو اسے ہدایت کی توفیق ملنے والی ہو اور اس کی جگہ جنتیوں میں ہو . بلا شبہ تم کہہ سکتے ہو : یہ بات حق ہے اور یہ حق نہیں . لیکن کسی خاص جماعت یا فرد کی نسبت حکم نہیں لگا سکتے کہ یہ ضرور جہنمی ہے . ایسا کہنے کا کسی انسان کو حق نہیں . ==

= اس موقع پر سورۂ انعام کی یہ آیت بھی یاد کر لو
"و لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً
بغیر علم کذلک زینا لکل امۃ عملھم ثم الی ربھم مرجعھم
فینبئھم بما کانوا یعملون" (۶ : ۱۰۸) اور یہ حکم بھی
نہ بھولو "و جادلھم بالتی ھی احسن" (۱۶ : ۱۲۵) جو
پچھلی سورت کے خاتمہ میں گزر چکا ہے ۔

غور کرو! کس طرح قرآن قدم قدم پر یہ بات یاد دلاتا رہتا ہے کہ فکر میں رواداری ہونی چاہیے، حکم میں احتیاط ہونی چاہیے ۔ تم جس بات کو حق سمجھتے ہو اس پر جم جاؤ اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دو، مگر یہ نہ بھولو کہ انسان کی نجات و عدم نجات کی ٹھیکے داری تمھیں نہیں دے دی گئی ۔ کون نجات پانے والا ہے اور کس کے لیے بالآخر محرومی ہے؟ اس کا علم خدا ہی کو ہے، تمھیں حق نہیں کہ اس طرح کے حکم لگاتے پھرو ۔ علاوہ ازیں اگر ایک انسان غلط راہ چل رہا ہے تو تمھارے جہنمی کہہ دینے سے وہ جنتی نہیں بن جائے گا، بلکہ بہت ممکن ہے اور زیادہ اپنی غلطی میں ضدی ہو جائے ۔ پس جو کچھ بھی زبان سے نکالو حسن و خوبی کی بات ہو، سختی و خشونت کی بات نہ ہو ۔ =

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۚ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۚ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ ٥٤

تمہارا پروردگار تمہارے حال سے خوب واقف ہے . وہ چاہے تو تم پر رحم کرے ، چاہے تو عذاب میں ڈالے .
اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے ان لوگوں پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا ہے (کہ تو ان کے ہدایت پانے نہ پانے کے لیے جواب دہ ہو) ٥٤ .

= چنانچہ فرمایا: " ان الشیطن ینزغ بینھم " شیطان چاہتا ہے لوگوں میں تفرقہ و فساد ڈالے ، یعنی اس طرح کا طریق کلام تفرقہ و فساد پیدا کرتا ہے اور اصل مقصود کہ ہدایت و ارشاد ہے مفقود ہو جاتا ہے .
اس کے بعد فرمایا: " ربکم اعلم بکم "، یہ اللہ کا کام ہے کہ جسے چاہے نجات دے ، جسے چاہے عذاب میں ڈالے. " وما ارسلنٰك علیھم وکیلا " اے پیغمبر ہم نے تجھے لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ لوگوں کی نجات و عدم نجات کے لیے ذمہ دار ہو. اور جب خود پیغمبر کو یہ منصب حاصل نہیں تو اور کسی کے لیے کب جائز ہو سکتا ہے کہ اپنے کو جنت و دوزخ کا داروغہ سمجھ لے .

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ ۵۵

آسمان و زمین میں جو کوئی ھے تیرا پروردگار سب کا حال بہتر جاننے والا ھے۔ ھم نے بعض نبیوں کو بعض پر برتری دی اور ھم نے داود کو زبور عطا فرمایا ۵۵ ۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ ۵۶

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہہ دو: تم نے اپنے خیال میں اللہ کے سوا جن ھستیوں کو معبود سمجھ رکھا ھے انھیں (اپنی حاجتوں اور مشکلوں میں) پکار دیکھو۔ نہ تو وہ اس کی طاقت رکھتے ھیں کہ تمھارا کوئی دکھ دور کر دیں اور نہ تمھاری حالت بدل سکتے ھیں ۵۶ ۔

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ

یہ لوگ جن ھستیوں کو پکارتے ھیں (اور اللہ کے حضور انھیں وسیلۂ تقرب

رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ ۵۷

سمجھتے ہیں) وہ تو خود اپنے پروردگار کے حضور (بندگی و اطاعت کے ذریعے) وسیلہ ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ کون اس راہ میں زیادہ قریب ہوتا ہے، نیز اس کی رحمت کے متوقع رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ترساں. فی الحقیقت تمہارے پروردگار کا عذاب بڑے ہی ڈرنے کی چیز ہے ۵۷ .

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ ۵۸

اور روز قیامت سے پہلے ضرور ایسا ہونے والا ہے کہ (نافرمانوں کی) جتنی بستیاں ہیں ہم انہیں ہلاک کر دیں یا عذاب سخت میں مبتلا کر دیں، یہ بات (قانون الٰہی کے) نوشتے میں لکھی جا چکی ہے ۵۸ .

---

۵۸ – آیت ۵۸ میں افراد کا ذکر نہیں ہے، جماعتوں اور قوموں کی بستیوں کا ہے . اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ہر بد اعمال گروہ کو اس کے اعمال بد کی =

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ ٥٩	اور (جو نشانیاں منکر طلب کرتے ہیں ان) نشانیوں کے بھیجنے سے ہمیں کون روک سکتا ہے؟ مگر یہ کہ ہم جانتے ہیں پچھلے عہد کے لوگ ایسی ہی نشانیاں جھٹلا چکے ہیں ۔

ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی کہ ایک آشکارا نشانی تھی ، لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا (اور نشانی سے عبرت نہ پکڑی) اور ہم نشانیاں تو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ لوگ (انکار و سرکشی کے نتائج سے) ڈریں ۵۹ ۔

= پاداش کا مل جانا ضروری ہے ، خواہ ہلاکت کی صورت میں ہو، خواہ کسی دوسرے عذاب کی صورت میں ۔

۵۹ - آیت ۵۹ نے قطعی طور پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ پیغمبروں نے جو نشانیاں دکھائی تھیں ان کی حقیقت کیا تھی؟ فرمایا : ''و ما نرسل بالاٰیت الا تخویفا'' نشانیاں اس لیے نہیں دی گئیں کہ سچائی کی دلیل تھیں یا ہدایت کا معاملہ ان پر موقوف ہوتا ہے ، بلکہ صرف =

= اس لیے کہ وہ ظہور عذاب کا مقدمہ تھیں ۔ یعنی جو قومیں سرکشی سے باز نہیں آئیں انہیں ظہور نتائج کی خبر دے دی گئی اور اس خبر کا ظہور ایك نشانی کی صورت میں ہوا۔ چنانچہ قوم ثمود جب سرکشی سے باز نہ آئی تو اونٹنی کا معاملہ اس کے لیے ایك فیصلہ کن نشانی ہو گئی اور اس نشانی کے بعد موعودہ عذاب ظہور میں آ گیا ۔

آیت میں خطاب منکرین عرب سے ہے جو اپنی بات بنانے کے لیے نشانیوں کی فرمایشیں کرتے تھے ۔ فرمایا: جو طالب حق ہیں ان کے لیے سچائی کی دعوت ہی سب سے بڑی نشانی ہے اور جو ماننے والے نہیں ان کے لیے کوئی نشانی سود مند نہیں ہوتی ۔ چنانچہ پچھلے عہدوں میں ہمیشہ ایسا ہی ہو چکا ہے ۔ کوئی نشانی بھی سرکشوں کے لیے سود مند نہ ہو سکی ۔

نیز فرمایا: ہمارا قانون یہ ہے کہ اس طرح کی نشانیاں تخویف و انذار ہی کے لیے نمودار ہوتی ہیں ۔ پس اگر اب بھی ان تك نوبت پہنچی تو منکروں کے لیے ظہور عذاب نا گزیر ہوگا اور مشیت الٰہی کا یہ فیصلہ نہیں ہے کہ عذاب ظہور میں آئے ۔

وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِىْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۶۰

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کر) جب تیرے پروردگار نے تجھ سے کہا تھا: یقین کر تیرے پروردگار نے لوگوں کو گھیرے میں لے لیا ہے (یعنی اب وہ دعوت حق کے دائرے سے باہر نکل نہیں سکتے)۔ اور رؤیا جو ہم نے تجھے دکھائی تو اسی لیے دکھائی کہ لوگوں کے لیے ایك آزمایش ہو، اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ ہم انہیں (طرح طرح سے) ڈراتے ہیں، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا، پڑتا ہے تو صرف یہی کہ اپنی سرکشیوں میں اور زیادہ بڑھتے جاتے ہیں ۶۰۔

ع ۶

۶۰ - اس کے بعد آیت ۶۰ میں دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے: اسراء کا واقعہ اور اس درخت کا معاملہ جس کا قرآن میں ذکر کیا گیا ہے، یعنی "ان شجرت =

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ ۶۱

اور (دیکھو!) جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا "آدم کے آگے جھک جاؤ!" اس پر سب جھک گئے مگر ایک ابلیس نہ جھکا۔ اس نے کہا کیا میں ایسی ہستی کے آگے جھکوں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟ ۶۱.

= الزقوم طعام الاثیم" (۴۴ : ۴۳) جہنم میں تھوہر کا درخت مجرموں کی غذا ہوگی۔ منکروں نے ان دونوں باتوں کی ہنسی اڑائی تھی جیسا کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے۔ اسراء کا معاملہ جب بیان کیا گیا تو کہنے لگے "یہ جنون کی انتہا ہے" اور جہنم کے اہوال و شدائد کی جب آیتیں سنائی گئیں تو کہنے لگے: جہنم بھی عجیب جگہ ہوئی جہاں آگ کے شعلوں میں درخت پیدا ہوں گے۔

فرمایا: ان دونوں باتوں میں ان لوگوں کے لیے آزمایش ہوتی۔ اگر طالب حق ہوتے تو ہنسی اڑانے کی جگہ عقل و بصیرت سے کام لیتے۔

۶۱ - آیت ۶۱ میں ابلیس کی سرکشی کا تذکرہ کیا =

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ٦٢

نیز اس نے کہا : کیا تیرا یہی فیصلہ ہوا کہ تو نے اس (حقیر) ہستی کو مجھ پر بڑائی دی ؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے دے تو میں ضرور اس کی نسل کی بیخ بنیاد اکھاڑ کے رہوں ، تھوڑے آدمی اس ہلاکت سے بچیں اور کوئی نہ بچے ٦٢ .

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ ٦٣

اللہ نے فرمایا : جا ، اپنی راہ لے ۔ جو کوئی بھی ان میں سے تیرے پیچھے چلے گا تو اس کے لیے اور تیرے لیے جہنم کی سزا ہوئی ، پوری پوری سزا ٦٣ .

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ

ان میں سے جس کسی کو تو اپنی صدائیں سنا کر بہکا

= تا کہ واضح ہو جائے حق کے مقابلے میں سرکشی کی چال چلنا ابلیس کی چال ہے اور یہ قدیم سے چلی آتی ہے .

عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُورًا ۝ ٦٤

سکتا ھے بہکانے کی کوشش کرلے، اپنے لشکر کے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر، ان کے مال اور اولاد میں شریک ھو جا، ان سے (طرح طرح کی باتوں کے) وعدے کر. اور شیطان کے وعدے تو اس کے سوا کچھ نہیں ھیں کہ سرتاسر دھوکا ٦٤ .

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۚ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۝ ٦٥

جو میرے (سچے) بندے ھیں، ان پر تو قابو پانے والا نہیں. تیرا پروردگار کارسازی کے لیے بس کرتا ھے ٦٥ .

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ

(اے لوگو!) تمہارا پروردگار تو وہ ھے جو تمہاری کاربراریوں کے لیے سمندر میں جہاز چلاتا ھے

رَحِیْمًا ۝۶۶ تا کہ تم (سیر و سیاحت کے ذریعے) اس کا فضل تلاش کرو۔ بلا شبہ وہ تم پر بڑی ھی رحمت رکھنے والا ھے۶۶ ۔

وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝۶۷

اور جب کبھی ایسا ھوتا ھے کہ تم سمندر میں ھوتے ھو اور مصیبت آلگتی ھے تو اس وقت وہ تمام ھستیاں تم سے کھوئی جاتی ھیں جنھیں تم پکارا کرتے ھو، صرف ایك الله ھی کی یاد باقی رہ جاتی ھے۔ پھر جب وہ تمھیں مصیبت سے نجات دے دیتا ھے اور خشکی پر پہنچا دیتا ھے تو تم اس سے گردن موڑ لیتے ھو۔ حقیقت یہ ھے کہ انسان بڑا ھی ناشکرا ھے۶۷ ۔

---

۶۶ – آیت ۶۶ سے سلسلۂ بیان انسان کی غفلت و گمراھی کے تذکرے پر متوجہ ھوگیا ھے اور جن حالات کی طرف اشارہ کیا ھے ان کی تشریحات گزشتہ سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ھیں۔

اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ اَوۡ یُرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَکُمۡ وَکِیۡلًا ۙ ۶۸

پھر کیا تمھیں اس سے امن مل گیا ہے کہ وہ تمھیں خشکی کے گوشے میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھیاں بھیج دے اور تم اس حال میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاؤ؟ ۶۸

اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ یُّعِیۡدَکُمۡ فِیۡهِ تَارَةً اُخۡرٰی فَیُرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیۡحِ فَیُغۡرِقَکُمۡ بِمَا کَفَرۡتُمۡ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَکُمۡ عَلَیۡنَا بِهٖ تَبِیۡعًا ۶۹

یا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تمھیں دوبارہ ویسی ہی مصیبت میں ڈال دے اور ہوا کا ایک سخت طوفان بھیج دے اور تمھاری ناشکری کی پاداش میں تمھیں غرق کر دے اور پھر کسی کو نہ پاؤ جو اس کے لیے ہم پر دعویٰ کرنے والا ہو ۶۹ ۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۧ ۷۰

۷ ع ۷

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور خشکی اور تری دونوں کی قوتیں اس کے تابع کر دیں کہ اسے اٹھائے پھرتی ہیں اور اچھی چیزیں اس کی روزی کے لیے مہیا کر دیں، نیز جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہیں ان میں سے اکثر پر اسے برتری دے دی، پوری برتری جیسی کہ ہونی چاہیے ۷۰ ۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ ۷۱

وہ (آنے والا) دن جب کہ ہم تمام انسانوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے (اور اپنے حضور جمع کریں گے)۔ پھر جو کوئی اپنا نوشتۂ (اعمال) اپنے داھنے ہاتھ میں پائے گا تو وہ ان لوگوں میں ہو گا جو اپنا نوشتہ پڑھ لیں گے اور ان پر رائی برابر بھی زیادتی نہیں ہو گی ۷۱ ۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ ٧٢

اور جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا (اور اس نے اللہ کے دیے ہوئے ہوش و حواس سے کام نہیں لیا) تو یقین کرو آخرت میں بھی وہ اندھا ہی رہے گا اور راستے سے یک قلم بھٹکا ہوا ٧٢ .

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ ٧٣

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں نے تو اس میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی کہ تجھے فریب دے کر اس کلام (کی تبلیغ) سے باز رکھیں جو ہم نے بذریعۂ وحی نازل کیا ہے، اور مقصود ان کا یہ تھا کہ اس کلام کی جگہ دوسری باتیں کہہ کر تو ہم پر افترا پردازی کرے اور پھر اس سے خوش ہو کر یہ تجھے اپنا دوست بنا لیں ٧٣ .

---

٧٣ – آیت ٧٣ میں فرمایا: اگر وحی الٰہی کی روشنی تیری رہ نمائی کے لیے موجود نہ ہوتی تو وقت کی تاریکی اتنی شدید تھی کہ ممکن نہ تھا اس بے لاگ ثبات =

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ۙ ٧٤	اور اگر (راہ حق میں) ہم نے تجھے جما نہ دیا ہوتا تو تو ضرور ان کی طرف کچھ نہ کچھ میلان کر ہی بیٹھتا ٧٤ .
اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا	اور اس صورت میں ضرور ایسا ہوتا کہ ہم تجھے زندگی کا بھی دوہرا عذاب چکھاتے

= و استقامت کے ساتھ اپنی راہ چلتا رہتا . کام کی دشواریاں ضرور تجھے مغلوب کر لیتیں ، لوگوں کی مقاومتیں ضرور تجھے تھکا دیتیں ، طاقت ور افراد کی منتیں اور التجائیں ضرور تجھے متوجہ کر لیتیں ، طرح طرح کی مصلحتیں ضرور دامن گیر ہو جاتیں ، لغزشیں ٹھوکریں قدم قدم پر نمودار ہوتیں . لیکن اب کوئی چیز بھی تیری راہ نہیں روک سکتی ، کوئی فتنہ بھی تجھے قابو میں نہیں لا سکتا . یہ وحی الٰہی کی رہ نمائی ہے اور وحی الٰہی کی رہ نمائی پر کوئی انسانی طاقت غالب نہیں آ سکتی .

نَصِيرًا ۝ ۷۵ اور موت کا بھی ، اور پھر
تجھے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ ملتا ۷۵ ۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ اور انہوں نے اس میں بھی
مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی
وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ کہ تجھے اس سرزمین سے
إِلَّا قَلِيلًا ۝ ۷۶ عاجز کر کے نکال دیں ۔ اور
اگر ایسا کر بیٹھتے تو (یاد رکھ) تیرے (نکالے جانے کے)
پیچھے مہلت نہ پاتے مگر بہت تھوڑی سی ۷۶ ۔

سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا ہم تجھ سے پہلے جو پیغمبر
قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ بھیج چکے ہیں ان سب کے
۸ ع ۸ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۝ ۷۷ معاملے میں ہمارا ایسا ہی
قاعدہ رہا ہے اور ہمارے ٹھرائے ہوے قاعدوں کو کبھی
بدلتا ہوا نہ پائے گا ۷۷ ۔

أَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ (اے پیغمبر!) نماز قائم کر
إِلَىٰ غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْءَانَ سورج کے ڈھلنے کے وقت

اَلْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ سے لے کر رات کے اندھیرے
كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ ۷۸ تك (یعنی ظهر ، عصر ، مغرب
اوز عشاء کے وقتوں میں) ، نیز صبح کی تلاوت قرآن (یعنی
صبح کی نماز) . بلا شبه صبح کی تلاوت قرآن ایك ایسی تلاوت
هے جو (خصوصیت کے ساتھ) دیکھی جاتی هے ۷۸ .
وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ اور (اے پیغمبر!) رات کا
نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰى اَنْ کچھ حصه (یعنی پچھلا پہر)

---

۷۸ - آیت ۷۸ نے نماز کے اوقات معین کر دیے. فرمایا:
سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تك
نماز کے اوقات هیں ، یعنی ظهر ، عصر ، مغرب اور عشاء کے
اوقات ، نیز صبح کی تلاوت هے ، یعنی صبح کی نماز هے .
" نفل " کے معنی کسی ایسی بات کے هیں جو اصل
مطلوب سے زیاده هو . پس فرمایا : " نافلة لك " ، رات
کا بھی کچھ حصه جاگنے اور عبادت میں صرف کیا کرو .
یه تمهارے لیے عبادت کی مزید زیادتی هو گی .
اس آیت میں خطاب اگرچه پیغمبر اسلام سے هے
لیکن حکم عام هے . اس سے معلوم هو گیا که شب بیداری
کی عبادت ، یعنی تهجد ایك مزید عبادت هے اگر بن پڑے .

يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا شب بیداری میں بسر کر۔

مَحْمُودًا ۝ ۷۹ یہ تیرے لیے ایک مزید عمل

ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تجھے ایک ایسے مقام میں پہنچا دے جو نہایت پسندیدہ مقام ہو ۷۹ ۔

---

۷۹ - آیت ۷۹ میں مقام محمود سے مقصود ایسا درجہ ہے جس کی عام طور پر ستایش کی جائے۔ فرمایا: کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہیں ایسے مقام پر پہنچا دے جو عالم گیر اور دائمی ستایش کا مقام ہو۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب پیغمبر اسلام کی مکی زندگی کے آخری سال گزر رہے تھے اور مظلومیت اور بے سرو سامانی اپنے انتہائی درجوں تک پہنچ چکی تھی، حتی کہ مخالف قتل کی تدبیروں میں سرگرم تھے۔ ایسی حالت میں کون امید کر سکتا تھا کہ انہیں مظلومیتوں سے فتح و کام رانی پیدا ہو سکتی ہے؟ لیکن وحی الٰہی نے صرف فتح و کام رانی ہی کی بشارت نہیں دی، کیوں کہ فتح و کام رانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہ تھی، بلکہ ایک ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوع انسانی کے لیے عظمت و ارتفاع کی سب سے آخری بلندی ہے، یعنی ”عسیٰ ان یبعثک ربک =

= مقاماً محمودًا " حسن و کمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالمگیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی ۔ کوئی عہد ہو ، کوئی ملك ہو ، کوئی نسل ہو ، لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستایش ہوگی ، ان گنت زبانوں پر اس کی مدحت طرازی ہوگی ، محمود یعنی سرتاسر ممدوح ہستی بن جائے گی :

ما شئت قل فیه فأنت مصدق

فالحب یقضی و المحاسن تشهد

یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے ۔ اس سے زیادہ اونچی جگہ اولاد آدم کو نہیں مل سکتی ، اس سے بڑھ کر انسانی رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ انسان کی سعی و ہمت ہر طرح کی بلندیوں تك اڑ جا سکتی ہے ، لیکن یہ بات نہیں پا سکتی کہ روحوں کی ستایش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے ۔ سکندر (Alexander) کی ساری فتوحات خود اس کے عہد و ملك کی ستایش اسے نہ دلا سکیں اور نپولین (Napoleon) کی ساری جہاں ستانیاں اتنا بھی نہ کر سکیں کہ کورسیکا (Corsica) کے چند غدار باشندوں ہی میں اسے محمود و ممدوح بنا دیتیں جہاں وہ پیدا ہوا تھا ۔ محمودیت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس میں حسن و کمال ہو ، کیوں کہ =

= روحیں حسن ہی سے عشق کر سکتی ہیں اور زبانیں کمال ہی کی ستایش میں کھل سکتی ہیں ، لیکن حسن و کمال کی مملکت وہ مملکت نہیں جسے شہنشاہوں اور فاتحوں کی تلواریں مسخر کر سکیں .

غور کرو! جس وقت سے نوع انسانی کی تاریخ معلوم ہے نوع انسانی کے دلوں کا احترام اور زبانوں کی ستایشیں کن انسانوں کے حصے میں آئی ہیں؟ شہنشاہوں اور فاتحوں کے حصے میں یا خدا کے ان رسولوں کے حصے میں جنھوں نے جسم و ملک کو نہیں ، روح و دل کو فتح کیا تھا؟

یہی مقام محمود ہے جس کی خبر ہمیں ایک دوسری آیت میں دی گئی ہے اور خبر کے ساتھ امر بھی ہے: " ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی ط یٰایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما (۳۳ : ۵٦) .

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کا ایک مشہد وہ معاملہ ہوگا جو قیامت کے دن پیش آئے گا جب کہ اللہ کی حمد و ثنا کا علم آپ بلند کریں گے . اور بلا شبہ محمودیت کا مقام دنیا و آخرت دونوں کے لیے ہے . جو ہستی یہاں محمود خلائق ہے وہاں بھی محمود و ممدوح ہوگی .

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ ۸۰	اور تیری دعا یہ ہونی چاہیے کہ اے پروردگار! مجھے (جہاں کہیں پہنچا تو) سچائی کے ساتھ پہنچا اور (جہاں کہیں سے

نکال تو) سچائی کے ساتھ نکال اور اپنے حضور سے قوت عطا فرما، ایسی قوت کہ (ہر حال میں) مددگاری کرنے والی ہو ۸۰.

وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ ۸۱	اور تیرا اعلان یہ ہو کہ (دیکھو!) حق ظاہر ہو گیا اور باطل نابود ہوا. اور باطل اسی لیے تھا

کہ نابود ہو کر رہے ۸۱ .

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ ۸۲	اور ہم نے جو کچھ قرآن میں سے نازل کیا ہے تو وہ یقین کرنے والوں کے لیے (روح

کی ساری بیماریوں کی) شفاء اور رحمت ہے اور جو نافرمان ہیں

تو انہیں کچھ فائدہ ہونے والا نہیں بجز اس کے کہ (انکار و شقاوت کی وجہ سے) اور زیادہ تباہ ہوں ۸۲ .

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۸۳

اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے، اور جب اسے دکھ پہنچ جائے تو (دیکھو!) بالکل مایوس ہو کر بیٹھ رہتا ہے ۸۳ .

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۸۴ ع

ع ۹ ۹

(اے پیغمبر!) کہہ دو: ہر انسان اپنے طور طریقے کے مطابق عمل کرتا ہے . پس تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کون سب سے زیادہ ٹھیک راہ پر ہے ۸۴

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۸۵

اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تجھ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں . تو کہہ دے: روح میرے پروردگار کے

حکم سے ہے اور تمہیں (اسرار کائنات کا) علم جو کچھ دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے (اس سے زیادہ تم نہیں پاسکتے) ۸۵ .

وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ۸۶

اور (اے پیغمبر!) جو کچھ ہم نے تجھ پر وحی کی ہے اگر ہم چاہیں تو اسے بھی سلب کرلیں، پھر تجھے کوئی نہ ملے جو اس کے لیے ہم پر اپنی وکالت چلائے ۸۶ .

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ۸۷

مگر یہ محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے (کہ وہ ایسا نہیں کرتا) . اس میں شک نہیں کہ اس کا تجھ پر بڑا ہی فضل ہے ۸۷ .

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۸۸

(اے پیغمبر!) اس بات کا اعلان کردے کہ اگر تمام انسان اور جن اکٹھے ہوکر چاہیں کہ اس قرآن کے مانند کوئی کلام پیش کردیں تو کبھی

پیش نہیں کر سکیں گے اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو ۸۸ .

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ز فَاَبٰىٓ اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۸۹

اور ہم نے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بار بار لوٹا کر بیان کیں (کہ لوگ سمجھیں بوجھیں) لیکن (ان میں سے) اکثروں نے کوئی بات قبول نہیں کی اور قبول کی تو صرف ناسپاسی ۸۹ .

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا لا ۹۰

اور انھوں نے کہا: "ہم تو اس وقت تک تجھے ماننے والے نہیں جب تک کہ تو اس طرح کی باتیں کر کے نہ دکھادے، (مثلاً) ایسا ہو کہ تو حکم کرے اور زمین سے ایک چشمہ پھوٹ نکلے ۹۰ .

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا لا ۹۱

یا تیرے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے درمیان بہت سی نہریں

رواں کر کے دکھادے ۹۱ .

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا	یا جیسا کہ تو نے خیال کیا ہے
زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا	آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر
اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ	ہم پر آ گرے یا اللہ اور
قَبِيْلًا ۙ ۹۲	اس کے فرشتے ہمارے سامنے

آ کھڑے ہوں ۹۲.

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ	یا ہم دیکھیں کہ سونے کا ایک
زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ	محل تیرے لیے مہیا ہو گیا ہے
وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى	یا ایسا ہو کہ تو بلند ہو کر آسمان
تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ	پر چلا جائے . اور اگر تو آسمان
قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ	پر چلا بھی گیا تو بھی ہم یہ بات
اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۧ ۹۳	ماننے والے نہیں جب تک کہ ایک

۱۰ ع ۱۰

(لکھی لکھائی) کتاب ہم پر نہ اتار لائے اور ہم خود اسے پڑھ کر جانچ نہ لیں . (اے پیغمبر ! ان لوگوں سے) کہہ دے: سبحان اللہ !

(میں نے کچھ خدائی کا دعوی تو کیا نہیں) میں اس کے سوا کیا ہوں
که ایك آدمی ہوں پیغام حق پہنچانے والا ۹۳ .

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اور حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی
اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ الله کی ہدایت (دنیا میں) ظاہر
قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۹۴ ہوئی تو صرف اسی بات نے
لوگوں کو ایمان لانے سے روکا کہ (متعجب ہو کر) کہنے لگے:
کیا الله نے (ہماری طرح کا) ایك آدمی پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے ۹۴.

قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ (اے پیغمبر!) کہہ دے: اگر ایسا
مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ ہوا ہو تا کہ زمین میں (انسانوں
لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ کی جگہ) فرشتے بسے ہوتے اور
السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۹۵ اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم
ضرور آسمان سے ایك فرشتہ پیغمبر بنا کر اتار دیتے ۹۵ ۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا (نیز) کہہ دے: میرے اور
بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ تمہارے درمیان (اب) الله کی

كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿٩٦﴾ گواهی بس کرتی هے . یقینـا
وہ اپنے بندوں کے حال سے واقف اور سب کچھ دیکھنے والا هے ٩٦.

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ جس کسی کو الله (سعادت
وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ و کام یابی کی) راہ پر لگا دے
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۚ وَنَحْشُرُهُمْ فی الحقیقت وهی راہ پر هے .
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اور جس کسی پر اس نے (کام یابی
عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۚ کی) راہ گم کر دی تو تم اللہ کے
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ كُلَّمَا سوا اس کا کوئی مددگار نہیں
خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿٩٧﴾ پاؤ کے . قیامت کے دن هم ایسے
لوگوں کو ان کے منہ کے بل اٹھائیں کے اندھے، گونگے، بہرے.
ان کا آخری ٹھکانا دوزخ هو گا . جب کبھی اس کی آگ بجھنے
کو هوگی هم اسے اور زیادہ بھڑکا دیں کے ٩٧ .

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ یہ ان کی سزا هوئی اس لیے
كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا کہ انہوں نے هماری آیتوں سے

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ ۹۸

انکار کیا تھا اور کہا تھا: بھلا جب (مرنے کے بعد گل سڑ کر) محض ہڈیاں ہو گئے اور ریزہ ریزہ تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں ؟ ۹۸ .

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ ۹۹

کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمان و زمین کی یہ تمام کائنات پیدا کر دی ہے ، ضرور اس پر قادر ہے کہ ان کی موجودہ زندگی کی طرح ایک دوسری زندگی پیدا کر دے ! نیز یہ بات کہ ضرور اس نے ان کے لیے (آخری فیصلے کی) ایک معیاد مقرر کر رکھی ہے جس میں کسی طرح کا شک نہیں کیا جا سکتا ! اس پر بھی (دیکھو !) ان ظالموں نے کوئی چال چلنی نہ چاہی مگر انکار حقیقت کی ! ۹۹ .

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۧ ۱۰۰

۱۱ ع ۱

(اے پیغمبر!) کہہ دے: اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم ضرور خرچ ہوجانے کے ڈر سے انہیں روکے رکھتے (لیکن وہ اپنی رحمت کا فیضان روکنے والا نہیں. اس کی بخششیں اتنی نپی تلی نہیں ھیں کہ صرف دنیا کی چند روزہ زندگی ھی میں خرچ ھوجائیں). حقیقت یہ ھے کہ انسان بڑا ھی تنگ دل ھے (وہ رحمت الٰہی کی وسعت کا اندازہ نہیں کرسکتا!) ۱۰۰

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۱۰۱

اور (اے پیغمبر!) ھم نے موسیٰ کو نو آشکارا نشانیاں دی تھیں جب وہ بنی اسرائیل میں ظاھر ھوا تھا. تو بنی اسرائیل سے دریافت کرلے (کہ کیا ماجرا گزرچکا ھے). فرعون نے اس سے کہا تھا: اے موسیٰ! میں

خیال کرتا ہوں ضرور تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے ۱۰۱ .

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۱۰۲

موسیٰ نے اس پر کہا تھا: تو یقیناً جان چکا ہے کہ نشانیاں مجھ پر کسی اور نے نہیں اتاری ہیں مگر اسی نے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے اور (ان میں عبرت و تذکیر کے لیے) سمجھنے بوجھنے کی روشنی ہے. اور اے فرعون! میں تو سمجھتا ہوں تو نے اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے ۱۰۲.

فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ۙ ۱۰۳

تو (دیکھو!) فرعون نے چاہا تھا کہ بنی اسرائیل پر ملک میں رہنا دشوار کر دے، لیکن ہم نے اسے اور ان سب کو جو اس کے ساتھ تھے (سمندر) میں غرق کر دیا! ۱۰۳ .

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ

اور ہم نے اس واقعے کے بعد بنی اسرائیل سے کہا تھا: اب

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۱۰۴ اس سرزمین میں (فارغ البال ہوکر) بسو (تمھارے لیے کوئی کھٹکا نہیں رہا) . پھر جب آخرت کا وعدہ وقوع میں آجائے گا تو ہم تم سب کو اپنے حضور اکٹھا کرلیں گے ۱۰۴ .

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۱۰۵ اور ہم نے قرآن کو سچائی کے ساتھ اتارا اور وہ سچائی کے ساتھ اترا بھی . اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر صرف اسی حیثیت سے کہ (ایمان و عمل کے نتائج کی) بشارت دینے والا اور (انکار و بد عملی کے نتائج سے) خبر دار کردینے والا ہے ۱۰۵ .

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۱۰۶ اور ہم نے قرآن کو الگ الگ ٹکڑوں میں منقسم کردیا تاکہ تم ٹھیر ٹھیر کر لوگوں کو سناتے رہو اور (یہی وجہ ہے کہ) اسے یک دفعہ نہیں اتار دیا، بتدریج اتارا ۱۰۶ .

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ ۱۰۷

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہہ دے: تم قرآن کو (کلام الٰہی) مانو یا نہ مانو، لیکن جن لوگوں کو پچھلی کتابوں کا علم دیا گیا ھے (یعنی اھل کتاب) انھیں جب یہ کلام سنایا جاتا ھے تو وہ بے اختیار سجدے میں گر پڑتے ھیں ۱۰۷.

وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ ۱۰۸

اور پکار اٹھتے ھیں کہ ھمارے پروردگار کے لیے پاکی ھو! بلا شبہ ھمارے پروردگار کا وعدہ اسی لیے تھا کہ پورا ھو کر رھے ۱۰۸.

وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ السجدة ۱۰۹

وہ ٹھوڑیوں کے بل (اس کے آگے) گر پڑتے ھیں، ان کی آنکھیں اشک بار ھو جاتی ھیں، کلام حق کی سماعت ان کی عاجزی اور زیادہ کر دیتی ھے! ۱۰۹.

السجدة - ۳

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ (اے پیغمبر!) کہہ دے: تم اللہ

اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ	کہہ کر (اسے) پکارو یا رحمٰن
الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ	کہہ کر، جس نام سے پکارو
وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ	اس کے سارے نام حسن و خوبی
بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ ۱۱۰	کے نام ھیں۔ اور (اے پیغمبر!)

تو جب نماز میں مشغول ھو تو نہ تو چلا کر پڑھ نہ چپکے چپکے، چاھیے کہ درمیان کی راہ اختیار کی جائے ۱۱۰۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ	اور کہہ: ساری ستایشیں اللہ کے
وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ	لیے ھیں جو نہ تو اولاد رکھتا
فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ	ھے، نہ اس کی فرماں روائی
وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ	میں اس کا کوئی شریك ھے اور
۱۲ ع ۱۲ تَكْبِيْرًا ع ۱۱۱	نہ کوئی ایسا ھے کہ اس کی

درماندگی کی وجہ سے اس کا مددگار ھو (وہ ان ساری باتوں سے بے نیاز ھے)۔ اس کی بڑائی کی پکار بلند کر جیسی پکار بلند کرنی چاھیے ۱۱۱۔

* * *

اس سورت کے بعض مقامات کی تشریحات رہ گئی ہیں۔ ضروری ہے کہ ان پر ایک نظر ڈال لی جائے :

واقعۂ اسراء کی نوعیت

(ا) واقعۂ اسراء کی نوعیت کیا تھی؟ یہ عالم بیداری میں پیش آیا یا عالم خواب میں؟ صرف روح پر طاری ہوا تھا یا روح اور جسم دونوں پر؟ اس بارے میں صحابہ و سلف کا اختلاف معلوم ہے۔ ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ روح و جسم دونوں پر طاری ہوا، لیکن حضرت عائشہ، حذیفۃ بن الیمان، حسن، معاویہ، ابن اسحاق وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ ایک روحانی معاملہ تھا۔

اصل یہ ہے کہ انبیاء کرام (علیہم السلام) کے احوال و واردات ایک ایسے عالم سے تعلق رکھتے ہیں جن کے لیے ہماری عام تعبیرات کام نہیں دے سکتیں۔ ہماری ہر تعبیر کسی ایسی حالت کا تصور پیدا کر دے گی جو عام طور پر ہمیں پیش آتی رہتی ہیں۔ لیکن انبیاء کرام کو جو حالات پیش آتے ہیں ان کی نوعیت ہی دوسری ہوتی ہے۔ وہ ہمارے محسوسات و مفہومات کے دائرے سے باہر کے معاملات ہیں۔

خود نبوت کی حقیقت کیا ہے؟ وحی کا معاملہ کیونکر انجام پاتا ہے؟ کیا اس بارے میں ہماری کوئی تعبیر بھی =

= حقیقت حال کی کامل تعبیر ہو سکتی ہے؟ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: جب وحی آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے "صلصلة الجرس" کی آواز ہو(۸). ظاہر ہے کہ یہ ایک تمثیل ہے جو اس لیے اختیار کی گئی کہ اس معاملے کا ایک قریبی تخیل ہمارے اندر پیدا ہو جائے، ورنہ وحی کی آمد محض گھنٹیوں کی آواز کی طرح نہیں ہو سکتی.

پس اسراء کے معاملے کے لیے بھی ہماری محدود تعبیرات کام نہیں دے سکتیں. یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے تأثرات مختلف ہوئے. جن لوگوں نے اس کی نفی کی کہ بیداری میں پیش آیا تھا، وہ اس طرف گئے کہ یہ ہماری جسمانی نقل و حرکت کی طرح کا معاملہ نہ تھا. جن لوگوں نے اس پر زور دیا کہ بیداری میں پیش آیا تھا، وہ اس طرف گئے کہ اسے محض خواب کی طرح کا معاملہ نہیں کہہ سکتے. اور اس میں شک نہیں کہ دونوں اپنے اپنے تأثرات میں برسرحق تھے. خود صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت ایک ایسے عالم میں تھا کہ نہ تو سوتا تھا نہ جاگتا تھا: "بین النائم و الیقظان"(۹). اس سے معلوم ہو گیا کہ اس معاملے کو نہ تو ایسا معاملہ قرار دے سکتے ہیں جیسا ہمیں جاگتے میں پیش آیا =

= کرتا ہے ، نہ ایسا جیسا سوتے میں دیکھا کرتے ہیں ۔ وہ ان دونوں حالتوں سے ایک مختلف قسم کی حالت تھی اور ہماری تعبیرات میں اس کے لیے کوئی تعبیر نہیں ہے ۔
اس مقام کی مزید تشریح البیان میں ملے گی ۔

(ب) آیت ۶۰ ”وما جعلنا الرءیا التی اریناک الا فتنة للناس“ میں ”رؤیا“ سے مقصود یہی واقعہ ہے ۔ چنانچہ عبد اللہ بن عباس ، سعید بن جبیر ، حسن ، مسروق ، قتادہ ، مجاہد ، عکرمہ ، ابن جریج وغیرہم سے ایسا ہی مروی ہے اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس پر محققین تفسیر کا اجماع ہو چکا ہے ۔ پس جن مفسروں نے یہاں رؤیا سے مراد کوئی دوسری رؤیا لی ہے مثلاً فتح مکہ کی رؤیا ، وہ قابل اعتنا نہیں ، کیوں کہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور وہ معاملہ ایک عرصے کے بعد مدینہ میں پیش آیا تھا اور تطبیق کے لیے طرح طرح کے تکلفات کرنا قرآن کو چیستان بنا دینا ہے . ان مفسروں نے یہ تکلفات اس لیے کیے کہ رؤیا کا اطلاق خواب پر ہوتا ہے اور اگر رؤیا سے مقصود واقعۂ اسراء ہو تو پھر ان صحابہ کا قول تسلیم کر لینا پڑے گا جو اس کے بیداری میں ہونے کے قائل نہیں ۔ لیکن تعجب ہے کہ ان لوگوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس کی تفسیر پر نظر نہ ڈالی ۔ حضرت عبد اللہ بن =

=عباس ان صحابه میں هیں جو معراج کو عالم بیداری کا معامله سمجھتے تھے اور اس مذهب کے سب سے بڑے پیش رو تھے ، با ایں همه انهوں نے بھی اس آیت میں "رؤیا" کی یہی تفسیر کی هے که واقعۂ اسراء مراد هے : "رؤیا عین اریها رسول الله صلی الله علیه و سلم" (بخاری) (۱۰) ایك آنکھوں سے دیکھی هوئی رؤیا جو لیلة الاسراء میں آنحضرت کو دکھائی گئی تھی . اگر حضرت ابن عباس کو اس آیت کی اس تفسیر میں کوئی دقت پیش نه آئی جو اس مذهب کے سب سے بڑے قائل تھے تو پھر اور لوگوں کو کیوں دور از کار توجیهوں کی ضرورت پیش آئے؟

اور یه جو حضرت ابن عباس نے فرمایا : "رؤیا عین اریها" تو اس نے سارا مسئله حل کر دیا اور وه حقیقت آشکارا هو گئی جس کی طرف ابھی هم اشاره کر چکے هیں ، یعنی یه جو کچھ پیش آیا ، تھا تو رؤیا ، لیکن کیسی رؤیا؟ ویسی هی رؤیا جیسی عالم خواب میں هم دیکھا کرتے هیں؟ نهیں، "رؤیا عین" ایسی رؤیا جس میں آنکھیں غافل نهیں هوتیں . بیدار هوتی هیں . جو کچھ دیکھا جاتا هے وه ایسا هوتا هے جیسے آنکھوں سے دیکھا جا رها هو : "ما زاغ البصر و ما طغٰی * لقد رأی من اٰیٰت ربه الکبرٰی (۵۳ : ۱۷ و ۱۸)"=

اعراض اور مایوسی دونوں میں ہلاکت ہے۔

=(ج) آیت ۸۳ '' و اذا انعمنا علی الانسان اعرض و نابجانبه ج و اذا مسه الشر کان یئوسا '' میں انسان کی اس کم زوری کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب اسے خوش حالی ملتی ہے تو غافل ہو جاتا ہے اور جب رنج و غم پہنچتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں حالتوں میں اس کے لیے نامرادی ہے۔ سعادت کی راہ یہ ہے کہ خوش حالی میں غافل نہ ہو، کیوں کہ غفلت کا نتیجہ محرومی ہے، بد حالی میں مایوس ہو کر بیٹھ نہ رہے، کیوں کہ مایوسی کا نتیجہ ہلاکت ہے۔

غور کرو! طبیعت انسانی کی کیسی سچی تصویر ہے! انسان جب اپنی کوششوں میں کام یاب ہوتا ہے تو خوش حالی کا گھمنڈ اسے غافل و سرشار کر دیتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے اب میرے لیے کوئی کھٹکا نہیں رہا۔ حالانکہ نہیں جانتا کتنا ہی خوش حال ہو جائے، اگر غفلت میں پڑ گیا ہے تو اس کے لیے کھٹکا ہی کھٹکا ہے، اس کی خوش حالیاں کبھی پایدار نہیں ہو سکتیں۔ پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ اس کی کوششیں کام یاب نہیں ہوتیں تو بجائے اس کے کہ اپنی طلب و سعی میں اور زیادہ سرگرم ہو جائے، یک قلم مایوس ہو جاتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے اب میرے =

= لیے کچھ نہیں رہا۔ حالانکہ نہیں جانتا کہ اس کے لیے سب کچھ ہے، بشرطیکہ ہمت نہ ہارے اور اللہ کے فضل و کرم سے مایوس نہ ہو۔

کتنے ہی انسان ہیں جنھوں نے خوش حالیاں پائیں، لیکن ان کی خوش حالیاں بد حالیوں سے بدل گئیں، کیوں کہ غفلت میں پڑ گئے اور خوش حالی کی قدر نہ کی۔ کتنے ہی ناکام انسان ہیں جو اچانک کام یاب ہو گئے، کیوں کہ ناکامیاں انھیں مایوس نہ کر سکیں اور کسی حال میں بھی وہ خدا کے فضل سے نا امید نہ ہوئے۔

فی الحقیقت انسانی سعی و طلب کی ساری نامرادیاں انھیں دو دروازوں سے آتی ہیں: غفلت اور مایوسی۔ کام رانیوں اور خوش حالیوں کے متوالے غفلت کے زہر سے مرتے ہیں اور ناکامیوں اور بد حالیوں کے نامراد مایوسی کے زہر سے۔ جس فرد اور گروہ نے ان دوہلاکتوں سے اپنی نگرانی کرلی، اس نے فلاح و سعادت کی ساری دولتیں پالیں۔ اس کی کام رانیوں کے لیے کبھی زوال نہ ہوگا، اس کی سعی و طلب ضرور بار آور ہو کر رہے گی۔

مادیات کی طرح روحانیات میں بھی یہی قانون کام =

= کر رہا ہے . دنیا کی طرح آخرت کی محرومیاں بھی انھیں دو مہلک راہوں سے آتی ہیں . عابدوں اور پارساؤں کے لیے گھمنڈ میں موت ہے اور گناہ گاروں کے لیے مایوسی میں . جو نیک و پارسا ہو کر غرور میں مبتلا ہو گیا اس نے اپنی پارسائی کی ساری کمائی ضائع کر دی . جو گناہوں کے بوجھ سے دب کر مایوسی میں پڑ گیا اس نے رحمت الٰہی کی چارہ سازیوں سے اپنے کو محروم کر دیا . جس فرد نے ان دونوں ہلاکتوں سے اپنی نگہداشت کر لی : پارسائی کی کمائی پر مغرور نہ ہوا ، نافرمانی و گناہ کی حالت میں مایوس نہ ہوا ، اس نے جاودانی سعادت پالی اور اس کے لیے نامرادی کا کوئی کھٹکا باقی نہ رہا . و للہ در ما قال :

زاہد غرور داشت سلامت نہ برد راہ
رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

(د) عربی میں ''شِکل'' بالکسر کے معنی ہیئت کے ہیں اور ''شَکل'' بالفتح کے معنی طریقے کے . چنانچہ ایسے راستے کو جس سے بہت سی راہیں ادھر ادھر نکلی ہوں ''طریق ذو شواکل'' کہتے ہیں اور بول چال میں عام طور پر کہا جاتا ہے '' لست علی شکلی ولا علی شاکلتی ''. پس آیت '' قل کل یعمل علی شاکلتہٖ فربکم اعلم بمن ھو اھدی سبیلا '' = تفسیر '' کل یعمل علی شاکلتہ ''

= کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں ہر انسان کا کوئی نہ کوئی طریقہ ہے اور وہ اسی کے مطابق کام کر رہا ہے. کوئی اس طرف جا رہا ہے کوئی اس طرف ، کسی نے ایک ڈھنگ اختیار کیا ہے کسی نے دوسرا، کسی کو ایک طرح کی بات بھاتی ہے کسی کو دوسری طرح کی اور اللہ جانتا ہے کون سیدھی راہ پر ہے، کون کام یاب ہونے والا ہے .

اس آیت کی عام طور پر جو تفسیر کی گئی ہے وہ یہ ہے: ''شاکلۃ'' کو ''جبلت'' کے معنوں میں لیا ہے، یعنی ہر آدمی کی ایک فطری بناوٹ ہے اور وہ اسی کے مطابق کام کرتا ہے. لیکن مندرجۂ صدر تصریح سے واضح ہو گیا کہ ''شاکلۃ'' کے معنی جبلت کے نہیں ہو سکتے، طریقے اور مسلک کے ہیں .

''قل الروح من امر ربی'' (٥) ترمذی، نسائی اور مسند میں ہے کہ قریش مکہ نے علماء یہود سے سن کر یہ سوال کیا تھا کہ روح کیا ہے؟ اس پر یہ آیت اتری: ''و یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی''. تورات اور انجیل میں '' روح '' کا لفظ فرشتے کے لیے بولا گیا ہے اور قرآن نے فرشتہ اور وحی دونوں کے لیے استعمال کیا ہے. پس یہاں ''الروح'' سے مقصود جسم انسانی کی روح ہے یا فرشتہ؟ اس بارے میں =

= ائمۂ تفسیر کی رائیں مختلف ہوئیں ۔ لیکن اکثر مفسر اس طرف گئے ہیں کہ یہاں "الروح" سے مقصود جسم انسانی کی روح ہے نہ کہ فرشتہ. بہر حال سوال دونوں کی نسبت ہو سکتا ہے اور جواب بھی دونوں کے لیے مطابقت رکھتا ہے اور آیت کی اصلی موعظت سوال کی تفصیل میں نہیں ہے، جواب کی نوعیت میں ہے. فرمایا: "من امر ربی". اس معاملے کے لیے جو کچھ بھی تمھیں بتلایا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا حکم کام کر رہا ہے. اس سے زیادہ تم پا نہیں سکتے اور اس سے زیادہ پانے کی کاوش کیوں کرو؟ "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا"، تمھارا دائرۂ علم نہایت محدود ہے. تم اپنے علم و ادراک میں ایک خاص حد سے آگے بڑھ نہیں سکتے. تم علم میں سے جو کچھ پاسکتے ہو وہ اصل حقیقت کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑا ہے. وہ اس سمندر میں چند قطروں سے زیادہ نہیں اور تمھیں اسی پر قناعت کرنا ہے.

انسان کے علم و ادراک کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کہ اسے حواس دیے گئے ہیں، انھیں کے ذریعے وہ محسوسات کا ادراک حاصل کرتا ہے. لیکن خود محسوسات کے دائرے کا کیا حال ہے؟ یہ کہ کائنات ہستی کے سمندر میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں. پھر اگر انسان تمام عالم محسوسات کا علم=

=حاصل بھی کر لے تو اس کی مقدار حقیقت کے مقابلے میں کیا ہو گی؟ ایك قطرے کا علم! اس سے زیادہ نہیں . اور حالت یہ ہے کہ انسان محسوسات کے بھی کامل علم کا دعوی نہیں کر سکتا . وہ ہمیشہ اسی ایك قطرے کے لیے پیاسا رہا اور آج تك پیاسا ہے!

اس پہلو پر بھی نظر رہے کہ فرمایا: "من امر ربی"، میرے پروردگار کے حکم سے، یعنی وہ پروردگار ہے اور پروردگاری یہی چاہتی تھی کہ یہ جوہر پیدا ہو .

(و) آیت ۸۹ سے ۹۶ تك جو بات بیان کی گئی ہے وہ اگرچہ پچھلی سورتوں میں بھی گزر چکی ہے اور آیندہ بھی آئے گی، لیکن یہاں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور مہمات معارف میں سے ہے .

قرآن نے جابجا منکرین حق کے عقائد و اقوال نقل کر کے دو خاص گم راہیوں پر توجہ دلائی ہے:

ایك یہ کہ لوگ سمجھتے ہیں روحانی ہدایت کا معاملہ ایك ایسا معاملہ ہے جو محض ایك انسان کے ذریعے ظاہر نہیں ہو سکتا، ضروری ہے کہ انسانیت سے کوئی بالاتر ہستی ہو . اسی خیال نے دیوتاؤں کے ظہور اور ان کی عجائب آفرینیوں کا اعتقاد پیدا کیا . چنانچہ سورۂ اعراف اور ہود میں گزر چکا ہے کہ ہر داعی حق کے منکروں نے یہ بات ضرور =

= کہی: ما نریٰك الا بشرًا مثلنا (۱۱ : ۲۷)، تم تو ہماری ہی طرح کے ایك انسان ہو، پھر تمہارا یہ دعوی کیسے مان لیں. مشرکین مکہ بھی یہی کہتے تھے: ”مال ھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق“ (۲۵ : ۷)، یہ کیسا خدا کا فرستادہ ہے کہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے.

دوسری یہ کہ سچائی کو خود سچائی میں نہیں ڈھونڈھتے، اچنبھوں اور کرشموں میں ڈھونڈھتے ہیں اور سمجھتے ہیں. جو آدمی سب سے زیادہ عجیب قسم کے کرتب کرد کھائے، وہی سب سے زیادہ سچائی کی بات بتلانے والا ہے! گویا سچائی اس لیے سچائی نہ ہوئی کہ وہ سچائی ہے، بلکہ اس لیے کہ عجیب عجیب طرح کے کرشمے اس کے پیچھے کھڑے ہیں.

چنانچہ یہاں بھی فرمایا: ”ولقد صرفنا للناس فی ھذا القراٰن من کل مثل فابی اکثر الناس الا کفورا“، ہم نے قرآن میں عبرت و موعظت کی تمام باتیں دھرا دھرا کر بیان کردیں. مگر یہ باتیں انہیں کے دلوں کو پکڑ سکتی ہیں جن میں سچائی کی طلب ہے، ورنہ اکثروں کا یہ حال ہے کہ انکار و سرکشی میں بڑھے ہی جلے جاتے ہیں.
پھر ان کی انکار و سرکشی کی باتیں نقل کی ہیں، فرمایا: وہ=

= کہتے ہیں : ہم تو جبھی مانیں گے جب تم ہمیں اس طرح کی باتیں کر دکھاؤ ، مثلاً مکے کی ریگستانی زمین میں اچانک ایک نہر پھوٹ نکلے، آسمان کے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں، اللہ اور اس کے فرشتے ہمارے سامنے آ کھڑے ہوں ، سونے کا ایک بنا بنایا محل نمودار ہو جائے ، تم ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ دوڑو اور وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب لا کر ہمارے ہاتھوں میں پکڑا دو . پھر پیغمبر اسلام کو حکم دیا ہے کہ ان فرمایشوں کے جواب میں کہہ دو : " سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا "، میرے پروردگار کے لیے پاکی ہو! میری حیثیت اس کے سوا کیا ہے کہ ایک آدمی ہوں خدا کا بھیجا ہوا .

دعوے اور دلیل کی مطابقت

سبحان اللہ ! قرآن کی معجزانہ بلاغت کہ اس جملے کے اندر وہ سارے دفتر آ گئے جو انکار و سرکشی کی ان صداؤں کے جواب میں کہے جاسکتے تھے : "ھل کنت الا بشرا رسولا "، میں نے کچھ خدائی کا دعوی نہیں کیا ہے . میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان بنا دینے والا ہوں . اور دنیا کی ساری قوتیں میرے تصرف واختیار میں ہیں . میرا دعوی جو کچھ ہے وہ تو یہ ہے کہ ایک آدمی ہوں، پیام حق پہنچانے والا . پھر تم مجھ سے =

=یہ فرمایشیں کیوں کرتے ہو؟ کیوں میرے لیے ضروری ہو کہ میں سونے کا محل دکھاؤں اور آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جاؤں؟

اس پہلو پر غور کرو جس پر جواب کا اصلی زور پڑ رہا ہے:

اگر ایک شخص نے کسی بات کا دعوی کیا ہے تو ہم دیکھیں گے اس کا دعوی کیا ہے اور اسی کے مطابق اس سے دلیل مانگیں گے. اگر اس شخص نے دعوی کیا ہے کہ لوہار ہے تو ہم دیکھیں گے کہ وہ لوہے کا سامان بنا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص نے دعوی کیا ہے کہ طبیب ہے تو ہم دیکھیں گے کہ علاج میں ماہر ہے یا نہیں اور بیماروں کو اس سے شفا ملتی ہے یا نہیں؟ ایسا نہیں کریں گے کہ کسی نے دعوی تو کیا ہو طبابت کا اور ہم اس سے دلیل وہ مانگنے لگیں جو ایک لوہار سے مانگنی چاہیے، یعنی کہیں: ہمیں لوہے کے شہ تیر بنا کر دکھا دو. اگر ایسا کریں گے تو یہ صریح بے عقلی کی بات ہوگی. یہ بات یعنی دعوے اور دلیل کی مطابقت، ایک ایسی عام اور قدرتی بات ہے کہ ہر آدمی خواہ کتنی ہی موٹی عقل کا ہو، خود بخود اسے پالیتا ہے. جونہیں ایک آدمی کہے گا: "میں=

= لوہار ہوں"، وہ سنتے ہی فرمایش کر دے گا کہ قفل بنا دو۔ کبھی اس کی زبان سے یہ نہیں نکلے گا کہ شیشے کا برتن بنا دو۔

اچھا! ایک انسان آتا ہے اور کہتا ہے: میں رسول ہوں، پیام حق پہنچانے والا ہوں۔ اب اس کا دعوی کیا ہوا؟ یہ کہ خدا نے اس پر سچائی کی راہ کھول دی ہے اور وہ دوسروں کو بھی اسی راہ چلانا چاہتا ہے۔ جب دعوی یہ ہوا تو اسی کے مطابق دلیل بھی ہونی چاہیے۔ قدرتی طور پر اس کی دلیل یہی ہو سکتی ہے کہ دیکھا جائے وہ سچائی کی راہ پر ہے یا نہیں اور اس کی بتلائی ہوئی راہ پر چل کر سچائی ملتی ہے یا نہیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دعوی تو اس نے سچائی کی راہ دکھانے کا کیا ہو اور ہم دلیل یہ مانگنے لگیں کہ پہاڑ کو سونا بنا دے یا آسمان پر اڑ کر چلا جائے؟

طبیب کہتا ہے "میں بیماروں کو چنگا کر دیتا ہوں" اور ہم دیکھتے ہیں اس کے علاج سے بیمار چنگے ہوے یا نہیں۔ اسی طرح خدا کا رسول کہتا ہے "میں روح و دل کی بیماریاں دور کر دیتا ہوں" اور اگر ہم طالب حق ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیے اس کے علاج سے روح و دل کے =

= بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ اگر ہم طبیب سے کہیں "تیرا دعوی ہم جبھی مانیں گے جب تو آسمان پر اڑ کر چلا جائے"، تو یقیناً وہ کہے گا: میں نے طبابت کا دعوی کیا ہے، آسمان پر اڑنے کا نہیں کیا ہے۔ ہو سکتا ہے خدا مجھے اڑنے کی بھی طاقت دے دے، لیکن طبابت کے دعوے کا اڑنے سے کیا واسطہ؟ اگر میرا دعوی پرکھنا چاہتے ہو تو آؤ تمہارا علاج کر کے اپنی طبابت کا ثبوت دے دوں۔

ٹھیک یہی معنی اس جواب کے ہیں کہ "ھل کنت الابشرا رسولا"، میں نے یہ کب کہا ہے کہ آسمان اور زمین کے قلابے ملا دوں گا؟ میرا دعوی تو صرف یہ ہے کہ پیام حق پہنچانے والا ہوں۔ پس اگر طالب حق ہو تو میرا پیام پرکھ لو۔ میرے پاس نسخۂ شفا ہے کہ نہیں؟ میں صراط مستقیم پر چلا دے سکتا ہوں کہ نہیں؟ میں سرتاسر ہدایت اور رحمت ہوں کہ نہیں؟

پھر اس جواب میں صرف یہی نہیں کہ میں رسول ہوں، بلکہ "بشرا" کے لفظ پر بھی زور دیا، کیوں کہ جو بات منکروں کے دماغ میں کام کر رہی تھی وہ یہ تھی کہ ایک آدمی جس میں کوئی مافوق انسانیت کرشمہ نہیں پایا جاتا، =

= خدا کا فرستادہ کیسے ہو سکتا ہے اور کیوں ہم اس پر ایمان لائیں؟ فرمایا: میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ ایك آدمی ہوں، پیام حق پہنچانے والا آدمی. میں نے یہ دعوی نہیں کیا کہ فرشتہ ہوں یا کوئی ماوراء انسانیت مخلوق .

اس کے بعد فرمایا: ''و ما منع الناس ان یؤمنوا اذجآءھم الھدی الا ان قالوا ابعث الله بشرا رسولا'' ۹٤ . جب کبھی دنیا میں خدا کی ہدایت نمودار ہوئی تو ہمیشہ اسی خیال فاسد نے لوگوں کو قبولیت حق سے روکا کہ کہنے لگتے: کیا خدا نے ایك آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے؟ یعنی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایك کھانے پینے والا آدمی خدا کا پیغمبر ہو جائے؟ پھر اس کا جواب دیا ہے کہ'' قل لو کان فی الارض ملئکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیهم من السماء ملکا رسولا '' ۹۵ ، اگر زمین میں انسانوں کی جگہ فرشتے بسے ہوتے تو ان کی ہدایت کےلیے فرشتے ہی اترتے، لیکن یہاں تو انسان بستے ہیں اور انسانوں ہی کی ہدایت مقصود ہے . پس ان کی ہدایت کی صدائیں انسانوں ہی کی زبان سے نکلیں گی، فرشتے نہیں اترسکتے اور نہ کبھی فرشتے اترے ہیں . =

= یہ بھی واضح رہے کہ منکروں کی یہ فرمایشیں حجت و برہان کی طلب میں نہ تھیں، بلکہ محض سرکشی اور ہٹ دھرمی کی باتیں تھیں جو اس لیے کہی جاتی تھیں کہ کوئی نہ کوئی بات کہہ کر اپنے انکار کے لیے سہارا پیدا کیا جائے۔ اور ہمیشہ راست بازوں کے مقابلے میں نہ ماننے والوں کا ایسا ہی طرز عمل رہا ہے۔ جب کبھی سچائی کی کوئی بات کہی جاتی ہے تو طلب حق رکھنے والی طبیعتیں اور کسی طرف نہیں جاتیں، خود اسی بات پر غور کرتی ہیں اور جب سچائی پالیتی ہیں تو فوراً قبول کر لیتی ہیں۔ لیکن ایک سرکش اور ہٹ دھرم آدمی کبھی ایسا نہیں کرتا۔ وہ پہلے سے طے کر لیتا ہے کہ کبھی ماننے والا نہیں۔ پھر کوشش کرتا ہے کہ اپنے نہ ماننے کے لیے کوئی نہ کوئی بات بناتا رہے۔ وہ طرح طرح کی باتیں ادھر اُدھر کی نکالے گا۔ کبھی ایک بات کہے گا، کبھی دوسری۔ پہلے کسی ایک بات پر زور دے گا کہ اس کا جواب کیا ہے؟ جب اس کا جواب مل جائے گا تو کوئی دوسری بات ڈھونڈھ نکالے گا اور کہے گا اس کا جواب تمہارے پاس کوئی نہیں۔ یہاں تک کہ اگر ہم اس کی ساری کٹ حجتیوں کا جواب دے دو اور ساری شرطیں =

= اور فرمایشیں پوری کردو، جب بھی وہ کوئی نہ کوئی اور بات ڈھونڈھ نکالے گا اور راست بازی کی راہ کبھی نہیں چلے گا۔ چنانچہ قرآن نے جا بجا منکروں کی اس حالت کا ذکر کیا ھے اور واضح کر دیا ھے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں۔ اگر ماننے والے ھوتے تو اس طرح کی روش کبھی اختیار نہ کرتے۔ سورۂ انعام کی آیت ۱۱۱ میں گزر چکا ھے: "و لو اننا نزلنا الیھم الملٰئکۃ و کلمھم الموتی و حشرنا علیھم کل شیء قبلا ما کانوا لیؤمنوا الا ان یشاء اللہ و لکن اکثرھم یجھلون"۔

ان آیات میں ان کے جو اقوال نقل کیے ھیں ان پر غور کرو۔ پہلے کہا: نہر بہا دو، باغ اگا دو، سونے کا محل لا دکھاؤ، خود اللہ اور اس کے فرشتوں کو ھمارے سامنے لا کھڑا کرو۔ پھر کہا: آسمان پر چڑھ جاؤ۔ لیکن کیا آسمان پر چڑھ جانا کافی ھوگا؟ نہیں، اس پر بھی وہ ماننے والے نہیں۔ یہ بھی ھونا چاھیے کہ وھاں سے ایك لکھی لکھائی کتاب اپنی بغل میں دابے ھوے واپس آؤ اور پھر وہ لکھی ھوئی بھی ایسی ھو کہ وہ خود اسے پڑھ کر جانچ سکیں، تب کہیں جا کر ان کی شرط پوری ھوگی۔ ظاھر ھے کہ کسی راست باز =

= آدمی کی زبان سے ایسی باتیں نہیں نکل سکتیں . اس کے معنی صریح یہی تھے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں .

رحمت اور حیات اخروی

(ز) آیت ۱۰۰ میں حیات اخروی پر رحمت الٰہی کی وسعت سے استدلال کیا ہے . اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہیے :

انسان کی زندگی کیا ہے ؟ قرآن کہتا ہے : اللہ کی رحمت کا فیضان ہے . یہ رحمت ہے جو چاہتی تھی کہ وجود ہو ، بناؤ ہو ، حسن ہو ، کمال ہو اور اس لیے سب کچھ ظہور میں آگیا .

اچھا ! اگر رحمت الٰہی کا مقتضٰی یہ ہوا کہ انسان کو زندگی ملی تو کیا اسی رحمت کا مقتضٰی یہ نہیں ہونا چاہیے کہ زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو ، اس کے بعد بھی ہو اور رحمت کا فیضان برابر جاری ہے ؟ اس کی رحمت ابدی ہے . پھر کیا اس کا فیضان دائمی نہ ہوگا ؟ اگر دائمی ہونا چاہیے تو کیوں انسانی زندگی اس سے محروم رہ جائے ؟ کیوں اس گوشے میں کہ مخلوقات ارضی کا سب سے بلند گوشہ ہے ، وہ ایک بہت ہی محدود اور حقیر حد سے آگے نہ بڑھے .

انسان کی دنیوی زندگی کی مقدار کیا ہے ؟ محض چند گنے ہوے دنوں کی زندگی . پھر کیا خدا کی رحمت =

= کا فیضان اتنا ھی تھا کہ چار دن کی زندگی پیدا کر دے اور وہ ھمیشہ کے لیے ختم ھو جائے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں دے سکتی تھی؟

چنانچہ فرمایا " قل لو انتم تملکون خزآئن رحمة ربی اذا لامسکتم خشیة الانفاق "، ان منکروں سے کہ دو: اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے قبضے میں ھوتے تو ضرور تم ھاتھ روك روك کے خرچ کرتے کہ کہیں ختم نہ ھو جائیں۔ لیکن وہ تمہارے قبضے میں نہیں ھیں، وہ اس کے قبضے میں ھیں جس کی بخشش کی کوئی انتہا نہیں، جس کے خزانے کبھی ختم ھونے والے نہیں، جس کا فیضان دائمی اور لگا تار ھے۔

اس مقام کے سمجھنے کے لیے ضروری ھے کہ تفسیر فاتحہ کے مبحث " برھان فضل و رحمت " کا مطالعہ کیا جائے۔ تفسیروں میں یہ متاع نہیں ملے گی۔

وحدت مسمیٰ اور کثرت اسماء

(ح) آیت ۱۱۰ " قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایاما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ ج " میں ایك بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ھے اور افسوس ھے کہ لوگوں کی نظر بحث و تفسیر میں اس طرف نہیں گئی۔

دنیا میں انسان کے اکثر اختلافات محض لفظ و صورت کے اختلافات ھیں۔ وہ معنی پر نہیں لڑتا، لفظ پر لڑتا ھے۔ =

= بسا اوقات ایک هی حقیقت سب کے سامنے هوتی هے، لیکن چوں که نام مختلف هوتے هیں، صورتیں مختلف هوتی هیں. اسلوب اور ڈهنگ مختلف هوتے هیں، اس لیے هر انسان دوسرے انسان سے لڑنے لگتا هے اور نهیں جانتا که یه ساری لڑائی لفظ کی لڑائی هے، معنی کی لڑائی نهیں هے. مولانا روم نے چار دوستوں کی نزاع کا قصه سنایا هے جن میں سے هر شخص انگور کا خواهش مند تها، لیکن چوں که ایک آدمی "عنب" کهتا تها، دوسرا "تاک" اس لیے تلواریں نیام سے نکل آئی تهیں.

اگر دنیا صرف اتنی بات پالے تو نوع انسانی کے دو تهائی اختلافات جنهوں نے دائمی نزاعوں اور جنگوں کی صورت اختیار کر لی هے، همیشه کے لیے ختم هو جائیں.

اس آیت میں اور اس کی هم معنیٰ آیات میں اسی بات کی طرف اشاره کیا هے. مشرکین عرب "الله" کے لفظ سے آشنا تهے، کیوں که یه لفظ پروردگار عالم کے لیے بطور اسم ذات کے قدیم سے مستعمل رها هے، لیکن دوسرے ناموں سے آشنا نه تهے جن کا قرآن نے اس کی صفتوں کے لیے اعلان کیا تها، مثلاً "الرحمٰن". =

تشریح نسبت ''الرحمٰن'' و آثار یمن

ہے خدا کے لیے ہر قوم نے اپنی زبان میں کوئی خاص نام ٹھیرا لیا ہے اور اسی سے اسے پکارتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔ یہودیوں نے ''یہوٰی'' کے نام سے اسے پہچانا، ایرانیوں نے ''اهورا مزدا'' میں اسے دیکھا، بابلیوں اور آشوریوں نے ''الاحیا'' کی صدائیں بلند کیں۔ نام بہت سے ہو گئے مگر حقیقت ایک ہی رہی۔ تم اس کے بے شمار ناموں میں سے کوئی نام بھی لو، تمہاری ندائیں الگ الگ ہوں گی، مگر تمہارا منادیٰ ایک ہی ہوگا:

عباراتنا شتی و حسنك واحد و کل الی ذاك الجمال یشیر

یمن سے جو آثار نکلے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے لیے ''الرحمٰن'' کا نام وہاں بولا جاتا تھا۔ مسیحیت آئی تو وہ خدا کے لیے رحمت و محبت کا تصور اپنے ساتھ لائی، اس لیے یہ بات قدرتی معلوم ہوتی ہے کہ یمن کے عیسائیوں نے خدا کے لیے ''الرحمٰن'' کا نام اختیار کر لیا۔ عرب کے دوسرے حصوں کے باشندے اس نام سے آشنا نہ تھے۔ قرآن نے جب خدا کے لیے یہ نام بار بار استعمال کیا، بلکہ خصوصیت کے ساتھ اس پر زور دیا تو قریش مکہ پر یہ بات بہت ہی شاق گزری۔ وہ کہنے لگے: یہ ''الرحمٰن'' کیا ہوتا ہے؟ ہم اس نام کا خدا نہیں جانتے۔ چنانچہ دوسری جگہ بجنسہ ان کا قول نقل کیا ہے: =

= قالوا و ما الرحمن؟ (٢٥ : ٦٠) ۰ (١١)

پس جب ایسے اسماء سنتے تو متعجب ہوتے اور طرح طرح کے اعتراضات کرتے۔ قرآن کہتا ہے: تم اسے "اللہ" کہہ کر پکارو یا "الرحمن" کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو، پکار اسی کے لیے ہے، اور ناموں کے تعدد سے حقیقت متعدد نہیں ہو جا سکتی۔ اس کا نام ایک نہیں، اس کے بہت سے نام ہیں:

عبارا تنا شتّی و حسنك واحد و کل الی ذاك الجمال یشیر

ہمارے مفسروں کو چوں کہ یمن کے عیسائیوں کا حال معلوم نہ تھا، اس لیے انہیں اس آیت کی تفسیر میں طرح طرح کی توجیہیں کرنی پڑیں، لیکن اس صورت حال کو پیش نظر رکھنے کے بعد وہ تمام توجیہیں غیر ضروری ہو جاتی ہیں۔

سورۃ الکھف - ١٨

مکیة و ھی مائة و عشر آیات

مکی ' ١١٠ آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ سکتہ ١

ساری ستایشیں اللہ کے لیے ھیں جس نے اپنے بندے پر «الکتاب» اتاری (یعنی قرآن اتارا) اور اس میں کوئی کجی نہ رکھی ١ .

قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَ یُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ ٢

بالکل سیدھی بات! (ھر طرح کے پیچ و خم سے پاك!) اور اس لیے اتاری کہ لوگوں کو خبردار کردے کہ اللہ کی جانب سے ایك سخت ھول ناك (ان پر) آسکتی ھے اور مومنوں کو جو

اچھے اچھے کام کرتے ہیں، خوش‌خبری دے دے کہ یقیناً ان کے لیے بڑی ہی خوبی کا اجر ہے ۲ .

مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ ۳ ہمیشہ اس میں خوش‌حال رہیں گے ۳ .

۱ تا ۳ - سچائی کے لیے دنیا کی عالم گیر تعبیر یہ ہے کہ وہ سیدھی بات ہے، اس میں ٹیڑھ پن نہیں .

جس بات میں کجی ہو، پیچ و خم ہو، الجھی ہوئی ہو، وہ سچائی کی بات نہیں ہو سکتی .

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے سعادت کی راہ کو صراط مستقیم سے تعبیر کیا اور ہر جگہ وہ اپنا وصف یہ بیان کرتا ہے کہ اس میں کوئی بات بھی کجی کی بات نہیں ہے . وہ اپنی ہر بات میں دنیا کی زیادہ سے زیادہ سیدھی بات ہے!

چنانچہ اس سورت کی ابتداء میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے .

اس کے بعد اس کے نزول کا مقصد واضح کیا کہ "تبشیر" اور "تنذیر" ہے . کیوں کہ ہدایت وحی جب کبھی ظاہر ہوئی ہے اسی لیے ظاہر ہوئی ہے کہ ایمان و عمل کے نتائج کی بشارت دے، انکار و بد عملی کے نتائج سے متنبہ کر دے .

وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ ٤ نیز ان لوگوں کو متنبہ کردے جنھوں نے (ایسی سخت بات منہ سے نکالی کہ) کہا: اللہ بھی اولاد رکھتا ہے! ٤.

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ ٥ اس بارے میں انہیں کوئی علم نہیں، نہ ان کے باپ دادوں کے پاس کوئی علم تھا. کیسی سخت بات ہے جو ان کی زبانوں سے نکلتی ہے! یہ کچھ نہیں کہتے مگر سرتاسر جھوٹ! ٥.

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ ٦ (اے پیغمبر!) تیری حالت تو ایسی ہورہی ہے کہ جب لوگ یہ (واضح) بات بھی نہ مانیں تو عجب نہیں ان (کی ہدایت) کے پیچھے مارے افسوس کے اپنی جان ہلاکت میں ڈال دے (حالانکہ یہ ماننے والے نہیں) ٦.

---

٦ و ٧ - یہ سورت بھی مکی عہد کی آخری سورتوں سے ہے. یہ وہ وقت تھا کہ منکروں کی سرکشی انتہائی=

= حدتک پہنچ چکی تھی اور پیغمبر اسلام کا قلب مبارک
لوگوں کی شقاوت و محرومی کے غم سے بڑا ہی دل گیر
ہورہا تھا. ان کے جوش دعوت و اصلاح کا یہ حال تھا
کہ چاہتے تھے ہدایت گھونٹ بنا کر پلادوں اور منکروں
کا یہ حال تھا کہ سیدھی سے سیدھی بات بھی ان کے دلوں
کو نہیں پکڑتی.

انبیاء کرام ہدایت و اصلاح کے صرف طالب ہی نہیں
ہوتے، عاشق ہوتے ہیں. انسان کی گمراہی ان کے
دلوں کا ناسور ہوتی ہے اور انسان کی ہدایت کا جوش
ان کے دل کے ایک ایک ریشے کا عشق. اس سے بڑھ کر ان
کے لیے کوئی غمگینی نہیں ہوسکتی کہ ایک انسان سچائی سے
منہ موڑ لے. اس سے بڑھ کر ان کے لیے کوئی شادمانی
نہیں ہوسکتی کہ ایک گم راہ قدم راہ راست پر آجائے!

قرآن میں اس صورت حال کی جا بجا شہادتیں ملتی
ہیں. یہاں آیت ۶ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے: ان کی
یہ گم راہی عجب نہیں تجھے شدت غم سے بے حال کردے
لیکن جو گم راہی میں ڈوب چکے ہیں وہ کبھی اچھلنے
والے نہیں. پھر اس کے بعد آیت ۷ میں واضح کیا ہے
کہ قانون الٰہی اس بارے میں ایسا ہی واقع ہوا ہے کہ یہ
دنیا آزمایش گاہ عمل ہے. یہاں جو چیز کار آمد نہیں =

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ ۷	روے زمین میں جو کچھ بھی ہے اسے ہم نے زمین کی خوش نمائی کا موجب بنایا ہے

(اور اس لیے بنایا ہے) کہ لوگوں کو آزمایش میں ڈالیں کہ ان میں کون ایسا ہے جس کے کام سب سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں ۷ ۔

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ ۸	اور پھر ہم ہی ہیں کہ جو کچھ زمین پر ہے اسے (نابود کر کے)

چٹیل میدان بنادیتے ہیں ۸ ۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ ۹	(اے پیغمبر!) کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے کوئی

= ہوتی، چھانٹ دی جاتی ہے۔ پس جن لوگوں نے اپنی ہستی خراب کر دی ہے، ضروری ہے کہ وہ چھانٹ دیے جائیں۔ ان کی محرومی پر غم کرنا لاحاصل ہے۔

عجیب نشانی تھے؟ ۹ .

اِذْ اَوَی الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ جب ایسا ہوا تھا کہ چند جوان

فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ غار میں جا بیٹھے تھے اور

۹ - آیت ۹ سے اصحاب کہف کی سرگذشت شروع ہوئی . اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی .

فرمایا: یہ چند نوجوان تھے جنھوں نے اللہ کی رحمت پر بھروسا کیا تھا اور ایک پہاڑ کے غار میں جا چھپے تھے . کئی برسوں تک یہ اس میں پوشیدہ رہے آبادی سے ان کا کوئی علاقہ نہیں رہا . زندگی کی کوئی صدا ان کے کانوں تک نہیں پہنچتی تھی . پھر وہ اٹھائے گئے ، یعنی ظاہر ہوئے اور یہ سارا معاملہ اس لیے ہوا کہ واضح ہوجائے دونوں جماعتوں میں سے کونسی ایسی جماعت تھی جو وقت کے واقعات اور ان کے نتائج کا بہتر اندازہ کرسکتی تھی .

دو جماعتوں سے مقصود اصحاب کہف اور ان کی قوم و ملک کے لوگ ہیں .

یہ گویا اس تمام معاملہ کا ماحصل ہے . اس کے بعد اس کی ضروری تفصیلات آتی ہیں . چنانچہ آیت ۱۳ میں فرمایا: نحن نقص علیك نباھم بالحق .

لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۱۰
انہوں نے دعا کی تھی: پروردگار! تیرے حضور سے ہم پر رحمت ہو اور تو ہمارے اس کام کے لیے کامیابی کا سامان مہیا کردے ۱۰۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۱۱
پس غار میں کئی برسوں تک ہم نے ان کے کان (دنیا کی طرف سے) بند رکھے ۱۱۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ع ۱۲
پھر انہیں اٹھا کھڑا کیا تاکہ واضح ہو جائے دونوں جماعتوں میں سے کون ہے جو گزری ہوئی مدت کا زیادہ بہتر طریقے پر احاطہ کرسکتا ہے ۱۲۔

ع ۱ ۱۲

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۱۳
(اے پیغمبر!) ہم ان لوگوں کی خبر ٹھیک ٹھیک تیرے آگے بیان کردیتے ہیں: وہ چند نوجوان تھے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے۔ ہم نے انہیں ہدایت

میں اور زیادہ مضبوط کردیا ١٣.

وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝١٤

اور ان کے دلوں کی (صبر و استقامت میں) بندش کردی. وہ جب (راہ حق) میں کھڑے ہوے تو انہوں نے (صاف صاف) کہہ دیا: ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے. ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں. اگر ہم ایسا کریں تو یہ بڑی ہی بے جا بات ہوگی ١٤.

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا یَاْتُوْنَ

یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جو اللہ کے سوا دوسرے

١٣ - (ا) ایک گم راہ اور ظالم قوم سے چند حق پرست نوجوانوں کا کنارہ کشی کرلینا اور ایک پہاڑ کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوجانا. ان کی قوم چاہتی تھی انہیں سنگ سار کردے، یا جبراً اپنے دین میں واپس لے آئے. انہوں نے دنیا چھوڑ دی مگر حق سے منہ نہ موڑا.

عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ ۢ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ معبودوں کو پکڑ بیٹھے ہیں۔
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ وہ اگر معبود ہیں تو کیوں اس
كَذِبًا ؕ ١٥ کےلیے کوئی روشن دلیل پیش

نہیں کرتے؟ (ان کے پاس تو کوئی دلیل نہیں)۔ پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ کم کر بہتان باندھے؟ ١٥۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ (پھر وہ آپس میں کہنے لگے
اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ کہ) جب ہم نے ان لوگوں
يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ سے اور ان بتوں سے جنھیں یہ اللہ کے
رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ سوا پوجتے ہیں کنارہ کشی
اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۞ ١٦ کرلی تو چاہیے کہ غار میں

چل کر پناہ لیں۔ ہمارا پروردگار اپنی رحمت کا سایہ ہم پر پھیلا دے گا اور ہمارے اس معاملے کے لیے (سارے) سر و سامان مہیا کردے گا ١٦۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ اور (وہ جس غار میں جا کر

تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ع ١٧

٢ ع ١٤

بیٹھے وہ اس طرح واقع ہوا ہے کہ) جب سورج نکلے تو تم دیکھو کہ ان کے دھنے جانب سے ہٹا ہوا رہتا ہے اور جب ڈوبے تو بائیں طرف کترا کر نکل جاتا ہے (یعنی کسی حال میں بھی اس کی شعاعیں اندر نہیں پہنچتیں) اور وہ اس کے اندر ایک کشادہ جگہ میں پڑے ہیں. یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے (کہ انہوں نے راہ حق کی خاطر دنیا اور دنیا کے سارے علاقے چھوڑ دیے). جس کسی پر وہ (کام یابی کی) راہ کھول دے تو وہی راہ پر ہے اور جس پر گم کردے تو تم کسی کو اس کا کارساز، اس کا راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے ١٧.

وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ

اور تم (انہیں دیکھو! تو) خیال کرو کہ یہ جاگ رہے ہیں

اَلْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖ	(یعنی زندہ ہیں) حالانکہ وہ
وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ	سو رہے ہیں (یعنی مردہ ہیں)۔
بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ	ہم انہیں دہنے بائیں پلٹتے رہتے
عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا	ہیں (یعنی ان کے رخ پلٹتے رہتے
وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝۱۸	ہیں) اور ان کا کتا چوکھٹ کی

جگہ اپنے دونوں بازو پھیلائے بیٹھا ہے۔ اگر تم انہیں جھانك کر دیکھو تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہو اور تم پر (ان کے منظر سے) دہشت چھا جائے !۱۸۔

وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا	اور (دیکھو!) اسی طرح (یہ بات
بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ	ہوئی کہ) ہم نے انہیں پھر اٹھا
كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا	کھڑا کیا تاکہ آپس میں ایك
يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا	دوسرے سے پوچھ گچھ کریں۔
رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ	ان میں سے ایك کہنے والے نے
فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ	کہا: ہم یہاں کتنی دیر تك رہے
هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ	ہوں گے؟ سب نے کہا: ایك

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا دن یا ایك دن کا کچھ حصه ۔(پھر
فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ جب ٹھیك ٹھیك مدت معلوم نه
وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ کرسکے تو) بولے: ھمارا
بِكُمْ اَحَدًا ۝ ١٩ پروردگار ھی بھتر جانتا ھے

کتنی دیر تك یہاں پڑے رھے ھیں ۔ اچھا ! ایك آدمی کو یه سکه (١٢) دے کر شہر میں بھیجو ۔ جاکر دیکھے کس کے یہاں اچھا کھانا ملتا ھے اور جہاں کہیں سے ملے تھوڑی بہت غذا لے آئے اور ھاں ! چپکے سے لائے ، کسی کو ھماری خبر نه ھونے پائے ١٩ .

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ اگر لوگوں نے خبر پالی تو (وہ
يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ چھوڑنے والے نہیں ۔ یا تو)
مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا سنگسار کریں گے یا مجبور کریں
اَبَدًا ۝ ٢٠ گے که پھر ان کے دین میں واپس

١٩ - (ب) وہ جب غار میں اٹھے تو اس کا اندازہ نه کرسکے که کتنے عرصے تك یہاں رھے ھیں ۔ انھوں نے اپنا ایك آدمی شہر میں کھانا لانے کے لیے بھیجا اور کوشش کی که کسی کو خبر نه ھو ، لیکن حکمت الٰہی کا فیصله دوسرا تھا ۔ خبر ھو گئی اور یه معامله لوگوں کے لیے تذکیر و عبرت کا موجب ھوا ۔

چلے جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر کبھی تم فلاح نہ پاسکو گے ۲۰ ۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝ ۲۱

اور (پھر دیکھو!) اسی طرح (یہ بات بھی ہوئی کہ) ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے واقف کردیا (ان کی بات پوشیدہ نہ رہ سکی)۔ اور اس لیے واقف کردیا کہ لوگ جان لیں اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں! اسی وقت کی بات ہے کہ لوگ

آپس میں بحث کرنے لگے کہ ان لوگوں کے معاملے میں کیا کیا جائے۔ لوگوں نے کہا: اس غار پر ایک عمارت بنادو (کہ یادگار رہے۔ اس سے زیادہ اس معاملے کے پیچھے نہ پڑو)۔ ان پر جو کچھ گزری ان کا پروردگار ہی اسے بہتر جانتا ہے۔ تب ان لوگوں نے کہ

معاملات پر غالب آ گئے تھے، کہا: (ٹھیك ہے!) ہم ضرور ان کے
مرقد پر ایك عبادت گاہ بنائیں گے ۲۱ .

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ
كَلْبُهُمْ ج وَيَقُولُونَ
خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا
بِالْغَيْبِ ج وَيَقُولُونَ
سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ط
قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ
مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۵ قف
فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً
ظَاهِرًا ص وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ
مِّنْهُمْ اَحَدًا ع ۲۲

کچھ لوگ کہیں گے: غار والے
تین آدمی تھے، چوتھا ان کا کتا
تھا. کچھ لوگ ایسا بھی کہتے ہیں:
نہیں! پانچ تھے، چھٹا ان کا کتا
تھا. یہ سب اندھیرے میں تیر
چلاتے ہیں. بعض کہتے ہیں:
سات تھے، آٹھواں ان کا کتا.
(اے پیغمبر!) کہہ دے: ان
کی اصل گنتی تو میرا پروردگار
ہی بہتر جانتا ہے، کیوں کہ ان کا

ع ۳ ۱۵

۲۱ - (ج) جس قوم کے ظلم سے عاجز ہو کر انہوں
نے غار میں پناہ لی تھی وہی ان کی اس درجہ معتقد ہوئی
کہ ان کے مرقد پر ایك ہیکل تعمیر کیا گیا.

حال بہت کم لوگوں کے علم میں آیا ہے ۔ (اور جب صورت حال یہ ہے) تو لوگوں سے اس بارے میں بحث و نزاع نہ کر مگر صرف اس حد تک کہ صاف صاف بات میں ہو (یعنی باریکیوں مین نہین پڑنا چاہیےکہ کتنے آدمی تھے، کتنے دنون تك رہے تھے) اور نہ ان لوگوں میں سے کسی سے اس بارےمیں کچھ دریافت کر۲۲۔

۲۲و۲۳ - (د) اس واقعہ کی تفصیلات لوگوں کو معلوم نہیں ۔ طرح طرح کی باتیں مشہور ہوگئی ہیں ۔ بعض کہتے ہیں: وہ تین آدمی تھے، بعض کہتے ہیں: پانچ تھے، بعض کہتے ہیں: سات تھے ۔ مگر یہ سب اندھیرے مین تیر چلاتے ہیں ۔ حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے ۔ اور غور کرنے کی یہ بات نہیں ہے کہ ان کی تعداد کتنی تھی؟ دیکھنا چاہیے کہ ان کی حق پرستی کا کیا حال تھا؟

آیت۲۳ مین فرمایا: جو کھلی ہوئی اور پکی بات ہے وہ تذکیر و عبرت کے لیے کفایت کرتی ہے ۔ اس سے زیادہ کاوش میں نہ پڑو اور نہ بحث و نزاع کرو اور نہ کبھی کسی ایسی بات کے لیے جس کا علم اللہ ہی کو ہے، زور دے کر کہو کہ میں ضرور ایسا کرکے رہوں گا. یہ اللہ کے ہاتھ ہےکہ جتنی باتیں چاہے وحی کے ذریعے بتلادے ۔ غیبی امور میں انسان کی کاوشیں کچھ کام نہیں دے سکتیں ۔

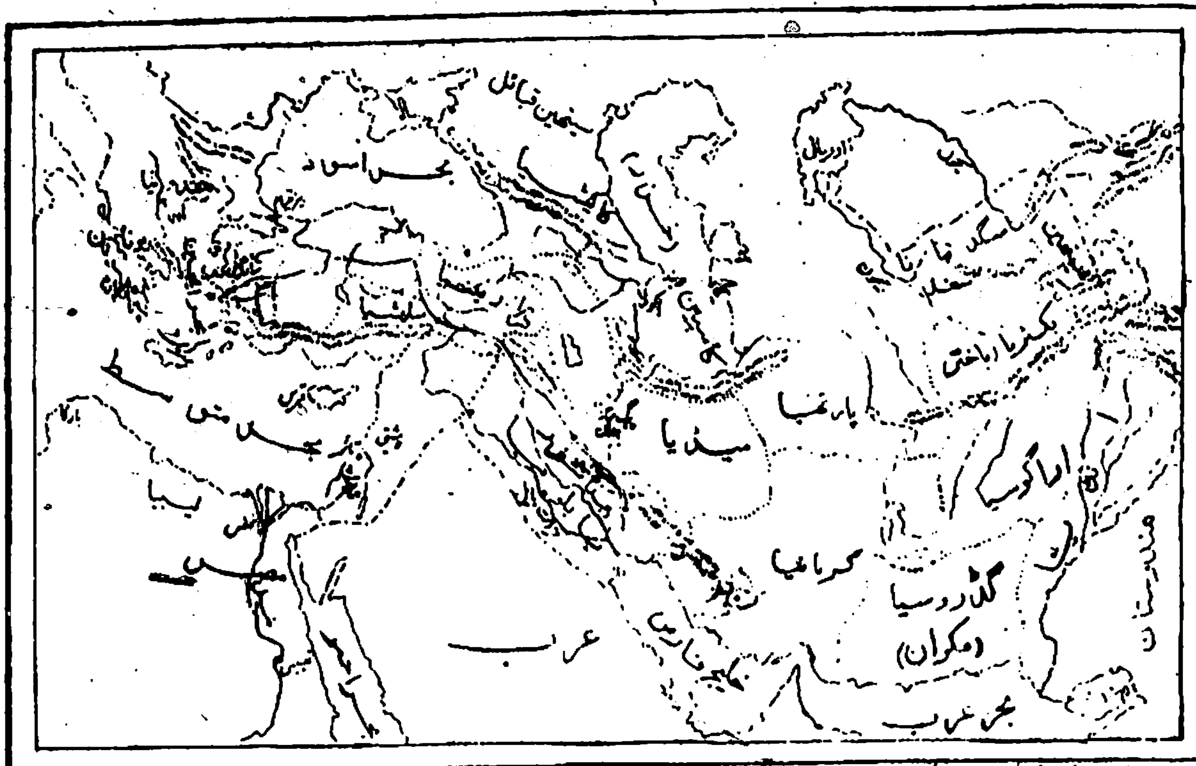
وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ۲۳
اور کوئی بات ہو مگر کبھی ایسا نہ کہو "میں کل اسے ضرور کر کے رہوں گا ۲۳.

اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ ؗ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۲۴
الا یہ کہ سمجھ لو ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے پروردگار کی یاد تازہ کرلو. تم کہو: امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کام یابی کی راہ مجھ پر کھول دے گا ۲٤.

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۲۵
اور (کہتے ہیں) وہ غار میں تین سو برس تک رہے

---

۲٤ - (ه) آیت ۲٤ میں اس طرف اشارہ ہے کہ عن قریب ایسا ہی معاملہ تمہیں پیش آنے والا ہے یعنی اپنی قوم سے راہ حق میں کنارہ کشی کرو گے اور غار ثور میں کئی دن تک مقیم رہو گے. پھر تم پر فتح و کام رانی کی ایسی راہ کھولی جائے گی جو اس معاملے سے بھی کہیں عظیم تر ہوگی.



اس نقشے میں فارسی شہنشاہی کا وہ رقبہ دکھایا گیا ہے جو سائرس کی فتوحات سے پندرہ برس بعد دارا کے زمانہ میں قائم ہو گیا تھا۔ اس میں صرف مصر اور یونان کی ماوراء ایجرکا یاں سائرس کے بعد فتح ہوئی ہیں۔ باقی ممالک خود اس نے فتح کیے تھے۔ بس کا دارالحکومت [illegible] ہمدان تھا۔ ہمدان سے نکل کر شمال مغرب رویہ ایشیائے کوچک ہو کر مغرب رویہ سارڈیس تک پہنچ گیا جو لیڈیا کا دارالحکومت تھا۔ پھر مشرق کی طرف نکلا اور بکٹریا (باختر) تک پہنچ گیا۔ آخری مہم شمال کی تھی جس میں وہ کاکیشیا کے علاقہ تک پہنچ گیا، یہیں یاجوج ماجوج کی سد بنائی۔ (یہ نقشہ ہیوز ل ہسٹری آف دی ورلڈ جلد دوم سے نقل کیا گیا ہے) لے دارا کے کتبہ میں ایک علاقہ کا نام [illegible] آیا ہے جس کا خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے مقصود پاٹے سندھ کا علاقہ ہے۔

اور لوگوں نے نو برس اور بڑھا دیے ہیں ۲۵ ۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝ ۲۶

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے: اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ کتنی مدت تک رہے ۔ وہ آسمان و زمین کی ساری پوشیدہ باتیں جاننے والا ہے ، بڑا ہی دیکھنے والا ، بڑا ہی سننے والا ۔ اس کے سوا لوگوں کا کوئی کار ساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے ۲۶ ۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ ۲۷

اور (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی کتاب جو تجھ پر وحی کی گئی ہے، اس کی تلاوت میں لگا رہ۔ اللہ کی باتیں کوئی بدل نہیں سکتا اور تجھے اس کے سوا کوئی پناہ کا سہارا ملنے والا نہیں ۲۷ ۔

۲۷ ـ آیت ۲۷ میں فرمایا : اللہ کی کتاب کی تلاوت میں ـ

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ	اور جو لوگ صبح شام اپنے
يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ	پروردگار کو پکارتے رہتے ھیں
وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ	اور اس کی محبت میں سرشار
وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ	ھیں تو انھیں کی صحبت پر اپنے
تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ	جی کو قانع کرلو ۔ ان کی طرف
وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا	سے کبھی تمھاری نگاہ نہ پھرے
قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ	کہ دنیوی زندگی کی رونقیں
هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۞ ۲۸	ڈھونڈھنے لگو ۔ جس کے دل کو

الثلثة

= مشغول رھو ۔ کلمات وحی نے جن باتوں کا اعلان کیا ھے انھیں کوئی بدل نہیں سکتا اور انقلاب حال کا وقت اب دور نہیں ھے ۔

جو ماننے والے نہیں ان کی فکر نہ کرو ، جو ایمان لائے ھیں اور شب و روز اللہ کی عبادت میں مشغول رھتے ھیں وھی تمھارے لیے بہت ھیں ۔ انھیں میں جی لگاؤ ۔ یہی دعوت حق کے چند بیج ھیں جو عن قریب ایک تن آور درخت کی صورت اختیار کرایں گے ۔

ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا (یعنی ہمارے ٹھیرائے ہوے قانون نتائج کے مطابق جس کا دل غافل ہو گیا) اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑ گیا تو ایسے آدمی کی باتوں پر کان نہ دھرو، اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے ۲۸.

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ج إِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا لا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ط وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ط بِئْسَ الشَّرَابُ ط وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۰ ۲۹

اور کہ دو « یہ سچائی تمہارے پروردگار کی جانب سے ہے. اب جو چاہے مانے، جو چاہے نہ مانے». ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی چادریں چاروں طرف سے انہیں گھیر لیں گی. وہ (پانی کے لیے) فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کے جواب میں ایسا پانی ملے گا جیسے پگھلا ہوا سیسا ہو! وہ ان کے منہ (گرمی سے) پکادے گا. (تو دیکھو!) پینے کی کیا ہی بری چیز انہیں ملی اور بیٹھنے کی کیا ہی بری جگہ! ۲۹.

۲۹ - آیت ۲۹ میں مزید تشریح کی ؛ فرمایا: آخری =

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ
أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۚ ٣٠
أُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ
الْأَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ
أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ
ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ
وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا
عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ

مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو (ان کے لیے کوئی اندیشہ نہیں) جس نے اچھے کام کیے ہوں، ہم کبھی اس کا اجر ضائع نہیں کرتے ۳۰.

یہ لوگ ہیں جن کے لیے ہمیشگی کے باغ ہوں گے اور باغوں کے تلے نہریں بہ رہی ہوں گی. یہ (بادشاہوں کی طرح) سونے کے کنگن پہنے ہوئے، سبز ریشم کے باریک اور دبیز کپڑوں سے آراستہ، مسندوں

اعلان کردو کہ خدا کی سچائی سب کے سامنے آگئی اب اب جس کا جی چاہے مانے، جس کا جی چاہے نہ مانے. جو مانیں گے ان کے لیے ان کا اجر ہوگا. جو مانیں گے ان کے لیے ان کا عذاب:

وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۳۱ ؏ پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ع ١٦

تو کیا ہی اچھا ان کا ثواب ہوا اور کیا ہی اچھی انہوں نے جگہ پائی ! ۳۱ ۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۳۲

اور (اے پیغمبر !) ان لوگوں کو ایک مثال سنا دو : دو آدمی تھے ، ان میں سے ایک کے لیے ہم نے انگور کے دو باغ مہیا کر دیے ، گردا گرد کھجور کے درختوں کا احاطہ تھا ، بیچ کی زمین میں کھیتی تھی ۳۲ ۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا لا وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا ۳۳

(پس ایسا ہوا کہ) دونوں باغ پھلوں سے لد گئے ، پیداوار میں کسی طرح کی بھی کمی نہ ہوئی ، ہم نے ان کے درمیان (آب پاشی کے لیے) ایک نہر جاری کردی تھی ۳۳ ۔

وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ ج فَقَالَ نتیجہ یہ نکلا کہ آدمی دولت مند

لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ۝٣٤

ہو گیا۔ تب ایك دن (گھمنڈ میں آ کر) اپنے دوست سے (جسے یہ خوش حالیاں میسر نہ تھیں) باتیں کرتے کرتے بول اٹھا: دیکھو! میں تم سے زیادہ مال دار ہوں اور میرا جتھا بھی بڑا طاقت ور جتھا ہے ٣٤ .

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۙ۝٣٥

پھر وہ (یہ باتیں کرتے ہوئے) اپنے باغ میں گیا اور وہ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہا تھا. اس نے کہا: میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران ہو سکتا ہے ٣٥ .

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝٣٦

مجھے توقع نہیں کہ (قیامت کی) گھڑی برپا ہو. اور اگر ایسا ہوا بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو (میرے لیے کیا کھٹکا ہے؟) مجھے ضرور (وہاں بھی) اس سے بہتر ٹھکانا ملے گا ٣٦ .

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ؕ ۳۷

یہ سن کر اس کے دوست نے کہا اور باہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا: کیا تم اس ہستی سے انکار کرتے ہو جس نے تمہیں پہلے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور پھر آدمی بنا کر نمودار کر دیا؟ ۳۷

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ۳۸

لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ۳۸۔

وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۚ ۳۹

اور پھر جب تم اپنے باغ میں آئے (اور اس کی شادابیاں دیکھیں) تو کیوں تم نے یہ نہ کہا کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اس کی مدد بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اور یہ جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے کہ میں تم سے مال اور اولاد کمتر

رکھتا ہوں (تو اس پر مغرور نہ ہو) ۳۹ .

فَعَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا کیا عجب ہے میرا پروردگار
مِّنْ جَنَّتِكَ وَ یُرْسِلَ عَلَیْهَا تمہارے اس باغ سے بھی بہتر
حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ (باغ) مجھے دے دے اور
فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا ۙ ۴۰ تمہارے باغ پر آسمان سے کوئی
ایسی اندازہ کی ہوئی بات اتار دے کہ چٹیل میدان ہو کر
رہ جائے ۴۰ .

اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا یا پھر (بربادی کی کوئی اور
فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا ۴۱ ناگہانی صورت نکل آئے،
مثلاً) اس کی نہر کا پانی بالکل نیچے اتر جائے اور تم کسی
طرح بھی اس تک نہ پہنچ سکو ۴۱ .

وَ اُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ اور (پھر دیکھو! ایسا ہی
یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰی مَآ اَنْفَقَ ہوا کہ) اس کی دولت (بربادی
فِیْهَا وَ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی کے) گھیرے میں آ گئی .
عُرُوْشِهَا وَ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ وہ ہاتھ مل مل کر افسوس

لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝٤٢

کرنے لگا که ان باغوں کی درستگی پر میں نے کیا نہیں خرچ کیا تھا (وہ سب برباد ہو گیا) اور باغوں کا یہ حال ہوا کہ ٹٹیاں گر کے زمین کے برابر ہو گئیں. اب وہ کہتا ہے: اے کاش! میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریك نه کرتا ٤٢ .

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝٤٣

اور (دیکھو!) کوئی جتھا نه ہوا کہ اللہ کے سوا اس کی مدد کرتا اور نه خود اس نے یه طاقت پائی که بربادی سے جیت سکتا ٤٣ .

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝٤٤

یہاں سے معلوم ہو گیا که فی الحقیقت سارا اختیار اللہ ہی کے لیے ہے. وہی ہے جو بہتر ثواب دینے والا ہے اور اسی کے ہاتھ بہتر انجام ہے ٤٤ .

ع ١٧

٣٢ تا ٤٤ - پہلے فرمایا تھا: جس کا جی چاہے مانے، جس کا جی چاہے نه مانے. جو نه مانیں کے انہیں اپنی بدعملیوں کا نتیجه بھگتنا ہے، جو مانیں کے ان کے لیے =

ـــ ان کی نیک عملیوں کا اجر ہے . پھر اخروی عذاب و ثواب کا نقشہ کھینچا تھا کہ منکروں کے لیے آگ کی جلن ہو گی ، مومنوں کے لیے ہمیشگی کے باغ ۔

اب یہ حقیقت واضح کی ہے کہ آخرت کی طرح دنیا میں بھی منکرین دعوت کو محرومیاں ملنے والی ہیں . وہ اپنی موجودہ خوش حالیوں پر مغرور نہ ہوں اور نہ مومن اپنی موجودہ بے سرو سامانیاں دیکھ کر دل تنگ ہو جائیں . دنیا کی خوش حالیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے . وہ جب مٹنے پر آتی ہے تو لمحوں میں مٹ جاتی ہیں اور انسان کی کوئی سعی و تدبیر انہیں بچا نہیں سکتی ۔

چنانچہ اس حقیقت کے لیے ایک مثال بیان کی : فرض کرو دو آدمی تھے ، ایک کو سب کچھ میسر تھا ، دوسرے کو کچھ میسر نہ تھا . پہلا گھمنڈ میں آ کر دوسرے کو حقیر سمجھتا اور کہتا : میں تم سے زیادہ خوش حال ہوں اور میری خوش حالی کبھی بگڑنے والی نہیں . دوسرا اسے سمجھاتا کہ ان خوش حالیوں پر مغرور نہ ہو . کون جانتا ہے پل کے پل میں کیا سے کیا ہو جائے . چنانچہ ایک دن کیا ہوا کہ اس کے سارے باغ جن کی شادابیوں پر اسے ناز تھا ، اچانک اجڑ گئے اور وہ اپنی نامرادیوں پر کف افسوس ملتا رہ گیا . =

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ ۴۵

اور (اے پیغمبر!) انھیں دنیا کی زندگی کی مثال سنا دو: اس کی مثال ایسی ہے جیسے (زمین کی روئیدگی کا معاملہ کہ) آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی (اور خوب پھلی پھولی)، پھر (کیا ہوا؟ یہ کہ) سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا، ہوا کے جھونکے اسے اڑا کر منتشر کر رہے ہیں! اور کون سی بات ہے جس

= اس مثال میں خوش حال آدمی سے مقصود رؤساء مکہ ہیں اور دوسرے آدمی سے مقصود مومنوں کی جماعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوش حالیوں کے لیے باغوں کا تصور پیدا کیا گیا۔ عرب میں اس سے بڑھ کر تمول و خوش حالی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ شام کے تاکستانوں کی طرح باغ ہوں۔ گردا گرد کھجور کے درختوں کا احاطہ، وسط میں قدرتی نہر، نہر کے دونوں طرف لہلہاتی ہوئی کھیتیاں۔

کے کرنے پر اللہ قادر نہیں! ٤٥.

٤٥ و ٤٦ - پھر جو کچھ بھی ہو، دنیا کی یہ خوش حالیاں ہیں کیا؟ محض چار گھڑی کی دھوپ! اس سے زیادہ انہیں قرار نہیں، اس سے زیادہ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں.

دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے زمین کی روئیدگی. آسمان سے پانی برستا ہے اور طرح طرح کی سبزیوں اور لالیوں سے زمین کا گوشہ گوشہ بہشت زار ہو جاتا ہے. جس طرف نگاہ اٹھاؤ پھولوں کا حسن و جمال ہے یادانوں اور پھلوں کا فیضان و نوال! لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ وہی کھیت جن کا ایك ایك درخت زندگی کا سرمایہ اور بخشش و نوال کا کارخانہ تھا، اچانك کس عالم میں نظر آنے لگتے ہیں؟ ”ھشیما تذروہ الریح“ بھوسے کے ذرے جنہیں ہوا کے جھونکے اڑا کے منتشر کر دیتے ہیں! نہ کوئی انہیں بچانا چاہتا ہے، نہ وہ کسی مصرف کے ہوتے ہیں. بہت کام دیں کے تو چولھے میں جلنے کے لیے ڈال دیے جائیں گے.

انسان کی دنیوی زندگی اور اس کی جد و جہد کی یہ کیسی جامع مثال ہے! جس پہلو سے بھی دیکھو گے اس سے بہتر مثال نہیں ملے گی: =

=(ا) دنیوی زندگی کی دل فریبیاں جب نکھرتی ھیں تو ٹھیك ٹھیك ان کا ایسا ھی حال ھوتا ھے۔

(ب) لیکن عارضی ھوتی ھیں، پائدار نہیں۔ قدرت نے جو وقت مقرر کر رکھا ھے، جونہیں وہ پورا ھوا، پھر کچھ بھی باقی نہیں رھتا۔

(ج) زمین ایك ھے، پانی بھی ایك ھی طرح کا ھے، روئیدگی بھی ایك ھی طرح پر ھوتی ھے، مگر پھل یکساں نہیں۔ یہی حال دنیوی زندگی کا ھے۔ زندگی ایك طرح کی ھے، مگر ھر زندگی کا پھل یکساں نہیں۔ فطرت کی بخشش سب کی یکساں طور پر رکھوالی کرتی ھے، مگر سب ایك طرح کا پھل نہیں لاتے۔ کوئی اچھا ھوتا ھے، کوئی ناقص، کوئی بالکل نکما!

(د) عذاب و ثواب اور سعادت و محرومی کا مسئلہ بھی حل ھو گیا۔ تم زمین میں کاشت کرتے ھو، لیکن کیوں کرتے ھو؟ دانے اور پھل کے لیے، پتوں اور شاخوں کے لیے نہیں۔ جب فصل پکتی ھے تو دانے لے لیتے ھو جس میں تمھارے لیے نفع ھے، باقی سب کچھ چھانٹ دیتے ھو جس میں نفع نہیں۔ یہی حال دنیوی زندگی کا بھی ھے۔ فطرت نے وجود انسانی کی کاشت کی ھے اور اس لیے کی ھے کہ "ایکم احسن عملا"۔ =

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ	مال و دولت اور آل اولاد
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَالْبٰقِيٰتُ	دنیوی زندگی کی دل فریبیاں ھیں
الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ	(مگر چند روزہ، نا پایدار).
ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۴۶	اور جو نیکیاں باقی رھنے والی ھیں

تو وھی تمھارے پروردگار کے نزدیك باعتبار ثواب کے بہتر ھیں اور وھی ھیں جن کے نتائج سے بہتر امید رکھی جاسکتی ھے۴٦.

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى	اور (دیکھو!) وہ (آنے والا) دن
الْاَرْضَ بَارِزَةً لا وَّحَشَرْنٰهُمْ	جب ھم پہاڑوں کو چلادیں گے
فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ج ۴۷	اور زمین کو تم دیکھو گے که

(اپنی اصلی حالت میں) ابھر آئی ھے اور (اس وقت) ھم تمام انسانوں کو

= کون درخت ھے جو اچھے عمل کا پھل لاتا ھے. پس وہ پھل لے لیتی ھے، باقی جو کچھ بچ جاتا ھے چھانٹ دیتی ھے. تم سوکھی شاخوں اور پتوں کو کیا کرتے ھو؟ چولھے میں جلاتے ھو. اس نے بھی ایك چولھا گرم کر رکھا ھے، اسی کا نام دوزخ ھے.

(اپنے حضور) اکٹھا کردیں گے، کوئی نہ ہوگا جسے چھوڑ دیا ہو! ۴۷.

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۡ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝۴۸

اور ان کی صفیں (ایک کے بعد ایک) تمہارے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گی. (تب ان سے کہا جائے گا:) جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح تمہیں آج ہمارے سامنے حاضر ہونا پڑا، مگر تم نے خیال کیا تھا کہ ہم نے تمہارے لیے اس کا کوئی وقت نہیں ٹھیرایا ہے! ۴۸.

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ

اور (اس وقت) نوشتے لائے جائیں گے تو تم دیکھو گے جو کچھ ان میں لکھا ہے اس سے مجرم ہراساں ہو رہے ہیں. وہ بول اٹھیں گے "افسوس ہم پر! یہ کیسا نوشتہ ہے کہ کوئی بات

ع ۶ ۱۸ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۴۹ع چھوٹی ہوئی نہیں ، بڑی ہو یا
چھوٹی، سب کو اس نے ضبط کرلیا ہے !" غرضیکہ جو کچھ انہوں
نے (دنیا میں) کیا تھا سب اپنے سامنے موجود پائیں گے اور تمہارا
پروردگار کسی پر زیادتی نہیں کرتا (جو جس نے کیا ہے ٹھیک ٹھیک
وہی اس کے آگے آئے گا) ۴۹ .

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۵۰

اور جب (ایسا ہوا تھا کہ) ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا "آدم کے آگے جھک جاؤ" اور سب جھک گئے تھے مگر ابلیس نہیں جھکا تھا. وہ جن میں سے تھا، پس اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہوگیا. پھر کیا تم مجھے چھوڑ کر (کہ تمہارا
پروردگار ہوں) اسے اور اس کی نسل کو اپنا کار ساز بناتے
ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ؟ (دیکھو !) ظلم کرنے

والوں کے لیے کیا ہی بری تبدیلی ہوئی! ۵۰

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ — میں نے انھیں اپنے ساتھ شریک

وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ص — نہیں کیا تھا جب آسمان و زمین

وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ — کو پیدا کیا اور نہ اس وقت

عَضُدًا ۵۱ — وہ شریک ہوئے جب خود

انھیں پیدا کیا (اور جب وہ خود مخلوق ہیں تو اپنی خلقت کے وقت کیسے موجود ہو سکتے تھے؟) میں ایسا نہ تھا کہ گم راہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بناتا! ۵۱.

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ — اور (دیکھو!) وہ دن جب اللہ

الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ — فرمائے گا "جن ہستیوں کو

فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ — تم سمجھتے تھے میرے ساتھ

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۵۲ — شریک ہیں اب انھیں بلاؤ"

وہ پکاریں گے مگر کچھ جواب نہیں پائیں گے۔ ہم نے ان دونوں کے درمیان آڑ کر دی ہے (ایک دوسرے کی سننے والے نہیں) ۵۲۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ — اور مجرم دیکھیں گے آگ بھڑک

فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا رہی ہے اور سمجھ جائیں کے
ع ٧ ١٩ وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۚ ٥٣ اس میں انہیں گرنا ہے اور وہ
کوئی گریز کی راہ نہ پائیں گے! ٥٣ .
وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا اور (دیکھو!) ہم نے اس قرآن
الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ میں لوگوں کی ہدایت کے لیے
مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ ہر طرح کی مثالیں اوٹا لوٹا کر
شَيْءٍ جَدَلًا ٥٤ بیان کر دیں، مگر انسان بڑا ہی
جھگڑالو واقع ہوا ہے! ٥٤

---

٥٤ - قرآن کا یہ اسلوب کیوں ہوا کہ ایك ہی مطلب بار بار دہرایا جاتا ہے اور مختلف شکلوں پر ایك ہی بات لوٹ لوٹ کر آتی ہے؟ ایسا نہ ہوا کہ ہماری علمی کتابوں کی طرح ضبط و ترتیب کے ساتھ تمام مطالب مدون کر دیے جاتے؟

قرآن خود اس بات کو جا بجا آیتوں، مثالوں اور نصیحتوں کی "تصریف" سے تعبیر کرتا ہے، یعنی لوٹا لوٹا کر بیان کرنے سے۔ چنانچہ یہاں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے=

وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ	اور جب لوگوں کے سامنے هدایت
يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى	آ گئی تو ایمان لانے اور طلب گار
وَ يَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ	مغفرت هونے سے انهیں کونسی
تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ	بات روك سکتی هے؟ مگر یهی
اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ ۵۵	که اگلی قوموں کا سا معامله

انهیں بھی پیش آجائے یا همارا عذاب سامنے آکھڑا هو! ۵۵ .

= اور ان مقامات پر غور کرنے سے اس کے اسلوب بیان کی علت واضح هوجاتی هے .

سورۂ بنی اسراءیل کی آیت ٤١ میں گزر چکا هے ''و لقد صرفنا فی هذا القراٰن لیذکروا''، یعنی قرآن میں مطالب کا لوٹ لوٹ کر بیان میں آنا اس لیے هے که تذکیر و موعظت کا ذریعه هو. پس معلوم هوا اس اسلوب بیان کی علت تذکیر هے . اس بات پر غور کرتے جاؤ، قرآن کے اسلوب بیان کے سارے بهید کھلتے جائیں گے . قرآن کا مقصد تذکیر تها اور تذکیر کا مقصد اسی طرح حاصل هوسکتا تها که اسلوب بیان ایك واعظ و خطیب کی موعظت کا هو، ایك فلسفی کے درس کا نه هو .

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ
اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ
وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ
وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا
هُزُوًا ۝٥٦

اور هم تو پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجتے هیں که (ایمان و عمل کی کامرانیوں کی) بشارت دیں اور (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کردیں، مگر جنھوں نے کفر کی راه اختیار کی هے وه جھوٹی باتوں کی آڑ پکڑ کے جھگڑنے لگتے هیں که اس طرح سچائی کو متزلزل کردیں۔ انھوں نے هماری نشانیوں کو اور اس بات کو جس سے انھیں خبردار کیا گیا هے تمسخر کی بات بنا رکھا هے! ٥٦۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ
بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا
وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ
اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون هوسکتا هے جسے اس کے پروردگار کی آیتیں یاد دلائی جائیں اور وه ان سے گردن

أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِيٓ ءَاذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى ٱلْهُدَىٰ فَلَن يَهْتَدُوٓا۟ إِذًا أَبَدًا ۝٥٧

موڑ لے اور اپنی بدعملیاں بھول جائے جو پہلے کر چکا ہے؟ بلا شبہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ کوئی بات پا نہیں سکتے اور کانوں میں گرانی (کہ صدائے حق سن نہیں سکتے) (۱۳). تم انہیں کتنا ہی سیدھی راہ کی طرف بلاؤ، مگر وہ کبھی راہ پانے والے نہیں! ۵۷.

وَرَبُّكَ ٱلْغَفُورُ ذُو ٱلرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا۟ لَعَجَّلَ لَهُمُ ٱلْعَذَابَ ۚ بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا۟ مِن دُونِهِۦ مَوْئِلًا ۝٥٨

مگر (اے پیغمبر!) تیرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا ہے، بڑا ہی رحمت والا ہے. اگر وہ ان لوگوں کو ان کے عمل کی کمائی پر پکڑنا چاہتا تو فوراً عذاب نازل کر دیتا، لیکن ان کے لیے ایک میعاد ٹھیرادی گئی ہے، اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائیں گے (یعنی سب کو بالآخر اس مقررہ میعاد کی جگہ پہنچنا ہے) ۵۸.

وَ تِلْكَ الْقُرٰى اَهْلَكْنٰهُمْ اور (دیکھو!) یہ (پرانی) بستیاں
لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا ھیں، جب ان کے باشندوں نے
ع ٨ ٢٠ لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ع ٥٩ ظلم کا شیوہ ختیار کیا تو ھم نے
انھیں ھلاك کر دیا. ھم نے ان کی ھلاکت کے لیے ایك میعاد ٹھیرادی تھی ٥٩

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ اور (دیکھو!) جب ایسا ھوا تھا
لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ کہ موسٰی نے اپنے ساتھی خادم
الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ٦٠ سے کہا تھا: میں اپنی کوشش
سے باز آنے والا نہیں جب تك اس جگہ نہ پہنچ جاؤں جہاں دونوں سمندر آملے ھیں. میں تو (اپنی راہ) چلتا ھی رھوں گا ٦٠.

---

٦٠ – آیت ٥٤ سے ٥٧ تك فرمایا تھا کہ منکرین قرآن کی شقاوت انتہائی حد تك پہنچ چکی ھے. طلب حق کی جگہ جدل و نزاع اور عبرت پذیری کی جگہ تمسخر و استہزاء ان کا شیوہ ھے. ان کی عقلیں ماری گئی ھیں اور حواس معطل ھوچکے ھیں. تم کتنی ھی رہ نمائی کرو، راہ پانے والے نہیں! =

=پھر آیت ۵۸ میں فرمایا: منکروں کی ان سرکشیوں کا نتیجہ کیوں اچانک ظہور میں نہیں آجاتا؟ کیوں ان کے لیے خوش حالیاں ہیں اور پیروان حق کے لیے درماندگیاں؟ اس لیے کہ تمہارا پروردگار رحمت والا ہے اور یہاں رحمت کا قانون کام کر رہا ہے۔ رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ ایک خاص وقت تک سب کو مہلت کار ملے۔ چنانچہ مہلت کی رسی ڈھیل دے رہی ہے، لیکن جونہیں مقررہ وقت آ گیا پھر نتائج کا ظہور ٹلنے والا نہیں!

اب آیت ۶۰ میں اسی معاملے کا ایک دوسرا پہلو واضح کیا ہے اور یہ فی الحقیقت کائنات ہستی کے مسائل میں سے ایک نہایت اہم مسئلے کا حل ہے:

فرمایا: بلا شبہ موجودہ حالت ایسی ہی ہے کہ سرکشیوں کے لیے کامرانیاں دکھائی دیتی ہیں، مومنوں کے لیے محرومیاں، لیکن صرف اتنی ہی بات دیکھ کر حقیقت حال کا فیصلہ نہ کر لو۔ یہاں معاملات کی حقیقت وہی نہیں ہوا کرتی جو بظاہر دکھائی دیا کرتی ہے۔ کتنی ہی اچھائیاں ہیں جو فی الحقیقت برائیاں ہوتی ہیں اور کتنی ہی برائیاں ہیں جو فی الحقیقت اچھائیاں ہوتی ہیں۔ تمہاری عقل صرف ظواہر دیکھ کر حکم لگا دیتی ہے، مگر نہیں جانتی ان ظواہر کی تہ میں کیسے بواطن پوشیدہ ہیں۔=

وَ تِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع ۸ ۲۰

اور (دیکھو!) یہ (پرانی) بستیاں ہیں، جب ان کے باشندوں نے ظلم کا شیوہ ختیار کیا تو ہم نے انہیں ہلاك کر دیا. ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایك میعاد ٹھیرادی تھی ۵۹

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

اور (دیکھو!) جب ایسا ہوا تھا کہ موسٰی نے اپنے ساتھی خادم سے کہا تھا: میں اپنی کوشش سے باز آنے والا نہیں جب تك اس جگہ نہ پہنچ جاؤں جہاں دونوں سمندر آملے ہیں. میں تو (اپنی راہ) چلتا ہی رہوں گا ۶۰.

۶۰ - آیت ۵۴ سے ۵۷ تك فرمایا تھا کہ منکرین قرآن کی شقاوت انتہائی حد تك پہنچ چکی ہے. طلب حق کی جگہ جدل و نزاع اور عبرت پذیری کی جگہ تمسخر و استہزاء ان کا شیوہ ہے. ان کی عقلیں ماری گئی ہیں اور حواس معطل ہوچکے ہیں. تم کتنی ہی رہ نمائی کرو، راہ پانے والے نہیں!=

=پھر آیت ۵۸ میں فرمایا : منکروں کی ان سرکشیوں کا نتیجہ کیوں اچانك ظہور میں نہیں آجاتا؟ کیوں ان کے لیے خوش حالیاں ہیں اور پیروانِ حق کے لیے درماندگیاں؟ اس لیے کہ تمہارا پروردگار رحمت والا ہے اور یہاں رحمت کا قانون کام کر رہا ہے ۔ رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ ایك خاص وقت تك سب کو مہلت کار ملے ۔ چنانچہ مہلت کی رسی ڈھیل دے رہی ہے ، لیکن جونہیں مقررہ وقت آگیا پھر نتائج کا ظہور ٹلنے والا نہیں !

اب آیت ۶۰ میں اسی معاملے کا ایك دوسرا پہلو واضح کیا ہے اور یہ فی الحقیقت کائنات ہستی کے مسائل میں سے ایك نہایت اہم مسئلے کا حل ہے :

فرمایا : بلا شبہ موجودہ حالت ایسی ہی ہے کہ سرکشیوں کے لیے کامرانیاں دکھائی دیتی ہیں ، مومنوں کے لیے محرومیاں ، لیکن صرف اتنی ہی بات دیکھ کر حقیقت حال کا فیصلہ نہ کرلو ۔ یہاں معاملات کی حقیقت وہی نہیں ہوا کرتی جو بظاہر دکھائی دیا کرتی ہے ۔ کتنی ہی اچھائیاں ہیں جو فی الحقیقت برائیاں ہوتی ہیں اور کتنی ہی برائیاں ہیں جو فی الحقیقت اچھائیاں ہوتی ہیں ۔ تمہاری عقل صرف ظواہر دیکھ کر حکم لگادیتی ہے ، مگر نہیں جانتی ان ظواہر کی تہ میں کیسے بواطن پوشیدہ ہیں ۔ =

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ ٦١	پھر جب وہ دونوں سمندروں کے ملنے کی جگہ پہنچ گئے تو اس مچھلی کا انھیں خیال نہ رہا

جو اپنے ساتھ رکھ لی تھی . اس نے سمندر میں جانے کے لیے سرنگ کی طرح ایک راہ نکال لی ٦١ .

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝ ٦٢	جب وہ آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے آدمی سے کہا : آج کے سفر نے ہمیں بہت تھکادیا. لاؤ!

صبح کا کھانا کھالیں ٦٢ .

= سرکشوں کے لیے اس وقت کام رانیاں ہیں . مومنوں کے لیے محرومیاں . لیکن کیا فی الحقیقت سرکشوں کی کام رانیاں کام رانیاں ہیں اور مومنوں کی محرومیاں محرومیاں ؟ اس کا تم فیصلہ نہیں کرسکتے . جب پردہ اٹھے گا تو دیکھ لوگے کہ حقیقت حال کیا تھی .

اس حقیقت کی وضاحت کے لیے ایک واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیش آیا تھا .

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝ ٦٣	اس نے کہا : کیا آپ نے نہیں دیکھا جب ہم (سمندر کے کنارے) چٹان کے پاس ٹھیرے تھے تو مجھے مچھلی کا کچھ خیال نہیں رہا تھا. اس نے عجیب

طریقے پر سمندر میں جانے کی راہ نکال لی اور یہ شیطان ہی کا کام ہے کہ میں اس کا ذکر کرنا بالکل بھول گیا ٦٣ .

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ ٦٤	موسیٰ نے کہا '' جو بات ہم چاہتے تھے وہ یہی ہے''. پس

وہ اپنے پاؤں کا نشان دیکھتے ہوے لوٹ گئے ٦٤ ..

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ ٦٥	پھر (جب چٹان کے پاس پہنچے تو) انہیں ہمارے (خاص) بندوں میں سے ایک بندہ مل گیا. اس

شخص پر ہم نے خصوصیت کے ساتھ مہربانی کی تھی اور اسے اپنے

پاس سے (براہ راست) ایک علم عطا فرمایا تھا ۶۵ ۔

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ ۶۶

موسیٰ نے اس سے کہا: آپ اجازت دیں تو آپ کے ساتھ رہوں، بشرطیکہ جو علم آپ کو اس خوبی کے ساتھ سکھایا گیا ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ سکھادیں ۶۶ ۔

قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ

اس نے جواب دیا: ہاں! مگر تم

---

۶۵ ۔ حضرت موسیٰ کی جس شخص سے ملاقات ہوئی اس کی نسبت فرمایا: ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک علم عطا فرمایا تھا ۔ قرآن جب کبھی کسی بات کو اس طرح بولتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بات براہ راست ظہور میں آئی تھی ، یعنی دنیوی وسائل کو اس میں دخل نہ تھا ۔ پس معلوم ہوا وہ شخص صاحب وحی تھا اور اللہ نے اسے براہ راست علم عطا فرمایا تھا ، چنانچہ آگے چل کر اس کا قول آتا ہے ، «ما فعلته عن امری» ، میں نے جو کچھ کیا اللہ کے حکم سے کیا ، اپنی سمجھ سے نہیں کیا ۔

یہ علم خاص جو اسے دیا گیا تھا یقیناً یہ تھا کہ بعض امور کے بواطن و اسرار اس پر کھول دیے گئے تھے ۔

مَعِيَ صَبْرًا ۝۶۷ میرے ساتھ رہ کر صبر نہ
کرسکو گے ۶۷.
وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ جو بات تمھاری سمجھ کے دائرے
تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝۶۸ سے باہر ہے، تم (دیکھو اور)
صبر کرو، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ۶۸.
قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ موسیٰ نے کہا: اگر خدا نے
صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝۶۹ چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے
والا پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں
کروں گا ۶۹.
قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ اس نے کہا: اچھا! اگر تمھیں
عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ میرے ساتھ رہنا ہی ہے تو اس
۹ ع ۲۱ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ع ۷۰ بات کا خیال رکھو کہ جب تک
میں خود تم سے کچھ نہ کہوں، تم کسی بات کی نسبت سوال
نہ کرنا ۷۰.
فَانْطَلَقَا وقفه حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا پھر (ایسا ہوا کہ) دونوں

فِی السَّفِیۡنَۃِ خَرَقَہَا ؕ قَالَ سفر میں نکلے، یہاں تک کہ (سمندر

اَخَرَقۡتَہَا لِتُغۡرِقَ اَہۡلَہَا ۚ کے کنارے پہنچنے اور) کشتی

لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡئًا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾ میں سوار ہوے . اب موسٰی

کے ساتھی نے یہ کیا کہ کشتی میں ایک جگہ دراڑ نکال دی. یہ دیکھتے ہی) موسٰی بول اٹھا: آپ نے کشتی میں دراڑ نکال دی کہ مسافر غرق ہوجائیں . آپ نے کیسی خطرناک بات کی! ٧١ .

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّکَ لَنۡ اس نے کہا: کیا میں نے نہیں

تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۷۲﴾ کہا تھا: تم میرے ساتھ صبر

نہ کرسکو گے؟ ٧٢ .

قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ موسٰی نے کہا: بھول ہوگئی،

وَ لَا تُرۡہِقۡنِیۡ مِنۡ اَمۡرِیۡ اس پر نہ پکڑیے . اگر ایک

عُسۡرًا ﴿۷۳﴾ بات بھول چوک میں ہوجائے

تو آپ سخت گیری کیوں کریں؟ ٧٣ .

فَانۡطَلَقَا وقفه حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا پھر وہ دونوں آگے چلے، یہاں

غُلٰمًا فَقَتَلَہٗ ۙ قَالَ اَقَتَلۡتَ تک کہ (ایک بستی کے قریب

نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ پہنچے اور) انہیں ایک لڑکا ملا .

لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝٧٤ موسیٰ کے ساتھی نے اسے قتل کر ڈالا . اس پر موسیٰ بول اٹھا : آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی، حالانکہ اس نے کسی کی جان نہیں لی تھی . آپ نے کیسی برائی کی بات کی ! ٧٤ .

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ اس نے کہا : کیا میں نے نہیں

لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝٧٥ کہہ دیا تھا : تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے ؟ ٧٥ .

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍۢ موسیٰ نے کہا : اگر پھر میں

بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِىْ ۚ نے کچھ پوچھا تو مجھے اپنے

قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ عُذْرًا ۝٧٦ ساتھ نہ رکھیے گا . اس صورت میں آپ پوری طرح معذور سمجھے جائیں گے ٧٦ .

فَانْطَلَقَا وقفه حَتّٰٓى اِذَآ وہ دونوں اور آگے بڑھے، یہاں

اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَآ تک کہ ایک گاؤں کے پاس پہنچے .

اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا گاؤں والوں سے کہا "ہمارے

فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ ط قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ۝ ۷۷

کھانے کا انتظام کردو"، انہوں نے مہمان نوازی کرنے سے صاف انکار کردیا۔ پھر ان دونوں نے دیکھا گاؤں میں ایک (پرانی) دیوار ہے اور گرنا چاہتی ہے۔ یہ دیکھ کر موسیٰ کے ساتھی نے (اس کی مرمت شروع کردی اور) اسے ازسرنو مضبوط کردیا۔ اس پر موسیٰ (سے نہ رہا گیا اور) بول اٹھا: اگر آپ چاہتے تو اس محنت کا کچھ معاوضہ ان لوگوں سے وصول کرتے (بغیر معاوضے کے بے کار کی محنت کیوں کی؟) ۷۷.

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ج سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ

تب موسیٰ کے ساتھی نے کہا: بس! اب مجھ میں اور تم میں

---

۷۷ - حضرت موسیٰ نے ارادہ کیا تھا کہ خاموش رہیں گے، لیکن ان کا ارادہ چل نہ سکا اور ہر مرتبہ بول اٹھے۔ اس سے معلوم ہوا انسانی عقل مجبور ہے کہ ظواہر پر حکم لگائے، وہ اس سے رک نہیں سکتی۔ مگر یہیں ٹھوکر کھاتی ہے، کیوں کہ بواطن و حقائق تک نہیں پہنچ سکتی۔

عَلَيْهِ صَبْرًا ۝ ۷۸ جدائی کا وقت آ گیا ۔ ہاں! جن

باتوں پر تم سے صبر نہ ہو سکا ان کی حقیقت تمہیں بتلا دیتا ہوں ۷۸۔

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝ ۷۹

سب سے پہلے کشتی کا معاملہ لو، وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کرتے ہیں ۔ وہ جس طرف بڑھ رہے تھے وہاں ایك

پادشاہ ہے (ظالم)، جس کسی کی (اچھی) کشتی پاتا ہے، زبردستی لے لیتا ہے ۔ میں نے چاہا اس کی کشتی میں ایك عیب نکال دوں (تاکہ عیبی دیکھ کر پادشاہ کے آدمی چھوڑ دیں) ۷۹ ۔

وَأَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَآ أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝ ۸۰

باقی رہا لڑکے کا معاملہ تو اس کے ماں باپ مومن ہیں ۔ میں یہ دیکھ کر ڈرا کہ انہیں

سرکشی اور کفر کر کے اذیت پہنچائے گا ۸۰ ۔

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا
رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً
وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ٥ ٨١

پس میں نے چاها که ان کا
پروردگار اس لڑکے سے بهتر
انهیں لڑکا دے، دین داری میں
بهی اور محبت کرنے میں بهی ۸۱ .

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ
يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ
وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا
وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ
فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ
اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا
كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ
وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ۗ
ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ

اور وه جو دیوار درست کردی
گئی تو (اس کا معامله بهی
ایسا هی هے). وه شهر کے
دو یتیم لڑکوں کی هے جس کے
نیچے ان کا خزانه گڑا هوا هے،
ان کا باپ ایك نیك آدمی تها .
پس تمهارے پروردگار نے
چاها دونوں لڑکے اپنی جوانی کو
پهنچیں اور اپنا خزانه محفوظ

۱۰
ع
۱
عَلَيۡهِ صَبۡرًا ؕ ۸۲ پا کر نکال لیں. (اگر وہ دیوار

گر جاتی تو ان کا خزانہ محفوظ نہ رہتا، اس لیے ضروری ہوا کہ اسے مضبوط کر دیا جائے). یہ ان لڑکوں کے حال پر پروردگار کی ایک مہربانی تھی جو اس طرح ظہور میں آئی. اور (یاد رکھو!) میں نے جو کچھ کیا اپنے اختیار سے نہیں کیا (اللہ کے حکم سے کیا). یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم صبر نہ کرسکے ۸۲.

وَيَسۡـَٔلُونَكَ عَن ذِي ٱلۡقَرۡنَيۡنِ ۖ (اے پیغمبر!) تم سے ذوالقرنین
قُلۡ سَأَتۡلُواْ عَلَيۡكُم مِّنۡهُ کا حال دریافت کرتے ہیں.

---

۸۲ - حضرت موسیٰ کے ساتھی نے تین باتیں کہیں. تینوں کا ظاہر برا تھا، لیکن تینوں کی تہ میں بہتری ہی بہتری تھی. حضرت موسیٰ ظاہر دیکھ رہے تھے، لیکن ان کے ساتھی پر اللہ نے باطن روشن کر دیا تھا. اگر اسی طرح ظواہر کا پردہ اٹھ جائے اور وہ حقیقتیں سب کے سامنے آ جائیں جو حضرت موسیٰ کے ساتھی کے سامنے آ گئی تھیں تو دنیا کا کیا حال ہو؟ سارے احکام کس طرح بدل جائیں! لیکن نہیں، حکمت الٰہی یہی ہے کہ پردہ نہ اٹھے، کیوں کہ اسی پردے سے عمل کی ساری آزمایش قائم ہے اور ضروری ہے کہ آزمایش ہوتی رہے.

ذِكْرًا ۚ ٨٣ — تم کہہ دو: میں اس کا کچھ حال

تمھیں (کلام الٰہی میں) پڑھ کر سنا دیتا ہوں ٨٣ ۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ — ہم نے اسے زمین میں حکمرانی

وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ — دی تھی، نیز اس کے لیے ہر طرح

سَبَبًا ۙ ٨٤ — کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا ٨٤۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ ٨٥ — تو (دیکھو!) اس نے (پہلے

ایک مہم کے لیے) ساز و سامان کیا (اور پچھم کی طرف نکل

کھڑا ہوا) ٨٥ ۔

حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ — یہاں تک کہ (چلتے چلتے)

الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ — سورج کے ڈوبنے کی جگہ

فِیْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ — پہنچ گیا۔ وہاں اسے سورج

عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يٰذَا — ایسا دکھائی دیا جیسے ایک سیاہ

الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ — دل دل کی جھیل میں ڈوب جاتا

وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ — ہے اور اس کے قریب ایک

حُسْنًا ۝ ۸۶ گروہ کو بھی آباد پایا۔ ہم نے

کہا : اے ذو القرنین ! (اب یہ لوگ تیرے اختیار میں ہیں) تو

چاہے انہیں عذاب میں ڈالے، چاہے اچھا سلوک کر کے اپنا بنالے ۸۶.

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ ذو القرنین نے کہا:(ہم نا انصاف

نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ کرنے والے نہیں) جو سرکشی

فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ ۸۷ کرے گا اسے ضرور سزا

دیں گے، پھر اسے اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ

(بد اعمالوں کو) سخت عذاب میں مبتلا کرے گا ۸۷ .

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ اور جو ایمان لائے گا اور اچھے

صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ کام کرے گا تو اس کے بدلے

وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا اسے بھلائی ملے گی اور ہم اسے

يُسْرًا ۝ ۸۸ ایسی ہی باتوں کا حکم دیں گے

جس میں اس کے لیے آسانی و راحت ہو ۸۸ .

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ ۸۹ اس کے بعد پھر اس نے تیاری

کی (اور پورب کی طرف نکلا) ۸۹ .

حَتّٰی اِذَا بَلَـغَ مَـطْـلِـعَ یہاں تك كه سورج نكلنے كی
الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَـطْـلُـعُ آخری حد تك پہنچ گیا. اس نے
عَلٰی قَـوْمٍ لَّـمْ نَجْـعَـلْ لَّـهُـمْ دیكھا سورج ایك گروه پر
مِّـنْ دُوْنِـهَـا سِـتْرًا لا ٩٠ نكلتا هے جس سے هم نے ان
كے لئے كوئی آڑ نہیں ركھی هے ٩٠.
كَذٰلِكَ ط وَقَـدْ اَحَطْـنَـا ان كی حالت ایسی هی تهی.
بِـمَا لَـدَيْـهِ خُـبْرًا ۝ ٩١ اور جو كچھ ذوالقرنین كے پاس
تها اس كی همیں پوری پوری خبر هے ٩١.
ثُـمَّ اَتْـبَـعَ سَـبَـبًا ۝ ٩٢ اس نے پهر ساز و سامان تیار كیا
(اور تیسری مهم میں نكلا) ٩٢.
حَتّٰی اِذَا بَلَـغَ بَـيْنَ الـسَّدَّيْنِ یہاں تك كه دو (پہاڑوں كی)
وَجَدَ مِـنْ دُوْنِـهِـمَا قَـوْمًا لا دیواروں كے درمیان پہنچ گیا.
لَّا يَـكَادُوْنَ يَـفْـقَـهُـوْنَ و هاں اس نے دیكھا پہاڑوں
قَـوْلًا ۝ ٩٣
كے اس طرف ایك قوم آباد هے
جس سے بات كہی جائے تو بالكل نہیں سمجھتی ٩٣.

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۹۴

اس قوم نے (اپنی زبان میں) کہا: اے ذو القرنین! یاجوج اور ماجوج اس ملک میں آکر لوٹ مار کرتے ہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک بنا دیں اور اس غرض سے ہم آپ کے لیے کچھ خراج مقرر کر دیں؟ ۹٤.

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ ۹۵

ذو القرنین نے کہا: میرے پروردگار نے جو کچھ میرے قبضے میں دے رکھا ہے وہی میرے لیے بہتر ہے (تمہارے خراج کا محتاج نہیں)۔ مگر تم اپنی قوت سے (اس کام میں) میری مدد کرو۔ میں تمہارے اور یاجوج وماجوج کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں گا ۹۵.

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ

(اس کے بعد اس نے حکم دیا:) لوہے کی سلیں میرے لیے مہیا

انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ ٩٦

کر دو. پھر جب (تمام سامان مہیا ہو گیا اور) دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار اٹھا کر ان کے برابر بلند کر دی تو حکم دیا: (بھٹیاں سلگاؤ اور) دھونکو. پھر جب (اس قدر دھونکا گیا کہ) بالکل آگ (کی طرح لال) ہو گئی تو کہا: گلا ہوا تانبا لاؤ، اس پر انڈیل دیں ٩٦.

فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ؕ ٩٧

چنانچہ (اس طرح ایک ایسی سد بن گئی کہ) یاجوج اور ماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے، نہ اس میں سرنگ لگا سکتے تھے ٩٧.

---

٨٣ تا ٩٧ - اھل کتاب سے معلومات حاصل کر کے لوگوں نے بعض سوالات کیے تھے. انھیں میں ایک سوال ذو القرنین کی نسبت تھا. یہاں اس کا جواب دیا ھے.
فرمایا: ھم نے اسے زمین میں حکمرانی دی تھی اور فتوحات کے سارے ساز و سامان مہیا کر دیے تھے.
پھر اس کی تین مہموں کا ذکر کیا ھے :-
(ا) وہ پچھم کی طرف بڑھتا گیا، یہاں تک کہ ایک ایسے سمندر کے کنارے پہنچ گیا جس کا پانی کیچڑ سے ملا ہوا گدلا تھا اور معلوم ہوتا تھا روز سورج اسی پانی میں =

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۹۸

ذو القرنین نے (تکمیل کار کے بعد) کہا : یہ (جو کچھ ہوا تو فی الحقیقت) میرے پروردگار کی مہربانی ہے ۔ جب میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات ظہور میں آئے گی تو وہ اسے ڈھا کر ریزہ ریزہ کردے گا (مگر اس سے پہلے کوئی اسے ڈھا نہیں سکتا) اور میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات سچ ہے ، ٹلنے والی نہیں ! ۹۸

= ڈوب جاتا ہے ، کیوں کہ حد نگاہ تك خشکی دکھائی نہیں دیتی تھی ۔

(ب) پھر وہ پورب کی طرف چلا ، یہاں تك کہ وحشی قبائل کی ٹولیاں اسے ملیں ۔ وہ کھلے میدانوں میں زندگی بسر کرتے تھے ۔

(ج) پھر وہ نکلا اور ایك ایسی جگہ پہنچا جہاں دو پہاڑوں نے دو دیواروں کی شکل اختیار کرلی ہے ۔ یاجوج اور ماجوج اسی راہ سے آتے تھے اور اس طرف کی بستیوں میں لوٹ مار کرتے تھے ۔ وہاں کے باشندوں کی استدعا پر اس نے وہاں ایك دیوار بنادی جس کی وجہ سے حملہ آوروں کا راستہ بالکل بند ہوگیا ۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۙ ٩٩

اور جس دن وہ بات ظہور میں آئے گی تو اس دن ہم ایسا کریں گے کہ (سمندر کی لہروں کی طرح ان قوموں میں سے) ایک (قوم) دوسری (قوم) کے درمیان بہنے لگے گی اور نرسنگا پھونکا جائے گا اور ساری قوموں کی بھیڑ اکٹھی ہو جائے گی ! ٩٩ .

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ۙ ١٠٠

اس دن ہم منکروں کے سامنے دوزخ اس طرح نمودار کر دیں کے جیسے ایک چیز بالکل سامنے دکھائی دے ١٠٠ .

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ع ١٠١

ع ١١ ٢

وہ منکر جن کی نگاہوں پر ہمارے ذکر سے پردہ پڑ گیا تھا اور (کانوں میں گرانی کہ) کوئی بات سن نہیں سکتے تھے ! ١٠١ .

---

٩٨ تا ١٠١ - جب دیوار تیار ہو گئی تو ذو القرنین نے کہا: یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ ایسا عظیم الشان کام =

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ	جن لوگوں نے کفر کی راہ
يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ	اختیار کی ھے، کیا انھوں نے
اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ	خیال کیا ھے ھمیں چھوڑ کر

= میرے ھاتوں انجام پا گیا ۔ اب اسے کوئی ڈھا نہیں سکتا ۔ ھاں! جب وہ مقررہ وقت آئے گا جس کی اللہ نے خبر دے دی ھے تو بلا شبہ یہ ریزہ ریزہ ھوکر رہ جائے گی اور یہاں ھر چیز کو بالآخر فنا ھونا ھے!

ذو القرنین کے اس قول پر اس کی سرگذشت ختم ھوگئی ۔ اب آیت ۹۹ میں فرمایا: مقررہ وقت آئے گا تو یہ قومیں نکلیں گی اور سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے پر آپڑیں گی ۔ پھر ایک وقت آئے گا جب سب کو اکٹھا ھوجانا ھے اور اس وقت منکرین حق دیکھ لیں گے کہ دوزخ ان کے سامنے ھے!

جب لوگوں کو جمع کرنا مقصود ھوتا ھے تو نرسنگا پھونکا جاتا ھے اور اس کی آواز سنتے ھی ھر گوشے سے لوگ نکل آتے ھیں ۔ فرمایا: ایک ایسی ھی بات اس دن بھی ھونے والی ھے ۔ نرسنگا پھونکا جائے گا کہ سب اکٹھے ھوجائیں!

لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝ ١٠٢ ھمارے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں؟ (انھیں معلوم ھونا چاھیے کہ) ھم نے کافروں کی مہمانی کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ھے! ١٠٢.

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ ١٠٣ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے: ھم تمھیں خبر دے دیں کون لوگ اپنے کاموں میں سب سے زیادہ نامراد ھوے؟ ١٠٣.

الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ ١٠٤ وہ جن کی ساری کوششیں دنیا کی زندگی میں کھوئی گئیں اور وہ اس دھوکے میں پڑے ھیں کہ بڑا اچھا کارخانہ بنا رھے ھیں! ١٠٤.

١٠٢- آیت ١٠٢ سے سلسلۂ خطاب پھر منکرین دعوت کی طرف متوجہ ھو گیا ھے اور اس طرف اشارہ کیا ھے کہ ان کی تمام کوششیں اکارت جانے والی ھیں اور کلمۂ حق کی کامیابی اٹل ھے.

١٠٤ - آیت ١٠٤ میں انسان کی نامرادیوں کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ھے! ”جن لوگوں کی کوششیں =

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ۱۰۵

یہی لوگ ہیں کہ اپنے پروردگار کی آیتوں سے اور اس کے حضور حاضر ہونے سے منکر ہوے پس ان کے سارے کام اکارت گئے اور اس لیے قیامت کے دن ہم ان (کے اعمال) کا کوئی وزن تسلیم نہیں کریں گے ۱۰۵ ۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَ اتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَ رُسُلِيْ

انھوں نے جیسی کچھ کفر کی راہ اختیار کی تھی اور ہماری

= اس زندگی میں کھوئی جاتی ہیں اور وہ اس دھوکے میں رہتے ہیں کہ ہم بڑے بڑے کارخانے بنارہے ہیں!".

غور کرو! کتنی ہی زندگیاں ہیں جن کا ہر لمحہ طرح طرح کی کوششوں میں بسر ہوتا ہے، لیکن ان کی کوئی کوشش بھی کام یاب نہیں ہوتی اور جب پردۂ غفلت ہٹتا ہے تو صاف دیکھ لیتے ہیں کہ جد و جہد کی ساری زندگی رایگاں گئی! وہ ہمیشہ اسی دھوکے میں رہتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات بنالی اور فلاں کارخانہ درست کرلیا، حالانکہ بنتا ونتا کچھ بھی نہیں، سرتاسر بگڑتا ہی جاتا ہے!

هُـزُوًا ۝ ١٠٦ آیتوں اور رسولوں کی ھنسی
اڑاتی تھی تو عذاب دوزخ اس کا (لازمی) نتیجه ھے ١٠٦.

اِنَّ الَّـذِيْنَ اٰمَـنُوْا وَعَمِـلُوا لیکن جو لوگ ایمان لائے اور
الصّٰـلِحٰتِ كَانَـتْ لَهُمْ جَنّٰتُ اچھے کام کیے تو ان کی
الْـفِـرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ ١٠٧ مہمانی کے لیے فردوس کے
باغ ھوں گے ١٠٧.

خٰـلِدِيْنَ فِيْـهَا لَا يَبْـغُوْنَ وہ ھمیشه ان میں رھیں گے،
عَـنْهَا حِوَلًا ۝ ١٠٨ کبھی نہیں چاھیں گے که اپنی
جگه بدلیں! ١٠٨.

قُـلْ لَّـوْ كَانَ الْـبَحْـرُ مِـدَادًا (اے پیغمبر!) اعلان کردے:
لِّـكَلِمٰـتِ رَبِّيْ لَـنَفِـدَ الْـبَحْرُ اگر میرے پروردگار کی باتیں
قَـبْـلَ اَنْ تَـنْفَـدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ لکھنے کے لیے دنیا کے تمام سمندر
وَلَـوْ جِـئْـنَا بِـمِـثْلِهٖ مَدَدًا ۝ ١٠٩ سیاھی بن جائیں تو سمندر کا پانی
ختم ھو جائے گا، مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نه ھوں گی.
اگر ان سمندروں کا ساتھ دینے کے لیے ویسے ھی سمندر اور بھی

پیدا کردیں جب بھی وہ کفایت نہ کریں! ۱۰۹ .

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۧ ۱۱۰

(نیز) کہہ دے: میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ تمہارے ہی جیسا ایك آدمی ہوں، البتہ اللہ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ تمہارا معبود وہی ایك ہے . اس کے سوا کوئی نہیں . پس جو کوئی
۱۲ ع ۳
اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے، چاہیے کہ اچھے کام انجام دے اور اپنے پروردگار کی بندگی میں کسی دوسری ہستی کو شریك نہ کرے (بس اس کے سوا میری کوئی پکار نہیں!) ۱۱۰ .

* * *

سورت کے بعض مقامات کی مزید تشریحات :

اصحاب کہف

۱ ـ مسیحی مذہب کے ابتدائی قرنوں میں متعدد واقعات ایسے گزرے ہیں کہ راسخ الاعتقاد عیسائیوں نے مخالفوں کے ظلم و وحشت سے عاجز آکر پہاڑوں کے غاروں میں پناہ لے لی اور آبادیوں سے کنارہ کش ہوگئے، =

= یہاں تك کہ وهیں وفات پا گیئے اور ایك عرصے کے بعد ان کی نعشیں بر آمد هوئیں . چنانچہ ایك واقعه خود روم کے اطراف میں گزرا تها ، ایك انطاکیة (Antioch) کی طرف منسوب هے ، ایك افیسس (Ephesus) میں بیان کیا جاتا هے .

اب یہاں سوال یه پیدا هوتا هے که اس سورت میں جو واقعه بیان کیا گیا هے وه کہاں پیش آیا تها ؟

قرآن نے "کہف" کے ساتھ "الرقیم" کا لفظ بهی بولا هے اور بعض ائمۂ تابعین نے اس کا یہی مطلب سمجها تها که ایك شہر کا نام هے . لیکن چوں که اس نام کا کوئی شہر عام طور پر مشہور نه تها ، اس لیے اکثر مفسرین اس طرف چلے گئے که یہاں "رقیم" کے معنی کتابت کے هیں ، یعنی ان کے غار پر کوئی کتبه لگادیا گیا تها ، اس لیے کتبه والے مشہور هو گئے .

لیکن اگر انهوں نے تورات کی طرف رجوع کیا هوتا تو معلوم هوجاتا که "رقیم" وهی لفظ هے جسے تورات میں "راقیم" کہا گیا هے . اور یه فی الحقیقت ایك شہر کا نام تها جو آگے چل کر "پیٹرا" (Petra) کے نام سے مشہور هوا اور عرب اسے "بطرا" کہنے لگے .

١٩١٨ء کی عالم گیر جنگ کے بعد آثار قدیمه کی تحقیقات کے جو نئے نئے گوشے کهلے هیں ان میں ایك پیٹرا بهی هے =

= اور ان کے انکشافات نے بحث و نظر کا ایک نیا میدان مہیا کر دیا ہے .

جزیرہ نمائے سینا اور خلیج عقبہ سے سیدھے شمال کی طرف بڑھیں تو دو پہاڑی سلسلے متوازی شروع ہو جاتے ہیں اور سطح زمین بلندی کی طرف اٹھنے لگتی ہے . یہ علاقہ نبطی قبائل کا علاقہ تھا اور اسی کی ایک پہاڑی سطح پر " راقیم " نامی شہر آباد تھا . دوسری صدی عیسوی میں جب رومیوں نے شام اور فلسطین کا الحاق کر لیا تو یہاں کے دوسرے شہروں کی طرح راقیم نے بھی ایک رومی نو آبادی کی حیثیت اختیار کر لی اور یہی زمانہ ہے جب پیٹرا کے نام سے اس کے عظیم الشان مندروں اور تھیٹروں کی شہرت دور دور تک پہنچی . سنہ ٦٤٠ء میں جب مسلمانوں نے یہ علاقہ فتح کیا تو راقیم کا نام بہت کم زبانوں پر رہا تھا . یہ رومیوں کا پیٹرا اور عربوں کا بطرا تھا .

جنگ کے بعد سے اس علاقے کی ازسر نو اثری پیمایش کی جارہی ہے اور نئی نئی باتیں روشنی میں آرہی ہیں . ازانجملہ اس علاقے کے عجیب وغریب غار ہیں جو دور دور تک چلے گئے ہیں اور نہایت وسیع ہیں . نیز اپنی نوعیت میں ایسے واقع ہوئے ہیں کہ دن کی روشنی کسی طرح بھی ان کے اندر نہیں پہنچ سکتی . ایک غار ایسا بھی ملا ہے =

= جس کے دھانے کے پاس قدیم عمارتوں کے آثار پائے جاتے ھیں اور بے شمار ستونوں کی کرسیاں شناخت کی گئی ھیں. خیال کیا گیا ھے کہ یہ کوئی معبد ھوگا جو یہاں تعمیر کیا گیا تھا.

اس انکشاف کے بعد قدرتی طور پر یہ بات سامنے آجاتی ھے کہ اصحاب کہف کا واقعہ اسی شہر میں پیش آیا تھا اور قرآن نے صاف صاف اس کا نام "الرقیم" بتلا دیا ھے. اور جب اس نام کا ایك شہر موجود تھا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ رقیم کے معنی میں تکلفات کیے جائیں اور بغیر کسی بنیاد کے اسے کتبہ پر محمول کیا جائے.

علاوہ بریں دوسرے قرائن بھی اس بات کی تصدیق کرتے ھیں.

قرآن نے جس طرح اس واقعے کا ذکر کیا ھے اس سے صاف معلوم ھوتا ھے کہ اس واقعے کی عرب میں شہرت تھی، لوگ اس بارے میں بحثیں کیا کرتے تھے اور اسے ایك نہایت ھی عجیب و غریب بات تصور کرتے تھے. اب یہ ظاھر ھے کہ مشرکین عرب کے وسائل معلومات محدود تھے. بہت کم امکان ھے کہ دور کی باتیں ان کے علم میں آئی ھوں. پس ضروری ھے کہ یہ قرب و جوار ھی کی کوئی بات ھو اور ان لوگوں کی زبانی سنی جاسکے=

=جن سے ھمیشه عربوں کا ملنا جلنا رھتا ھو۔ ایسے لوگ کون ھوسکتے تھے؟ اگر اسے پیٹرا کا واقعه قرار دیا جائے تو بات بالکل واضح ھو جاتی ھے ۔ اول تو خود یه مقام عرب سے قریب تھا ، یعنی عرب کی سرحد سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر۔ ثانیاً نبطیوں کی وھاں آبادی تھی اور نبطیوں کے تجارتی قافلے برابر حجاز میں آتے رھتے تھے۔ یقیناً نبطیوں میں اس واقعے کی شہرت ھوگی اور انھیں سے عربوں نے سنا ھوگا۔

خود قریش مکه کے تجارتی قافلے بھی ھر سال شام جایا کرتے تھے اور سفر کا ذریعه وھی شاہ راہ تھی جو رومیوں نے ساحل خلیج سے لے کر ساحل مارمورا تک تعمیر کردی تھی (۱٤). پیٹرا اسی شاہ ھراہ پر واقع تھا بلکه اس نواح کی سب سے پہلی تجارتی منڈی تھی، اس لیے اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ھوسکتی ھے که یه واقعه ان کے علم میں آگیا ھو. (۱۵) عرب جاھلیه میں اس واقعے کی صحت ضرور تھی ۔ امية بن ابی الصلت :

و لیس بہا الا الرقیم مجاورا
و صیدھم و القوم فی الکہف ھمد(۱٦)

اس سلسلے میں چند باتیں اور تشریح طلب ھیں :

(ا) آیت ۹ " ام حسبت ان اصحاب الکہف و الرقیم=

اصل واقعه

= کانوا من اٰیتنا عجبا" کا اسلوب خطاب صاف کہہ رہا ہے
کہ کچھ لوگ "اصحاب الکھف والرقیم" کے نام سے مشہور
ہیں۔ ان کا معاملہ قدرت الٰہی کا ایک عجیب و غریب
کرشمہ سمجھا جاتا ہے، لوگوں نے پیغمبر اسلام سے ان کا
ذکر کیا ہے اور اب وحی الٰہی اس معاملے کی حقیقت
واضح کر رہی ہے۔ چنانچہ پہلے مجملاً اس کا خلاصہ اور
نتیجہ بتلا دیا کہ جو کچھ پیش آیا تھا وہ اس سے زیادہ
نہیں ہے اور جو کچھ عبرت و تذکیر کی بات ہے وہ یہ ہے۔
پھر آیت ۱۳ میں فرمایا: "نحن نقص علیك نباھم بالحق".
اب ہم تجھے ان کی سچی خبر سنا دیتے ہیں۔ یعنی واقعے کی
تفصیلات بیان کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد تفصیلات
بیان کی ہیں۔

یہ مجمل خلاصہ جو آیت ۱۰ سے ۱۲ تك بیان کیا ہے،
تمام سرگذشت کا ماحصل ہے۔ اسی کی روشنی میں بقیہ
تفصیلات پڑھنی چاہییں۔ فرمایا: چند نوجوان تھے جنہوں
نے سچائی کی راہ میں دنیا اور دنیا کی راحتوں سے منہ موڑا
اور ایك غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔ ان کے پیچھے ظلم
وستم کی قوتیں تھیں، سامنے غار کی تاریکی و وحشت۔
تاہم وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا: خدایا!
تیری ہی رحمت کا آسرا ہے اور تیری ہی چارہ سازی پر=

"أي الحزبين أحصى"

=بھروسا! چنانچه کئی سال تك وہ وهیں رہے اور اس طرح رہے که دنیا کی صداؤں کی طرف سے ان کے کان بالکل بند تھے. پھر هم نے انهیں اٹھا کھڑا کیا تاکه واضح هوجائے ان دونوں جماعتوں میں سے کون گروہ تھا جس نے اس عرصے میں نتائج عمل کا بهتر اندازہ کیا هے. یعنی صورت حال نے دو جماعتیں پیدا کردی تھیں: ایك اصحاب کهف تھے، ایك ان کے مخالف. ایك نے حق کی پیروی کی، دوسرے نے ظلم و تشدد پر کمر باندھی. یه چند برسوں کی مدت دونوں جماعتوں پر گزری تھی: اس پر بھی جو غار میں پناہ لینے پر مجبور هوئی اور اس پر بھی جس نے غار میں پناہ لینے کے لیے انهیں مجبور کیا. اب دیکھنا یه تھا که دونوں میں سے کس نے کمایا هے اور کس نے کھویا هے؟ کون ان دونوں میں وقت کا بهتر اندازہ شناس تھا؟

چنانچه آگے چل کر جو تفصیلات آتی هیں ان سے واضح هو جاتا هے که ظالم جماعت کے ظلم کی عمر بهت تھوڑی تھی اور بالآخر وهی راہ فتح مند هونے والی تھی جو اصحاب کهف نے اختیار کی تھی، کیوں که بالآخر مسیحی دعوت تمام ملك میں پھیل گئی اور جب کچھ عرصے کے بعد وہ غار سے نکلے اور ایك آدمی کو آبادی میں بھیجا تو اب=

= مسیحی ہونا کوئی نا قابل معاف جرم نہیں تھا. عزت و سر براہی کی سب سے بڑی عظمت تھی !

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان پرستاران حق کی استقامت ہی تھی جس نے دعوت حق کو فتح مند کیا. اگر وہ مظالم سے تنگ آکر اتباع حق سے دست بردار ہو جاتے تو یقیناً یہ انقلاب ظہور میں نہیں آتا .

(ب) اس کے بعد واقعہ کی بعض تفصیلات واضح کر دی ہیں . جو لوگ خدا پرستی کی راہ اختیار کرتے تھے . ان کی مخالفت میں تمام باشندے کمر بستہ ہو جاتے اور اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آتے تو سنگ سار کرتے. یہ حالت دیکھ کر انہوں نے فیصلہ کیا آبادی سے منہ موڑیں اور کسی غار میں معتکف ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں ، چنانچہ ایک غار میں مقیم ہو گئے .

غار کی نوعیت

ان کا ایک وفادار کتا تھا ، وہ بھی ان کے ساتھ غار میں چلا گیا . جس غار میں انہوں نے پناہ لی وہ اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ اگرچہ اندر سے کشادہ ہے اور دہانہ کھلا ہوا ، لیکن سورج کی کرنیں اس میں راہ نہیں پاسکتیں ، نہ تو چڑھتے دن میں ، نہ ڈھلتے میں . جب سورج نکلتا ہے تو دہنی جانب رہتے ہوئے گزر جاتا ہے، جب ڈھلتا ہے تو بائیں جانب رہتے ہوئے غروب ہو جاتا ہے=

= یعنی غار اپنے طول میں شمال و جنوب رویہ واقع ہے۔ ایک طرف دہانہ ہے، دوسری طرف منفذ۔ روشنی اور ہوا دونوں طرف سے آتی ہے، لیکن دھوپ کسی طرف سے بھی راہ نہیں پاسکتی۔

اس صورت حال سے بیک وقت دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ زندہ رہنے کے لیے وہ نہایت محفوظ اور موزوں مقام ہے، کیوں کہ ہوا اور روشنی کی راہ موجود ہے، مگر دھوپ کی تپش پہنچ نہیں سکتی۔ پھر اندر سے کشادہ ہے، جگہ کی کمی نہیں۔ دوسری یہ کہ باہر سے دیکھنے والوں کے لیے اندر کا منظر بہت ڈراونا ہوگیا ہے، کیوں کہ روشنی کے منافذ موجود ہیں، اس لیے بالکل اندھیرا نہیں رہتا۔ سورج کسی وقت سامنے آتا نہیں، اس لیے بالکل اجالا بھی نہیں ہوتا۔ روشنی اور اندھیرے کی ملی جلی حالت رہتی ہے۔ اور جس غار کی اندرونی فضا ایسی ہو اسے باہر سے جھانک کر دیکھا جائے تو اندر کی ہر چیز ضرور ایک بھیانک منظر پیش کرے گی۔

اقلاب حال

یہ لوگ کچھ عرصے تک غار میں رہے۔ اس کے بعد نکلے تو انہیں کچھ اندازہ نہ تھا کتنے عرصے تک اس میں رہے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے باشندوں کا وہی حال ہوگا جس حال =

= میں انہیں چھوڑا تھا ۔ لیکن اس عرصے میں یہاں انقلاب ہوچکا تھا ۔ اب غلبہ ان لوگوں کا تھا جو اصحاب کہف ہی کی طرح خدا پرستی کی راہ اختیار کرچکے تھے۔ جب ان کا ایک آدمی شہر میں پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اب وہی لوگ جنھوں نے انہیں سنگ سار کرنا چاہا تھا، ان کے ایسے معتقد ہو گئے کہ ان کے غار نے زیارت گاہ عام کی حیثیت اختیار کرلی اور امراء شہر نے فیصلہ کیا کہ یہاں ایک ہیکل تعمیر کیا جائے۔

(ج) اصحاب کہف نے یہ مدت کس حال میں بسر کی تھی ؟ اس بارے میں قرآن نے صرف اس قدر اشارہ کیا ہے کہ ''فضربنا علی اٰذانهم فی الکهف سنین عددا'' -۱۱۔ ''ضرب علی الآذان'' کے صاف معنی تو یہ ہیں کہ ان کے کان دنیا کی طرف سے بند ہو گئے تھے، یعنی دنیا کی کوئی صدا ان تک نہیں پہنچتی تھی۔ لیکن مفسرین نے اسے نیند پر محمول کیا ہے، یعنی ان پر نیند طاری ہو گئی تھی۔ اور چوں کہ نیند کی حالت میں آدمی کوئی آواز نہیں سنتا، اس لیے اس حالت کو ''ضرب علی الآذان'' سے تعبیر کیا گیا۔ (۱۷)

ضرب علی الآذان

اصل یہ ہے کہ اصحاب کہف کا جو قصہ عام طور پر مشہور ہو گیا تھا وہ یہی تھا کہ غار میں برسوں تک =

= سوتے رهے ، اس لیے یہ کوئی عجیب بات نہیں
کہ بعد کو بھی اسی طرح کی روایتیں مشہور ہو گئیں.
عرب میں قصے کے اصلی راوی شام کے نبطی تھے. اور هم
دیکھتے هیں کہ اس قصے کی اکثر تفصیلات تفسیر کے
انھیں راویوں پر جاکر منتہی هوتی هیں جو اهل کتاب
کے قصوں کی روایت میں مشہور هوچکے هیں، مثلاً ضحاك
اور سدی. بہر حال اگر یہاں " ضرب علی الآذان" سے مقصود
نیند کی حالت هو تو پھر مطلب یہ قرار پائے گا کہ وہ
غیر معمولی مدت تك نیند کی حالت میں پڑے رهے اور
" ثم بعثنهم " کا مطلب یہ کرنا پڑے گا کہ اس کے بعد نیند
سے بیدار هو گئے.

یہ بات کہ ایك آدمی پر غیر معمولی مدت تك نیند کی
حالت طاری رهے اور پھر بھی زندہ رهے، طبی تجارب
کے مسلمات میں سے هے اور اس کی مثالیں همیشہ تجربے
میں آتی رهتی هیں. پس اگر اصحاب کہف پر قدرت الٰہی
سے کوئی ایسی حالت طاری هو گئی هو جس نے غیر معمولی
مدت تك انھیں سلائے رکھا تو یہ کوئی مستبعد بات نہیں،
البتہ قرآن حکیم کی تصریح اس بارے میں ظاهر اور قطعی
نہیں هے. =

تفسیر ”وتحسبهم ایقاظا وهم رقود“

=(د) آیت ١٨ ”وتحسبهم ایقاظًا وهم رقود“ کا مطلب کیا ھے؟ اس میں اس صورت حال کی طرف اشارہ کیا ھے جو نزول قرآن کے وقت تھی یا جو حالت اس غار کی ایک مدت تک ابتداء میں رہ چکی تھی؟ دونوں صورتیں ھوسکتی ھیں ۔

اس سے معلوم ھوا کہ انقلاب حال کے بعد اصحاب کہف نے غار کی گوشہ نشینی ترک نہیں کی تھی ، اسی میں رھے یہاں تک کہ انتقال کر گئے ۔ ان کے انتقال کے بعد غار کی حالت ایسی ھو گئی کہ باھر سے کوئی دیکھے تو معلوم ھو زندہ آدمی موجود ھیں ۔ دھانے کے قریب ایک کتا دونوں ھاتھ آگے کیے بیٹھا ھے ، حالانکہ نہ آدمی زندہ ھیں ، نہ کتا ھی زندہ ھے !

لیکن باھر سے دیکھنے والا انہیں زندہ اور جاگتا کیوں سمجھے؟ اگر ان کی نعشیں پڑی ھیں تو نعشوں کو کوئی زندہ تصور نہیں کرسکتا ۔ اگر ”رقود“ سے مقصود سونے کی حالت ھے اور وہ لیٹے ھوے ھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک لیٹا ھوا آدمی دیکھنے والے کو جاگتا دکھائی دے ۔

مفسرین نے یہ اشکال محسوس کیا ، لیکن اس کا کوئی =

= حل دریافت نه کرسکے . بعضوں نے کہا: وہ اس لیے جاگتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں . لیکن اگر ایك بے حس و حرکت نعش پڑی دکھائی دے اور اس کی آنکھیں کھلی ہوں تو دیکھنے والا اسے ہشیار و بیدار کیوں سمجھنے لگا ؟ یہی سمجھے گا کہ مر گیا ہے مگر آنکھیں کھلی رہ گئی ہیں. بعضوں نے کہا: " نقلبہم ذات الیمین و ذات الشمال " کی وجہ سے وہ بیدار دکھائی دیتے ہیں . یعنی چوں کہ دھنے بائیں کروٹ بدلتی رہتی ہے ، اس لیے دیکھنے والا خیال کرتا ہے یہ بیدار ہیں . لیکن یہ توجیہ پہلے سے بھی زیادہ بے معنی ہے . اول تو کروٹ بدلنا بیداری کی دلیل نہیں . آدمی گھری سے گھری نیند میں ہوتا ہے اور کروٹ بدلتا ہے . ثانیاً اگر کروٹ بدلتے ہوں گے تو کچھ وقفے کے بعد بدلتے ہوں گے. یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ہر آن کروٹ بدلتے ہی رہتے ہوں اور جب کبھی کوئی جھانك کر دیکھے انہیں کروٹ بدلتا ہی پائے ! لطف یہ ہے کہ " نقلبہم ذات الیمین ۔ ذات الشمال " کی تفسیر میں یہی مفسر ہمیں بتلاتے ہیں کہ بعضوں کے نزدیك سال میں دو دفعہ کروٹ بدلتی ہے . بعضوں کے نزدیك ایك مرتبہ. بعض کہتے ہیں: تین سال بعد، بعض =

= کہتے ہیں: نو سال بعد!

علاوہ بریں قرآن نے یہ بات جس اسلوب و شکل میں بیان کی ہے اس پر ان نکتہ سنجوں نے غور نہیں کیا. «او اطلعت علیہم لولیت منہم فرارا و لملئت منہم رعبا»، یعنی غار کے اندر کا منظر اس درجہ دہشت انگیز ہے کہ اگر تم جھانک کر دیکھو تو خوف کے مارے کانپ اٹھو اور الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہو. اس سے معلوم ہوا غار کے اندر اصحاب کہف کے اجسام نے ایسا منظر پیدا کردیا ہے جو بے حد دہشت انگیز ہے. اگر کوئی آدمی باہر سے دیکھے تو دیکھنے کے ساتھ ہی اس پر دہشت چھا جائے، معاً الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو. اب اگر اندر کا منظر صرف اتنا ہی تھا کہ چند آدمی لیٹے ہوے ہیں اور آنکھیں کھلی ہوئی ہیں تو یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے اس درجہ دہشت انگیزی پیدا ہوسکے. علاوہ بریں جو آدمی باہر سے جھانکے گا وہ اتنا باریک بین نہیں ہوسکتا کہ غار کی تاریکی میں لیٹے ہوے آدمیوں کی آنکھیں بھی بہ اول نظر دیکھ لے اور وہ بھی اس حالت میں کہ دہنے یا بائیں کروٹ پر لیٹے ہوے ہوں!

در اصل یہ سارا معاملہ ہی دوسرا ہے اور جب تک=

= مفسرین کے پیدا کیے ہوئے تخیل سے بالکل الگ ہو کر تحقیق نہ کی جائے، اصلیت کا سراغ نہیں مل سکتا۔

مفسرین کی حیرانیاں اور انکشاف حقیقت

(ہ) سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو حالت اس آیت میں بیان کی گئی ہے وہ کس وقت کی ہے۔ اس وقت کی ہے جب وہ نئے نئے غار میں جا کر مقیم ہوئے تھے؟ یا اس وقت کی جب انکشاف حال کے بعد دوبارہ معتکف ہو گئے؟ مفسرین نے خیال کیا اس کا تعلق پہلے وقت سے ہے اور یہی بنیاد کی غلطی ہے جس نے سارا الجھاؤ پیدا کر دیا ہے۔ در اصل اس کا تعلق بعد کے حالات سے ہے۔ یعنی جب وہ ہمیشہ کے لیے غار میں گوشہ نشین ہو گئے اور پھر کچھ عرصے کے بعد وفات پا گئے تو غار کے اندرونی منظر کی یہ نوعیت ہو گئی تھی: «تحسبہم ایقاظا و ہم رقود»۔ «ایقاظ» سے مقصود ان کا زندہ ہونا ہے اور «رقود» سے مردہ ہونا، نہ کہ بیداری اور خواب۔ چنانچہ عربی میں زندگی و موت کے لیے یہ تعبیر عام و معلوم ہے۔

پھر یہ بات سامنے لانی چاہیے کہ یہ واقعہ مسیحی دعوت کی ابتدائی صدیوں کا ہے اور جنہیں پیش آیا تھا وہ عیسائی تھے۔ صرف اتنی بات پر غور کرنے سے سارا معاملہ حل ہو جاتا ہے۔ =

=مسیحی دعوت کے ابتدائی قرنوں ہی میں زہد و انزوا کی ایک خاص زندگی شروع ہو گئی تھی جس نے آگے چل کر رہبانیت (موناسٹی سزم=Monasticism) کی مختلف شکلیں اختیار کر لیں۔ اس زندگی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ لوگ ترک علائق کے بعد کسی پہاڑ کے غار میں یا کسی غیر آباد گوشے میں معتکف ہو جاتے تھے اور پھر ان پر استغراق عبادت کی ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ وضع و نشست کی جو حالت اختیار کر لیتے اسی میں پڑے رہتے، یہاں تک کہ زندگی ختم ہو جاتی۔ مثلاً اگر قیام کی حالت میں مشغول ہوے تھے تو برابر کھڑے ہی رہتے اور اسی حالت میں جان دے دیتے۔ اگر گھٹنے کے بل رکوع کی حالت اختیار کی تھی تو یہی حالت آخر تک قائم رہتی۔ اگر سجدے میں سر رکھ دیا تھا تو پھر سجدے ہی میں پڑے رہتے اور مرنے کے بعد بھی اسی وضع میں نظر آتے۔ زیادہ تر گھٹنے کے بل رکوع کی وضع اختیار کی جاتی تھی، کیونکہ عیسائیوں میں تعبد و تضرع کے لیے یہی وضع رائج ہو گئی تھی(١٨)۔

غذا کی طرف سے یہ لوگ بالکل بے پروا ہوتے تھے۔ اگر آبادی قریب ہوتی تو لوگ روٹی اور پانی پہنچا دیا کرتے۔ نہیں ہوتی تو یہ اس کی جستجو نہیں کرتے،=

= عبادت کا استغراق جستجو کی مہلت ھی نہیں دیتا . اس اعتبار سے ان کی حالت ویسی ھی تھی جیسی ھندوستان کے یوگیوں کی رہ چکی ھے اور اب بھی گاہ گاہ نظر آجاتی ھے .

جس طرح زندگی میں انھیں کوئی نہیں چھیڑتا تھا اسی طرح مرنے کے بعد بھی کوئی اس کی جرأت نہ کرتا. مدتوں تك ان کی نعشیں اسی حالت میں باقی رھتیں جس حالت میں انھوں نے زندگی کے آخری لمحے بسر کیے تھے. اگر موسم موافق ھوتا اور درندوں سے حفاظت ھوتی تو صدیوں تك ڈھانچے باقی رھتے اور فاصلے سے دیکھنے والے انھیں زندہ انسان تصور کرتے. چنانچہ ویٹکان(Vatican) کے تہ خانوں میں بے شمار ڈھانچے آج تك محفوظ ھیں جو اسی طرح کے مقامات سے برآمد ھوے تھے اور اپنی اصلی وضع و ھیئت پر باقی تھے.

ابتداء میں اس غرض سے زیادہ تر پہاڑوں کے غار یا پرانی عمارتوں کے کھنڈر اختیار کیے گئے تھے، لیکن آگے چل کر یہ طریقہ اس درجہ عام ھو گیا کہ خاص خاص عمارتیں اس غرض سے تعمیر کی جانے لگیں . یہ عمارتیں اس طرح بنائی جاتی تھیں کہ ان میں آمد و رفت کے لیے کوئی دروازہ نہیں ھوتا تھا، کیوں، کہ جو جاتا تھا =

= وہ پھر باہر نہیں نکلتا تھا۔ صرف ایک چھوٹی سی سلاخ دار کھڑکی رکھی جاتی تھی جو ہوا اور روشنی کا ذریعہ ہوتی اور اسی کے ذریعہ لوگ غذا بھی پہنچا دیتے۔

بعد کو جب رہبانیت (موناسٹی سزم = Monasticism) کے باقاعدہ ادارے قائم ہو گئے تو اس طرح کے انفرادی انزوا کی مثالیں کم ہوتی گئیں۔ تاہم تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ تیرھویں صدی تک یہ طریقہ عام طور پر جاری تھا اور یورپ کی کوئی آبادی ایسی نہ تھی جو اس طرح کی عمارتوں سے خالی ہو۔ ان مقامات کو عام طور پر (Lagette) کہتے تھے۔ اور جب ایک راہب یا راہبہ کا ان میں انتقال ہو جاتا تو ان پر یہ لاطینی لفظ کندہ کر دیا جاتا کہ (TU.ORA) یعنی اس کے لیے دعا کرو۔

(۱۹) تیرھویں صدی میں پیٹر دامرون (Pietro di Murrone) نے جو آگے چل کر پوپ سلسٹائن پنجم (Celestine V) ہوا، راہبوں کا ایک خاص نظام قائم کیا تھا جس کے لیے ضروری تھا کہ سینٹ بینی ڈکٹ (St. Benedict) کے مقررہ قواعد و اصول پر پورے طور پر عمل کرے۔ اس نظام کی شہرت عام طور پر سلسٹائن ہی کے نام سے ہوئی تھی۔ اس نظام کے پیرووں میں بڑی تعداد ایسے =

= راھبوں کی ملتی ھے جو اپنی راھبانہ زندگی کے آخری دور میں اس طرح کی دائمی گوشہ گیری اختیار کر لیتے تھے . مرنے کے بعد ان کی نعشیں انہیں گوشوں میں محفوظ رھتی تھیں .

سینٹ بینی ڈکٹ آف نرسیا (St. Benedict of Nursia) کے حالات ازمنۂ وسطٰی کی تاریکی میں گم ھیں . جو کچھ بھی تاریخ کے حصے میں آیا ھے وہ سینٹ گری گوری (Gregory) کے مکالموں (Dialogues) کی تصریحات ھیں .

گری گوری کے بیان کے مطابق بینی ڈکٹ سنہ ٤٨٠ میں پیدا ھوا . اس وقت روم کے شہروں میں مسیحیت پھیل چکی تھی ، لیکن دیہاتی آبادی میں قدیم رومن عقیدہ باقی تھا . چنانچہ اسی لیے بت پرستوں کے لیے پیگان (Pagan) کا لفظ عیسائی بولنے لگے ، کیوں کہ لاطینی میں دیہاتی باشندوں کو پیگانی (Pagani) کہتے ھیں . بینی ڈکٹ پہلے تعلیم کے لیے روم آیا تھا ، لیکن وھاں کی عیش پرستانہ زندگی کا اس پر وھی اثر پڑا جو ایک ھزار برس بعد مارٹن لوتھر (Martin Luther) پر پڑنے والا تھا . وہ روم سے نکل کر انزیو (Anzio) کے ان غیر آباد کھنڈروں میں چلا گیا جو نیرو (Nero) کے محل کے وھاں واقع تھے . محل کی پہاڑیوں میں ایک غار تھا ، یہ اس غار میں =

= تین سال تک خلوت گزیں رہا۔ اس کے بعد نکلا تو دیہاتیوں کو مسیحی مذہب کی دعوت دینے لگا اور اسی زمانے میں اس کی کرامتوں کی شہرت ہوئی۔

اس نے پہلے راہبوں کے لیے بارہ خانقاہیں بارہ حواریوں کے نام سے بنائی تھیں۔ پھر یہ اپنے خاص شاگرد کو ساتھ لے کر کوہ کاسینو (Cassino) میں چلا آیا اور تقریبا سنہ ٥٢٩ میں یہاں خانقاہ تعمیر کی، جو آج تک کیتھولک (Catholic) عیسائیوں کی ایک متبرک زیارت گاہ ہے۔ بینی ڈکٹ نے راہبوں کے ڈسپلن کے قواعد وضع کیے جو آگے چل کر موناسٹی سزم (Monasticism) کے اساسات قرار پائے۔ ان قواعد کی بنا تین اصولوں پر رکھی تھی۔

تمام تاریخیں متفق ہیں کہ مسیحی رہبانیت سب سے پہلے مشرق میں شروع ہوئی اور اس کا بڑا مرکز فلسطین اور مصر تھا۔ پھر چوتھی صدی مسیحی میں یہ یورپ پہنچی اور سینٹ بینی ڈکٹ (Benedict) نے سب سے پہلے اس کے قواعد وضوابط منضبط کیے۔ سینٹ بینی ڈکٹ نے بھی ایک پہاڑ کی غار ہی میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔

مسیحی رہبانیت کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات بھی =

= واضح ہو جاتی ہے کہ اس کی ابتداء اضطراری حالات سے ہوئی تھی ۔ آگے چل کر اس نے ایك اختیاری عمل کی نوعیت پیدا کرلی ۔ یعنی ابتداء میں لوگوں نے مخالفوں کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر غاروں اور جنگلوں میں گوشہ نشینی اختیار کی ۔ پھر ایسے حالات پیش آئے کہ یہ اضطراری طریقہ زھد و تعبد کا ایك اختیاری اور مقبول طریقہ بن گیا ۔ مزید تشریح اس مقام کی سورۂ حدید کی تشریحات میں ملے گی ۔

(و) بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کا معاملہ بھی تمام تر اسی نوعیت کا تھا ۔ ابتداء میں قوم کے ظلم نے انھیں مجبور کیا تھا کہ غار میں پناہ لیں ، لیکن جب کچھ عرصے تك وہاں مقیم رہے تو زھد و عبادت کا استغراق کچھ اس طرح ان پر چھا گیا کہ پھر دنیا کی طرف لوٹنے پر آمادہ نہ ہو سکے اور گو ملك کی حالت بدل گئی تھی ، لیکن وہ بدستور غار ھی میں معتکف رہے ، یہاں تك کہ ان کا انتقال ہو گیا ۔ انتقال اس حال میں ہوا کہ جس شخص نے ذکر و عبادت کی جو وضع اختیار کرلی تھی وھی وضع آخری لمحوں تك باقی رھی ۔ ان کے وفادار کتے نے بھی آخر تك ان کا ساتھ دیا ۔ وہ پاسبانی کے لیے دھانے کے قریب بیٹھا رہتا تھا ۔ جب اس کے =

= مالک مر گئے تو اس نے بھی وہیں بیٹھے بیٹھے دم توڑ دیا ۔

اب اس واقعے کے بعد غار کے اندرونی منظر نے ایک عجیب دہشت انگیز نوعیت پیدا کر لی ۔ اگر کوئی باہر سے جھانک کر دیکھے تو اسے راہبوں کا ایک پورا مجمع ذکر و تعبد میں مشغول دکھائی دے گا ۔ کوئی گھٹنے کے بل رکوع کی حالت میں ہے ، کوئی سجدے میں پڑا ہے ، کوئی ہاتھ جوڑے اوپر کی طرف دیکھ رہا ہے ۔ دہانے کے قریب ایک کتا ہے ، وہ بھی بازو پھیلائے باہر کی طرف منہ کیے ہوئے ہے ۔ یہ منظر دیکھ کر ممکن نہیں کہ آدمی دہشت سے کانپ نہ اٹھے ، کیوں کہ اس نے یہ سمجھ کر جھانکا تھا کہ مردوں کی قبر ہے ، مگر منظر جو دکھائی دیا وہ زندہ انسانوں کا ہے ۔

(ز) یہ تفسیر سامنے رکھ کر معاملے کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالو ۔ ہر بات اس طرح واضح ہو جاتی ہے گویا تمام قفلوں کو کھلنے کے لیے صرف اسی ایک کنجی کا انتظار تھا ۔ ”و تحسبهم ایقاظا و هم رقود“ کا مطلب بھی ٹھیک ٹھیک اپنی جگہ بیٹھ گیا ۔ کسی دور از کار توجیہ کی ضرورت باقی نہیں رہی ، کیوں کہ اس طرح کا منظر یہی خیال پیدا کرے گا کہ لوگ زندہ ہیں ، حالانکہ زندہ =

= نہیں ۔ " لو اطلعت علیهم لولیت منهم فرارًا و لملئت منهم رعبًا " کی علت بھی سامنے آ گئی اور وہ تمام بے معنی توجیہیں غیر ضروری ہو گئیں جن پر امام رازی مجبور ہوے ہیں ۔ اگر تم کسی قبر کے اندر جھانك کر دیکھو اور تمہیں مردہ نعش کی جگہ ایك آدمی نماز پڑھتا دکھائی دے تو تمہارا کیا حال ہو گا؟ یقینًا مارے دھشت کے چیخ اٹھو گے!

"و نقلبهم ذات الیمین و ذات الشمال"

اسی طرح " و نقلبهم ذات الیمین و ذات الشمال " کی تفسیر میں بھی کسی تکلف کی احتیاج باقی نہ رہی ۔ غار شمال و جنوب رویہ واقع تھا اور ان دونوں جہتوں میں ہوا اور روشنی کے منافذ تھے جیسا کہ آیت " و تری الشمس اذا طلعت " سے متبادر ہوتا ھے ۔ پس بالمقابل منافذ ہونے کی وجہ سے ہوا برابر اندر چلتی رھتی تھی اور ان کے ڈھانچے دھنے سے بائیں اور بائیں سے دھنی جانب اس طرح متحرك رہتے تھے جیسے ایك زندہ آدمی ایك طرف سے پلٹ کر دوسری طرف دیکھے ۔

اس تفسیر کے بعد اس سوال کا جواب بھی خود بخود مل گیا کہ قرآن نے خصوصیت کے ساتھ یہ بات کیوں بیان کی کہ سورج کی کرنیں غار کے اندر نہیں پہنچتیں جیسا کہ آیت ۱۷ میں ھے اور کیوں اسے قدرت الہی کی ایك نشانی فرمایا کہ " ذلك من اٰیٰت الله " ۔ =

ذالك من آیت اللہ

=معلوم ہو گیا کہ یہ در اصل اس بات کی تمہید تھی جو بعد کو آیت ۱۰ میں بیان کی گئی ہے کہ ”تحسبھم ایقاظا وھم رقود“ یعنی چوں کہ یہ بات بیان کرنی تھی کہ مرنے کے بعد ان کی نعشیں عرصے تک باقی رہیں حتی کہ دیکھنے والوں کو زندہ انسانوں کا گمان ہوتا تھا، اس لیے پہلے اس کی علت واضح کر دی کہ جس غار میں معتکف ہوئے تھے وہ اس طرح کا غار تھا کہ انسانی جسم زیادہ سے زیادہ عرصے تک اس میں قائم رہ سکتا تھا، کیوں کہ سورج کی روشنی اس میں پہنچتی رہتی لیکن سورج کی تپش کا اس میں گزر نہ تھا۔ جو چیز نعش کو جلد گلا سڑا دیتی ہے، وہ سورج کی تپش ہے اور جو چیز تازگی پیدا کرتی ہے وہ ہوا اور روشنی ہے ہوا چلتی رہتی تھی، روشنی پہنچتی رہتی ہے، مگر تپش سے پوری حفاظت تھی، وذلك من اٰیٰت اللہ۔

”ثلٰث مائۃ سنین“ کی تفسیر

(ح) ”ولبثوا فی کہفھم ثلٰث مائۃ سنین وازدادوا تسعا“ ۲۵، کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ خود قرآن کی تصریح ہے کہ وہ لوگ اتنی مدت تک غار میں پڑے رہے؟ لیکن اگر ایسا ہے تو پھر اس کے بعد کیوں فرمایا کہ ”قل اللہ اعلم بما لبثوا“؟ مفسرین کو اس اشکال کے دور کرنے میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے،=

= حالانکہ صاف مطلب وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے ، یعنی جس طرح پہلے ان کی تعداد کے بارے میں لوگوں کے مختلف اقوال نقل کیے تھے ، اسی طرح یہاں مدت بقا کے بارے میں لوگوں کا قول نقل کیا ہے . یعنی لوگ کہتے ہیں : غار میں تین سو برس تك رہے ، بعضوں نے اس پر نو برس اور بڑھا دیے . تم کہ دو: اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ فی الحقیقت کتنی مدت گزر چکی ہے . پس یہ قرآن کی تصریح نہیں ہے ، لوگوں کا قول ہے اور "سیقولون" سے نقل اقوال کا کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اسی سلسلے کی یہ آخری کڑی ہے (۲۰). حضرت عبد اللہ بن مسعود سے بھی ایسی ہی تفسیر مروی ہے (۲۱) .

(ط) امام قرطبی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ "اولئك قوم فنوا و عدموا منذ مدة طویلة" یعنی اصحاب کہف کی موت پر ایك مدت گزر چکی ہے ، ان کے اجسام فنا ہو گئے جس طرح ہر جسم فنا ہو جاتا ہے . ایك روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شام کے غزوات میں بعض صحابہ کا گزر اصحاب کہف کے غار پر ہوا تھا اور انہیں ان کی ہڈیاں ملی تھیں . اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس سے اس کی بھی مزید تصدیق ہو گئی =

= کہ یہ واقعہ پیٹرا میں پیش آیا تھا ۔

مسیحی رہبانیت کے طریقے کی نسبت مندرجۂ صدر بیان میں جو اشارات کیے گئے ہیں ان کی تفصیلات کے لیے حسب ذیل کتابیں دیکھنی چاہییں (٢٢).

صاحب موسیٰ علیہ السلام

(٢) آیت ٦٥ میں حضرت موسیٰ کے جس شخص سے ملنے کا ذکر کیا گیا ہے اور جسے اللہ تعالی نے ایک خاص علم عطا فرمایا تھا وہ کون تھا؟ اس بارے میں قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی ہے ، لیکن صحیحین کی روایت سعید بن جبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام خضر تھا (٢٣). اس بارے میں بہت سی روایتیں مفسرین نے نقل کردی ہیں جن کی صحت محل نظر ہے اور تصریحات متناقض اور زیادہ تر اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں ۔

ذو القرنین

(٣) اس سورت میں تیسرا واقعہ جو بیان کیا گیا ہے وہ ذوالقرنین کا ہے ۔ کیوں کہ لوگوں نے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ تمام مفسرین متفق ہیں کہ سوال یہودیوں کی جانب سے تھا، اگرچہ غالباً مشرکین مکہ کی زبانی ہوا، کیوں کہ سورت مکی ہے ۔

(١) قرآن نے ذوالقرنین کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے اس پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل =

=امور سامنے آجاتے ہیں :

اولاً ، جس شخصیت کی نسبت پوچھا گیا ہے وہ یہودیوں میں ذو القرنین کے نام سے مشہور تھی ، یعنی ذو القرنین کا لقب خود قرآن نے تجویز نہیں کیا ہے ، پوچھنے والوں کا مجوزہ ہے، کیوں کہ فرمایا "ویسئلونك عن ذی القرنین" .

ثانیاً ، اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے حکم رانی عطا فرمائی تھی اور ہر طرح کا ساز وسامان جو ایك حکم ران کے لیے ہو سکتا تھا ، اس کے لیے فراہم ہو گیا تھا .

ثالثاً ، اس کی بڑی مہمیں تین تھیں : پہلے مغربی ممالك فتح کیے ، پھر مشرق ، پھر ایك ایسے مقام تك فتح کرتا ہوا چلا گیا جہاں پہاڑی درہ تھا اور اس کی دوسری طرف سے یاجوج و ماجوج آکر لوٹ مار ا مچایا کرتے تھے .

رابعاً ، اس نے وہاں ایك نہایت محکم سد تعمیر کر دی اور یاجوج و ماجوج کی راہ بند ہو گئی .

خامساً ، وہ ایك عادل حکم ران تھا . جب وہ مغرب کی طرف فتح کرتا ہوا دور تك چلا گیا تو ایك قوم ملی جس نے خیال کیا کہ دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح ذو القرنین بھی ظلم و تشدد کرے گا . لیکن ذو القرنین نے=

= اعلان کیا کہ بے گناهوں کے لیے کوئی اندیشہ نہیں ہے.

جو لوگ نیک عملی کی راہ چلیں کے ان کے لیے ویسا هی اجر بھی هو گا. البتہ ڈرنا انہیں چاهیے جو جرم و بد عملی کا ارتکاب کرتے هیں.

سادساً، وہ خدا پرست اور راست باز انسان تها اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا تها.

سابعاً، وہ نفس پرست بادشاهوں کی طرح طامع اور حریص نہ تها. جب ایک قوم نے کہا: یاجوج اور ماجوج هم پر حملہ آور هوتے هیں، آپ همارے اور ان کے درمیان ایک سد تعمیر کردیں، هم خراج دیں کے تو اس نے کہا: "ما مکنی فیہ ربی خیر" جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا هے وهی میرے لیے بہتر هے. میں تمہارے خراج کا طامع نہیں. یعنی میں خراج کی طمع سے یہ کام نہیں کروں گا، اپنا فرض سمجھ کر انجام دوں گا.

تاریخ قدیم کی جس شخصیت میں یہ تمام اوصاف و اعمال پائے جائیں وهی ذو القرنین هو سکتا هے. سوال یہ هے کہ یہ کون شخص تها؟

مفسرین کی حیرانی

سب سے پہلا حل طلب مسئلہ جو مفسرین کے سامنے آیا وہ اس کے لقب کا تها. عربی میں بھی اور عبرانی میں =

= بھی "قرن" کے صاف معنی سینگ کے ہیں۔ پس "ذوالقرنین" کا مطلب ہوا دو سینگوں والا۔ لیکن چوں کہ تاریخ میں کسی ایسے بادشاہ کا سراغ نہیں ملا جس کا ایسا لقب رہا ہو، اس لیے مجبوراً "قرن" کے معنی میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے۔ پھر چوں کہ فتوحات کی وسعت اور مغرب و مشرق کی حکمرانی کے لحاظ سے سکندر مقدونی کی شخصیت سب سے زیادہ مشہور رہی ہے، اس لیے متاخرین کی نظریں اسی کی طرف اٹھ گئیں، چنانچہ امام رازی نے سکندر ہی کو "ذوالقرنین" قرار دیا ہے اور اگرچہ حسب عادت وہ تمام اعتراضات نقل کر دیے ہیں جو اس تفسیر پر وارد ہوتے ہیں، لیکن پھر حسب عادت ان کے بے محل جوابات پر مطمئن بھی ہو گئے ہیں، حالانکہ کسی اعتبار سے بھی قرآن کا "ذوالقرنین" سکندر مقدونی نہیں ہو سکتا۔ نہ تو وہ خدا پرست تھا، نہ عادل تھا، نہ مفتوح قوموں کے لیے فیاض تھا اور نہ ہی اس نے کوئی سد بنائی۔

بہر حال مفسرین ذوالقرنین کی شخصیت کا سراغ نہ لگا سکے۔

اگر ذوالقرنین کے مفہوم کا کوئی سراغ ملتا تھا تو وہ صرف ایک دور کا اشارہ تھا جو حضرت دانیال کی =

= کتاب میں ملتا ھے ، یعنی ایک خواب جس کی نسبت بیان کیا گیا ھے کہ انھوں نے بابل کی اسیری کے زمانے میں دیکھا تھا (دانیال - ٨ : ١ تا ١٠) .

بابل کی اسیری کا زمانہ یہودیوں کے لیے نہایت مایوسی کا زمانہ تھا . ان کی قومیت پامال ہو چکی تھی ، ان کا ھیکل منہدم ھو چکا تھا ، ان کے شہر اجاڑ تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس ھلاکت کے بعد ان کی زندگی کا کیا سامان ھو سکتا ھے . اسی زمانے میں بیان کیا جاتا ھے کہ حضرت دانیال نبی کا ظہور ھوا جو اپنے علم و حکمت کی وجہ سے شاھان بابل کے دربار میں نہایت مقرب ھوگئے تھے . انہیں کی نسبت تورات میں بیان کیا گیا ھے کہ بیل شازار (Belshazzar) شاہ بابل کی سلطنت کے تیسرے برس انھوں نے ایک خواب دیکھا تھا اور اس خواب میں انہیں آنے والے واقعات کی بشارت دی گئی تھی .

چنانچہ کتاب دانیال میں ھے : میں کیا دیکھتا ھوں کہ ندی کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ھے جس کے دو سینگ ھیں . دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے پیچھے تھا . میں نے دیکھا کہ پچھم ، اتر اور دکھن کی طرف وہ سینگ مارتا ھے ، یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا =

=اور وہ بہت بڑا هو گیا. میں یه بات سوچ هی رها تها که دیکهو! پچهم کی طرف سے ایك بکرا آکے تمام روے زمین پر پهر گیا. اس بکرے کی دونوں آنکهوں کے درمیان ایك عجیب طرح کا سینگ تها. وہ دو سینگ والے مینڈهے کے پاس آیا اور اس پر غضب سے بهڑکا اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور مینڈهے کو قوت نه تهی که اس کا مقابله کرے (دانیال ٨ : ١). پهر اس کے بعد هےکه جبریل نمایاں هوا اور اس نے اس خواب کی یه تعبیر بتلائی که دو سینگوں والا مینڈها مادہ اور فارس کی بادشاهت هے اور بال والا بکرا یونان کی. جو بڑا سینگ اس کی آنکهوں کے درمیان دکهائی دیا هے وہ اس کا پہلا بادشاہ هوگا (٨ : ١٠).

دو سینگوں والی شہنشاهی

اس بیان سے معلوم هوا که مادہ (میڈیا = Media) اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیه دی گئی تهی اور چوں که یه دونوں مملکتیں مل کر ایك شہنشاهی بننے والی تهیں، اس لیے شہنشاہ مادہ وفارس کو دوسینگوں والے مینڈهے کی شکل میں ظاهر کیا گیا. پهر اس مینڈهے کو جس نے شکست دی، وہ یونان کے بکرے کا پہلا سینگ تها، یعنی سکندر مقدونی تها جس نے فارس پر حمله کیا اور کیانی شہنشاهی کا خاتمه هو گیا. =

=اس خواب میں بنی اسرائیل کے لیے بشارت یہ تھی کہ ان کی آزادی و خوش حالی کا نیا دور اسی دو سینگوں والی شہنشاہی کے ظہور سے وابستہ تھا، یعنی شہنشاہ فارس بابل پر حملہ کر کے فتح مند ہونے والا تھا اور پھر اسی کے ذریعے بیت المقدس کی از سر نو تعمیر اور یہودی قومیت کی دوبارہ شیرازہ بندی ہونے والی تھی۔ چنانچہ چند برسوں کے بعد سائرس (Cyrus) کا ظہور ہوا۔ اس نے میڈیا اور فارس کی مملکتیں ملا کر ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کر دی اور پھر بابل کو بھی مسخر کر لیا۔

چوں کہ اس خواب میں میڈیا اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی، اس لیے خیال ہوتا تھا کہ عجب نہیں فارس کے شہنشاہ کے لیے یہودیوں میں ''ذوالقرنین'' کا تخیل پیدا ہو گیا ہو، یعنی دو سینگوں والی شہنشاہی، اور وہ اسے اس لقب سے پکارتے ہوں۔ تاہم یہ محض ایک قیاس تھا، اس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہ تھی۔

سائرس کے مجسمے کا انکشاف

لیکن اب سنہ ١٨٣٨ء کے ایک انکشاف نے جس کے نتائج بہت عرصے کے بعد منظر عام پر آئے، اس قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہ سائرس کا لقب ''ذوالقرنین'' تھا اور یہ محض=

= یہودیوں کا کوئی مذھبی تخیل نہ تھا بلکہ خود سائرس کا یا باشندگان فارس کا مجوزہ اور پسندیدہ نام تھا ۔

اس انکشاف نے شك و تخمین کے تمام پردے اٹھا دیے ۔ یہ خود سائرس کی ایك سنگی تمثال ھے جو اصطخر (Pasargadae) کے کھنڈروں میں دستیاب ھوئی ۔ اس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ھے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ھوے ھیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ھیں ۔ اوپر خط میخی میں جو کتبہ کندہ ھے ۔ وہ اس کے لیئے کافی ھے کہ تمثال کی شخصیت واضح ھو جائے (٢٤) ۔ اس سے معلوم ھو گیا کہ مادہ اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دینے کا تخیل ایك مقبول اور عام تخیل تھا اور یقینا سائرس کو ''ذوالقرنین'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا (٢٥) ۔

(ب) اس حقیقت کی وضاحت کے بعد جب سائرس کے ان حالات پر نظر ڈالی جاتی ھے جو یونانی مؤرخوں کی زبانی ھم تك پہنچے ھیں تو معلوم ھوتا ھے کہ قرآن کے بیان کی ھوبہو تصویر ھے اور دونوں بیان اس درجہ باھم مطابقت رکھتے ھیں کہ ممکن نہیں کسی دوسری شخصیت کا وھم و گمان بھی کیا جا سکے ۔ =

سائرس کے حالات کے تاریخی مصادر

= زمانۂ حال کے محققین تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے: پہلا عہد حملۂ اسکندر سے پہلے کا ہے. دوسرا پارتھوی یا ملوك الطوائف کا. تیسرا ساسانی سلاطین کا. فارسی شہنشاہی کی عظمت کا اصلی عہد وہی ہے جو حملۂ اسکندر سے پہلے گزرا اور جس کی تاریخ سائرس کے ظہور سے شروع ہوتی ہے. لیکن بد قسمتی سے اس عہد کے حالات معلوم کرنے کے براہ راست ذرائع مفقود ہو گئے ہیں (٢٦). جس قدر بھی حالات روشنی میں آئے ہیں، تمام تر یونانی تحریروں سے ماخوذ ہیں. ان میں زیادہ معتمد تین مورخ ہیں: ھیروڈوٹس (Herodotus) ٹی سیاز (Ctesies) اور زینوفن (Xenophon).

فتح ایران کے بعد جب عرب مؤرخین نے ایران کی تاریخ مرتب کرنی چاہی تو انہیں جس قدر مواد ہاتھ آیا، وہ تمام تر پارسیوں کی قومی روایات پر مشتمل تھا. ان روایات میں حملۂ اسکندر سے پہلے کا زمانہ اسی طرح کے قومی افسانوں کی نوعیت رکھتا ہے جس طرح ہندوستان میں پرانوں کے افسانے یا مہابھارت اور راماین کے قصے ہیں. البتہ پچھلے دو عہدوں کی روایتیں تاریخی بنیادوں پر مبنی تھیں. جب دقیقی اور فردوسی =

= نے شاهنامه نظم کرنا چاها تو انهیں عربی میں یہی مواد ملا اور اسی کو انهوں نے نظم کا جامه پہنا دیا ۔ پس یه تمام ذخیره قبل از اسکندر عہد کے لیے کچھ سود مند نہیں ھے اور سائرس کے حالات کے لیے همیں تمام تر یونانی مؤرخین کی شہادت هی پر اعتماد کرنا ھے ۔

(۲۷) عرب مؤرخ یونانی روایات سے بے خبر نه تهے ، چنانچه البیرونی نے " الآثار الباقیة " میں فارس کے قدیم فرماں رواؤں کی جو فہرست دی ھے وہ مختلف روایتی سلسلوں پر مشتمل ھے اور اس سلسلے میں همیں کوروش اور دارائے اول کے نام ملتے هیں ۔

عرب مؤرخوں میں تین شخصیتیں ایسی نظر آتی هیں جو اس باب میں حقیقت حال سے بے خبر نه تهیں : ابو حمزہ اصفہانی ، ابن مسکویه اور البیرونی ۔ ابو حمزہ ایران کے قومی افسانے کو تاریخی افسانے سے الگ کر کے دیکھنا چاهتا تها ، مگر اسے کافی مواد نہیں ملا تها ۔

ابن مسکویه " تجارب الامم " میں مطمئن نہیں ھے اور قابل اعتماد صرف ساسانی عہد کو تصور کرتا ھے ۔

البیرونی نے " الآثار الباقیة " میں دونوں روایتوں کا سراغ لگایا ھے اور یونانی و ایرانی دونوں شجرۂ حکومت مرتب کیے هیں ۔ " کتاب الهند " میں بهی وہ جا بجا =

= داریوش اول اور ارتخششت (اردشیر) اول و ثانی کا ذکر کرتا ھے. غالبًا عرب مؤرخین میں یه خصوصیت صرف البیرونی هی کے حصے میں آئی تھی که ایران قدیم کے تاریخی افسانے پر نظر رکھتا تھا.

پارس اور میڈیا

حضرت مسیح سے پانچ سو ساٹھ برس پہلے ایران کی سر زمین دو مملکتوں میں بٹی ھوئی تھی: جنوبی حصه پارس کہلاتا تھا اور شمال مغربی میڈیا (٢٨). چوں که ان کے همسایه میں آشوری اور بابلی حکومتیں کمال عروج تك پہنچ چکی تھیں، اس لیے قدرتی طور پر یه ان سے دبی ھوئی تھیں. دونوں مملکتوں میں مختلف قبائل کے امراء تھے جو اپنے اپنے حلقوں میں قبائلی حکومت رکھتے تھے. سنه ٦١٢ قبل مسیح میں جب نینویٰ تباه هو گیا اور آشوری فرمان روائی همیشه کے لیے ختم هو گئی تو میڈیا کے باشندے آزاد هو گئے اور بتدریج ایك قومی حکومت نشو ونما پانے لگی. اسی طرح پارس کے امراء قبائل میں سے بھی بعض امیروں کو سر اٹھانے کا موقع ملا اور حکم ران خاندان پیدا هو گیا. تاهم یه دونوں مملکتیں وقت کی بے اثر حکومتیں تھیں اور بابل کی شہنشاهی جسے نبوخذ نصر (Nebuchadnezzar) (بخت نصر) کی قہارانه فتح مندیوں نے تمام ایشیا میں =

= سر بلند کر دیا تھا، سب پر چھائی ہوئی اور سب کو مقہور کیے ہوئے تھی۔

سائرس کا ظہور

لیکن سنہ ٥٥٩ قبل از مسیح میں ایك غیر معمولی شخصیت غیر معمولی حالات کے اندر ابھری اور اچانك تمام دنیا کی نگاھیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ یہ پارس کے ایکے می نیز (٢٩) خاندان کا ایك نوجوان کورش تھا جسے یونانیوں نے سائرس، عبرانیوں نے خورس اور عربوں نے قوروش اور خیارشا یا کیارشا یا کے خسرو کے نام سے پکارا۔ اسے پہلے پارس کے تمام امیروں نے اپنا فرماں روا تسلیم کرلیا۔ پھر بغیر کسی خون ریزی کے میڈیا کی مملکت پر فرماں روا ہو گیا اور اس طرح دونوں مملکتوں نے مل کر ایران کی ایك عظیم الشان شہنشاھی کی صورت اختیار کر لی۔

پھر اس کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ فتوحات نہیں جو ظلم و قہر کی خون ریزیوں کے ذریعے حاصل کی جاتی تھیں، بلکہ انسانیت و عدالت کی فتوحات جو تمام تر اس لیے تھیں کہ مظلوم قوموں کی دادرسی اور پامال ملکوں کی دست گیری ہو۔ چنانچہ ابھی بارہ برس کی مدت بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ بحر اسود سے لے کر بکٹریا (Bactria) (باختر) تك ایشیا کی تمام عظیم الشان =

ابتدائی زندگی

= مملکتیں اس کے آگے سر بسجود ہو چکی تھیں .

دنیا کی تمام غیر معمولی شخصیتوں کی طرح سائرس کے ابتدائی حالات نے بھی ایك پر اسرار افسانے کی نوعیت اختیار کر لی ہے اور ہمیں اس کی جھلك شاھنامه کے افسانوں میں صاف صاف نظر آجاتی ہے . اس کا اٹھان زندگی کے عام اور غیر معمولی حالات میں نہیں ہوا، بلکہ ایسے عجیب حالات میں جو ہمیشہ پیش نہیں آتے اور جب کبھی پیش آتے ہیں تو یہ قدرت کی ایك غیر معمولی کرشمہ سنجی ہوتی ہے . قبل اس کے کہ وہ پیدا ہو، اس کے نانا اسٹیاکس (Astyages) نے اس کی موت کا سامان پیدا کر دیا تھا، لیکن وہ ایك حیرت انگیز طریقے پر بچا لیا جاتا ہے اور اس کی ابتدائی زندگی جنگلوں اور پہاڑوں میں بسر ہوتی ہے . پھر ایك وقت آتا ہے کہ اس کی غیر معمولی قابلیتیں اور اعلی اخلاق و خصائل اسے ملك میں نمایاں کرتے ہیں اور اس کی خاندانی شخصیت پہچان لی جاتی ہے . اب اسے پورا موقع حاصل تھا کہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے، لیکن اسے ایك لمحے کے لیے بھی اس کا خیال نہیں گزرتا، حتی کہ خود اسٹیاکس کی زندگی بھی اس کے ہاتھوں محفوظ رہتی ہے .

تخت نشینی کے بعد سب سے پہلی جنگ جو اسے =

= پیش آئی وہ لیڈیا (Lydia) کے بادشاہ کروئسس (Croesus) سے تھی ۔ لیکن تمام مورخین متفق ھیں کہ حملہ کروئسس کی طرف سے ھوا تھا اور اس نے سائرس کو دفاع پر مجبور کر دیا تھا ۔ لیڈیا سے مقصود ایشیاے کوچك کا مغربی اور شمالی حصہ ھے جو یونانی تمدن کا ایشیائی مرکز بن گیا تھا اور اس کی حکومت بھی اپنے تمام خصائص میں ایك یونانی حکومت تھی ۔ جنگ میں سائرس فتح یاب ھوا ۔ لیکن رعایا کے ساتھ کسی طرح کی بدسلوکی نہیں کی گئی ۔ انھیں محسوس بھی نہیں ھوا کہ ملك ایك انقلاب جنگ کی حالت سے گزر رھا ھے ۔ البتہ کروئسس کی نسبت یونانی روایت یہ ھے کہ اس کے عزم و ھمت کی آزمایش کے لیے سائرس نے حکم دیا تھا : چتا تیار کی جائے اور اسے جلا دیا جائے ۔ لیکن جب اس نے دیکھا وہ مردانہ وار چتا پر بیٹھ گیا ھے تو فوراً اس کی جان بخشی کر دی اور اس نے بقیہ زندگی عزت و احترام کے ساتھ بسر کی ۔

مشرقی فتوحات

اس جنگ کے بعد اسے مشرق کی طرف متوجہ ھونا پڑا ، کیوں کہ گیڈروسیا (مکران) اور بکٹریا (باختر) کے وحشی قبائل نے سرکشی کی تھی ۔ یہ مہم سنہ ۵۴۰-۵۴۵ قبل مسیح کی درمیانی مدت میں واقع ھوئی ھوگی ۔ =

ربع‌ زخرف

= تقریباً یہی زمانہ ہے جب باشندگان بابل نے اس سے درخواست کی ہے کہ بیل شازار (Belshazzar) (٣٠) کے مظالم سے انہیں نجات دلائے.

نینوی کی تباہی نے ایک نئی بابلی شہنشاہی کی بنیادیں استوار کردی تھیں اور نبوخدنصر (بخت نصر) کی قاہرانہ فتوحات نے تمام مغربی ایشیا کو مسخر کر لیا تھا. اس کا حملۂ بیت المقدس تاریخ کا ایک انقلاب انگیز واقعہ ہے. وہ صرف بادشاہوں کو مسخر ہی نہیں کرتا تھا بلکہ قوموں کو غلام بناتا اور ملکوں کو تباہ کر ڈالتا تھا، لیکن اس کے مرنے کے بعد کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ھوئی جو اس کی جنگ جویانہ قوتوں کی جانشین ہوتی. اس کے بعد بابل کے مندروں کے پوجاریوں نے جو ملک میں سب سے زیادہ اثر و مقبولیت رکھتے تھے، نابونی دس (Nabonidus) کو تخت نشین کیا تھا. لیکن اس نے حکومت کا تمام کاروبار بیل شازار کے ھاتھ چوڑ دیا جو ظلم و عیاشی کا مجسمہ تھا. اسی کی نسبت اس صحیفہ میں جو دانیال نبی کی طرف منسوب ہے، ہم پڑھتے ہیں کہ بیت المقدس کے ھیکل کے مقدس پیالوں میں اس نے شراب پی تھی اور ایک غیبی ھاتھ نے نمایاں ھو کر «منے منے تقتیل اوفرسین» (٣١) کے الفاظ دیوار پر لکھ دیے تھے (دانیال ٥: ١ تا ٢٥). =

=تمام مورخین متفق ھیں کہ اس عہد میں بابل سے زیادہ مستحکم اور ناقابل فتح شہر کوئی نہ تھا۔ اس کی چار دیواری اتنی موٹی تہ در تہ اور اونچی تھی کہ اسے مسخر کرنے کا وھم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ با ایں ھمہ سائرس نے باشندگان بابل کی فریاد پر لبیك کہا اور دوآبہ کا تمام علاقہ فتح کرتا ھوا شہر کے سامنے نمودار ھو گیا. چوں کہ خود باشندگان شہر بیل شازار کے مظالم سے تنگ آگئے تھے اور سائرس کے لیے چشم براہ تھے، اس لیے انھوں نے ھر طرح اس کا ساتھ دیا۔ خود بابلی مملکت کا ایك سابق گورنر گوب ریاس (Gobryas) اس کی فوج کے ساتھ تھا۔ ھیرو ڈوٹس کا بیان ھے کہ اسی شخص نے دریا میں نہریں کاٹ کر اس کا بہاؤ دوسری طرف ڈال دیا اور دریا کی جانب سے فوج شہر میں داخل ھوگئی۔ قبل اس کے کہ خود سائرس شہر میں پہنچے شہر فتح ھو چکا تھا۔

بنی اسرائیل کی رھائی اور ھیکل کی تعمیر

یہودیوں کا یہ مسلمہ عقیدہ ھے کہ سائرس کا ظہور اور بابل کی فتح بنی اسرائیل کے لیے زندگی وخوش‌حالی کا نیا پیام تھا اور یہ ٹھیك اسی طرح ظہور میں آئی جس طرح یسعیاہ نبی نے ایك‌سو ساٹھ برس پہلے اور یرمیاہ نے ساٹھ برس پہلے وحی الہی سے مطلع ھو کر خبر دے دی=

= تھی ۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے سائرس نے دانیال نبی کی نہایت توقیر کی، یہودیوں کو یروشلم میں بسنے کی اجازت دے دی ۔ نیز اپنی تمام مملکت میں اعلان کیا کہ ''خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یروشلم میں اس کے لیے ایک ھیکل بناؤں (یعنی قدیم برباد شدہ ھیکل سلیمان کو از سر نو تعمیر کروں) ۔ پس تمام لوگوں کو ہر طرح کا ساز و سامان اس کے لیے مہیا کرنا چاہیے''۔ اس نے سونے چاندی کے وہ تمام ظروف جو نبوخد نصر ھیکل سے لوٹ کر لایا تھا بابل کے خزانہ سے نکلوائے اور یہودیوں کے ایک امیر شیش بضر (Sheshbazzar) کے حوالے کر دیے کہ ھیکل کی تعمیر کے بعد اس میں بدستور رکھ دیے جائیں (عزرا ۔ باب اول) ۔

بابل کی فتح کے بعد سائرس کی عظمت تمام مغربی ایشیا میں مسلم ہو گئی سنہ ۵۳۹ قبل مسیح میں صرف اسی کی تنہا شخصیت عظمت و حکم رانی کے عالم گیر تخت پر نمایاں نظر آتی ہے ۔ بارہ برس پہلے وہ پارس کے پہاڑوں کا ایک گم نام انسان تھا ، لیکن اب ان تمام مملکتوں کا تنہا فرماں روا ہے جو صدیوں تک قوموں کی ابتدائی عظمتوں اور فتح مندیوں کا مرکز رہ چکی ہیں ۔ فتح بابل کے بعد وہ تقریباً دس برس تک زندہ رہا اور سنہ ۵۲۹ قبل مسیح میں انتقال کر گیا ۔ =

سائرس کے ظہور کی پیشین گوئیاں

= اب قبل اس کے کہ قرآن کے بیان کردہ حالات پر نظر ڈالی جائے، اس بات پر غور کر لینا چاہیے کہ یہودیوں کے اعتقاد میں انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں اس شخصیت کے بارے میں کیا تھیں اور کس طرح وہ حرف بحرف پوری ہوئیں ؟

اس سلسلے میں سب سے پہلی پیشین گوئی یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے جن کا ظہور سائرس کے فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے ہوا تھا ۔ انھوں نے پہلے بیت المقدس کی تباہی کی خبر دی ہے کہ بابل کے ہاتھوں ظہور میں آئے گی ۔ اس بعد اس کی دوبارہ تعمیر کی بشارت دی ہے اور اس سلسلہ میں خورس (سائرس) کے ظہور کا ذکر کیا ہے : " خداوند تیرا نجات دینے والا یوں فرماتا ہے کہ . . . یروشلم پھر آباد کیا جائے گا، یہودا کے شہر بنائے جائیں گے ۔ میں اس کے ویران مکانوں کو تعمیر کروں گا . . . میں خورس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے، وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا . . . خداوند اپنے مسیح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا دہنا ہاتھ پکڑا تا کہ قوموں کو اس کے قابو میں کردوں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا دوں اور دہرے دروازے اس کے لیے کھول دوں ۔ ہاں ! میں تیرے آگے =

= چلوں گا. میں ٹیڑھی جگہوں کو سیدھا کروں گا. میں
پیتل کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا. میں
گڑے ہوے خزانے اور چھپے ہوے مکانوں کے گنج
تجھے عطا کروں گا. اور یہ سب کچھ اس لیے کروں گا تاکہ
تو جان لے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں جس نے
اپنی برگزیدہ قوم اسرائیل کے لیے تجھے تیرا نام صاف
صاف لے کے بلایا ھے (یسعیاہ ٤٤ : ٢٨ - ٤٥ : ١ و ٢).

اس پیشین گوئی میں خدا کا یہ فرمان نقل کیا ھے کہ
خورس (سائرس) میرا چرواہا ہوگا اور میں نے اسے
اس لیے پکارا ھے کہ بنی اسرائیل کو بابلیوں کے ظلم سے
نجات دلائے. نیز اسے ''خدا کا مسیح'' بھی کہا ھے.

اسی طرح یرمیاہ نبی نے ساٹھ برس پہلے پیشین گوئی
کی تھی: ''قوموں کے درمیان منادی کردو اور اسے مت
چھپاؤ. تم کہو: بابل لے لیا گیا. بعل رسوا ہوا. مردوک
سراسیمہ کیا گیا. اس کے بت خجل ہوے. اس کی
مورتیں پریشان کی گئیں، کیوں کہ اتر سے ایک قوم اس پر
چڑھتی ہوئی آرھی ھے جو اس کی سر زمین اجاڑ دے گی
یہاں تک کہ اس میں کوئی نہیں رھے گا (٥٠ : ١)

یرمیاہ نبی نے اس کی بھی پیشین گوئی کردی تھی کہ
ستر برس تک یہودی بابل میں قید رھیں گے اور اس کے بعد
بیت المقدس کی نئی تعمیر ہوگی: ''خداوند کہتا ھے: جب بابل=

=پر ستر برس گزر چکیں کے تو میں تمھاری خبر لینے آؤں گا. تب تم مجھے پکارو کے اور میں جواب دوں گا. تم مجھے ڈھونڈ ھو کے اور مجھے پالو کے . میں تمھاری اسیری ختم کردوں گا. تمھیں تمھارے مکانوں میں واپس لے آؤں گا (۲۹ : ۱۰) .

اس پیشین گوئی میں خدا نے اپنی رحمت کی واپسی کو فتح بابل کے واقعے سے وابستہ کر دیا ھے، گویا سائرس کا ظہور اس کی رحمت کا ظہور ہوگا جو بنی اسرائیل پر پھر لوٹ آئے گی .

پیشین گوئیوں کی تاریخی حیثیت

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ھے کہ جب سائرس نے جس کی نسبت یہودیوں کی روایت ھے کہ بابل فتح کیا تو دانیال نبی نے جو شاھان بابل کے وزراء میں داخل ہوگئے تھے، اسے یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی دکھائی کہ ایک سو ساٹھ برس پہلے اس کے ظہور کی خبر دے دی گئی تھی . یہ بات دیکھ کر بے حد متأثر ھوا اور بیان کیا جاتا ھے کہ اسی کا نتیجہ وہ فرمان تھا جو اس نے تعمیر ھیکل کے لیے جاری کیا .

زمانۂ حال کے نقاد ان پیشین گوئیوں کی اصلیت پر مطمئن نہیں ھیں. (۳۲) جرمن نقادوں نے یسعیاہ کی کتاب کے دوحصے کر دیے ھیں : پہلا حصہ آیت ۵۰ پر ختم =

=ہو جاتا ہے، دوسرا آیت ۱۰ سے شروع ہوتا ہے۔ پہلے کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ اسی یسعیاہ کا نوشتہ ہوگا جو فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ دوسرے کی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ یہ حملۂ بابل ہی کے زمانے میں لکھا گیا ہے۔ اور اس کی زبان اور اسلوب بیان بھی پہلے حصے سے مختلف ہے۔ پہلے حصے کو وہ یسعیاہ اول اور دوسرے کو یسعیاہ دوم کے نام سے پکارتے ہیں۔ لیکن بہر حال ہمیں یہاں یہ نہیں دیکھنا ہے کہ عہد عتیق کے نوشتوں کی تاریخی حیثیت کیا ہے۔ ہمیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ یہودیوں کا عام عقیدہ اس بارے میں کیا تھا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد برابر یہی رہا کہ سائرس کا ظہور نبیوں کی پیشین گوئی کے مطابق ہوا تھا اور وہ خدا کی ایک پسندیدہ ہستی تھی جو اسی لیے پیدا کی گئی تھی کہ مظلوموں کی دادرسی ہو اور بابلیوں کے ظلم و شرارت سے قوموں کو نجات ملے۔

اب غور کرو! قرآن کی تصریحات نے جو جامہ تیار کیا ہے وہ کس طرح ٹھیک ٹھیک صرف سائرس ہی کے جسم پر راست آتا ہے؟ ہم نے اس مبحث کے آغاز میں تصریحات قرآنی کا خلاصہ دے دیا ہے جو سات دفعات پر مشتمل ہیں۔ ان پر پھر ایک نظر ڈال لو:=

قرآن کی تصریحات اور سائرس

= ۱ - سب سے پہلے اس بات پر غور کرو کہ ذو القرنین کی نسبت سوال بالاتفاق یہودیوں کی جانب سے ہوا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر یہودی بادشاہ کی شخصیت یہودیوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاسکتی تھی تو وہ صرف سائرس ہی کی تھی . نبیوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق ، دانیال نبی کے خواب کا ظہور ، رحمت الٰہی کی واپسی کی بشارت ، بنی اسرائیل کا نجات دہندہ . خدا کا فرستادہ چرواہا اور مسیح ، یروشلم کی تعمیر ثانی کا وسیلہ! پس اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسی کی نسبت ان کا سوال ہو؟

سدی کی ایک روایت میں بھی جو قرطبی وغیرہ نے نقل کی ہے ، اس طرف صریح اشارہ ملتا ہے :"قال : قالت الیہود : اخبرنا عن نبی لم یذکرہ اللہ فی التورات الا فی مکان واحد . قال : و من؟ قالوا : ذو القرنین" ، یعنی یہودیوں نے آنحضرت سے کہا : اس نبی کی نسبت ہمیں خبر دیجیے جس کا نام تورات میں صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے . آپ نے فرمایا : وہ کون؟ کہا : ذو القرنین . چونکہ سائرس کے ذو القرنین ہونے کا اشارہ صرف دانیال نبی کے خواب ہی میں آیا ہے ، اس لیے یہودیوں کا یہ بیان ٹھیک ٹھیک اسی طرف اشارہ تھا . =

= علاوہ بریں سائرس کے تمثال کے انکشاف نے قطعی طور پر یہ بات آشکارا کردی ہے کہ اس کے سر پر دو سینگوں کا تاج رکھا گیا تھا اور یہ فارس اور مادہ کی مملکتوں کے اجتماع و اتحاد کی علامت تھی ۔

تفسیر "انا مکنا لہ فی الارض"

۲ - اس کے بعد قرآن کی تصریحات سامنے لاؤ ۔ سب سے پہلا وصف جو اس کا بیان کیا ہے یہ ہے کہ "انا مکنا لہ فی الارض و اتینٰہ من کل شیء سببا" - ۸۴ ، ہم نے اسے زمین میں قدرت دی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کردیا تھا ۔ قرآن جب کبھی انسان کی کسی کام رانی و خوش حالی کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کرکے کہتا ہے ، جیسا کہ یہاں کہا ہے تو اس سے مقصود عموماً کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو عام حالات کے خلاف محض اس کے فضل و کرم سے ظہور میں آئی ہو ۔ مثلاً حضرت یوسف کی نسبت فرمایا : "وکذلك مكنا ليوسف فی الارض" اس طرح ہم نے سر زمین مصر میں یوسف کا قدم جمادیا ۔ "ہم نے جمادیا" کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت یوسف کو ہر طرح کے ناموافق حالات میں محض فضل الٰہی سے ایک غیر معمولی بات حاصل ہو گئی تھی ۔ یہ بات نہ تھی کہ عام حالات کے مطابق ظہور مین آئی ہو ۔ پس ضروری ہے کہ ذو القرنین کو بھی حکم رانی =

= کا مقام ایسے ہی حالات میں ملا ہو جو بالکل غیر معمولی قسم کے ہوں اور انہیں محض "توفیق الہی" کی کرشمہ سازی سمجھا جاسکے ، کیوں کہ اس کے " تمکن فی الارض " کو براہ راست خدا کی طرف نسبت دی ہے .

لیکن اس اعتبار سے سائرس کی زندگی ٹھیک ٹھیک اس آیت کی تصویر ہے . اس کی ابتدائی زندگی ایسے حالات میں بسر ہوئی جنہیں حیرت انگیز حوادث نے ایک افسانے کی شکل دے دی ہے . قبل اس کے کہ پیدا ہو ، خود اس کا نانا اس کی موت کا خواہش مند ہو گیا تھا . ایک وفا دار آدمی اس کی زندگی بچاتا ہے اور وہ شاہی خاندان سے بالکل الگ ہو کر ایک گم نام گڈریے کی طرح پہاڑوں میں زندگی بسر کرتا ہے . پھر اچانک نمایاں ہوتا ہے اور بغیر کسی جنگ و مقابلے کے میڈیا کا تخت اس کے لیے خالی ہو جاتا ہے . یقیناً یہ صورت حال واقعات و حوادث کی عام رفتار نہیں ہے جو ہمیشہ پیش آتی ہو . نوادر ہستی کی ایک غیر معمولی عجائب آفرینی ہے اور صاف نظر آرہا ہے کہ قدرت کا مخفی ہاتھ کسی خاص مقصد سے ایک خاص ہستی تیار کر رہا ہے اور زمانے کی عام رفتار تھم گئی ہے تاکہ اس کی راہ صاف ہو جائے .

٣ - اس کے بعد اس کی تین بڑی مہموں کا ذکر آتا =

تین بڑی مہمیں

ہے : ایك ”مغرب الشمس“ کی طرف یعنی پچھم کی طرف.
ایك ”مطلع الشمس“ کی طرف یعنی پورب کی طرف (٣٣).
تیسری ایك ایسے مقام تك جہاں کوئی وحشی قوم آباد تھی
اور یاجوج و ماجوج وہاں آکر لوٹ مار مچایا کرتے
تھے. اب دیکھو! یہ تمام تفصیلات کس طرح ٹھیك ٹھیك
سائرس کی فتوحات پر منطبق ہوتی ہیں ؟

اوپر پڑھ آئے ہو کہ سائرس نے ابھی فارس اور میڈیا
کا تاج سر پر رکھا ہی تھا کہ ایشیائے کوچك کے بادشاہ
کروئسس نے حملہ کردیا .

ایشیائے کوچك کی یہ بادشاہت جو لیڈیا (Lydia)
کے نام سے مشہور ہوئی ، پچھلی صدی کے اندر ابھری تھی .
اس کا دار الحکومت سارڈیس (Sardis) تھا . سائرس کی
تخت نشینی سے پہلے میڈیا اور لیڈیا میں کئی جنگیں ہوچکی
تھیں . بالآخر کروئسس کے باپ نے سائرس کے نانا اسٹیاگس
(Astyages) کے باپ سے صلح کرلی اور باہمی اتحاد کے
استحکام کے لیے باہمی ازدواج کا رشتہ بھی قائم ہوگیا.

لیکن کروئسس نے یہ تمام عہد و پیمان اور باہمی
علائق بھلا دیے. وہ سائرس کی یہ کامرانی برداشت نہ کرسکا
کہ فارس اور میڈیا کی مملکتیں متحد ہوکر ایك عظیم مملکت
کی حیثیت اختیار کررہی ہیں . اس نے پہلے بابل ، =

=مصر اور اسپارٹا کی مملکتوں کو اس کے خلاف ابھارا اور پھر اچانک حملہ کر کے سرحدی شہر پٹیریا (Pteria) پر قبضہ کرلیا۔

اب سائرس مجبور ہو گیا کہ بلا توقف اس حملے کا مقابلہ کرے۔ وہ میڈیا کے دار الحکومت ہگ متانہ (۳٤) سے (جو اب ہمدان کے نام سے پکارا جاتا ہے) نکلا اور تیزی کے ساتھ بڑھا کہ صرف دو جنگوں کے بعد جو پٹیریا اور سارڈیس کے قریب واقع ہوئی تھیں، لیڈیا کی تمام مملکت پر قابض ہو گیا!

ہیروڈوٹس نے اس جنگ کی سرگذشت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اس کی بعض تفصیلات نہایت دل چسپ اور اہم ہیں لیکن یہ موقع اطناب کا نہیں۔ وہ کہتا ہے: سائرس کی فتح مندی ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پٹیریا کے معرکے کے بعد صرف چودہ دن کے اندر لیڈیا کا مستحکم دار الحکومت مسخر ہو گیا اور کروئسس ایک جنگی قیدی کی حیثیت میں سائرس کے آگے سرنگوں کھڑا تھا۔ (۳۵)

اب تمام ایشیائے کوچک بحر شام سے لے کر بحر اسود تک اس کے زیر نگیں تھا۔ وہ برابر بڑھتا گیا یہاں تک کہ مغربی ساحل تک پہنچ گیا۔ قدرتی طور پر اس کے قدم یہاں پہنچ کر اسی طرح رک گئے جس طرح بارہ سو سال بعد=

"تفسیر وجدها تغرب فی عین حمئة"

= موسی بن نصیر کے قدم افریقہ کے شمالی ساحل پر رك جانے والے تھے. اس کے فتح مندہ قدموں کے لیے صحراؤں کی وسعتیں اور پہاڑوں کی بلندیاں روك نہ ھوسکیں. اس نے فارس سے لے کر لیڈیا (Lydia) تك چودہ سو میل کا فاصلہ طے کرلیا تھا. لیکن سمندر کی موجوں پر چلنے کے لیے اس کے پاس کوئی سواری نہ تھی. اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حد نظر تك پانی ھی پانی دکھائی دیتا تھا اور سورج اس کی لہروں میں ڈوب رھا تھا!

یہ لشکر کشی جو اسے پیش آئی، صریح مغرب کی لشکر کشی تھی، کیوں کہ وہ ایران سے مغرب کی طرف چلا اور خشکی کے مغربی کنارے تك پہنچ گیا. یہ اس کے لیے ''مغرب الشمس'' کی آخری حد تھی.

ایشیاے کوچك کا مغربی ساحل نقشے میں نکالو. تم دیکھو گے تمام ساحل اس طرح کا واقع ھوا ھے کہ چھوٹے چھوٹے خلیج پیدا ھو گئے ھیں اور سمرنا (Samyrna) کے قریب اس طرح کے جزیرے نکل آئے ھیں جنھوں نے ساحل کو ایك جھیل یا حوض کی شکل دے دی ھے. لیڈیا کا دار الحکومت سارڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا اور اس کا محل موجودہ سمرنا سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہ تھا. پس جب سائرس سارڈیس کی تسخیر =

=کے بعد آگے بڑھا ہوگا تو یقیناً بحر ایجین (Ægean Sea) کے اسی ساحلی مقام پر پہنچا ہوگا جو سمرنا کے قرب و جوار میں واقع ہے. یہاں اس نے دیکھا ہوگا کہ سمندر نے ایک جھیل کی سی شکل اختیار کرلی ہے، ساحل کی کیچڑ سے پانی گدلا ہورہا ہے اور شام کے وقت اسی میں سورج ڈوبتا دکھائی دیتا ہے . اسی صورت حال کو قرآن نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے: ''وجدها تغرب فی عین حمئة'' اسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج ایک گدلے حوض میں ڈوب رہا ہے!

یہ ظاہر ہے کہ سورج کسی مقام میں بھی ڈوبتا نہیں، لیکن ہم سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں تو ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ ایک سنہری تھالی آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہی ہے.

مشرقی مہم

دوسری لشکر کشی مشرق کی طرف تھی. چنانچہ ہیروڈوٹس اور ٹی سیاز (۳٦) دونوں اس کی مشرقی لشکر کشی کا ذکر کرتے ہیں جو لیڈیا کی فتح کے بعد اور بابل کی فتح سے پہلے پیش آئی تھی اور دونوں نے تصریح کی ہے کہ مشرق کے بعض وحشی اور صحرا نشین قبائل کی سرکشی اس کا باعث ہوئی تھی. یہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے اس اشارے کی تصدیق ہے کہ ''حتی اذا بلغ مطلع الشمس=

= وجدها تطلع علی قوم لم نجعل لھم من دونها ستراً"، جب وہ مشرق کی طرف پہنچا تو اسے ایسی قوم ملی جو سورج کے لیے کوئی آڑ نہیں رکھتی تھی، یعنی خانہ بدوش قبائل تھے۔

یہ خانہ بدوش قبائل کون تھے؟ ان مورخین کی صراحت کے مطابق بکٹریا (Bactria) یعنی بلخ کے علاقے کے قبائل تھے۔ نقشے پر اگر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آجائے گا کہ بکٹریا ٹھیك ایران کے لیے مشرق اقصیٰ کا حکم رکھتا ھے، کیوں کہ اس کے آگے پہاڑ ھیں اور انہوں نے راہ روك دی ھے اس کا بھی اشارہ ملتا ھے کہ گیڈروسیا کے وحشی قبیلوں نے اس کی مشرقی سرحد میں بدامنی پھیلائی تھی اور ان کی گوش مالی کے لیے نکلنا پڑا۔ گیڈروسیا سے مقصود وھی علاقہ ھے جو آج کل مکران کہلاتا ھے۔ اس سلسلے میں ھندوستان کی طرف ھمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس لیے قیاس کہتا ھے کہ مکران سے نیچے اس کے قدم نہیں اترے ھوں گے۔ اور اگر اترے ھوں گے تو دریاے سندھ سے آگے نہیں بڑھے ھوں گے، کیوں کہ دارا کے زمانے میں بھی اس کی جنوب مشرقی سرحد دریاے سندھ ھی تك معلوم ھوتی ھے۔ =

= تیسری لشکر کشی اس نے ایسے علاقے تك کی جہاں
یاجوج ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے۔ یہ یقیناً اس کی
شمالی مہم تھی جس میں وہ بحر خزر (Caspean Sea)
کودھنی طرف چھوڑ تا ہوا کا کیشیا (caucasus) کے سلسلۂ
کوہ تك پہنچ گیا تھا اور وہاں اسے ایك درہ ملا تھا
جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان تھا۔ اسی راہ سے
ماجوج ماجوج آکر اس طرف کے علاقے میں تاخت
و تاراج کیا کرتے تھے اور یہیں اس نے سد تعمیر کی۔

قرآن نے اس مہم کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے
"حتی اذا بلغ بین السدین و جد من دونهما قوما
لا یکادون یفقهون قولا " - ۹۳، یہاں تك کہ وہ دو (پہاڑی)
دیواروں کے درمیان پہنچ گیا۔ ان کے اس طرف اسے
ایك قوم ملی جو کوئی بات بھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔
پس صاف معلوم ہوتا ہے "سدین" سے مقصود کا کیشیا
کا پہاڑی درہ ہے، کیوں کہ اس کے دھنی طرف
بحر خزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روك
رکھی ہے۔ بائیں جانب بحر اسود ہے جو شمال مغرب
کے لیے قدرتی روك ہے۔ درمیانی علاقے میں اس کا
سر بفلك سلسلۂ کوہ ایك قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے۔
پس اگر شمالی قبائل کے حملوں کے لیے کوئی راہ باقی =

= رہی تھی تو وہ صرف اس سلسلۂ کوہ کا ایک عریض درہ یا وسطی وادی تھی اور یقیناً وہیں سے یاجوج ماجوج کو دوسری طرف پہنچنے کا موقع ملتا تھا ۔ اس راہ کے بند ہو جانے کے بعد نہ صرف بحر خزر سے لے کر بحر اسود تک کا علاقہ محفوظ ہو گیا ، بلکہ سمندروں اور پہاڑوں کی ایک ملی جلی ایسی دیوار قائم ہو گئی جس نے تمام مغربی ایشیا کو اپنی پاسبانی میں لے لیا اور شمال کی طرف سے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا ۔ اب ایران ، شام ، عراق ، عرب ، ایشیائے کوچک ، بلکہ مصر بھی شمال کی طرف سے بالکل محفوظ ہو گیا تھا ۔

نقشے میں یہ مقام دیکھو! تمام مغربی ایشیا نیچے ہے ، اوپر شمال میں بحر خزر ہے ، اس سے بائیں جانب مشرق کی طرف بحر اسود ہے ۔ درمیان میں بحر خزر کے مغربی ساحل سے بحر اسود کے مشرقی ساحل تک کا کیشیا کا سلسلۂ کوہ چلا گیا ہے ۔ ان دو سمندروں اور درمیان کے سلسلۂ کوہ نے مل کر سینکڑوں میلوں تک ایک قدرتی روک پیدا کر دی ہے ۔ اب اس روک میں اگر کوئی شگاف رہ گیا تھا جہاں سے شمالی اقوام کے قدم اس روک کو لانگ سکتے تھے تو وہ صرف یہی دو پہاڑوں کے درمیان کا درّہ تھا ۔ ذوالقرنین نے اسے بھی بند کر دیا =

= اور اس طرح شمال اور مغربی ایشیا کا یہ درمیانی پھاٹك پوری طرح مقفل ہو گیا .

قومِ مفسد

باقی رہا یہ سوال کہ وہاں جو قوم ذو القرنین کو ملی تھی اور جو بالکل ناسمجھ تھی ، وہ کون سی قوم تھی؟ تو اس سلسلے میں دو قومیں نمایاں ہوتی ہیں اور دونوں کا اس زمانے میں وہاں قریب قریب آباد ہونا تاریخ کی روشنی میں آ چکا ہے . پہلی قوم وہ ہے جو بحر خزر کے مشرق ساحل پر آباد تھی . اسے یونانی مورخوں نے "کاسپین" (Caspean) کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے نام سے بحر خزر کا نام بھی "کاسپین" پڑ گیا ہے . دوسری قوم وہ ہے جو اس مقام سے آگے بڑھ کر عین کاکیشیا کے دامن میں آباد تھی . یونانیوں نے اسے "کول چی" یا "کول شی" (Colchians) کے نام سے پکارا ہے اور دارا کے کتبۂ اصطخر میں اس کا نام "کوشیہ" آیا ہے (۳۷) . انھیں دو قوموں میں سے کسی نے یا دونوں قوموں نے ذو القرنین سے یاجوج ماجوج کی شکایت کی ہوگی اور چوں کہ یہ غیر متمدن قومیں تھیں ، اس لیے ان کی نسبت فرمایا : "لا یکادون یفقہون قولا" .

ساتواں سبق کے غیر معمولی فضائل

٤ - اس کے بعد ذو القرنین کا جو وصف سامنے آتا ہے وہ اس کی عدالت گستری اور خدمت انسانی کی =

= فیاضانه سرگرمی ہے ۔ اور یہ اوصاف سائرس کی تاریخی سیرت کی اس درجه آشکارا حقیقتیں ہیں کہ مورخ کی نگاہ کسی دوسری طرف اٹھ ہی نہیں سکتی ۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مغرب میں جو قوم ملی تھی اس کی نسبت حکم الٰہی ہوا تھا : '' یٰذا القرنین اما ان تعذب و اما ان تتخذ فیھم حسنا ''۔ ٨٦ ، یعنی یہ قوم اب تیرے بس میں ہے ۔ جس طرح چاہے تو ان کے ساتھ سلوک کر سکتا ہے ۔ خواہ سزا دے ، خواہ انہیں اپنا دوست بنا لے ۔ یقیناً یہ لیڈیا کی یونانی قوم تھی ۔ اس کے بادشاہ کروئسس نے تمام عہد و پیمان اور باہمی رشتہ داریاں بھلا کر بلا وجہ سائرس پر حملہ کر دیا تھا ۔ اور صرف خود ہی حملہ آور نہیں ہوا تھا ، بلکہ وقت کی تمام طاقت ور حکومتوں کو بھی اس کے خلاف ابھار کر اپنے ساتھ کر لیا تھا ۔ اب جب تائید الٰہی نے اپنا کرشمہ دکھایا اور تمام لیڈیا مسخر ہو گیا تو حکم الٰہی ہوا: یہ لوگ بالکل تیرے رحم پر ہیں ۔ تو جو چاہے ان کے ساتھ کر سکتا ہے ، کیوں کہ یہ اپنے ظلم و شرارت کی وجہ سے ہر طرح سزا کے مستحق ہیں ۔ مطلب یہ تھا کہ تائید الٰہی نے تیرا ساتھ دیا ، دشمنوں کو مسخر کر دیا ۔ اب وہ بالکل تیرے اختیار میں ہیں ، لیکن تجھے بدلا نہیں=

= لینا چاهیے، وهی کرنا چاهیے جو نیکی و فیاضی کا مقتضا هے ۔ چنانچه ذو القرنین نے ایسا هی کیا : " قال اما من ظلم فسوف نعذبه ثم یرد الی ربه فیعذبه عذابا نکرا * و اما من امن و عمل صالحا فله جزآء الحسنی ج و سنقول له من امرنا یسرا * " اس نے اعلان کیا که میں پچھلے جرم کی بنا پر کسی کو سزا نهیں دینا چاهتا ۔ میری جانب سے عام بخشش کا اعلان هے ۔ البته آینده جو کوئی برائی کرے گا، بلا شبه اسے سزا دوں گا ۔ پھر اسے مرنا هے اور آخرت کا عذاب سخت جھیلنا هے ۔ اور جو لوگ میرے احکام مانیں گے اور نیک کردار ثابت هوں گے تو ان کے لیے ویسا هی بهتر اجر بھی هوگا ۔ اور وه میرے احکام بھی بهت آسان پائیں گے ۔ میں بندگان خدا پر سختی کرنا نهیں چاهتا ۔ یه هو بهو اس طرز عمل کی تعبیر هے جس کی تفصیل همیں یونانی تاریخوں کے صفحات میں ملتی هے اور جسے زمانۂ حال کے تمام محققین تاریخ نے ایک مسلمه تاریخی حقیقت تسلیم کر لیا هے ۔

تمام یونانی مورخ بالاتفاق شهادت دیتے هیں که سائرس نے فتح کے بعد باشندگان لیڈیا کے ساتھ جو سلوک کیا وه صرف منصفانه هی نه تھا، وه اس سے بھی زیاده تھا، وه فیاضانه تھا ۔ وه اگر اپنے دشمنوں کے ساتھ سختی کرتا =

= تو یہ انصاف ہوتا، کیوں کہ زیادتی انہیں کی تھی۔ لیکن وہ صرف منصف ہونے پر قانع نہیں ہوا، اس نے رحم و بخشش کا شیوہ اختیار کیا۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ سائرس نے اپنی فوج کو حکم دے دیا تھا کہ دشمن کی فوج کے سوا اور کسی انسان پر ہتیار نہ اٹھائیں۔ اور دشمن کی فوج میں سے بھی جو کوئی نیزہ جھکا دے، اسے ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ کرونسس شاہ لیڈیا کی نسبت صریح حکم تھا کہ کسی حال میں بھی اسے گزند نہ پہنچائی جائے۔ اگر وہ مقابلہ کرے جب بھی اس پر تلوار نہیں اٹھانی چاہیے۔ اس حکم کی فوج نے اس دیانت داری کے ساتھ تعمیل کی کہ باشندوں کو جنگ کی مصیبت ذرا بھی محسوس نہ ہوئی۔ یہ گویا محض فرماں روا خاندان کا ایک شخصی انقلاب تھا کہ کرونسس کی جگہ سائرس نے لے لی۔ اس سے زیادہ کوئی انقلاب ملک و قوم کو محسوس ہی نہیں ہوا۔

کرونسس کا واقعہ اور یونانی روایات

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سائرس کی فتح یونانی دیوتاؤں کی شکست تھی، کیوں کہ وہ اس مصیبت سے اپنے پرستار کرونسس (Croesus) کو نہ بچا سکے، حالانکہ حملے سے پہلے اس نے مندروں کے ہاتف (۳۸) سے استصواب کر لیا تھا اور ڈلفی (Delphi) کے ہاتف نے فتح =

=و کام رانی کی بشارت دی تھی ۔ پس قدرتی طور پر واقعات کی یہ رفتار یونانیوں کے لیے خوش گوار نہ ہوسکی اور اس امر کی کوشش شروع ہو گئی کہ اس شکست میں بھی اخلاق اور مذہبی فتح مندی کی شان پیدا کر دی جائے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کروئسس کا معاملہ اچانك ایك پر اسرار افسانے کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور یونانی دیوتا اپنے سارے معجزوں کے ساتھ نمایاں ہو جاتے ہیں ۔ ھیروڈوٹس لیڈیا کے باشندوں کی یہ روایت نقل کرتا ہے کہ ڈلفی کے ھاتف کا جواب غلط نہ تھا، مگر کروئسس نے جنگ کے جوش طلب میں اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھا ۔ ھاتف نے کہا تھا: ”اگر اس نے پارسیوں پر حملہ کیا تو وہ ایك بڑی مملکت تباہ کر دے گا“ یعنی خود اپنی مملکت تباہ کر دے گا۔ مگر اس نے خیال کیا بڑی مملکت سے مقصود پارسیوں کی مملکت ہے ۔ نیز وہ کہتا ہے: پہلے سائرس نے حکم دیا تھا کہ لکڑیوں کی چتا تیار کی جائے اور اس پر کروئسس کو بٹھا کر آگ لگا دی جائے ۔ چنانچہ ایسا ھی کیا گیا اور آگ لگا دی گئی ، لیکن پھر جب کروئسس کی بعض باتیں سنیں تو بے حد متأثر ہوا اور آگ بجھانے کا حکم دیا ۔ لیکن اب آگ پوری طرح=

= مشتعل ہو گئی تھی ، ممکن نہ تھا کہ اسے فوراً بجھا دیا جائے ۔ یہ حال دیکھ کر کروئسس نے اپالو (Apollo) دیوتا کو پکارا اور باوجودیکہ آسمان بالکل صاف تھا، اچانک بارش شروع ہو گئی اور اس طرح اس معجزے نے بر وقت ظاہر ہو کر اس کی جان بچالی ۔

لیکن خود ہیروڈوٹس اور زینوفن کی تصریحات سے جو حقیقت معلوم ہوتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ سائرس یا تو کروئسس کے عزم و صبر کا امتحان لینا چاہتا تھا یا یہ بات آشکارا کردینی چاہتا تھا کہ یونانیوں کے خود ساختہ دیوتا اپنے عبادت گزاروں کی کچھ مدد نہیں کرسکتے اور جن دیوتاؤں کی مزعومہ بشارت پر اعتماد کر کے جنگ کی گئی تھی ان میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ اپنے پرستار کو زندہ جلنے کے عذاب سے بچالیں۔ یعنی مقصود یہ تھا کہ پہلے اسے چتا پر بٹھایا جائے، آگ بھی لگادی جائے، لیکن جب وہ خود اور تمام لوگ دیکھ لیں کہ دیوتاؤں کا کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا تو پھر اسے بخش دے اور عزت و احترام کے ساتھ اپنے ہم راہ لے جائے۔ دوسری علت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے ، کیوں کہ خود ہیرو ڈوٹس کی روایت میں اس کی جھلک موجود ہے اور یونانی افسانے میں اپالو کے معجزے کی نمود بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ صاف=

۔ معلوم ہوتا ہے کہ سائرس نے اپنے عمل سے جو حقیقت آشکارا کردی تھی ، یونانی افسانے نے اسی کا توڑ کرنے کے لیے اپالو کا معجزہ گھڑ لیا ۔

سائرس کے احکام و قوانین

قرآن نے ذو القرنین کا یہ اعلان نقل کیا ہے کہ آیندہ جو ظلم کرے گا ، سزا پائے گا ۔ جو حکم مانے گا اور نیک عمل ہوگا ، اسے انعام ملے گا ۔ بعینہ زینوفن کی بھی ایسی ہی روایت ہے ۔ قرآن میں ہے کہ "و سنقول له من امرنا یسرا" ، اگر لوگوں نے نیک عملی اختیار کی تو دیکھ لیں کے میرے احکام و قوانین میں ان کے لیے سختی نہ ہوگی ۔ تمام مؤرخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ اس کے احکام و قوانین ایسے ہی تھے ۔ وہ مفتوحہ ممالک کے باشندوں کے لیے سر تا سر شفقت و مرحمت تھا ۔ اس نے ان تمام بوجھل ٹیکسوں اور خراجوں سے رعایا کو نجات دے دی جو اس عہد کے تمام حکمران وصول کیا کرتے تھے ۔ اس نے جس قدر احکام و فرامین نافذ کیے وہ زیادہ سے زیادہ نرم اور زیادہ سے زیادہ ہلکے تھے ۔

۔ یہ تو صرف اس کی مغربی فتح مندی کی سرگذشت تھی ۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اس کے اعمال کی عام رفتار کیسی رہی اور قرآن کا بیان کردہ وصف کہاں تک اس پر راست آتا ہے ؟ =

مؤرخین کی عام شہادت

= لیکن قبل اس کے کہ ہم یونانی مؤرخوں کی شہادتوں پر متوجہ ہوں، یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ یونانی مؤرخ سائرس کے ہم قوم نہیں تھے، ہم وطن نہیں تھے: ہم مذہب نہیں تھے: اتنا ہی نہیں بلکہ دوست بھی نہیں تھے۔ سائرس نے لیڈیا کو شکست دی تھی اور لیڈیا کی شکست یونانی قومیت، یونانی تہذیب اور سب سے زیادہ یہ کہ یونانی مذہب کی شکست تھی۔ پھر سائرس کے جانشینوں نے براہ راست یونانیوں کو زیر کیا تھا اور ہمیشہ کے لیے دونوں قومیں ایک دوسرے کی حریف ہو گئی تھیں۔ ایسی حالت میں قدرتی طور پر یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ یونانی دماغ اپنے حریف کی مدحت سرائی کا شائق ہوگا۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر مؤرخ اس کی غیر معمولی عظمتوں اور ملکوتی صفتوں کی مدحت سرائی میں رطب اللسان ہے۔ اور اس لیے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کے محاسن نے ایک ایسے عالم گیر اعتراف و تأثر کی نوعیت اختیار کرلی تھی کہ دوست و دشمن کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہا تھا۔ سب کے دلوں میں ان کا اعتقاد پیدا ہو گیا تھا، سب کی زبانوں پر ان کی مدحت سرائی تھی۔ اور محاسن وہی ہیں جن کی حریفوں کو بھی شہادت دینی پڑے:

و ملیحة شهدت لها ضراتها

و الفضل ما شهدت به الاعداء

=زینوفن لکھتا ھے: سائرس ایك نہایت دانش مند، سنجیدہ اور ساتھ ھی رحم دل فرماں روا تھا۔ اس کی شخصیت ھر طرح کے شاھی اوصاف اور حکیمانہ فضائل کا ایك اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کرلی گئی ھے کہ اس کی شوکت و حشمت سے کہیں زیادہ اس کی عالی حوصلگی اور سیرچشمی تھی اور اس کی فیاضی اور رحم دلی اپنی کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی۔ انسان کی خدمت اور ھم دردی اس کی شاھانہ طبیعت کا سب سے بڑا جوھر تھا۔ وہ ھمیشہ اس فکر میں رھتا تھا کہ مصیبت زدہ انسانوں کی خبر گیری کرے، مظلوموں کو ظلم سے نجات دلائے، درماندہ انسانوں کا ھاتھ پکڑے، غم زدوں کے دکھ درد میں شریك ھو۔ پھر ان تمام عالی صفتوں کے ساتھ عاجزی و انکساری اس کے حسن و کمال کا سب سے بڑا زیور تھی۔ اس نے ایك ایسے تخت پر بیٹھ کر جس کے آگے تمام قوموں کے سر جھك گئے تھے اور ایك ایسے خزانے کا مالك ھو کر جس میں تمام دنیا کی دولت سمٹ آئی تھی، کبھی گوارا نہیں کیا کہ فخر و غرور کو اپنے دماغ میں جگہ دے۔

ھیروڈوٹس لکھتا ھے: وہ ایك نہایت ھی فیاض بادشاہ تھا۔ اسے دنیا کے تمام بادشاھوں کی طرح دولت جمع کرنے کی=

= حرص نہیں تھی، بلکہ جود وسخاوت کا جوش تھا۔ وہ کہتا تھا: سب سے بڑی دولت یہ ھے کہ نوع انسانی کی بھلائی کا موقع ملے اور مظلوموں کی داد رسی ھو!

ٹی سیاز لکھتا ھے: اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دولت بادشاھوں کے ذاتی عیش و آرام کے لیے نہیں ھے، بلکہ اس لیے ھے کہ رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کی جائے اور ماتحتوں کو اس سے فیض پہنچے۔ چنانچہ اس کی اسی فیض رسانی نے اس کی تمام رعایا کے دل اس کے ھاتھوں میں دے دیے تھے، وہ اس کے لیے خوشی خوشی اپنی گردنیں کٹوا دیتے تھے۔

سائرس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود

سب سے زیادہ نمایاں بات جو ان تمام مورخوں کے صفحات پر ملتی ھے، وہ سائرس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود ھے۔ سب کہتے ھیں کہ وہ جس عہد میں پیدا ھوا، اس کی مخلوق نہیں تھا۔ ایک بالاتر شخصیت تھی جسے قدرت نے اپنا کرشمہ دکھانے کے لیے نمودار کر دیا تھا۔ دنیا کے کسی حکیم نے اس کی تربیت نہیں کی۔ وقت کے متمدن ملکوں میں سے کسی ملک میں اس کی پرورش نہیں ھوئی۔ وہ محض قدرت کا پروردہ تھا اور قدرت ھی کے ھاتھوں نے اسے اٹھایا تھا۔ اس کی تمام ابتدائی زندگی صحراؤں کی گود اور پہاڑوں کی آغوش میں بسر ھوئی۔ وہ فارس کے مشرقی پہاڑوں کا چرواھا تھا۔ تاھم یہ کیسی عجیب بات ھے=

سائرس اور سکندر

= کہ یہی چرواہا جب دنیا کے سامنے آیا تو حکمرانی کا سب سے بڑا جلوہ، دانش کا سب سے بڑا پیکر، فضیلت کا سب سے بڑا نمونہ تھا۔

سکندر اعظم کو ارسطو کی تعلیم و تربیت نے تیار کیا تھا اور بلا شبہ وہ بہت بڑا فاتح نکلا، لیکن کیا انسانیت و اخلاق کا بھی کوئی گوشہ فتح کر سکا؟ سائرس کے لیے ہمیں کوئی ارسطو نہیں ملتا۔ اس نے انسانی حکمت کی درس گاہ کی جگہ قدرت کی درس گاہ میں پرورش پائی تھی، تاہم اس نے سکندر کی طرح صرف ملکوں ہی کو نہیں، بلکہ انسانیت و فضائل کی مملکتوں کو بھی مسخر کر لیا تھا۔

سکندر کی تمام فتوحات کی عمر اس سے زیادہ نہ تھی جتنی خود اس کی عمر تھی، لیکن سائرس کی فتوحات نے جو اینٹیں چن دی تھیں وہ دو سو برس تک نہ ہل سکیں۔ سکندر کے دم توڑتے ہی اس کی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، لیکن سائرس نے جب دنیا چھوڑی تو اس کی مملکت روز بروز وسیع و مستحکم ہونے والی تھی۔ اس کی فتوحات میں صرف مصر کا خانہ خالی رہ گیا تھا۔ اس کے فرزند نے اسے بھی بھر دیا اور پھر چند برسوں کے بعد دنیا کی وہ عالم گیر سلطنت=

= ظہور میں آ گئی جو ایشیا ، افریقہ اور یورپ کے اٹھائیس ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی اور اس پر سائرس کا جانشین دارایوش (Darius) تن تنہا حکم ران تھا .

سکندر کی فتوحات صرف جسم کی فتوحات تھیں جنھیں قہر و طاقت نے سر کیا تھا ، لیکن سائرس کی فتوحات روح و دل کی فتوحات تھیں جنھیں انسانیت و فضیلت نے سر کیا تھا . پہلی سر اٹھاتی ھے لیکن ٹک نہیں سکتی ، دوسری ٹک جاتی ھے اور پھر ٹلتی نہیں .

سائرس فتح بابل کے بعد دس برس تک زندہ رہا . اب اس کی حکومت عرب سے لے کر بحر اسود تک اور ایشیاے کوچك سے بلخ تک پھیلی ہوئی تھی اور ایشیا کی تمام قومیں اس کے ماتحت آ چکی تھیں . لیکن تاریخ شاھد ھے کہ اس تمام عرصے میں بغاوت اور سرکشی کا ایك حادثہ بھی نہیں ھوا ، کیوں کہ زینوفن کے لفظوں میں " وہ صرف بادشاہ ھی نہ تھا ، بلکہ انسانوں کا شفیق مربی اور قوموں کا رحیم باپ بھی تھا ". اور رعایا سخت گیر حکم رانوں سے بغاوت کر سکتی ھے ، لیکن اولاد اپنے شفیق باپ سے باغی نہیں ھو سکتی . موجودہ زمانے کے تمام مورخ تسلیم کرتے ھیں کہ یہ ایك حیرت انگیز خصوصیت تھی ، یہ ایسی خصوصیت تھی جو آگے چل کر =

زمانۂ حال کے محققین کی شہادت

= رومن امپائر کو بھی نصیب نہ ہوئی ۔

سب متفقہ شہادت دیتے ھیں کہ اس عہد کے بادشاھوں کی سخت گیری ، قساوت قلبی اور ھیبت انگیز طریق تعذیب کی چھوٹی سی چھوٹی مثال بھی سائرس کے عہد میں نہیں ملتی ۔

یاد رہے کہ یہ محض قدیم یونانی مؤرخوں کی روایات ہی نہیں ھیں ، بلکہ موجودہ زمانے کے تمام محققین تاریخ کی تاریخی مسلمات ھیں ۔ بالاتفاق یہ بات تسلیم کرلی گئی ھے کہ سائرس تاریخ قدیم کی سب سے بڑی شخصیت ھے جس میں بیک وقت فتوحات کی وسعت، فرمان روائی کی عظمت اور اخلاق و انسانیت کی فضیلت جمع ہوگئی تھی اور وہ جس عہد میں ظاھر ھوا ، اس عہد میں اس کی شخصیت ھر اعتبار سے انسانیت کا ایک پیام اور قوموں کی نجات تھی ۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جی ۔ بی ۔ گرنڈی (G. B. Grundy) جو موجودہ زمانے میں تاریخ قدیم کے ایک مستند ماھر ھیں اور جن کی کتاب ” گرینٹ پرشین وار “ (Great Persian War) نہایت مقبول ھوچکی ھے، لکھتے ھیں :

” یہ حقیقت بالکل آشکارا ھے کہ سائرس کی شخصیت اپنے عہد کی ایک غیر معمولی شخصیت تھی ۔ اس نے =

= اپنی تمام معاصر قوموں کے دلوں پر اپنا حیرت انگیز تاثر نقش کر دیا تھا. اس کی ابتدائی نشو و نما بالائی فارس کے غیر آباد اور دور دراز گوشوں میں ہوئی جس کی سرگذشت نے ایك افسانے کی حیثیت اختیار کر لی ہے. اس کی ابتدائی تربیت کی روایتیں اس سے ڈیڑھ سو برس بعد زینوفن نے مدون کیں جو سقراط کا شاگرد تھا. اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام روایتوں میں اس کے فضائل انسانیت کا جوہر عام طور پر نمایاں ہے. خواہ ہم ان روایتوں کو اہمیت دیں، خواہ نہ دیں، تاہم یہ حقیقت ہر حال میں غیر متزازل رہتی ہے کہ اس کی تدبیر و سیاست کا دامن اس کی انسانیت و فضیلت کے جوہر سے بندھا ہوا تھا. اور جب یہ خصوصیت آشوری اور بابلی شہنشاہوں کی بد عملیوں کے مقابلے میں لائی جاتی ہے تو اس کی شریفانہ نمود اور زیادہ درخشندہ ہو جاتی ہے".

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

"یہ فی الحقیقت ایك حیرت انگیز کامیابی تھی. بارہ برس پہلے وہ ایك چھوٹی سی ریاست انشان (Anshan) کا ایك گم نام رئیس تھا اور اب ایشیا کی وہ تمام مملکتیں اس کے زیر فرمان تھیں جہاں پچھلی قوموں کی بڑی بڑی عظمتیں =

= ظہور میں آچکی تہیں ۔ ان تمام بادشاھتوں میں جنھوں نے زمین کے مالك ھونے کے دعوے کیے، ایك بادشاھت بھی ایسی نہ تھی جو اب اپنی ھستی کا کوئی مؤثر ظہور رکھتی ھو ۔ آکادی (Akkadian) مملکت کے نیم اصنامی سرگون (Sargon) سے لے کر نبوخذ نصر (بخت نصر) تك ، سب کی مملکتیں اس کے آگے سر بسجود ھو گئی تہیں .... وہ صرف ایك بڑا فاتح ھی نہیں تھا ، وہ ایك بڑا حکم راں تھا ۔ قوموں نے یہ نیا دور صرف قبول ھی نہیں کیا ، بلکہ اس کا استقبال کیا ۔ ان دس برسوں میں جو فتح بابل کے بعد گزرے ، اس کی تمام وسیع مملکت میں ایك بغاوت کا واقعہ بھی نظر نہیں آتا ۔ بلا شبہ اس کی رعایا پر اس کی طاقت کا رعب چھایا ھوا تھا ، لیکن وہ کوئی وجہ نہیں رکھتی تھی کہ اس کی سخت گیری سے ھراساں ھو ۔ اس کی حکومت قتل و سلب کی سزاؤں سے بالکل نا آشنا رھی ۔ اب تازیانوں سے مجرموں کو نہیں پیٹا جاتا تھا ، اب قتل عام کے احکام صادر نہیں ھوتے تھے ، اب قوموں اور قبیلوں کو جلا وطن نہیں کیا جاتا تھا ۔ برخلاف اس کے ھم دیکھتے ھیں کہ اس نے آشوری اور بابلی بادشاھوں کے تمام مظالم کے اثرات یك قلم محو کر دیے ۔ جلا وطن قومیں اپنے وطنوں میں لوٹائی گئیں ، ان کے =

=معبد اور معبود انهیں واپس دے دیے گئے، قدیم رسموں اور عبادتوں کے خلاف کوئی جبر و تشدد باقی نہیں رہا، ہر قوم کے ساتھ پوری طرح دادرسی کی گئی، ہر مذہب کے پیرووں کو پوری پوری مذہبی آزادی دی گئی، دنیا کی گزشتہ عالم گیر دهشت ناکی کی جگہ ایک عالم گیر رواداری اور عفو و بخشش کا مبارک دور شروع ہوگیا (۳۹).

غور کرو! قرآن نے چند لفظوں کے اندر جو اشارات کردیے ہیں، آج تاریخ کا داستاں سرا کس طرح اس کے ایک ایک حرف کی شرح و تفصیل سنا رہا ہے.

٦ - اب چند لمحوں کے لیے ان تصریحات پر غور کرو جو تورات کے صحائف میں مندرج ہیں! کس طرح وہ سائرس کی شخصیت کی سب سے بڑی خصوصیت واضح کر رہے ہیں اور کس طرح قرآن کے اشارات بھی ٹھیک ٹھیک اُن کی تصدیق ہیں! یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے کہ خداوند کہتا ہے ''خورس میرا چرواہا ہے'' اور پھر یہ بھی کہا ہے کہ ''وہ میرا مسیح ہے'' اور یرمیاہ نبی کا بیان اوپر گزر چکا ہے کہ وہ بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے گا. اب دیکھو! اس کی شخصیت ٹھیک ٹھیک ایک موعود اور منتظر نجات دہندہ کی شخصیت تھی یا نہ تھی. =

صحائف تورات کی تصریحات

= جب ہم اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور پھر سائرس کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو بہ اول نظر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ اس کا ظہور ٹھیک ٹھیک ایک ایسی شخصیت کا ظہور تھا جس کے لیے وقت کی تمام قوتیں چشم براہ ہوں۔ قوموں کا انتظار ان کی زبانوں پر نہیں ہوتا، ان کے حالات کے قدرتی تقاضے میں ہوتا ہے۔ غور کرو! اس عہد کی رفتار زمانہ کا قدرتی تقاضا کیا تھا۔ یہ تاریخ کے صبح تمدن کی نمود تھی جس کی روشنی میں ہم انسانی حکم رانی کی ساری تاریکیاں پھیلی ہوئی دیکھتے ہیں۔ صاف دکھائی دیتا ہے کہ اس وقت تک انسانی فرماں روائی کی عظمت صرف قہر و غضب ہی کے نقاب میں رونما ہوئی تھی اور سب سے بڑا حکم راں وہی سمجھا جاتا تھا جو سب سے زیادہ انسانوں کے لیے خوف ناک ہو۔ آشور بنی پال(Ashurbanipal) نینوی کا سب سے بڑا بادشاہ تھا، اس لیے کہ وہ شہروں کے جلانے اور آبادیوں کے ویران کرنے میں سب سے زیادہ بے باک تھا۔ بابل کی نشأۃ ثانیہ میں نبوخذ نصر سب سے بڑا فاتح تھا، اس لیے کہ قوموں کی ہلاکت اور مملکتوں کی ویرانی میں سب سے زیادہ قہرمان تھا۔ مصریوں، آکادیوں، ایلامیوں، آشوریوں اور بابلیوں سب میں =

= انسانی حکومت و عظمت کے مظاہر خوف ناکی اور دہشت انگیزی کے مظاہر تھے اور ان کی شخصیتوں نے دیوتائی الوہیت کی تقدیس سے مل کر انسانوں کے قتل و تعذیب کا ہول ناک استحقاق حاصل کر لیا تھا۔ سائرس کے ظہور سے پچاس برس پہلے نبوخد نصر کی شہنشاہی کا ظہور ہوا اور ہمیں معلوم ہے کہ اس نے بیت المقدس پر پے بہ پے تین حملے کر کے نہ صرف دنیا کا سب سے بڑا زرخیز علاقہ تاراج و ویران کر دیا، بلکہ فلسطین کی پوری آبادی کو اس طرح ہنکا کر بابل لے گیا کہ جوزیفس (Josehpus) کے لفظوں میں "کوئی سخت سے سخت بے رحم قصائی بھی اس وحشت و خون خواری کے ساتھ بھیڑوں کو مذبح میں نہیں لے جاتا"۔ پھر کیا ان حالات کا قدرتی تقاضا یہ نہ تھا کہ دنیا ایک نئی شخصیت کے لیے چشم براہ ہو؟ قومیں ایک نجات دہندہ کی راہ تک رہی ہوں؟ ایک ایسے نجات دہندہ کی جو انسانوں کے گلے کے لیے خدا کا بھیجا ہوا "چرواہا" ہو، جو ان کی بیڑیاں کاٹے اور ان کے سروں کا بوجھ ہلکا کر دے، جو دنیا کو اس ربانی صداقت کا سبق دے دے کہ انسانی حکم رانی نوع انسانی کی خدمت کے لیے ہونی چاہیے، دہشت انگیزی اور خوف ناکی کے لیے نہیں! =

خدا کا بھیجا ہوا "چرواہا"

= دنیا بادشاہوں کے ہاتھوں سے تنگ آچکی تھی۔ اب وہ ایک "چرواہے" کے لیے مضطرب تھی اور یسعیاہ نبی کے لفظوں میں "خدا کا وہ فرستادہ چرواہا" نمودار ہوگیا!

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں نے اسے قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کے استقبال کے لیے بے اختیار لپکیں، کیوں کہ وہ وقت کی جستجو کا قدرتی سراغ اور زمانے کی طلب کا قدرتی جواب تھا۔ اور اگر رات کی تاریکی کے بعد صبح کی روشنی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے تو ممکن نہ تھا کہ انسانی شقاوت کی اس طولانی تاریکی کے بعد صبح سعادت کی اس جہاں تابی کا استقبال نہ کیا جاتا!

غور کرو! یسعیاہ نبی کا یہ جملہ صورت حال کی کیسی ہو بہو تصویر ہے کہ "وہ میرا چرواہا ہوگا۔ وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا۔ میں اس کا دھنا ہاتھ پکڑ کے قوموں کو اس کے قابو میں دے دوں گا اور بادشاہوں کی کریں اس کے آگے کھلوا ڈالوں گا۔ میں اس کے آگے چلوں گا۔ میں ٹیڑھے راستے اس کے لیے سیدھے کر دوں گا" (٤٤ : ۲۸ – ٤٥ : ۱ و ۲)۔ سارے مورخ گواہی دے رہے ہیں کہ وہ ایک چرواہے کی طرح آیا اور اس نے بندگان خدا کی رکھوالی کی۔ =

= سب کہ رہے ہیں کہ اس نے جس ملک کا رخ کیا اس کی شقاوت ختم ہو گئی. وہ جس قوم کی طرف بڑھا اس کی بیڑیاں کٹ گئیں. اس نے جس گروہ کے سر پر ہاتھ رکھا اس کے سارے بوجھ ہلکے ہو گئے. وہ صرف بنی اسرائیل ہی کا نہیں بلکہ تمام قوموں کا نجات دہندہ تھا!

خدا کا مسیح

یاد رہے کہ یسعیاہ نبی کی اسی پیشین گوئی میں اسے "خدا کا مسیح" بھی کہا ہے اور تورات کی اصطلاح میں "مسیح" وہ ہوتا ہے جسے خدا اپنی برکتوں کے ظہور کے لیے برگزیدہ کرائے اور قوموں کی نجات کے لیے اس کا ظہور ہو. چنانچہ حضرت داود کی نسبت بھی آیا ہے کہ "مسیح" تھے، سائرس کی نسبت بھی یہی کہا ہے اور اسی طرح بنی اسرائیل کی نجات کے لیے ایک آخری مسیح کی بھی پیشین گوئیاں موجود ہیں.

سائرس کو "مسیح" کہنا اس میں شک نہیں کہ اس کے تقدس اور الٰہی برگزیدگی کی سب سے زیادہ واضح اور قطعی اسرائیلی شہادت ہے.

٧ - اس سلسلے میں آخری وصف جو ذوالقرنین کا سامنے آتا ہے وہ اس کا ایمان باللہ ہے. قرآن کی آیتیں اس بارے میں ظاہر و قطعی ہیں کہ وہ ایک خدا پرست =

= انسان تھا، آخرت پر یقین رکھتا تھا، احکام الٰہی کے مطابق عمل کرتا تھا اور اپنی تمام کامرانیوں کو اللہ کا فضل و کرم سمجھتا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سائرس کا بھی ایسا ہی اعتقاد و عمل تھا؟ لیکن تمام پچھلی تفصیلات پڑھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ نہیں تھا؟

یہودیوں کے صحائف کی واضح شہادت موجود ہے کہ وہ خدا کا اپنا فرستادہ اور "مسیح" تھا اور وہ نبیوں کا موعود و منتظر تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی ہستی خدا کی نا فرمان ہستی نہیں ہوسکتی۔ جس کا "دھنا ہاتھ خدا نے پکڑا ہو" اور جس کی "ٹیڑھی راہیں وہ درست کرتا جائے" یقیناً وہ خدا کا نا پسندیدہ بندہ نہیں ہوسکتا۔ (٤٠)

اسرائیلی نبیوں کی شہادت

آج کل کے اصحاب نقد و نظر یسعیاہ نبی کی اس پیشین گوئی کو مشتبہ سمجھتے ہیں، کیوں کہ یہ سائرس سے ڈیڑھ سو برس پہلے کی گئی تھی۔ لیکن اگر اس سے قطع نظر کرلی جائے، جب بھی صورت حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ خود سائرس کے عہد میں جو اسرائیلی نبی موجود تھے، ان کی شہادتیں موجود ہیں اور وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد یہی تھا اور اسی حیثیت سے اس کا استقبال کیا تھا۔ حزقیل اور دانیال سائرس کے معاصر تھے اور دانیال کی نسبت یہودیوں کا اعتقاد ہے کہ دارا کے =

= عہد تك زندہ رہے . ان دونوں کی تصریحات سائرس کی نسبت موجود ہیں . پھر دارا کے زمانے میں حجی اور زکریاہ کے صحیفے مرتب ہوے اور زرکسیز (Xerxes) (اردشیر یا ارتخششت) کے عہد میں عزرا اور نحمیاہ کا ظہور ہوا . ان سب کی شہادتیں بھی موجود ہیں اور ان سب سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سائرس کو بنی اسرائیل نے ایك موعود ہستی اور برگزیدہ انسان تسلیم کر لیا تھا .

اگر یہودیوں کا عام اعتقاد یہ تھا تو کیا ایك لمحے کے لیے بھی یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ وہ ایك بت پرست انسان کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنے کی جرأت کرتے ! تسلیم کر لیا جائے کہ یہ تمام پیشین گوئیاں سائرس کے ظہور کے بعد بنائی گئیں ، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں ہی نے بنائیں اور یہودیوں ہی میں پھیلیں ، حتی کہ ان کی مقدس کتاب میں داخل ہو گئیں . پھر کیا ممکن تھا کہ ایك بت پرست انسان کے لیے ایسی پیشین گوئیاں بنائی جاسکتیں ؟ کیا ممکن تھا کہ ایك بت پرست کو اسرائیلی وحی کا ممدوح اور اسرائیلی نبیوں کا موعود بنادیا جاتا ؟

یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اجنبیوں اور غیر اسرائیلیوں کے خلاف یہودیوں کا تعصب بہت ہی =

۔ مخت تھا ، ان کے نسی غرور پر اس سے زیادہ اور کوئی بات شاق نہیں گزرتی تھی کہ کسی غیر اسرائیلی انسان کی بزرگی کا اعتراف کریں ۔ ظہور اسلام کے وقت بھی یہی عصبیت انہیں اعتراف حق سے روکتی تھی " ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم" (۳ : ۷۳) . تاہم وہ سائرس کی فضیلت کے آگے جھك گئے جو ان کے لیے ہر اعتبار سے اجنبی تھا اور نہ صرف اس کی بزرگی ہی کا اعتراف کیا، بلکہ نبیوں کا موعود اور خدا کا برگزیدہ تسلیم کر لیا . یہ صورت حال اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ سائرس کی شخصیت ان کے لیے بڑی ہی محبوب شخصیت تھی اور اس کی فضیلتیں ایسی قطعی اور آشکارا تھیں کہ ان کے اعتراف میں نسلی عصبیت کا جذبہ بھی حائل نہ ہوسکا . ظاہر ہے کہ ایك بت پرست انسان کے لیے جو اجنبی بھی ہو ، یہودیوں میں ایسی محبوبیت نہیں پیدا ہو سکتی تھی . اگر ایك بت پرست بادشاہ نے انہیں نجات دلائی تھی تو وہ اس کی شاہانہ عظمتوں کی مداحی کرتے ، مگر خدا کا مسیح اور برگزیدہ کبھی نہ سمجھتے . ضروری ہے کہ اس کی فضیلتیں مذہبی ہوں . ضروری ہے کہ مذہبی حیثیت سے بھی عقائد کا توافق موجود ہو . یہ یہودیوں کی پوری تاریخ میں غیر اسرائیلی فضیلت کے اعتراف کا تنہا واقعہ ہے اور ممکن ۔

= نہیں کہ ایک ایسے انسان کے ایسے ہو جسے وہ مذہبی حیثیت سے محترم نہ سمجھتے ہوں ۔

سائرس کے دین کا تعین

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سائرس کے دینی عقائد کے بارے میں ہماری معلومات کیا ہیں ؟

تاریخی حیثیت سے یہ قطعی ہے کہ سائرس زردشت کا پیرو تھا جسے یونانیوں نے زارا دسترو (٤١) کے نام سے پکارا ہے ۔ اتنا ہی نہیں بلکہ غالباً اسی کی شخصیت ہے جو اس نئی دعوت کی تبلیغ و عروج کا ذریعہ ہوئی ۔ اس نے فارس اور میڈیا میں نئی شہنشاہی کی بنیاد ہی نہیں رکھی تھی ، بلکہ قدیم مجوسی دین کی جگہ نئے زردشتی دین کی بھی تخم ریزی کی تھی ۔ وہ ایران میں نئی شہنشاہی اور نئے دین دونوں کا بانی تھا ۔

زردشت کے ظہور کا زمانہ

زردشت کی ہستی کی طرح اس کے ظہور کا زمانہ اور محل بھی تاریخ کا ایک مختلف فیہ موضوع بن گیا ہے اور انیسویں صدی کا پورا زمانہ مختلف نظریوں اور قیاسوں کے ردوکد میں بسر ہوچکا ہے ۔ بعضوں کو اس کی تاریخی ہستی ہی سے انکار ہوا ۔ بعضوں نے شاہ نامے کی روایت کو ترجیح دی اور گشتاسپ والا قصہ تسلیم کرلیا ۔ بعضوں نے اس کا زمانہ ایک ہزار برس قبل مسیح قرار دیا ۔ بعضوں نے یہ مدت دوہزار برس =

=قبل مسیح تک بڑھا دی۔ اسی طرح محل کے تعین میں بھی اختلاف ہوا۔ بعضوں نے باختر، بعضوں نے خراسان، بعضوں نے میڈیا اور شمالی ایران قرار دیا۔ لیکن اب بیسویں صدی کی ابتدا سے اکثر محققین تاریخ گلڈنر (Geldner) کی رائے پر متفق ہوگئے ہیں اور عام طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ زردشت کا زمانہ وہی تھا جو سائرس کا تھا۔ اور گشتاسپ (٤٢) والی روایت اگر صحیح ہے تو اس سے مقصود وہی گشتاسپ ہے جو دارا کا باپ اور ایک صوبے کا گورنر تھا۔ زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران یعنی آذر بائی جان میں ہوا جسے اوستا کے حصے ”وینديداد“ میں ”ایریانہ ویجو“ (Airyana Vigo)(٤٣) سے تعبیر کیا ہے، البتہ کامیابی باختر میں ہوئی جس کا گورنر گشتاسپ تھا(٤٤)۔

اس تحقیق کے مطابق زردشت کا سال وفات تقریباً سنہ ٥٠٠ قبل مسیح سے لیکر سنہ ٥٨٣ قبل مسیح تک ہونا چاہیے اور سائرس کی تخت نشینی بالاتفاق سنہ ٥٥٠ ق م میں ہوئی، یعنی زردشت کی وفات کے تیس سال بعد، یا عین اسی سال۔

لیکن اگر سائرس زردشت کا معاصر تھا تو کیا کوئی براہ راست تاریخی شہادت موجود ہے جس سے اس کا دین زردشتی قبول کرنا ثابت ہو؟ نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ تمام قرائن جمع کیے جائیں جو خود تاریخ کی روشنی نے=

= مہیا کر دیے ہیں تو یقیناً ایک بالواسطہ شہادت نمایاں ہو جاتی ہے اور اس میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا کہ سائرس نہ صرف دین زردشتی پر عامل تھا، بلکہ اس کا پہلا حکم راں داعی تھا اور اسی نے یہ ورثہ اپنے جانشینوں کے لیے چھوڑا جو دو سو برس تک بلا استثناء دین زردشتی پر عمل پیرا رہے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ روشنی جن واقعات سے پڑتی ہے، وہ دو ہیں اور دونوں کی تاریخی نوعیت مسلم ہے: پہلا واقعہ ''گوماتہ'' (Gaumata) کی بغاوت کا ہے جو سائرس کی وفات کے آٹھ برس بعد ظہور میں آئی۔ دوسرے دارا کے کتبے ہیں جن سے اس کے دینی عقائد کی نوعیت آشکارا ہو گئی ہے۔

سائرس کا بالاتفاق سنہ ۵۲۹ قبل مسیح میں انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا کم بی سیز (Cambiyses کمبوجیہ یا کیقباد) تخت نشین ہوا۔ اس نے سنہ ۵۲۵ ق م میں مصر فتح کیا۔ لیکن ابھی مصر ہی میں تھا کہ معلوم ہوا ایران میں بغاوت ہو گئی ہے اور ایک شخص ''گوماتہ'' نامی اپنے آپ کو سائرس کا دوسرا لڑکا سمرڈیز (Smerdis - فارسی: بردیہ) مشہور کر دیا ہے جو بہت پہلے مر چکا تھا یا مار ڈالا گیا تھا۔ یہ خبر سن کر وہ مصر سے لوٹا۔ لیکن ابھی شام میں تھا کہ =

=سنہ ٥٢٢ ق م میں اچانک انتقال کر گیا، اب چوں کہ سائرس کی براہ راست نسل سے کوئی شہزادہ موجود نہ تھا، اس لیے اس کا عم زاد بھائی دارا بن گشتاسپ تخت نشین ہوگیا۔ دارا نے بغاوت فرو کی، گوماتہ کو قتل کیا اور نئی مملکت کو اس کے عروج و کمال تک پہنچا دیا۔ دارا کی تخت نشینی بالاتفاق سنہ ٥٢١ ق م میں ہوئی ہے۔ پس اس کا عہد سائرس کے انتقال سے آٹھ برس بعد شروع ہوگیا تھا۔

یونانی مورخوں کی شہادت موجود ہے کہ یہ بغاوت میڈیا کے قدیم مذہب کے پیرووں کی بغاوت تھی اور خود دارا اپنے کتبۂ بےستون میں "گوماتہ" کو "موگوش" لکھتا ہے یعنی مجوس، اور مجوسی مذہب سے مقصود قدیم مذہب ہے(٤٥)۔ تاریخ میں اس کا بھی سراغ ملتا ہے کہ پرانے مذہب کے پیرووں کی سرکشی اس کے بعد بھی جاری رہی چنانچہ دوسری بغاوت "پراورتیش" (Phraortes) نامی مجوس نے کی تھی جسے دارا نے ھمدان میں قتل کیا اور تیسری "چترت خمہ" (Chitratakhama) نامی نے جوار بیل (Arbela) میں قتل ہوا۔

دوسرا واقعہ دارا کے کتبوں سے روشنی میں آیا ہے۔ یہ دنیا کی خوش قسمتی ہے کہ دارا نے بعض کتبے پہاڑوں کی محکم چٹانوں پر نقش کرائے جنھیں سکندر کا حملہ بھی=

= برباد نہ کر سکا ۔ ان میں سب سے زیادہ اهم کتبہ بے ستون کا ھے جس میں دارا نے گوماتہ مجوسی کی بغاوت اور اپنی تخت نشینی کی سرگذشت قلم بند کی ھے ۔ دوسرا اصطخر کا ھے جس میں اپنے تمام ماتحت ممالك کے نام گنوائے ھیں ۔ ان دونوں میں وہ بار بار ''اھورا موزدہ'' (Ahura Mazda) کا نام لیتا ھے اور اپنی تمام کام رانیوں کو اس کے فضل و کرم سے منسوب کرتا ھے اور یہ ظاھر ھے کہ ''اھورا موزدہ'' زردشت کی تعلیم کا ''اللہ'' ھے ۔

ان دو واقعوں پر ایك تیسرے واقعے کا بھی اضافہ کر دینا چاھیے ۔ یعنی تاریخ میں کوئی اشارہ اس کا نہیں ملتا کہ کم بی سیز نے کوئی نیا دین قبول کیا تھا یا دارا کو اس طرح کا کوئی معاملہ پیش آیا تھا ۔ ھیروڈوٹس نے دارا کی وفات سے پچاس ساٹھ برس بعد اپنی تاریخ لکھی ھے (٤٦) ۔ اس کے لیے دارا کے عہد کے واقعات بالکل قریبی زمانے کے واقعات تھے اور لیڈیا میں فارسی حکومت قائم ھو جانے کی وجہ سے یونانیوں اور فارسیوں کے تعلقات بھی روز بروز بڑھ رھے تھے ، تاھم وہ کسی ایسے واقعے کا ذکر نہیں کرتا ۔ پس سائرس کی وفات اور دارا کی تخت نشینی کے درمیان آٹھ برس کی جو مدت گزری ھے ، ھم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ھیں کہ اس عرصے میں کسی =

=نئی مذہبی دعوت کے ظہور و قبول کا کوئی واقعہ نہیں گزرا۔

اب غور کرو! ان واقعات کا لازمی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر سائرس کے بعد کم بی سیز اور دارا نے کوئی نئی دعوت قبول نہیں کی تھی اور دارا دین زردشتی پر عامل تھا تو کیا اس سے ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ دارا اور کم بی سیز سے پہلے زردشتی دین خاندان میں آچکا ہے۔ اگر سائرس کی وفات کے چند سال بعد قدیم مذہب کے پیرو اس لیے بغاوت کرتے ہیں کہ کیوں ایک نیا مذہب قبول کر لیا گیا ہے تو کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ سائرس نیا مذہب قبول کر چکا تھا اور تبدیل مذہب کا معاملہ نیا نیا پیش آیا تھا؟ پھر اگر زردشت سائرس کا معاصر تھا تو کیا یہ اس بات کا مزید ثبوت نہیں ہے کہ سب سے پہلے سائرس ہی نے یہ دعوت قبول کی تھی اور وہ فارس اور میڈیا کا نیا شہنشاہ بھی تھا اور نئی دعوت کا پہلا حکمران داعی بھی؟

اتنا ہی نہیں، بلکہ ہم غور کرتے ہیں تو اس زنجیر کی کڑیاں اور آگے تک بڑھتی جاتی ہیں۔ البتہ ہم اسے ایک قیاس سے زیادہ کہنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اگر سائرس زردشت کا معاصر تھا اور سائرس کا ابتدائی زمانہ خاندان=

زردشت اور سائرس

= سے الگ اور گم نامی میں بسر ھوا تو کیا اسی زمانے میں دونوں شخصیتیں ایک دوسرے کے قریب نہیں پہنچ جاتیں؟ اور کیا ایسا نہیں سمجھا جاسکتا کہ اسی زمانے میں سائرس زردشت کی تعلیم و صحبت سے بہرہ مند ھوا؟ سائرس کی ابتدائی زندگی کی سرگذشت تاریخ کی ایک گم شدہ داستان ھے۔ پھر کیا اس داستان کا سراغ ھمیں ان دونوں شخصیتوں کی معاصرت کے واقعے میں نہیں مل جاتا؟

مورخ زینوفن نے سائرس کی ابتدائی زندگی کا افسانہ ھمیں سنایا ھے اس افسانے میں ایک پراسرار شخص کی پرچھائیں صاف نظر آرھی ھے جو دشت و جبل کے اس پروردۂ قدرت کو آنے والے کارناموں کے لیے تیار کر رھا تھا۔ کیا اس پرچھائیں میں ھم خود زردشت کی مقدس شخصیت کی نمود نہیں دیکھ رھے؟ اگر زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران میں ھوا تھا اور اگر سائرس کی ابتدائی گم نامی کا زمانہ بھی شمالی کوھستان میں بسر ھوا تو کیوں یہ دونوں کڑیاں باھم مل کر ایک گم شدہ داستان کا سراغ نہ بن جائیں؟

سائرس کی شخصیت وقت کے تمام ذھنی اور اخلاقی رجحانات کے برخلاف ایک انقلاب انگیز شخصیت تھی۔ ایسی شخصیت کسی انقلاب انگیز داعی کی دعوت ھی سے =

= پیدا ہو سکتی ہے اور صاف نظر آرہا ہے کہ وہ داعی شخصیت زردشت ہی کی تھی ۔

بہر حال سائرس نے اپنی ابتدائی گم نامی کے عہد میں نئی دعوت قبول کی ہو، یا تخت نشینی کے بعد، لیکن یہ قطعی ہے کہ وہ دین زردشتی پر عامل تھا ۔

دین زردشتی کی حقیقی تعلیم

لیکن اگر ذوالقرنین دین زردشتی پر عامل تھا اور قرآن ذوالقرنین کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا اثبات کرتا ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ اسے "ملہم من اللہ" قرار دیتا ہے تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زردشت کی تعلیم دین حق کی تعلیم تھی؟ یقیناً لازم آتا ہے۔ لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اس لزوم سے بچنے کی ہم کوشش کریں، کیوں کہ یہ حقیقت اب پوری طرح روشنی میں آچکی ہے کہ زردشت کی تعلیم سر تا سر خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی اور آتش پرستی اور ثنویت کا اعتقاد اس کا پیدا کیا ہوا اعتقاد نہیں ہے، بلکہ قدیم میدوی مجوسیت کا ردعمل ہے۔

جس طرح روم کی مسیحیت قدیم رومی بت پرستی کی ردعمل سے محفوظ نہ رہ سکی، اسی طرح زردشت کی خالص خدا پرستانہ تعلیم بھی قدیم مجوسیت کے ردعمل سے بچ نہ سکی، خصوصاً ساسانی عہد میں جب وہ از سر نو مدون ہوئی تو اصل تعلیم سے بالکل ایک مختلف چیز بن چکی تھی ۔ =

مبدا کا ارتقاء مذہب

= زردشت کے ظہور سے پہلے فارس اور میڈیا کے باشندوں کے عقائد کی بھی نوعیت وہی تھی جو انڈویورپین آریاؤں کی تمام دوسری شاخوں کی رہ چکی ہے. ہندوستان کے آریوں کی طرح ایران کے آریوں میں بھی پہلے مظاہر قدرت کی پرستش شروع ہوئی، پھر سورج کی عظمت کا تصور پیدا ہوا، پھر زمین میں آگ نے سورج کی قائم مقامی پیدا کر لی، کیوں کہ تمام مادی عناصر میں روشنی اور حرارت کا سر چشمہ وہی تھی. یونانیوں میں ایسسے دیوتاؤں کا تصور پیدا ہوا جن سے اچھائی اور برائی دونوں ظہور میں آتی تھیں، لیکن ایرانیوں کے تصور نے دیوتاؤں کو دو متقابل قوتوں میں تقسیم کر دیا: ایک قوت پاک دیوتائی ہستیوں کی تھی جو انسان کو زندگی کی تمام خوشیاں بخشتی تھیں. دوسری قوت برائی کے عفریتوں کی تھی. جو قہر و غضب کا سر چشمہ تھے. روحانی ہستیوں کی نمود روشنی میں ہوئی اور شیطان کی تاریکی میں. (٤٧) برائی کے دیوتا قہر و غضب کے سر چشمے ہیں اور اس لیے قربانیوں اور نذرانوں کے ذریعے ان کا غضب ٹھنڈا کرنا ضروری تھا.

اچھائی برائی کا جس قدر تصور تھا، وہ یونانیوں کی طرح صرف مادی زندگی کی راحتوں اور محرومیوں =

= ھی میں محدود تھا ۔ روحانی زندگی اور اس کی سعادت و شقاوت کا کوئی تصور پیدا نہیں ھوا تھا ۔

آگ کی پرستش کی قربان گاھیں بنائی جاتی تھیں اور اس کے خاص پجاریوں کا ایك مقدس گروہ بھی پیدا ھو گیا تھا ۔ اس کے افراد "موگوش" کے لقب سے پکارے جاتے تھے ۔ آگے چل کر اسی لقب نے آتش پرستی کا مفہوم پیدا کر دیا ۔ (٤٨) گاتھا میں زردشت نے انہیں کاوی اور کارپان کے نام سے پکارا ھے ۔ کارپان غالبا وھی لفظ ھے جو سنسکرت میں کالپ ھے، جس کے معنی مذھبی ریت کے ھیں ۔ "کوی" ھندوستان میں شاعر کو کہا گیا ھے، وھاں جادوگر کے معنوں میں مستعمل ھوا، "و ان من البیان لسحرا" ۔

زردشت کی تعلیم

لیکن زردشت نے ان تمام عقائد سے انکار کر دیا ۔ اس نے خدا پرستی، روحانی سعادت و شقاوت اور آخرت کی زندگی کا عقیدہ پیدا کیا ۔ اس نے کہا: یہاں نہ تو خیر کی بہت سی روحانی ھستیاں ھیں، نہ شر کے بہت سے عفریت ۔ یہاں صرف ایك "اھورا موزدہ" کی ھستی ھے جو یگانہ ھے، نور ھے، قدوس ھے، حق ھے، حکیم ھے، قدیر ھے اور تمام کائنات ھستی کی خالق ھے ۔ کوئی ھستی نہیں جو اس کے مثل ھو، یا اس کے ھمتا ھو، یا اس کی =

= شریك ھو. تم نے جن روحانی قوتوں کو خیر کا خالق سمجھ رکھا ھے وہ خالق و قادر نہیں ھیں ، بلکہ "اھورا موزدہ" کے پیدا کیے ھوے "امش سپند" ھیں ، یعنی ملائکہ ھیں (٤٩). اور شر کا ذریعہ دیوون کی خوف ناك قوت نہیں ھے ، بلکہ "انگرومے نیوش" (اھرمن) (٥٠) کی ھستی ھے یعنی شیطان کی ھستی ھے. یہ اپنی وسوسہ اندازیوں سے انسان کو تاریکی کی طرف لے جاتی ھے.

زردشت کی تعلیم کا عملی پہلو سب سے زیادہ اھم ھے. یونانیوں کی طرح اس کا اخلاقی تصور مذھب سے الگ نہیں تھا ، بلکہ عین مذھب میں تھا . اس نے مذھب کو محض ایك قومی اور ملکی مذھب کی شان نہیں دی، بلکہ انفرادی زندگی کا روزانہ دستور العمل بنا دیا. نفس کی طہارت اور اعمال کی درستگی اس کی تعلیم کا اصلی محور ھے . انسانی زندگی کا ھر خیال، ھر قول ، ھر فعل ضروری ھے کہ اس معیار پر پورا اترے . "فکر کی راستی، گفتار کی راستی اور کردار کی راستی" پرستاران اھورا موزدہ کے لیے تین بنیادی اصول تھے (وندیداد $\frac{1}{19}$). پروفیسر گرنڈی کے لفظوں میں "اس کا مذھب حقیقت اور عمل کا مذھب تھا. یونانی مذھب کی طرح محض رسموں اور ریتوں کا مذھب نہ تھا. اس نے مذھب کو =

تعلیم کا عملی خصوصیت

= ایرانیوں کی روزانہ زندگی کی ایك حقیقت بنا دیا اور اخلاق اس مذھب کا مرکزی عنصر تھا" (۵۱) .

عبادت کا تصور

اس کی عبادت کا تصور ھر طرح کے اصنامی اثرات سے پاك تھا . عبادت ھمیں اس لیے نہیں کرنی چاھیے کہ خدا کے غضب و انتقام سے بچیں ، بلکہ اس لیے کہ برکتیں اور سعادتیں حاصل کریں . اگر ھم اھورا موزدہ کی عبادت نہیں کریں گے تو وہ ھمیں یونانی اور ھندوستانی دیوتاؤں کی طرح اپنے غضب کا نشانہ نہیں بنائے گا ، لیکن خود ھم سعات سے محروم رہ جائیں گے .

آخرت کی زندگی

اس کی تعلیم کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو آخرت کی زندگی کا اعتقاد ھے . وہ کہتا ھے : انسان کی زندگی صرف اتنی ھی نہیں ھے جتنی اس دنیا میں گزرتی ھے . اس کے بعد بھی ایك زندگی پیش آئے گی . اس زندگی میں دو عالم ھوں گے : ایك اچھائی اور سعادت کا ، دوسرا برائی اور شقاوت کا . جن لوگوں نے اس زندگی میں نیك عمل کیے ھیں وہ پہلے عالم میں جائیں گے ، جنھوں نے برے عمل کیے ھیں دوسرے عالم میں اور اس کا فیصلہ اس دن ھوگا جسے وہ "آخری فیصلے" کا دن قرار دیتا ھے .

بقاء روح کا مسئلہ اس کے مذھب کی بنیادی چٹان ھے .=

انسان فانی ہے مگر اس کی روح فانی نہیں. وہ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور ثواب و عقاب کے دو عالموں میں سے کسی عالم میں داخل ہو جاتی ہے (٥٢).

موجودہ عہد کے تمام محققین تاریخ متفق ہیں کہ زردشت کی تعلیم نے انسان کے اخلاق اور فکری ارتقاء میں نہایت مؤثر حصہ لیا ہے. اس نے پانچ سو برس قبل مسیح ایرانیوں کو اخلاقی پاکیزگی کی ایک ایسی سطح پر پہنچا دیا تھا جہاں سے ان کے معاصر یونانیوں اور رومیوں کی زندگی بہت ہی پست دکھائی دیتی ہے. ایک ایسا مذہب جس کی تعلیم کا رخ سر تا سر انفرادی زندگی کی پاکیزگی کی طرف تھا اور جو اپنے پیرووں کی اخلاقی روش کے لیے نہایت بلند مطالبے رکھتا تھا، ضروری تھا کہ اعمال و خصائل کے بہتر سانچے ڈھال دے اور تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ اس نے ڈھال دیے تھے. یہ شہادت کن لوگوں کے قلم سے نکلی ہے؟ ان لوگوں کے قلم سے جو کسی طرح بھی ایرانیوں کے دوست نہیں سمجھے جا سکتے. پانچویں اور چوتھی صدی قبل مسیح کا تمام زمانہ ایرانیوں اور یونانیوں کی مسلسل آویزش کا زمانہ رہا ہے اور ہیروڈوٹس اور زینوفن نے جب =

پیروان زردشت کا اخلاقی تقدم

=تاریخیں لکھی ھیں تو یونانیوں کے حریفانہ جذبات پوری طرح ابھرے ہوئے تھے. تاھم ھم دیکھتے ھیں کہ وہ ایرانیوں کی اخلاق فضیلت سے انکار نہیں کرسکتے. انھیں ماننا پڑتا ھے کہ ان میں بعض ایسی عظیم فضیلتیں ھیں جو یونانیوں میں نہیں پائی جاتیں. ھم یہاں پروفیسر گرنڈی کے الفاظ پھر مستعار لیں گے: ''ایرانی سچائی اور دیانت کی ایسی فضیلتیں رکھتے تھے جو اس عہد کی قوموں میں عام طور پر دکھائی نہیں دیتیں''.

ان کی راست بازی، رحم دلی، شجاعت اور بلند نظری کا سب اعتراف کرتے ھیں اور یہ یقیناً زردشت کی تعلیم کے لازمی نتائج تھے.

دارا کے فرامین

دارائے اول کا زمانہ اس مذھب کی بلند آھنگی کا شان دار زمانہ ھے. اس کے کتبوں میں ھمیں زردشتی تعلیم کی صدائیں صاف سنائی دے رھی ھیں اور ان سے ھم حقیقت حال معلوم کرا سکتے ھیں. بہستون (Behistun) کا کتبہ ڈھائی ھزار برس پیش تر کی یہ منادی آج تك بلند کر رھا ھے:

''خدائے برتر! اھورا موزدہ ھے. اسی نے زمین پیدا کی، اسی نے آسمان بنایا، اسی نے انسان کی سعادت=

= بنائی اور وہی ہے جس نے دارا کو بہتوں کا تنہا حکم ران اور آئین ساز بنایا"۔

"دارا اعلان کرتا ہے کہ اہورا موزدہ نے اپنے فضل سے مجھے بادشاہت دی اور اسی کے فضل سے میں نے زمین میں امن و امان قائم کیا۔ میں اہورا موزدہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے، میرے خاندان کو اور تمام ملکوں کو محفوظ رکھے۔ اے اہورا موزدہ! میری دعا قبول کر۔

اے انسان! اہورا موزدہ کا تیرے لیے حکم یہ ہے کہ برائی کا دھیان نہ کر، صراط مستقیم کو نہ چھوڑ، گناہ سے بچتا رہ"۔ (۵۳)

صراط مستقیم کی دعوت

یاد رہے کہ دارا سائرس کا معاصر تھا اور اس کی وفات سے صرف آٹھ برس بعد تخت نشین ہوا۔ پس دارا کی صداؤں میں ہم خود سائرس کی صدائیں سن رہے ہیں۔ اس کا بار بار اپنی کام رانیوں کو اہورا موزدہ کے فضل و کرم سے منسوب کرنا ٹھیک ٹھیک ذوالقرنین کے اس طریق خطاب کی تصدیق ہے: "ھذا رحمۃ من ربی"۔

زردشتی مذہب کا انحطاط و تغیر

لیکن چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد زردشتی مذہب کا تنزل شروع ہو گیا۔ ایک طرف قدیم مجوسی مذہب نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا، دوسری طرف خارجی اثرات =

= بھی کام کرنے لگے، یہاں تک کہ انٹانین (Antonine) شہنشاہ روم کے زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ سائرس اور دارا کے عہد کے زردشتی مذہب نے بالکل ایک دوسری ہی شکل اختیار کر لی ہے۔ جب سکندر اعظم کی فتوحات کا سیلاب اٹھا تو وہ ایران کی دو صد سالہ شہنشاہی ہی نہیں بلکہ اس کا مذہب بھی بہا لیے گیا۔ ایرانیوں کا قومی افسانہ کہتا ہے کہ ”زردشت کا مقدس صحیفہ ”اوستا“ بارہ ہزار بیلوں کی مدبوغ کھالوں پر آب زر سے لکھا ہوا تھا جو سکندر کے حملۂ اصطخر میں جل کر راکھ ہو گیا“۔ بارہ ہزار بیلوں کی کھال کا حصہ تو محض مبالغہ ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ بخت نصر کے حملۂ بیت المقدس نے جو سلوک تورات کے ساتھ کیا تھا وہی سکندر کے حملۂ ایران نے اوستا کے ساتھ کیا، یعنی دونوں جگہ مذہب کا اصلی نوشتہ مفقود ہو گیا۔

پھر جب پانچ سو پچاس برس کے بعد ساسانی دور حکومت شروع ہوا تو مذہب زردشت کی از سرنو تدوین کی گئی اور جس طرح قید بابل کے بعد عزرا نے نئی تورات مرتب کی تھی اسی طرح اردشیر بابکانی نے از سرنو اوستا کا نسخہ مرتب کرایا۔ لیکن اب مذہب کی =

= تمام حقیقی خصوصیات طرح طرح کی تبدیلیوں، تحریفوں اور اضافوں سے یک قلم مسخ ہو چکی تھیں ۰ چنانچہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ ساسانی عہد کا مذہب قدیم مجوسیت، زردشتیت اور یونانیت کا ایک مخلوط مرکب ہے اور اس کا بیرونی رنگ و روغن تو تمام تر مجوسیت ہی نے فراہم کیا ہے۔ اسی ساسانی اوستا کا ایک ناقص اور محرف ٹکڑا ہے جو ہندوستان کے پارسیوں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے اور جس کے لیے ہم ایک فرنچ مستشرق آنک تیل (Anquetil) کی الوالعزمیوں اور علمی قربانیوں کے شکر گزار ہیں۔ (٥٤) اس باقی ماندہ اوستا کے مجموعے میں صرف پانچ گاتھاؤں کا حصہ بلا شبہ زردشتی عہد کی خبر دیتا ہے۔ باقی حصے بعد کے عہدوں کی مخلوق ہیں جن سے ساسانی مذہب کے عقائد و اعمال کی ایک ناقص شبیہ مل جاتی ہے ۰

اس سلسلے میں ایک بحث طلب سوال اور ہے اور ضروری ہے کہ اس پر بھی نظر ڈال لی جائے ۔ یہ مسلم ہے کہ پیروان زردشت میں بت پرستی کی کوئی شکل بھی سر نہ اٹھا سکی (٥٥) ۔ قدیم مجوسی مذہب میں بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا، لیکن ایران میں دارا =

= اور اس کے بعد کے عہد کے جو آثار ملے ہیں ان میں ایك خاص صورت کا نقش پایا جاتا ہے . یہ بادشاہ کی تصور نہیں ہو سکتی، کیوں کہ بادشاہ کی شخصیت مرقع میں الگ نمایاں ہے . اس کا محل ہر جگہ بلندی میں اور سب سے اوپر واقع ہوا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ خود بادشاہ سے بھی کوئی بلند تر ہستی ہو. سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ ہستی کون ہے؟ سب سے پہلے یہ صورت بے ستون (٥٦) کے مرقع میں زیر بحث ہوئی، جب سنہ ۱۸٤۷ ء میں کرنیل رالن سن (Rawlinson) نے اپنی شرح وحل کے ساتھ اصل مرقع کا چربہ شائع کیا. پھر یہی صورت متعدد نقوش میں ملی، مثلاً دارا کی سرکاری مہر کے مرقع میں، نقش رستم میں، جو در اصل دارا کی قبر ہے . اصطخر کے محل شاہی کے دروازے پر جو غالباً درمیانی دروازہ ہے .

رالن سن سے پہلے سر رابرٹ کیر پورٹر (SirRobert KerrPorter) نے یہ نظریہ قائم کر لیا تھا کہ یہ کوئی ما فوق انسانیت ہستی ہونی چاہیے جو خود بادشاہ سے بھی اوپر اپنی جگہ رکھتی ہے. رالن سن ایك قدم اور آگے بڑھا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ یہ اهورامزدہ کی ہستی ہے، =

= یعنی خدا کی۔ چنانچہ اس وقت سے یہ رائے برابر مقبول ہوتی گئی۔ اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ایرانی اگر چہ بت پرستی سے مجتنب رہے، لیکن انہوں نے اهورا موزدہ کی ہستی کے لیے ایک مرموز (یعنی Symbolic) شخص کا تصور ضرور قائم کر لیا تھا جو ان تصویروں میں نمایاں ہے اور یہ مصریوں اور آشوریوں کے مرموز تجسم کا اثر تھا جس سے وہ بھی متاثر ہو گئے۔ (٥٧)

لیکن سنہ ١٩٠٨ء سے (جب کہ میں نے پہلے پہل ایرانی آثار قدیمہ کا بغور مطالعہ کیا) میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ قیاس اول دن ہی سے غلط رخ پر چلا ہے اور تمام تاریخی اور عقلی قرائن اس کے خلاف ہیں:

اولاً، تمام تاریخی شہادتیں اور خود پارسیوں کا مسلسل تعامل ثابت کر رہا ہے کہ انہوں نے الوہیت کا تصور کبھی کسی انسانی جسم و صورت میں نہیں کیا اور کبھی کسی مجسمے کو تقدیس کی نظر سے نہیں دیکھا

ثانیاً، اگر امتداد زمانہ سے یہ چیز پیدا بھی ہو گئی ہو جب بھی کسی طرح یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ خود دارا کے عہد میں پیدا ہو گئی ہو، جو زردشت کی تعلیم کا ابتدائی عہد تھا اور جب یونانی مورخوں کی شہادت کے =

= مطابق ایرانی یونانی بت پرستی کو حقارت کی نظر سے
دیکھا کرتے تھے .

ثالثاً ، اس شبیہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو معبودیت والوهیت کی کوئی خاص شان رکھتی ہو . ہر جگہ اس کی ایک ہی صورت اور وضع ہے اور وہ ایک معمولی انسان کی ہے جس نے اس زمانے کا عام لباس پہن رکھا ہے ، وہی لباس جو خود دارا اور اس کے جانشینوں کی تصویروں میں دکھایا گیا ہے . صرف اتنی بات اس میں زیادہ ہے کہ ایک حلقہ اس کی کمر سے نیچے چاروں طرف بنا دیا گیا ہے اور عقب میں ایک ایسا طولانی نقش ہے جس میں لہروں کی سی شان پیدا ہو گئی ہے . اس حلقے اور لہروں کو سورج کی مرموز شکل قرار دیا گیا ہے . اگر یہ رائے تسلیم بھی کر لی جائے جب بھی یہ اس کے لیے کافی نہیں کہ محض یہ مشتبہ حلقہ اور مشتبہ لہریں ایک خالق ہستی کے تصور کے لیے پیروان زردشت کا منتہائے خیال تھا .

رابعاً ، اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ اس حلقے اور لہروں میں ایک ماوراء انسانیت ہستی کا تصور مرموز تھا جب بھی یہ اہورا موزدہ کی ہستی کیوں ہو ، جس کی نسبت زردشت نے تقدس و علو کا اس درجہ بلند تصور =

= قائم کیا ہے؟ کیوں یہ کسی ایسے انسان کی صورت نہ ہو جو اگرچہ انسان تھا مگر اپنی انسانیت کی رفعت و تقدس کی وجہ سے ایک غیر معمولی ہستی سمجھا جاتا تھا، مثلاً خدا کی ایک فرستادہ ہستی؟

بہر حال اس رخ پر ہم جس قدر بڑھتے ہیں یہ بات واضح ہوتی جاتی ہے کہ اسے اہورامزدہ کی ہستی سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ یہ یا تو خود زردشت کی تصویر ہے جو ایرانی مذہب کا بانی تھا، یا سائرس کی ہے جو اس مذہب کا حکمران پیغمبر اور ہخامنشی Achaemenides شہنشاہی کا پہلا تاج دار تھا۔

چوں کہ اس صورت کے بائیں ہاتھ میں ہر جگہ ایک حلقہ دکھلایا گیا ہے اور ایرانی نقوش میں حلقے کی شکل حکومت و تاج داری کی علامت سمجھی جاتی تھی، اس لیے زیادہ قرین قیاس یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سائرس کی تصویر ہو۔ (٥٨)

٨ - جہاں تک قرآن کی تصریحات کا تعلق ہے، ایک اہم سوال اور باقی رہ گیا ہے۔ قرآن میں ہے "قلنا یـذا القرنین" ہم نے کہا: اے ذو القرنین۔ اس خطاب کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ذو القرنین براہ راست وحی الٰہی سے مخاطب تھا؟ مفسرین نے اس پر = کیا ذو القرنین نبی تھے

=طبع آزمائیاں کی ہیں اور چوں کہ امام رازی سکندر مقدونی کو ذو القرنین بنانا چاہتے ہیں اور وہ بنتا نہیں، اس لیے مجبور ہوے ہیں کہ یہاں "قلنا" کے منطوق پر اس کے مفہوم کو ترجیح دیں ۔

اس میں شک نہیں کہ "قلنا" کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بالواسطہ خطاب ہو ، یعنی اس عہد کے کسی پیغمبر کے ذریعے ذو القرنین کو مخاطب کیا گیا ہو جیسا کہ "فقلنا اضربوہ ببعضها" (٢ : ٧٣) میں ہے ، یا خطاب قولی نہ ہو ، تکوینی ہو، جیسا کہ "وقیل یٰارض ابلعی ماءك و یٰسماء اقلعی" (١١ : ٤٤) اور "قلنا یٰنار کونی بردا و سلٰماً علی ابرٰهیم" (٢١ : ٦٩) وغیرها آیات میں ہے، لیکن اس طرح کا مطلب جبھی قرار دینا چاہیے کہ اس کے لیے قوی وجوہ موجود ہوں اور یہاں کوئی وجہ موجود نہیں ۔ آیت کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ ذو القرنین کو اللہ نے براہ راست مخاطب کیا اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی ۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ وحی نبوت کی وحی تھی یا اس طرح کی وحی تھی جیسی حضرت موسیٰ کی والدہ کی نسبت بیان کی گئی ہے کہ "و اوحینا الی ام موسی ان ارضعیه (٢٨ : ٧) تو صحابہ وسلف سے جو تفسیر منقول ہے وہ یہی ہے کہ ذو القرنین نبی تھا اور متاخرین میں=

—شیخ الاسلام ابن تیمیه اور ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر بھی اسی تفسیر کی تائید کرتے ہیں ۔

اور غور کرو! قرآن کا بیان سائرس کی شخصیت پر کس طرح ٹھیک ٹھیک منطبق ہو رہا ہے؟ تاریخ اس کی پیغمبرانہ شخصیت کی شہادت دے رہی ہے اور عہدعتیق کے انبیاء اسے صریح خدا کا برگزیدہ، اس کا مسیح اور اس کی مرضی پوری کرنے والا کہہ رہے ہیں ۔ عزرا نبی کی کتاب میں اس کا جو فرمان تعمیر بیت المقدس کےلیے نقل کیا گیاہے، اس میں وہ خود اعلان کرتا ہے: ”خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہودیا کے ملک میں اس کی عبادت کےلیے ایک ہیکل تعمیر کروں“. اس کا یہ کہنا کہ ”خدا نے مجھے حکم دیا ہے“. ٹھیک ٹھیک ” قلنا یٰذا القرنین“ کی تصدیق ہے. ہم اس سے پہلے اس کی خدا پرستی کے اثبات میں جو کچھ لکھ چکے ہیں، اس میں سے ہر بات ٹھیک ٹھیک اس کی نبوت کے ثبوت میں بھی کہی جاسکتی ہے.

٩ - اب صرف ایک معاملے کی تشریح باقی رہ گئی ہے، یعنی یاجوج اور ماجوج سے کون سی قوم مراد ہے اور جو سد سائرس نے بنائی تھی اس کی تاریخی نوعیت کیا ہے؟ یاجوج و ماجوج

قرآن مجید نے یاجوج اور ماجوج کا دو جگہ=

= ذکر کیا ہے: ایك تو یہاں ہے، دوسرا سورۂ انبیاء میں ہے: ”حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج وھم من کل حدب ینسلون (۲۱ : ۹٦) .

حزقیال نبی کی پیشین گوئی

یاجوج اور ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق میں آیا ہے . حزقیل نبی کی کتاب میں جنھیں بخت نصر اپنے آخری حملۂ بیت المقدس میں گرفتار کرکے بابل لے گیا تھا اور جو سائرس کے ظہور تك زندہ رہے، یہ پیشین گوئی ملتی ہے:

”اور خداوند کا کلام مجھ تك پہنچا . اس نے کہا: اے آدم زاد! تو جوج کی طرف اپنا منہ کرکے اس کے برخلاف نبوت کر . جوج کی طرف، جو ماجوج کی سر زمین کا ہے اور روش، مسك اور توبال کا سردار ہے . خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ میں تیرا مخالف ہوں . میں تجھے پھرا دوں گا . تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا . تیرے سارے لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو جنگی پوشاك پہنے جو پھریاں اور سپریں لیے ہوے ہیں اور سب شمشیر بکف ہیں، کھینچ نکالوں گا . اور میں ان کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط کو بھی کھینچ نکالوں گا جو سپر لیے ہوے اور خود پہنے ہوں گے، نیز جومر اور شمال بعید کے اطراف کے باشندگان تجرمہ اور ان کا سارا لشکر“ . =

= اس کے بعد دور تک تفصیلات چلی گئی ہیں اور چار باتیں خصوصیت کے ساتھ کہی گئی ہیں: ایک یہ کہ جوج شمال کی طرف سے آئے گا تاکہ لوٹ مار کرے۔ دوسری یہ کہ ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں سکونت رکھتے ہیں، تباہی آئے گی۔ تیسری یہ کہ جو لوگ اسرائیل کے شہروں میں بسنے والے ہیں، وہ بھی ماجوج کے مقابلے میں حصہ لیں گے اور ان کے بے شمار ہتھیار ان کے ہاتھ آئیں گے۔ چوتھی یہ کہ ماجوج کی تباہی کا گورستان "مسافروں کی وادی" میں بنے گا جو "سمندر کے پورب میں ہے"۔ ان کی لاشیں عرصے تک وہاں پڑی رہیں گی، لوگ انہیں گاڑتے رہیں گے تاکہ رہ گزر صاف ہو جائے۔ (باب: ۳۸ و ۳۹)

یہ واضح رہے کہ اس پیشین گوئی سے پہلے سائرس کے ظہور اور یہودیوں کی آزادی و خوش حالی کی پیشین گوئی بیان کی جا چکی ہے اور اس پیشین گوئی کا محل ٹھیک اس مکاشفے کے بعد ہے جس میں حزقیل نے بنی اسرائیل کی سوکھی ہڈیوں کو زندہ ہوتے دیکھا تھا اور جسے قرآن نے بھی سورۂ بقرہ کی آیت "او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشہا" (۲:۲۵۹) میں بیان کیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ جوج اور ماجوج کا معاملہ بھی اسی =

= زمانے کے لگ بھگ پیش آنے والا ہو، یعنی سائرس کے زمانے میں اور یہ سائرس کے ذو القرنین ہونے کا ایك مزید ثبوت ہے، کیونکہ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ اسی نے یاجوج وماجوج کے حملوں کی روك تھام کے لیے ایك سد تعمیر کی تھی۔

عہد عتیق کے بعد یہ نام ہیں مکاشفات یوحنا میں بھی ملتا ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ جب ہزار برس پورے ہوچکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی، یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑانے کے لیے جمع کرنے نکلے گا۔ ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا۔ وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائیں گی۔ (۲۰: ۷)

یاجوج اور ماجوج کے لیے یورپ کی زبانوں میں Gog اور Magog کے نام مشہور ہو گئے ہیں اور شارحین تورات کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے تورات کے ترجمۂ سبعینی (۵۹) میں اختیار کئے گئے تھے۔ لیکن کیا اس لیے اختیار کیے گئے کہ جوج اور ماجوج کا یونانی تلفظ یہی ہوسکتا تھا، یا خود یونانی میں پہلے سے یہ نام موجود تھے؟ اس بارے میں شارحین کی رائیں مختلف ہیں، لیکن=

طالوت اور جالوت

= زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں نام اسی طرح یا اس کے قریب قریب یونانیوں میں بھی مشہور تھے۔

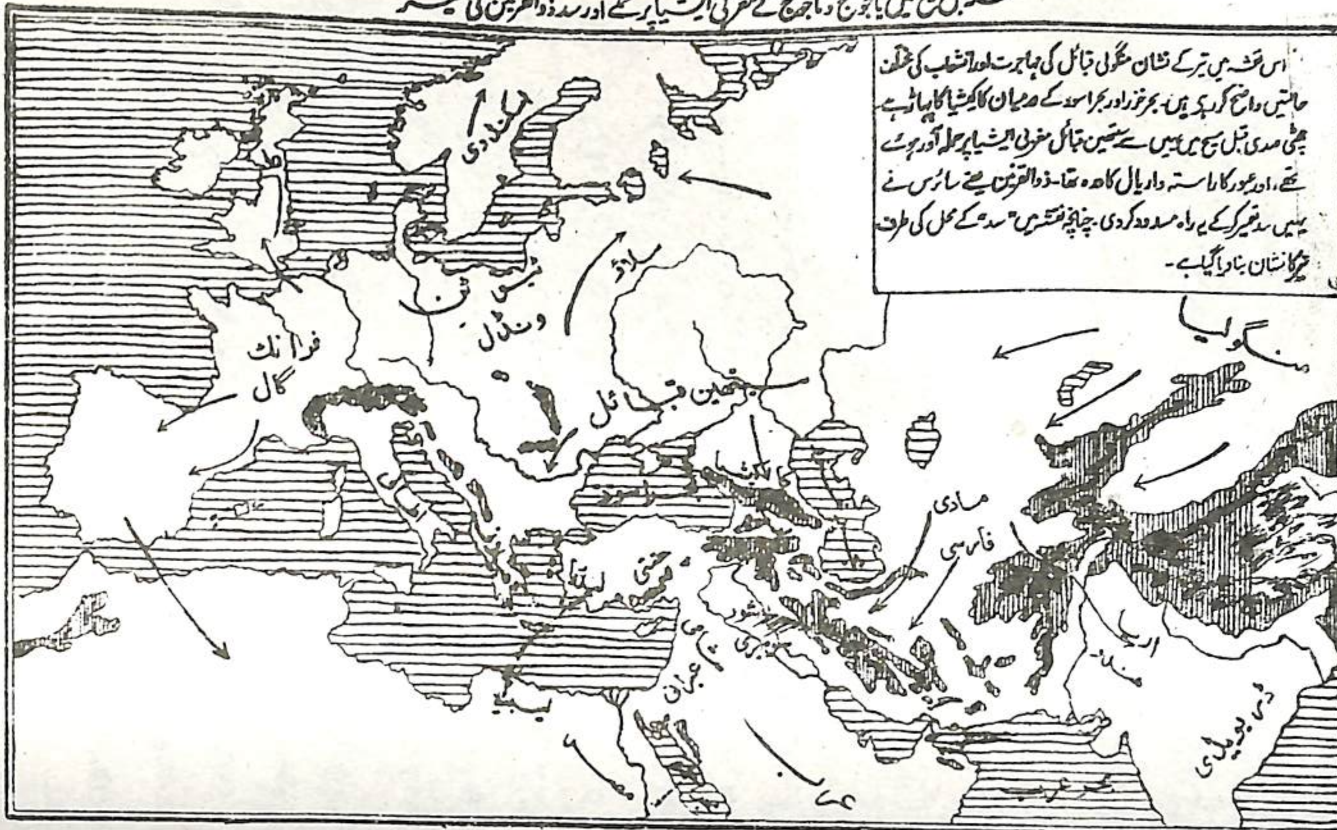
شمال مشرقی قبائل

اب سوال یہ ہے کہ یہ کون قوم تھی؟ تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہوسکتی ہے، اس کے سوا کوئی نہیں۔ یعنی شمال مشرق میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقت ور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا، جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چینیوں کو سینکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی، جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر Magyar کے نام سے روشناس ہوا اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے۔ اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین Scythian کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے حملوں کی روک تھام کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی تھی۔

منگولیا

شمال مشرق کے اس علاقے کا بڑا حصہ اب «منگولیا» کہلاتا ہے، لیکن منگول Mongol لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ اس کے لیے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں (اور ہمیں اسی طرف رجوع ہونا چاہیے=

سنہ ۶۰۰ قبل مسیح میں یاجوج و ماجوج کے مغربی ایشیا پر حملے اور سد ذوالقرنین کی تعمیر



= کیوں کہ وہ منگولیا کے ہم سایہ میں ہے) تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام "موگ" ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں "میگ" اور "مے گاگ" پکارا جاتا ہوگا اور یہی عبرانی میں "ماجوج" ہو گیا۔

چین کی تاریخ میں ہمیں اس علاقے کے ایک اور قبیلے کا ذکر بھی ملتا ہے جو "یواچی" (Yueh-chi) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہی "یواچی" ہے جس نے مختلف قوموں کے مخارج و تلفظ سے گزر کر کوئی ایسی شکل اختیار کرلی تھی کہ عبرانی میں "یاجوج" ہو گیا۔

اس امر کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ ان نتائج پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے جو مختلف قوموں کے نسلی، جغرافیائی اور لغوی علائق کی بحث و تنقیب سے پیدا ہوئے ہیں اور جو موجودہ زمانے میں تاریخ اقوام کے طے شدہ مبادیات ہیں۔

منگولیوں کا قبائلی سرچشمہ اور اقوام قدیم کا انشعاب

کرۂ ارضی کی بلند سطح کا وہ حصہ جو شمال مشرق میں واقع ہے اور جسے آج کل منگولیا اور چینی ترکستان کے نام سے پکارا جاتا ہے، تاریخ قدیم کی بے شمار قوموں کا ابتدائی گہوارہ رہ چکا ہے۔ یہ نسل انسانی کا ایک ایسا سرچشمہ تھا جہاں پانی برابر ابلتا اور جمع ہوتا رہتا اور =

= جب بہت بڑھ جاتا تو مشرق و مغرب کی طرف امنڈنا چاہتا۔ اس کے مشرق میں چین تھا، مغرب و جنوب میں مغربی اور جنوبی ایشیا اور شمال مغرب میں یورپ۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے قوموں اور قبیلوں کے سیلاب امنڈتے رہے۔ کچھ وسط ایشیا میں آباد ہو گئے۔ کچھ آگے بڑھے اور شمالی یورپ تک پہنچ گئے۔ کچھ وسط ایشیا سے نیچے اتر گئے اور جنوبی اور مغربی ایشیا پر قابض ہو گئے۔ یہ قبائل جو اس علاقے سے نکلتے تھے، مختلف ملکوں میں بس کر وہاں کی خصوصیات اختیار کر لیتے تھے اور رفتہ رفتہ ایک مقامی قوم بن جاتے تھے، لیکن ان کا وطنی سرچشمہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا، یہاں تک کہ پھر قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا اور کسی نئے علاقے میں پہنچ کر نئی مقامی قومیت کی تخلیق کر دیتا۔

یہ علاقہ صدیوں تک اپنی اصلی وحشیانہ حالت پر باقی رہا۔ لیکن جو قبائل یہاں سے نکل نکل کر مختلف ملکوں میں بستے گئے، انہوں نے مقامی خصوصیات اختیار کر کے تہذیب و تمدن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ چند صدیوں کے بعد ان کی حالت اس درجہ مختلف ہو گئی کہ ان میں اور ان کے قدیم ہم وطنوں میں کوئی=

=بات بھی مشترک باقی نہیں رہی ۔ وہ اب مہذب ہو رہے تھے، یہ بدستور وحشی تھے ۔ وہ تہذیب کے صناعی ہتھیاروں سے لڑتے تھے، یہ وحشت کی قدرتی ہمجیت اور درندگی سے ۔ ان میں زراعت، صناعت اور ذہنی ترقی کی مختلف شاخیں ابھر رہی تھیں، وہ ان سب سے نا آشنا تھے ۔ سرد علاقے کی صحرائی زندگی اور وحشیانہ خصائل کی خشونت نے انہیں وقت کی شائستہ اقوام کے لیے ایک خوف ناک ہستی بنا دیا تھا ۔

قبل اس کے کہ تاریخی عہد کی صبح طلوع ہو، شمال مشرقی قبائل کی یہ مہاجرت شروع ہو چکی تھی اور اس کا سلسلہ تاریخی عہد میں بھی بدستور جاری رہا ۔

انہیں قبائل کا ایک ابتدائی گروہ وہ تھا جو آرین نسل (Aryans) کے نام سے پکارا گیا ہے ۔ اس کا ایک حصہ وسط ایشیا سے یورپ کی طرف بڑھ گیا ۔ ایک نیچے اتر کر پنجاب میں آباد ہو گیا ۔ ایک مغرب کی طرف بڑھا اور فارس اور میڈیا اور اناتولیا میں بس گیا ۔ اسے اب انڈو یورپین آریا کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے، کیوں کہ یہ ہندوستان اور یورپ دونوں کی آریائی اقوام کے مورث اعلیٰ تھے ۔ ان کا جو حصہ شمالی ہند میں بس گیا تھا اس نے اپنا نسلی خطاب برابر یاد رکھا اور=

= اپنے کو آریا ورت کہتا رہا. جو فارس اور میڈیا میں بسا اس نے اپنی ابتدائی قیام گاہ کو ایریانہ کے نام سے موسوم کیا (جسے اوستا میں ایریانہ ویگو (Airyana.Vego) کہا گیا ہے) اور یہی ایریانہ ایران ہو گیا۔ جو قبائل اناتولیا تک پہنچ گئے تھے، وہ غالبًا ہٹی (Hittite) کے نام سے پکارے گئے، جنھیں تورات کی کتاب پیدایش میں ''حتی'' کہا گیا ہے اور مصر کے قدیم نوشتوں میں ''ختتی'' پایا جاتا ہے.

جو قبائل یورپ میں پہنچے وہ گوتھ (Goth)، فرانک (Frank)، الامان (Alamanni)، ونڈال (Vandal)، ٹیوٹان (Teutan) اور ھن (Hun) کے نام سے مشہور ہوئے اور انھیں کی ایک وسیع شاخ وہ تھی جو بحر اسود سے لے کر دریائے ڈینیوب کی بالائی وادی تک پھیل گئی اور سیتھین (Scythian) کے نام سے پکاری گئی. وسط ایشیا کے مشرقی قبائل بھی جو بکٹریا (بلخ) پر تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے، سیتھین ہی تسلیم کیے گئے ہیں اور خود دارا نے اپنے کتبۂ اصطخر میں انھیں اسی نام سے پکارا ہے.

ان قبائل کی جو تین شاخیں شمالی ہند، اناتولیا (ایشیائے کوچک) اور ایران میں بس گئی تھیں، انھیں ایسا ماحول ملا جو زراعت کے لیے موزوں تھا، اس لیے=

=بہت جلد انہوں نے زراعتی زندگی اختیار کرلی اور پھر تہذیب و حضارت کی طرف بڑھنے لگیں۔ لیکن جو شاخیں یورپ کی طرف بڑھیں، انہیں ایسا ماحول میسر نہیں آیا۔ اس لیے صحرائی زندگی کی تمام خصوصیات ان میں بدستور باقی رہیں اور صدیوں تک متغیر نہ ہوئیں۔ اب گویا ان قبائل کی تین حالتیں ہوگئی تھیں:

اولاً، منگولیا کے اصلی باشندے جو یک قلم وحشی اور صحرائی تھے اور ان کی یہ حالت بغیر کسی تغیر کے برابر قائم رہی۔

ثانیاً، بحر اسود کے شمالی ساحل اور شمالی یورپ کے قبائل جو گو اپنے مولد اصلی سے الگ ہو گئے تھے، لیکن ان کی وحشیانہ خصوصیات نہیں بدلی تھیں۔

ثالثاً، ہندوستان، ایران اور اناتولیا کے قبائل جو بتدریج شہریت و حضارت میں ترقی کرنے لگے اور پھر آگے چل کر تین قدیم تہذیبوں کے بانی ہوئے۔

یاجوج ماجوج کا اطلاق

تقریباً سنہ ۷۰۰ قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی مسیحی تک یاجوج ماجوج یا گاگ اور مے گاگ کا اطلاق پہلی دو قسموں پر ہوتا رہا، پہلی پر اس لیے کہ قومیت اور مقام کے لحاظ سے وہی یاجوج ماجوج تھی، دوسری پر اس لیے کہ گو اپنے مولد و مقام سے الگ=

= ہو چکی تھی ، لیکن اپنی وحشیانہ خصوصیات میں بالکل متغیر نہیں ہوئی تھی ۔ تیسری قسم چونکہ یک قلم منقلب ہو چکی تھی ، اس لیے اب وہ یاجوج ماجوج نہیں رہی تھی ، بلکہ خود یاجوج ماجوج کی غارت گریوں کا نشانہ بن گئی تھی ۔ البتہ جب پانچویں صدی مسیحی میں یورپ کے قبائل کی حالت بھی منقلب ہونا شروع ہو گئی اور مسیحیت اختیار کر کے تہذیب و حضارت کی طرف بڑھنے لگے تو قوموں کے حافظے سے ان کا نام بھی اتر گیا اور یاجوج ماجوج کا اطلاق صرف اسی خطے میں سمٹ آیا جہاں سے پھیلنا شروع ہوا تھا ، یعنی صرف منگولیا کے صحرا نورد قبائل ہی یاجوج ماجوج سمجھے جانے لگے ۔ چنانچہ قرآن نے سورۂ انبیاء میں ان کے جس خروج کی خبر دی ہے ، وہ منگولیا کے تاتاریوں کا آخری خروج تھا ۔

یورپ کی تمام موجودہ قومیں (بعض چھوٹی قوموں کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد) براہ راست انہیں قبائل کی نسل سے ہیں جیسا کہ معلوم و مسلم ہے ۔

صحرا نوردی اور توطن

اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نسل انسانی نے اکثر حالتوں میں پہلے صحرا نوردی اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی ہے ، پھر توطن اور اقامت گزینی =

= اختیار کی ہے اور اس اختلافِ حالت نے ہمیشہ دو طرح کے انسانی گروہوں سے دنیا کو آباد رکھا ہے: صحرا نورد قبائل کے گروہ اور اقامت گزین قبائل کے گروہ۔ معیشت کی یہ دونوں حالتیں اس درجہ مختلف تھیں کہ ایک ہی نسل کے دو قبیلوں میں سے ایک قبیلہ اگر صحرا نورد رہتا اور دوسرا اقامتِ گزیں ہو جاتا تو چند صدیوں کے بعد نہ صرف ایک دوسرے سے اجنبی ہو جاتے تھے بلکہ بالکل متضاد قسم کی مخلوق بن جاتے تھے۔ صحرا نورد قبائل کو غذا کے لیے جانوروں کے دودھ اور شکار کے گوشت پر اعتماد کرنا پڑتا تھا، اقامت گزین قبائل کو اناج پر۔ وہ گھوڑوں کی برھنہ پیٹھ پر زندگی بسر کرتے، یہ کھیتوں میں اور مکانوں کی چار دیواری میں۔ ان کی زندگی کا ماحول صحرائیت تھی، ان کا ماحول شہریت۔ ان کو نشو و نما کے لیے جنگ کی ضرورت تھی، ان کو امن کی۔ ان کا جسم روز بروز طاقت ور اور محنت پسند ہوتا جاتا تھا، ان کا روز بروز کم زور اور راحت پسند۔ وہ روز بروز وحشت و خون خواری میں بڑھتے جاتے تھے، یہ روز بروز تہذیب و حضارت میں۔ تہذیب و حضارت کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات و خصائل میں لطافت اور نرمی پیدا ہو، صحرائیت و خانہ بدوشی کا =

= لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات تند اور خصائل میں وحشت و خشونت ہو۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ جوں جوں اقامت گزیں قبائل شائستہ ہوتے جاتے، صحرا نورد قبائل کی ہستی ان کے لیے ہول ناك اور ناقابل مزاحمت ہوتی جاتی۔ جب کبھی دونوں میں مقابلہ ہوتا تو شہری قبائل دیکھتے کہ صحرا نورد قبائل عفریتوں کی طرح خوف ناك اور درندوں کی طرح خوں خوار ہیں اور صحرا نورد و قبائل معلوم کر لیتے کہ ان کی غارت گریوں کے لیے شہری آبادی سے زیادہ کوئی سہل شکار نہیں۔

البتہ صحرا نورد قبائل متفرق تھے اور اقامت گزینی کے طریقوں سے نا آشنا، اقامت گزیں قبائل باہم مربوط تھے اور معیشت کے منظم طریقوں سے آشناہ، اس لیے قدرتی طور پر صحرا نوردوں کے حملے ایك خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ وہ خوف ناك درندوں کی طرح آبادیوں پر گرتے اور قتل و غارت کر کے نکل جاتے، لیکن جم کر ٹك نہیں سکتے تھے اور نہ علاقے فتح کر کے اپنے قبضے میں رکھ سکتے تھے۔ مگر جب کبھی صدیوں کے بعد ان میں کوئی حکم راں قائد پیدا ہو جاتا اور وہ بہت سے قبیلوں کو متحد کر کے ایك فوج کی نوعیت دے دیتا تو پھر قتل و غارت گری کی ایك =

=ایسی منظم طاقت پیدا هو جاتی جو صرف وقتی حملوں هی پر قانع نهیں رهتی ، بلکه مملکتوں اور قوموں پر قابض هو جاتی اور شهری آبادیوں کی بڑی سے بڑی قوتیں بهی اس کی راه نهیں روك سکتیں .

تاریخ شاهد هے که صحرا نورد اور غیر متمدن اقوام کے مقابلے میں شهری اور متمدن اقوام کا همیشه ایسا هی حال رها ، یهاں تك که علم و صناعت نے ایسے هتهیار اور جنگی و سائل پیدا کر دیے جن کے مقابلے سے غیر متمدن اقوام عاجز آ گئیں .

یاجوج ماجوج صحرا نوردی کی خوف ناك قوت تهی

چنانچه ان شمال مشرق قبائل کی پوری تاریخ اسی حقیقت کا افسانه هے . ان کی جن شاخوں نے اقامت گزینی کی زندگی اختیار کر لی تهی وه بالکل ایك دوسری قوم بن گئی اور جنهیں ایسے حالات میسر نهیں آئے وه بدستور صحرا نورد رهیں. اقامت گزیں قبائل کے ایسے صحرا نورد قبائل صرف اجنبی هی نهیں هو گئے تهے بلکه خوف ناك بهی هو گئے تهے ، کیوں که ان کی روز افزوں شهریت ان کی صحرائی وحشت ناکیوں کا مقابله نهیں کر سکتی تهی . یه جب کبهی موقع پاتے قرب و جوار کی آبادیاں غارت کرتے اور اگر قبائل کا کوئی قائد نکل آتا تو ان کی غارت گریاں دور دور تك بهی=

= پہنچ جاتیں ۔ صدیوں تک ان کی حالت ایسی ہی رہی ۔ پھر جب چوتھی صدی مسیحی سے ان کے اندر ایسے قائد پیدا ہونے لگے جنھوں نے نظم و اطاعت کا راز پالیا تھا تو اچانک ان کی طاقت کا ایک نیا دور شروع ہو گیا ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ چوتھی صدی میں اٹیلا (Attila) نے جوہن قبیلے کا قائد تھا ، ایک عظیم فاتح کی حیثیت اختیار کرلی اور رومن امپائر کی دونوں مشرق و مغربی مملکتوں کو لرزہ براندام کر دیا ۔ پھر یہی قبائل ہیں جو بالآخر اس طرح تمام یورپ پر چھا گئے کہ نہ صرف رومن امپائر کو بلکہ رومی تمدن کو ہمیشہ کے لیے پامال کر دیا ۔

چند صدیوں کے بعد تاریخ یہ منظر پھر دہراتی ہے ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خود منگولیا میں ایک نیا منگولی قائد چنگیز خاں پیدا ہو گیا ہے ۔ وہ تمام تاتاری قبائل کو اپنے ماتحت ایک قوم بنا دیتا ہے اور پھر فتح و تسخیر کا ایک ایسا ہولناک سیلاب امنڈتا ہے جسے اسلامی ممالک کی کوئی متمدن قوت بھی نہ روک سکی ۔ وسط ایشیا سے لے کر عراق تک جو ملک اس کے سامنے آیا ، خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا ۔

منگولی نسل کے انشعاب

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یاجوج و ماجوج سے مقصود یہی منگولین قوم اور اس کی تمام صحرا نورد =

= اور وحشی شاخیں ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں ان کے خروج و ظہور کے مختلف دور تاریخی ترتیب سے منضبط کرلیں۔ اسی ضمن میں یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ سائرس کے زمانے میں یہ قوم کہاں تھی اور کیوں اسے سد تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ اس بارے میں تاریخ کی شہادتوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱ - پہلا دور تاریخی عہد سے پہلے کا ہے جب شمال مشرق سے ان قبائل کے ابتدائی گروہ نکلے اور وسط ایشیا میں آباد ہوگئے، پھر جنوب اور مغرب میں پھیلنے لگے۔ اس خروج و انشعاب کی رفتار بہت سست رہی ہوگی اور بے شمار منزلیں پیش آئی ہوں گی۔

۲ - دوسرا دور صبح تاریخ کا ہے، لیکن روشنی ابھی دھندلی ہے۔ اب اقامت گزینی اور صحرا نوردی کی دو مختلف اور متوازی معیشتوں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ شمالی ہند، ایران اور اناتولیا کے قبائل اقامت گزینی کی زندگی میں بدل چکے ہیں، مگر وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود تک صحرا نورد قبائل کے جتھے پھیلتے جاتے ہیں اور مشرق سے نئے نئے قبیلوں کے اقدام کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ یہ زمانہ تقریباً سنہ ۳۰۰۰ قبل مسیح سے سنہ ۱۵۰۰ قبل مسیح تک کا تصور کرنا چاہیے (۶۰)۔ =

= ٣ - تیسرا دور تاریخ کی روشنی میں پوری طرح نمایاں ہے ۔ یہ تقریبًا ایک ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے ۔ اب بحر خزر اور بحر اسود کا علاقہ ایک وحشی اور خون خوار قوم کا مرکز بن چکا ہے اور وہ مختلف ناموں میں اور مختلف جہتوں سے نمایاں ہوتی رہتی ہے ۔ پھر اچانک تاریخ کے افق پر « سیتھین » قوم کا نام ابھرتا ہے ۔ یہ وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود کے شمالی کناروں تک آباد ہے اور اطراف و جوانب میں برابر حملہ آور ہوتی رہتی ہے ۔ یہ زمانہ آشوری تمدن کے ظہور اور بابل اور نینوی کے عروج کا تھا اور هیرو ڈوٹس کی زبانی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آشورین کے شمالی سرحد پر سیتھین قبائل کی غارت گریاں برابر جاری ہیں ۔ یہ شمالی سرحد بحر خزر کے جنوبی ساحل اور آرمینیا کے سلسلۂ کوہ تک پہنچی ہوئی تھی اور وہ کا کیشیا کے درے سے اتر کر آشوری آبادیوں پر حملہ آور ہوتے تھے ۔ پھر سنہ ٦٣٠ قبل مسیح میں اچانک ان کا ایک عظیم گروہ اسی راہ سے اترتا ہے اور ایران کا تمام مغربی حصہ پامال کر دیتا ہے ۔ یونانی مورخ کہتے ہیں کہ آشوری مملکت کی تباہی کا ایک بڑا باعث یہی غارت گری تھی (٦١) . =

= ٤ - چوتھا دور سنہ ۵۰۰ قبل مسیح کاقرار دینا چاھیے جب سائرس کا ظہور ھوا اور فارس اور میڈیا کی متحدہ شہنشاھی کی بنیاد پڑی . اس عہد میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین حملوں سے محفوظ ھوجاتا ھے اور صدیوں تک ان کے حملوں کی کوئی صدا تاریخ کی سماعت تک نہیں پہنچتی . اس عہد میں صرف دو موقعوں پر ان کا ذکر آتا ھے :

پہلا سائرس کے زمانے میں جب وہ فتح بابل سے پہلے سیتھین قبائل کے سرحدی حملوں کا تدارك کرتا ھے .

دوسرا دارا کے زمانے میں جب وہ باسفورس عبور کر کے دریاے ڈینیوب کی وادیوں میں پہنچ جاتا ھے اور ان قبائل کو دور تک بھگادیتا ھے .

دارا کے حملے کے بعد ان کا دباؤ شمالی یورپ کی طرف بڑھنے لگا .

۵ - پانچواں دور تیسری صدی قبل مسیح کا ھے . اس عہد میں منگولین قبائل کا ایك نیا سیلاب اٹھتا ھے اور پہلے چین کی آبادیوں پر لوٹتا ھے ، پھر آھستہ آھستہ وسط ایشیا کی قدیم شاہ راہ اختیار کرتا ھے . چین کی تاریخ میں انہیں ھیونگ نو (Hiung-nu) کے نام سے پکارا گیا ھے اور یہی نام آگے چل کر « ھن » (Hun) ھوگیا ھے .

=یہی زمانہ ہے جب شہنشاہ چین شین شیہ ھوانگ ٹی (Ch'in Shih Huang Ti) نے ان حملوں کے روکنے کے لیے وہ عظیم الشان دیوار تعمیر کی جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے اور پندرہ سو میل تك چلی گئی ہے ۔ اس کی تعمیر سنہ ۲۱٤ قبل مسیح میں شروع ہوئی اور بیان کیا جاتا ہے کہ دس برس میں ختم ہوئی ۔ اس نے شمال اور مغرب کی طرف سے منگولین قبائل کے حملوں کی تمام راہیں مسدود کر دی تھیں ۔ اس لیے ان کا رخ پھر وسط ایشیا کی طرف مڑ گیا ۔

۶ - چھٹا دور تیسری صدی مسیحی کا ہے جب ان قبائل نے یورپ میں ایك نئی کروٹ لی اور بالآخر رومی مملکت اور رومی تمدن کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا ۔

۷ - ساتواں اور آخری دور بارھویں صدی مسیحی اور چھٹی صدی ہجری کا ہے جب منگولیا میں تازہ دم قبائل کی ایك بڑی تعداد پھر تیار ہو گی اور چنگیز خاں نے انہیں متحد کر کے ایك نئی فتح مند طاقت پیدا کردی ۔

مندرجۂ صدر خلاصے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین قبائل کے حملوں سے غارت ہو رہا تھا اور جس ہاتھ نے=

= اچانك ظاهر هو کر ان کے حملے روك دیے اور پهر هیشه کے لیے مغربی ایشیا یك قلم محفوظ هو گیا، وه سائرس کا هاته تها۔ پس یقیناً منگولین نسل کے یہی سیتهین قبائل تهے جو یاجوج ماجوج کے نام سے پکارے جاتے تهے اور ذو القرنین یعنی سائرس نے انهیں کی راه روکنے کے لیے سد تعمیر کی، جس طرح تین صدیوں کے بعد چینی مجبور هوے که انهیں روکنے کے لیے ایك دیوار تعمیر کریں۔

سیتھین قبائل اور درۂ کاکیشا

اب غور کرو! سیتهین قبائل کے یه حملے کس جانب سے هوتے تهے؟ هیرو ڈوٹس وغیره یونانی مورخ بتلاتے هیں که صرف ایك راه سے، یعنی کاکیشس کے درے سے۔ یہی مقام صدیوں تك دونوں علاقوں میں درمیان کا پهاٹك رها هے۔ اب اگر سائرس ان حملوں سے محفوظ هونا چاهتا تها تو کیا اس کے لیے ضروری نه تها که یه پهاٹك بند کردے؟ قدرتی طور پر ضروری تها اور اس لیے اس نے سد تعمیر کر کے یه راه مسدود کردی۔ چوں که ان حملوں کی صرف یہی ایك راه تهی اور وه اس طرح بند کر دی گئی، اس لیے یاجوجی حملوں کا بهی یك قلم خاتمه هو گیا۔

حزقیل کی پیشین گوئی کا مصداق

اب پهر حزقیل نبی کی پیشین گوئی پر ایك نظر ڈال لو۔ اس میں جوج کو روش، مسك اور توبال کا سردار =

= کہا ھے اور یہ ٹھیك ٹھیك انھیں قبائل کے نام ھیں۔ «روش» وھی ھے جس سے «رشیا» نکلا، مسك وھی ھے جو «موسکوو» ھوا، اور «توبال» بحر اسود کا بالائی علاقہ تھا۔ پھر کہتا ھے کہ '' میں تجھے پھرادوں گا اور تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا ''۔ یہ وھی واقعہ ھے کہ سائرس نے سیتھین قبائل کے منہ پھرا دیے اور سد تعمیر کرکے ان پر ان کی راہ روك دی۔ پھر کہتا ھے: «ایسا معاملہ واقع ھوگا کہ ان کے تمام ھتھیار جلادیے جائیں گے اور وہ گزروں کی ایك وادی میں جو سمندر کے پورب میں ھے، ان قوموں کا گورستان بنے گا۔ نیز عرصے تك لوگ لاشیں گاڑتے رھیں گے تاکہ راہ صاف کریں»۔ یہ وہ واقعہ ھے جو دارا کے حملۂ یورپ میں پیش آیا۔ دارا کی فوج مملکت کی تمام اقوام سے مرکب تھی۔ اس میں یہودیوں کی بھی ایك بڑی تعداد تھی۔ وہ باسفورس عبور کرکے مشرقی یورپ میں پہنچ گیا تھا اور اگرچہ یونانیوں کی بے وفائی کی وجہ سے اسے واپس ھونا پڑا۔ لیکن اس لشکر کشی میں بے شمار سیتھین مارے گئے اور ان کی قوت عرصے تك کے لیے مضمحل ھوگئی۔

مکاشفات یوحنا کا معمہ

باقی رھی وہ پیشین گوئی جو مکاشفات یوحنا میں ملتی ھے =

= تو مکاشفات کے اکثر مقامات کی طرح اس مقام کی بھی
کوئی جچتی ہوئی تفسیر شارحین انجیل نہ کر سکے۔ اس میں ایك
ہزار برس کی مدت بتلائی گئی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا
ہے کہ اس مدت سے مقصود کونسی مدت ہے اور کب
سے شروع ہوتی ہے؟ اگر حضرت مسیح سے شروع ہوتی ہو
تو ظاہر ہے کہ دسویں صدی مسیحی میں کوئی ایسا واقعہ
ظہور میں نہیں آیا۔ ہوسکتا ہے کہ ہزار برس سے مقصود
وہ مدت ہو جو سقوط بابل سے شروع ہوتی ہے،
کیوں کہ اس معاملے سے پہلے بابل کی تباہی کا ذکر کیا
گیا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر ایك بات بن سکتی ہے۔
بابل کا سقوط چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا ہے اور
چوتھی صدی مسیحی میں یورپ کے منگولین قبائل نے رومی
مملکت پر حملے شروع کردیے ہیں۔ پس یاجوج ماجوج
کا یہ خروج سقوط بابل کے ہزار برس بعد ضرور ہوا ہے۔

ماجوج کا ذکر تورات کی کتاب پیدایش میں بھی آیا
ہے، جہاں حضرت نوح کے تین لڑکوں سام، حام اور یافث
سے اقوام عالم کا پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ یافث
کی نسبت لکھا ہے کہ اس سے "جمر، ماجوج، مادی، یونان،
توبال، مسك اور تیراس پیدا ہو جائے" (۱۰ : ۲)۔ =

= اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماجوج سے مقصود منگولین نسل ہے، کیوں کہ قدیم مورخوں نے اسی تصریح کی بنا پر انہیں یافثی نسل قرار دیا ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ صحیح ہے کہ کتاب پیدایش کا مواد قید بابل کے زمانے میں تیار ہوا ہے تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس زمانے میں ماجوج اور مادیوں کو ہم نسل سمجھا جاتا تھا۔

یہ یاد رہے کہ اگرچہ دنیا عرصے تک کتاب پیدایش کے اس بیان پر مطمئن رہی اور عام طور پر تسلیم کر لیا گیا کہ تمام قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکوں ہی سے پیدا ہوئی ہیں، لیکن اب اس کی علمی قدر وقیمت یك قلم مشتبہ ہو گئی ہے اور اسے کوئی بھی اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے ایك تاریخی بیان کو دیکھنا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ایك ایسا نوشتہ ہے جس میں ہمیں سنہ ٥٠٠ قبل مسیح کے یہودی تصورات نظر آ جاتے ہیں۔ بلا شبہ ان میں ایك عنصر ان مقدس روایتوں کا بھی ہے جو قومی حافظے نے محفوظ رکھی تھیں، لیکن ساتھ ہی بابلی اور آشوری روایتوں کا بھی ایك عنصر شامل ہو گیا ہے جو قیام بابل کی طویل مدت کا قدرتی نتیجہ تھا۔ =

سد یاجوج و ماجوج

۱۰ - اب ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا صحیح محل کیا تھا اور موجودہ زمانے کے نقشے میں اسے کہاں ڈھونڈھنا چاہیے۔

بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد ہے۔ یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کاکیشس کا سلسلۂ کوہ ختم ہوتا اور بحر خزر سے مل جاتا ہے۔ اس مقام پر قدیم زمانے سے ایک عریض و طویل دیوار موجود ہے جو سمندر سے شروع ہو کر تقریباً تیس میل تک مغرب میں چلی گئی ہے اور اس مقام تک پہنچ گئی ہے جہاں کاکیشس کا مشرقی حصہ بہت زیادہ بلند ہو گیا ہے۔ اس طرح اس دیوار نے ایک طرف بحر خزر کا ساحلی مقام بند کر دیا تھا، دوسری طرف پہاڑ کا تمام وہ حصہ بھی روک دیا تھا جو ڈھلوان ہونے کی وجہ سے قابل عبور ہو سکتا تھا۔ ساحل کی طرف یہ دیوار دھری ہے، یعنی اگر آذر بائی جان سے ساحل ہوتے ہوئے آگے بڑھیں تو پہلے ایک دیوار ملتی ہے جو سمندر سے برابر مغرب کی طرف چلی گئی ہے۔ اس میں پہلے ایک دروازہ تھا۔ دروازے سے جب گزرتے تھے تو شہر دربند ملتا تھا۔ اب یہ صورت باقی نہیں رہی۔ دربند سے آگے پھر =

= اسی طرح کی ایك دیوار ملتی ھے . لیکن یه دھری دیوار صرف دو میل تك گئی ھے ، اس کے بعد اکھری دیوار کا سلسله ھے · دونوں دیواریں جہاں جا کر ملی ھیں وھاں ایك قلعه ھے . قلعه تك پہنچ کر دونوں کا درمیانی فاصله سو گز سے زیاده نہیں رھتا ، لیکن ساحل کے پاس پانچ سو گز ھے اور اسی پانچ سو گز کے عرض میں در بند آباد ھے . اس دھری دیوار کو ایرانی قدیم سے "دوباره" کہتے آئے ھیں ، یعنی دھرا سلسله .

دیوار دربند

یه قطعی ھے که ظہور اسلام سے پہلے ساسانی عہد میں یه مقام موجود تھا اور اسے "دربند" کہا جاتا تھا یعنی "بند دروازه"، کیوں که مقدسی، ھمدانی، مسعودی، اصطخری ، یاقوت اور قزوینی وغیره تمام مسلمان مورخوں اور جغرافیه نویسوں نے اسی نام سے اس کا ذکر کیا ھے اور سب لکھتے ھیں که ساسانی عہد میں یه مقام شمالی سرحد کا سب سے زیاده اھم مقام تھا، کیوں که اسی راه سے شمال کے حمله آور ایران کی طرف بڑھ سکتے تھے · یه ایرانی مملکت کی کنجی تھی · جس کے ھاتھ یه کنجی آجاتی وه پوری مملکت کا مالك ھو جاتا . اسی لیے ضروری ھوا که اس کی حفاظت کا اس درجه اھتمام کیا جائے (٦٢) . =

= مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں جب یہ علاقہ فتح کیا تو ساسانیوں کی طرح انہوں نے بھی اس مقام کی اہمیت محسوس کی۔ اسے "باب الابواب" اور "الباب" کے نام سے پکارنے لگے، کیونکہ مملکت کے لیے یہی مقام شمال کا دروازہ تھا اور ان بہت سے دروازوں میں سے آخری درواز۔ جو اس دیوار کے طول میں بنائے گئے تھے۔ بعضوں نے اسے "باب الترک" اور "باب الخزر" کے نام سے بھی پکارا ہے، کیونکہ تاتاریوں اور تاتاری النسل کاکیشین قبیلوں کی آمد و رفت کی راہ یہی تھی۔

باب الابواب

اس مقام سے جب مغرب کی طرف کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں اور آگے بڑھتے ہیں تو ایک اور مقام ملتا ہے جو درۂ داریال (Darial Pass) کے نام سے مشہور ہے اور موجودہ زمانے کے نقشے میں اس کا محل ولاڈی کیوکز (Vladi Kaukez) (٦٣) اور ٹفلس (Tiflis) کے درمیان دکھایا جاتا ہے۔ یہ کاکیشیا کے نہایت بلند حصوں میں سے ہو کر گزرا ہے اور دور تک دو بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار موجود ہے اور ارمنی روایتوں میں اسے "آہنی دروازہ" کے نام سے پکارا گیا ہے۔

درۂ داریال کی دیوار

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دیوار کس نے تعمیر =

نوشیروان کا انتساب

= کی تھی ؟ تمام عرب مورخوں کا بیان ہے کہ نوشیروان نے تعمیر کی تھی ۔ چنانچہ مسعودی نے اس کی تعمیر کی بعض تفصیلات بھی بیان کی ہیں (٦٤) اور بعد کے تمام مصنف اسے نقل کرتے آئے ہیں ۔ لیکن جب ہم قبل از اسلام عہد کے تاریخی نوشتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نوشیروان کے عہد سے بہت پہلے یہاں ایک دیوار موجود تھی اور اس نے شمال سے جنوب کا راستہ روک رکھا تھا ۔ چنانچہ سب سے پہلے پہلی صدی مسیحی میں مشہور عبرانی مورخ جوزیفس(Josephus) اس کا ذکر کرتا ہے ۔ پھر پروکوپیس (Procopius) چھٹی صدی مسیحی کے اوائل میں خود اپنا عینی مشاہدہ نقل کرتا ہے ، کیوں کہ سنہ ٥٢٨ مسیحی میں جب رومن جنرل بلی ساریوس (Belisarius) نے اس علاقے پر حملہ کیا ہے تو یہ اس کے ہم راہ تھا ۔ نوشیروان کا زمانہ سنہ ٥٣١ سے سنہ ٥٧٩م تک تھا ، اس لیے ظاہر ہے کہ یہ استحکامات اس کے بنائے ہوے نہیں ہو سکتے ۔

سکندر کا انتساب

اب یہاں ایک اور الجھاؤ پڑتا ہے ۔ جوزیفس اور پروکوپیس دونوں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ان استحکامات کا بانی سکندر تھا ، حالانکہ سکندر کی فتوحات کا کوئی واقعہ تاریخ کی نظر سے پوشیدہ =

= نہیں ہے اور کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس علاقے میں آیا ہو یا یہاں کوئی جنگ کی ہو۔

زمانۂ حال کے ایک امریکن مورخ مسٹر اے۔ وی۔ ولیمس جیکسن (A. V. Williams Jackson) (پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی) نے اس علاقے کی سیاحت کی ہے اور اس کے تفصیلی حالات اپنے سفر نامے میں بیان کیے ہیں۔ وہ اس مشکل کا یہ حل تجویز کرتے ہیں کہ سکندر کے کسی جنرل نے یہ استحکامات تعمیر کیے ہوں گے، کم از کم درۂ داریال کے استحکامات۔ بعد کو ساسانی فرمان رواؤں نے انہیں اور زیادہ وسیع اور مکمل کردیا۔ چوں کہ ابتدائی تعمیر سکندر کے عہد کی تھی، اس لیے سکندر کی طرف منسوب ہو گئی (٦٥)۔

لیکن جب سکندر کے تمام فوجی اعمال خود اس کے عہد میں اور خود اس کے ساتھیوں نے قلم بند کر دیے ہیں اور ان میں کہیں بھی کاکیشیا کی لڑائی یا کاکیشیا کے استحکامات کی تعمیر کا اشارہ نہیں ملتا، تو پھر کیوں کر ممکن ہے کہ اس طرح کی توجیہات قابل اطمینان تسلیم کر لی جائیں۔

اس طرح کے غیر معمولی استحکامات جبھی تعمیر کیے جا سکتے ہیں جب کہ امن و حفاظت کی ضرورت =

= نے انہیں ناگزیر کر دیا ہو۔ لیکن سکندر کو اپنی تمام فتوحات میں اس طرح کی کوئی ضرورت پیش ہی نہیں آئی۔ اس کے زمانے میں یہ علاقہ ایران کی قدیم شہنشاہی کے ماتحت تھا۔ اس نے شام کی راہ سے ایران پر حملہ کیا اور پھر وسط ایشیا ہوتا ہوا ہندوستان چلا گیا۔ ہندوستان سے واپسی پر ابھی بابل ہی میں تھا کہ انتقال کر گیا۔ ایسی حالت میں وہ کونسے حالات ہو سکتے ہیں جو کاکیشیا کے استحکامات پر اسے مجبور کر سکتے تھے اور اگر پیش آئے تو کب؟

سکندر کا انتساب صحیح نہیں

اصل یہ ہے کہ یہ استحکامات سکندر سے دو سو برس پہلے سائرس نے تعمیر کیے تھے اور درۂ داریال کی سد وہی سد ہے جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔

حسب ذیل وجوہ و قرائن سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے:

اولاً، سائرس اور سکندر کی دو باتیں تاریخ کی قطعی روشنی میں آچکی ہیں: سائرس کے زمانے میں یہاں سے سیتھین قوم کے حملے ہو رہے تھے، سکندر کے زمانے میں کوئی حملہ آور نہیں تھا۔ سائرس کے لیے ضروری تھا کہ راہ روکے، سکندر کو کوئی ایسی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سائرس کی نسبت ہیروڈوٹس اور زینوفن کی =

= شہادت موجود ہے کہ فتح لیڈیا کے بعد اس نے سیتھین قوم کے سرحدی حملوں کی روك تھام کی، سکندر کی نسبت کوئی ایسی شہادت موجود نہیں. ان دو باتوں کے جمع کرنے سے جو تاریخی قرینہ پیدا ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ سد سائرس نے تعمیر کی ہوگی، نہ کہ سکندر کے حکم سے کسی افسر نے.

ثانیاً، پروکوپیس کے علاوہ دوسرے قدیم مورخوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، مثلاً ٹسی ٹس (Tacitus) اور لیڈس (Lydus) نے. وہ ہمیں بتلاتے ہیں کہ رومی اسے "کاسپین پورٹا" کے نام سے پکارتے تھے، یعنی "باب کاسپین"، لیکن اس طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے کہ یہ سکندر کے عہد کی تعمیر ہے.

ثالثاً، ایك مثبت شہادت بھی موجود ہے جو سائرس کی طرف ذہن منتقل کر دیتی ہے. یہ ارمنی نوشتوں کی شہادت ہے. جسے قرب محل کی وجہ سے مقامی شہادت تصور کرنا چاہیے. ارمنی زبان میں اس کا قدیم نام "بھاك کورائی" اور "کاپان کورائی" چلا آتا ہے. دونوں ناموں کا مطلب یہ ہے کہ "کورکا درۂ" (٦٦). سوال یہ ہے کہ "کور" سے مقصود کیا ہے؟ کیا یہ "کورش" کی بدلی ہوئی شکل نہیں ہے جو سائرس کا =

= اصلی نام تھا، جیسا کہ دارا کے کتبۂ اصطخر میں پڑھا جا چکا ہے؟

پروفیسر جیکسن اس ارمنی نام کا ذکر کرتے ہیں، لیکن وہ ''کور'' کا تلفظ ''سور'' کرتے ہیں اور پھر عربی کے ایک نام ''سول'' کا اسے ماخذ قرار دیتے ہیں، اس طرح لفظ کی حقیقت گم ہو جاتی ہے.

(٦٧) رابعاً، اس علاقے سے سائرس کے تعلق کی ایک دوسری شہادت بھی واضح ہے. کاکیشیا کے پہاڑ سے کئی دریا بہتے ہیں جن میں ایک دریا کا نام قدیم سے ''کورش'' چلا آتا ہے جسے رومی نوشتوں میں ''سائرس'' کے نام سے پکارا گیا ہے. خود یورپ کے سیاحوں نے بھی اسے اسی نام سے پہچانا ہے. انتھونی جنکن سن (Anthony Jenkinson) جسے لندن کی ایک تجارتی کمپنی نے ١٥٥٧ میں براہ روس بخارا بھیجا تھا، اپنی یاد داشت میں بحر خزر کا ذکر کرتے ہوے اس دریا کا بھی ذکر کرتا ہے اور اسے ''سائرس'' کے نام سے پکارتا ہے. (Hakluyt's Voyages Vol. I 'P. 462). علاوہ بریں تمام قدیم نوشتوں میں اس دریا کو اسی نام سے پکارا گیا ہے.

اب ایک سوال اور غور طلب ہے. ذو القرنین نے جو سد تعمیر کی تھی وہ درۂ داریال کی سد ہے، =

= یا دربند کی دیوار یا دونوں ؟

قرآن میں ہے کہ ذو القرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچا ۔ اس نے آہنی تختیوں سے کام لیا ۔ اس نے درمیان کا حصہ پاٹ کے برابر کر دیا ۔ اس نے پگھلا ہوا تانبا استعمال کیا ۔ تعمیر کی یہ تمام خصوصیات کسی طرح بھی دربند کی دیوار پر صادق نہیں آتیں ۔ یہ پتھر کی بڑی بڑی سلوں کی دیوار ہے اور دو پہاڑی دیواروں کے درمیان نہیں ہے ، بلکہ سمندر سے پہاڑ کے بلند حصے تک چلی گئی ہے ۔ اس میں آہنی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے کا کوئی نشان نہیں ملتا ۔ پس یہ قطعی ہے کہ ذو القرنین والی سد کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا ۔

البتہ درۂ داریال کا مقام ٹھیک ٹھیک قرآن کی تصریحات کے مطابق ہے ۔ یہ دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیان ہے اور جو سد تعمیر کی گئی ہے اس نے درمیان کی راہ بالکل مسدود کر دی ہے ۔ چوں کہ اس کی تعمیر میں آہنی سلوں سے کام لیا گیا تھا ، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جارجیا میں "آہنی دروازہ" کا نام قدیم سے مشہور چلا آتا ہے ، اسی کا ترجمہ ترکی میں "دامر کپو" مشہور ہو گیا (٦٨) =

مذکورۂ قرآن سد درۂ داریال کی سد ہے نہ کہ دربند کی

= بہر حال ذو القرنین کی اصلی سد یہی سد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد خود اس کے جانشینوں نے یہ دیکھ کر کہ کاکیشیا کا مشرقی ڈھلوان بھی خطرے سے خالی نہیں، دربند کی دیوار تعمیر کر دی ہو اور نوشیروان نے اسے اور مضبوط کیا ہو، یا ممکن ہے کہ فی الحقیقت نوشیروان ہی کی تعمیر ہو۔ (۶۹) غالباً سب سے پہلا انگریز سیاح جس نے دربند کی دیوار کا ذکر کیا ہے انتھونی جنکنسن (Anthony Jenkinson) ہے۔ اسے کوئن الزبتھ نے ۱۵۶۱ء میں شاہ طہماسپ صفوی کے دربار میں بھیجا تھا۔ یہ روسی علاقے سے براہ بحیرۂ خزر دربند پہنچا اور وہاں چند دن ٹھیر کر شروان کی طرف روانہ ہوا۔ یہ لکھتا ہے کہ اکہری دیوار گر چکی ہے، مگر اس کی بنیاد صاف نمایاں ہے۔ (دیکھیے: Hakluyt's Voyages' Vol. II. 13. Everyman's Library.)

دربند کی دہری دیوار سنہ ۱۷۹۶ء تک موجود تھی جس کی تصویر ایک روسی سیاح کی بنائی ہوئی ایچ والڈ (Eichwald) نے اپنی کتاب "کوا کیسیس" میں نقل کی ہے۔ لیکن سنہ ۱۹۰۴ء میں جب پروفیسر جیکسن نے اس کا معاینہ کیا تو گو آثار باقی تھے، لیکن دیوار گر چکی تھی، البتہ اکہری دیوار اکثر حصوں میں اب تک باقی ہے۔ دیوار دربند کی موجودہ حالت

۱۱- موجودہ زمانے کے شارحین تورات میں بھی =

= ایك جماعت اسی طرف گئی ھے کہ یاجوج وماجوج سے سیتھین قوم مراد تھی . لیکن وہ حزقیل کی پیشین گوئی کا محل ان کا وہ حملہ قرار دیتے ھیں جو ھیروڈوٹس کے قول کے مطابق سنہ ۶۳۰ قبل مسیح میں ھوا تھا . لیکن اس صورت میں یہ مشکل پیدا ھو جاتی ھے کہ حزقیل کی کتاب بابل کی اسیری کے زمانے میں لکھی گئی ھے ، کیوں کہ وہ خود بھی بخت نصر کے اسیروں میں سے تھے اور سیتھین حملہ اس سے بہت پہلے ھو چکا تھا . (اس باب میں مزید تفصیلات کے لیے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور جیوئش انسائیکلو پیڈیا میں لفظ (Gog) کا مقالہ دیکھنا چاھیے) .

۱۲ - ھم نے ذوالقرنین کے مبحث میں پوری تفصیل سے کام لیا ھے ، کیوں کہ زمانۂ حال کے معترضین قرآن نے اس مقام کو سب سے زیادہ اپنے معاندانہ استہزاء کا نشانہ بنایا ھے . وہ کہتے ھیں : " ذوالقرنین کی کوئی تاریخی اصلیت نہیں ھے . یہ محض عرب یہودیوں کی ایك کہانی تھی جو پیغمبر اسلام نے اپنی خوش اعتقادی سے صحیح سمجھ لی اور نقل کر دی " . اس لیے ضروری تھا کہ ایك مرتبہ یہ مسئلہ اس طرح صاف کر دیا جائے کہ شك و تردد کا کوئی پہلو باقی نہ رھے . =

استدراک

۱ - ہم نے سائرس کے جس مجسمے کا اوپر ذکر کیا
ہے اور جس سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہوگئی ہے
کہ ”ذو القرنین“ اسی کا لقب تھا، وہ قدیم سنگ تراشی
کی صناعیوں کا ایک نہایت نادر نمونہ ہے اور موجودہ
عہد کے تمام اہل نظر کا فیصلہ ہے کہ یونانی سنگ تراشی
کے نمونوں کی صف میں اگر کوئی ایشیائی نمونہ رکھا
جاسکتا ہے تو وہ یہی سائرس کا مرمریں مجسمہ ہے. یہ
ایران کے قدیم دار الحکومت اصطخر سے تقریباً پچاس میل
کے فاصلے پر واقع ہے. یہاں دارا نے شاہی محل تعمیر کیا تھا.
اب اس کا بقیہ صرف چند مرمریں ستون رہ گئے ہیں.
انہیں میں سے ایک مربع ستون پر یہ مجسمہ ابھارا گیا تھا.
سب سے پہلے سنہ ۱۸۳۷ء میں جیمس موریر (JamesMorier)
نے اس کی موجودگی سے علمی دنیا کو روشناس کیا.
پھر چند سال بعد سر رابرٹ کیر پورٹر (RobertKerrPorter)
نے اس مقام کی علمی پیمایش و تحقیق کرکے مفصل
معلومات بہم پہنچائیں اور اپنے سفر نامۂ جارجیا و ایران
(Georgia and Iran) میں مجسمے کی وہ نقل بھی شائع کردی
جو اس نے پنسل سے تیار کی تھی. اس وقت تک قدیم
پہلوی زبان اور میخی خطوط کا مسئلہ پوری طرح =

=حل نہیں ھوا تھا. تاھم یہ بات واضح ھوگئی تھی کہ مجسمہ سائرس ھی کا ھے. بعد کی تحقیقات نے مزید تصدیق کردی. پھر سنہ ۱۸۸٤ ءمیں ڈی لافو (Dieulafoy) نے اپنی مشہور کتاب (L'Art Antqiue de la Perse) میں اس کا اصلی عکس شائع کردیا اور اس طرح مجسمے کی اصلی نوعیت دنیا کے سامنے آ گئی.

اس وقت سے لے کر یہ مجسمہ تاریخ قدیم کے مباحث کا ایك عام موضوع رھا ھے. لیکن یہ عجیب بات ھے کہ آج تك کسی یورپین مستشرق کا ذھن اس طرف منتقل نہیں ھوا کہ اس کی نوعیت میں قرآن کے "ذوالقرنین" کی صریح اور قطعی تصدیق نمایاں ھوگئی ھے. ھم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ تغافل مذھبی تعصب کا نتیجہ ھے، کیونکہ ان میں کافی تعداد ایسے اھل علم کی ھے جو یقیناً ان تعصبات کی آلودگیوں سے اپنی حفاظت کرسکتے ھیں. تاھم اس میں شك نہیں یہ تغافل علم و نظر کے عجائب مستثنیات میں سے ھے.

۲ - اس مجسمے میں سائرس کے سر پر دو سینگ نکلے ھوے ھیں اور اطراف میں عقاب کے سے پر. سینگوں کا مطلب واضح ھو چکا، لیکن عقاب کے سے پر کیوں بنائے گئے؟

اس کا جواب بھی ھمیں یسعیاہ نبی کے صحیفے سے =

= مل جاتا هے . اس میں جہاں سائرس کے ظہور کی خبر دی گئی ہے، وهاں یه بهی هے که : ''دیکهو! میں ایك عقاب کو پورب سے بلاتا هوں. اس شخص کو جو ایك دور کے ملك سے آکر میری ساری مرضی پوری کرے گا''.
(باب ٤٦ : ١١)

اس سے معلوم هوا که جس طرح دو سینگوں کا معامله دانیال نبی کے مکاشفے سے تعلق رکهتا هے اسی طرح عقاب کی تشبیه یسعیاه نبی کی پیشین گوئی میں آچکی هے. خواه یه پیشین گوئیاں بعد کو بنائی گئی هوں، خواه فی الحقیقت پیش ترکی هوں، لیکن ان سے یه ظاهر هو گیا که سائرس کے لیے دو سینگوں کا اور عقاب کا تخیل پیدا هو چکا تها اور ٹهیك ٹهیك یہی تخیل هے جو اس مجسمے میں متشکل هو گیا هے.

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

*سورۃ مریم - ۱۹

مکیة وھی ثمان و تسعون اٰیة

مکی ، ۹۸ آیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کٓھٰیٰعٓصٓ ۚ ۱ — کاف ، ھا ، یا ، عین ، صاد . ۱

(*) نزول کے اعتبار سے یہ پہلی سورت ھے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کے حالات بتفصیل بیان کیے گئے ھیں اور ان گم راھیوں کا ازالہ کیا گیا ھے جو یہودیوں اور عیسائیوں میں اس مقدس شخصیت کے بارے میں پھیلی ھوئی تھیں .

تمام انجیلیں متفق ھیں کہ حضرت یحیٰی (یوحنا) کا ظہور دعوت مسیحی کے ظہور کا مقدمہ تھا . چنانچہ لوقا کی انجیل میں پہلے حضرت یوحنا کی پیدایش کا واقعہ بیان کیا ھے ، پھر اس کے بعد حضرت مسیح کا . قرآن نے بھی یہاں اسی طریقے پر بیان شروع کیا ھے .

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ ۲ (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر جو مہربانی کی تھی، یہ اس کا بیان ہے. ۲

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۳ جب ایسا ہوا تھا کہ زکریا نے چپکے چپکے اپنے پروردگار کو پکارا. ۳

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۴ اس نے عرض کیا: پروردگار! میرا جسم کمزور پڑ گیا ہے، میرے سر کے بال بڑھاپے سے بالکل سفید ہو گئے ہیں. خدایا! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تیری جناب میں دعا کی ہو اور محروم رہا ہوں. ٤

وَاِنِّىْ خِفْتُ الْمَوَالِىَ مِنْ وَّرَآءِىْ وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا فَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۵ مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے بھائی بندوں سے اندیشہ ہے (کہ نہیں معلوم وہ کیا کریں گے)

اور میری بیوی بانجھ ہے (اس لیے بظاہر حالات اولاد کی امید
نہیں) پس تو اپنے خاص فضل سے مجھے ایک وارث بخش دے ۔ ٥

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ (ایسا وارث) جو میرا بھی وارث
وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ ٦ ہو اور خاندان یعقوب (کی
برکتوں) کا بھی اور پروردگار! اسے ایسا کر دیجیو کہ (تیرے
اور تیرے بندوں کی نظر میں) پسندیدہ ہو ۔ ٦

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ (اس پر حکم ہوا) اے زکریا!
اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ ہم تجھے ایک لڑکے کی (پیدایش
لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ ٧ کی) خوش خبری دیتے ہیں ۔
اس کا نام یحیی رکھا جائے ۔ اس سے پہلے ہم نے کسی کے لیے
یہ نام نہیں ٹھیرایا ہے ۔ ٧

---

٧ ۔ لوقا کی انجیل میں ہے کہ : ابیاہ کی جماعت میں سے
زکریاہ نام ایک کاهن تھا۔ اس کی بیوی الیشبع هارون کی
اولاد میں سے تھی ۔ دونوں راست باز اور خداوند کے
حکموں پر بے عیب چلنے والے تھے۔ ان کے اولاد نہ تھی،
کیوں کہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے۔
(١ : ٥ تا ٧) =

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ ۸ زکریا نے (متعجب ہو کر) کہا: پروردگار! میرے یہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے! میری بیوی بانجھ ہو چکی اور میرا بڑھاپا دور تک پہنچ چکا۔ ۸

قَالَ كَذٰلِكَ ج قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ ۹ ارشاد ہوا: ایسا ہی ہوگا۔ تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے کچھ مشکل نہیں۔ میں نے اس سے پہلے خود تجھے پیدا کیا حالانکہ تیری ہستی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ ۹

= ہیکل کی مقدس رسوم ادا کرنے کے لیے کاہن مقرر تھے اور ہر جماعت کے آدمی کی نوبت مقرر تھی۔ ایک مرتبہ جب حضرت زکریا کی نوبت آئی اور وہ قربان گاہ میں خوشبو جلانے کے لیے داخل ہوئے تو خداوند کا فرشتہ انہیں نظر آیا۔ اس نے کہا: تیری دعا قبول ہوئی۔ تیری بیوی بیٹا جنے گی۔ تو اس کا نام یوحنا رکھیو۔ (لوقا ۱: ۸ تا ۱۳)

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ
قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ
النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۱۰
فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ

اس پر زکریا نے عرض کیا: خدایا! میرے لیے (اس بارے میں) ایک نشانی ٹھیرادے۔
فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تین رات لگاتار لوگوں سے بات نہ کر۔ ۱۰
پھر وہ قربان گاہ سے نکلا اور

---

۸ تا ۱۰ - انجیل میں ہے: زکریاہ نے کہا: میں یہ بات کس طرح جانوں، کیوں کہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟ جبریل نے کہا: ... "جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا" ... جب زکریاہ باہر آیا تو وہ لوگوں سے اشارے کرتا تھا، بول نہیں سکتا۔ (لوقا ۱: ۱۸)

قرآن نے یہ نہیں کہا ہے کہ حضرت زکریا گونگے ہو گئے تھے۔ یہ یقیناً بعد کی تعبیرات ہیں جو حسب معمول پیدا ہو گئیں۔ صاف بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت زکریا کو روزہ رکھنے اور مشغول عبادت رہنے کا حکم ہوا اور یہودیوں کے یہاں روزے کے اعمال میں سے ایک عمل خاموشی بھی تھی۔

الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اپنے لوگوں میں آیا (جو حسب
اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ ١١ معمول اس کا انتظار کر رہے
تھے)۔ اس نے (زبان نہ کھولی) اشارے سے کہا: صبح شام
خدا کی پاکی و جلال کی صدائیں بلند کرتے رہو! ١١
يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ "اے یحیٰی!" (خدا کا حکم ہوا،
وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۙ ۝ ١٢ کیوں کہ وہ خوش خبری کے
مطابق پیدا ہوا اور بڑھا) "کتاب الٰہی کے پیچھے مضبوطی
کے ساتھ لگ جا"۔ چنانچہ وہ ابھی لڑکا ہی تھا کہ ہم نے اسے علم
و فضیلت بخش دی۔ ١٢
وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ نیز اپنے فضل خاص سے دل
وَكَانَ تَقِيًّا ۙ ۝ ١٣ کی نرمی اور نفس کی پاکی عطا
فرمائی۔ وہ پرہیزگار ١٣
وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ اور ماں باپ کا خدمت گزار
جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ ١٤ تھا، سخت گیر اور نافرمان
نہ تھا۔ ١٤

١٢ تا ١٤ - چنانچہ حضرت یحیٰی پیدا ہوئے۔ لڑکپن=

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝١٥

اس پر سلام ہو (یعنی سلامتی ہو) جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرا اور جس دن پھر زندہ اٹھایا جائے گا۔ ۱۵

ع ۱ ٤

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝١٦

اور (اے پیغمبر!) کتاب میں مریم کا معاملہ بیان کر۔ اس وقت کا معاملہ جب وہ ایک مکان میں کہ پورب کی طرف تھا، اپنے گھر کے آدمیوں سے الگ ہوگئی (۷۰)۔ ۱٦

= ہی سے ان کی زندگی زہد و عبادت اور گوشہ نشینی و اعتکاف کی زندگی تھی۔

انجیل میں ہے کہ ان کی تمام ابتدائی زندگی صحرا میں بسر ہوئی۔ پھر وہیں ان پر اللہ کا کلام نازل ہوا۔ تب انہوں نے دریائے یردن کے نواح میں توبہ و انابت کی منادی شروع کردی۔ وہ پکارتے تھے کہ آنے والے وقت کے لیے تیار ہوجاؤ۔ (لوقا ۳: ۲ تا ٤)

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا قف پھر اس نے ان لوگوں کی طرف
فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا سے پردہ کر لیا. پس ہم نے
فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ ١٧ اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا
اور وہ ایک بھلے چنگے آدمی کے روپ میں نمایاں ہو گیا . ١٧
قَالَتْ إِنِّيٓ أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مریم (اسے دیکھ کر گھبرا گئی،
مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ ١٨ وہ) بولی: اگر تو نیک آدمی ہے
تو خدائے رحمان کے نام پر تجھ سے پناہ مانگتی ہوں . ١٨
قَالَ إِنَّمَآ أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ صلے ق فرشتے نے کہا: میں تو تیرے
لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ ١٩ پروردگار کا فرستادہ ہوں اور
اس لیے نمودار ہوا ہوں کہ تجھے ایک پاک فرزند بخش دوں. ١٩

١٧ - انجیل میں ہے کہ: مندرجۂ صدر واقعہ کے چھ ماہ بعد جبریل مریم پر نمودار ہوا جس کی منگنی یوسف نامی ایک نوجوان سے ہو چکی تھی اور اس نے کہا: تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی. اس کا نام یسوع رکھیو (لوقا ١: ٢٦ تا ٣١)
نیز یہ کہ: مریم زکریاہ کی بیوی الیشبع کی رشتہ دار تھی اور بشارت کے بعد اس سے ملنے گئی (١: ٣٩ و ٤٠)

قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِیًّا ۝ ٢٠	مریم بولی: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو، حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا نہیں اور نہ میں بد چلن ہوں! ٢٠
قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ۝ ٢١	فرشتے نے کہا: ہوگا ایسا ہی تیرے پروردگار نے فرمایا کہ یہ میرے لیے کچھ مشکل نہیں۔ (وہ کہتا ہے:) یہ اس لیے ہوگا کہ اسے لوگوں کے لیے ایك نشانی بنادوں اور میری رحمت کا اس میں ظہور ہو اور یہ ایسی بات ہے جس کا ہونا طے پاچکا۔ ٢١

٢١ — آیت ٢١ میں حضرت مسیح کی نسبت دو باتیں فرمائی ہیں: اللہ کی نشانی ہوں گے اور اس کی رحمت۔ غور کرو! ان دو لفظوں نے کس طرح ان کی شخصیت کی پوری تصویر نمایاں کردی ہے! وہ اپنی ساری باتوں میں کرشمہ ساز قدرت کی ایك نشانی تھے۔ ان کے ظہور کا تمام تر پیام نوع انسانی کے لیے رحم و محبت کا پیام تھا۔ ==

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝٢٢

پھر اس ہونے والے فرزند کا حمل ٹھہر گیا. وہ لوگوں سے الگ ہو کر دور چلی گئی . ٢٢

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝٢٣

پھر اسے دردزہ (کا اضطراب) کھجور کے ایک درخت کے نیچے لے گیا (اور وہ اس کے تنے کے سہارے بیٹھ گئی .) اس نے کہا: کاش میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی اور میری ہستی لوگ یک قلم بھول گئے ہوتے! ٢٣

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝٢٤

اس وقت (ایک پکارنے والے فرشتے نے) اسے نیچے سے پکارا: (یعنی نخلستان کے نشیب سے پکارا) غمگین نہ ہو. تیرے پروردگار نے تیرے تلے ایک بڑی ہستی (٧١)

= گویا ان کی شخصیت کی پوری تاریخ ان دو لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے: "اٰیۃ للناس و رحمۃ منا".

پیدا کردی ہے . ٢٤

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تو کھجور کے درخت کا تنا

تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۡ ۲۵ پکڑ کے اپنی طرف ہلا. تازہ

اور پکے ہوئے پھلوں کے خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے . ۲۵

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ج کھا پی اور (اپنے بچے کے

فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا لا نظارے سے) آنکھیں ٹھنڈی کر

فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ (اور سارا غم و ہراس

صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ بھول جا) . پھر اگر کوئی

اِنْسِيًّا ج ۲٦ آدمی نظر آجائے (اور پوچھ

گچھ کرنے لگے) تو (اشارے سے) کہہ دے: میں نے خدائے
رحمان کے حضور (چپ کے) روزے کی منت مان رکھی ہے .
میں آج کسی آدمی سے بات چیت نہیں کرسکتی . ۲٦

---

۲٦ - آیت ۲٦ سے واضح ہو گیا کہ ایک طرح کا
یہودی روزہ یہ بھی تھا کہ آدمی خاموش رہے . چنانچہ
حضرت زکریا کو بھی ایسا روزہ رکھنے کا حکم ہوا تھا.
یہودیوں کے یہاں روزے کی یہ صورت اب بھی
تسلیم کی جاتی ہے .

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ ٢٧

پھر (ایسا ھوا کہ) وہ لڑکے کو ساتھ لیے کر اپنی قوم کے پاس آئی ۔ لڑکا اس کی گود میں تھا ۔ لوگ (دیکھتے ھی) بول اٹھے : مریم! تو نے بڑی ھی عجیب بات کر دکھائی ۔ ٢٧

يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ۖۚ ٢٨

اے ھارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا، نہ تیری ماں بدچلن تھی (یہ تو کیا کر بیٹھی!) ٢٨

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ ٢٩

اس پر مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا (کہ یہ تمھیں بتلادے گا حقیقت کیا ھے) ۔ لوگوں نے

---

٢٨ - آیت ٢٨ میں "اخت ھارون" سے مقصود حضرت مریم کا ایك رشتہ دار ھے جو نہایت پارسا شخص تھا، اس لیے ملامت کرنے والوں نے اس کی طرف نسبت دے کے ملامت کی ۔ مسلم و ترمذی کی حدیث مغیرہ بن شعبہ میں یہ تفسیر خود آنحضرت سے منقول ھے

کہا : بھلا اس سے ہم کیا بات کریں جو ابھی گود میں بیٹھنے والا بچہ ہے ۔ ٢٩

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ ٣٠ (مگر) لڑکا بول اٹھا : میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا ۔ ٣٠

وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۪ۖ ٣١ اس نے مجھے با برکت کیا ، خواہ میں کسی جگہ ہوں ۔ اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کہ جب تک زندہ رہوں یہی میرا شعار ہو ٣١ ۔

وَّ بَرًّا ۢ بِوَالِدَتِیْ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ۝ ٣٢ اس نے مجھے اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا ، ایسا نہیں کیا کہ خود سر اور نا فرمان ہوتا ٣٢ ۔

وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ مجھ پر اس کی طرف سے سلامتی کا پیام ہے جس دن پیدا ہوا ،

اُبْعَثُ حَيًّا ۝ ٣٣ جس دن مروں گا اور جس دن

(پھر) اٹھایا جاؤں گا ٣٣ .

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ یہ ہے مریم کے بیٹے عیسٰی کی

قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِىْ فِيْهِ سرگذشت، سچائی کی بات جس

يَمْتَرُوْنَ ۝ ٣٤ میں لوگ اختلاف کرنے

لگے ہیں ٣٤ .

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ اللہ کے لیے کبھی یہ بات نہیں

وَّلَدٍ لا سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى ہو سکتی کہ وہ کسی کو اپنا

اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ بیٹا بنائے. اس کے لیے پاکی

كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ٣٥ ہو. (وہ کیوں مجبور ہونے

لگا کہ کسی فانی ہستی کو اپنا بیٹا بنائے؟) اس کی شان تو یہ ہے
کہ جب کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس حکم کرتا ہے
کہ ہو جا! اور اس کا حکم کرنا ہی ہو جانا ہے ٣٥ .

---

٣٤ و ٣٥ - آیت ٣٣ تک حضرت مسیح کے ظہور اور
دعوت کا بیان تھا. اب فرمایا: اس بارے میں قول حق=

=صرف یہ ہے. اس سے زیادہ عیسائیوں نے جو کچھ بنا لیا وہ جہل و گم راہی ہے. چنانچہ اس کے بعد عیسائیوں کی اس گم راہی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا بنا لیا.

سینٹ پال کی طرف ابنیت کی جو تعلیم منسوب ہے اس کی تمام تر بنیاد اس خیال پر رکھی گئی ہے کہ نوع انسانی کی سرشت میں گناہ ہے، پس اس کی نجات کے لیے ضروری تھا کہ کفارہ ہو. کفارے کی یہی صورت ہوسکتی تھی کہ خدا کی صفت رحمت ''ابن اللہ'' کی شکل میں اترے اور اپنی قربانی کے خون سے اولاد آدم کا گناہ دھو ڈالے. قرآن اس اصنامی تخیل کا رد کرتے ہوے خدا کی بے نیازی اور قدرت کا اثبات کرتا ہے. وہ کہتا ہے: تم نے خدا کو اتنا بے بس اور محتاج کیوں سمجھ لیا کہ جب تک ایک انسان کو اپنا بیٹا بنا کر سولی پر نہ چڑھا دے وہ اپنے بندوں کو نجات دینے کی راہ نہیں پاسکتا؟ یہ تو وہ کرے جو اپنے کاموں کی انجام دہی میں دوسرں کا محتاج ہو. لیکن تم خود مانتے ہو کہ خدا محتاج نہیں ہو سکتا. صرف اس کا چاہنا ہی کاموں کا انجام پاجاتا ہے.

وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ ۳۶

اور (مسیح کی تو ساری پکار یہ تھی:) بلا شبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے. پس اسی کی بندگی کرو. یہی (سچائی کا) سیدھا راستہ ہے۳۶.

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ ۳۷

(مگر) پھر اس کے بعد مختلف فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے. تو جن لوگوں نے حقیقت حال سے انکار کیا ان کی حالت پر افسوس! اس دن کے منظر پر افسوس جو (آنے والا ہے اور جو) بڑا ہی سخت دن ہوگا! ۳۷

اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ ۳۸

جس دن یہ ہمارے حضور حاضر ہوں گے، اس دن ان کے کان کیسے سننے والے اور ان کی آنکھیں کیسی دیکھنے والی ہوں گی! لیکن آج کے دن ان ظالموں کا کیا حال ہے؟ آشکارا گم راہی میں کھوئے ہوئے! ۳۸

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ ۳۹

اور (اے پیغمبر!) انہیں اس (آنے والے) دن سے بھی خبردار کردے جو بڑا ھی پچتانے کا دن ہوگا اور جب ساری باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا، اس وقت تو یہ لوگ غفلت میں پڑے ھیں اور (اس بات پر) یقین لانے والے نہیں ۳۹.

پچھتاوے کا دن

۳۹- آیت ۳۷ اور ۳۸ میں قیامت کے دن کا ذکر ہو چکا ھے کہ "من مشھد یوم عظیم" اور "یوم یاتوننا". اس کے بعد ۳۹ میں فرمایا: "وانذرھم یوم الحسرۃ" اور انہیں یوم الحسرۃ سے بھی خبردار کردے. اس سے معلوم ھوا کہ اس "یوم الحسرۃ" سے مقصود قیامت کا دن نہیں ھے، یہ کوئی دوسرا آنے والا دن ھے. چنانچہ بعد کی آیت نے اس دن کی نوعیت ظاھر کردی ھے.

یہ کون سا دن تھا؟ یقیناً کوئی ایسا دن جو عیسائیوں کو عن قریب پیش آنے والا تھا اور جس میں ان کےلیے بڑی ھی حسرت و مایوسی تھی!

چنانچہ سورۂ مریم کے نزول پر ابھی پچیس برس بھی نہیں گزرے تھے کہ یہ دن نمودار ہوگیا اور تمام عیسائی دنیا =

= یہ سن کر ششدر رہ گئی کہ مسیحیت کا صدر مقام اور قبلہ و مرکز اچانك اس کے ہاتھوں سے نکل کر ایك نئی قوم کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔ مشہور مورخ گبن (Gibbon) کے لفظوں میں "تمام مسیحی دنیا پر سکتے کی حالت طاری ہو گئی، کیوں کہ مسیحیت کی اس سب سے بڑی توہین کو نہ تو مذہب کا کوئی متوقع معجزہ روك سکا، نہ باز نطینی شہنشاہی کا لشکر جرار"!

پھر یہ صرف بیت المقدس ہی کی فتح نہ تھی، تمام ایشیا اور افریقہ میں مسیحی فرماں روائی کا خاتمہ تھا۔ ہرقل (ہیرے کلس=Heraclius) کے یہ الفاظ جو اس نے تختۂ جہاز پر لبنان کی چوٹیوں کو مخاطب کرکے کہے تھے، آج تك مؤرخوں کی زبانوں پر ہیں "الوداع سر زمین شام! ہمیشہ کے لیے الوداع"!

غور کرو! کیا یہ دن اپنے کامل معنوں میں مسیحیت کے لیے "یوم الحسرۃ" نہ تھا؟

پھر آیت کے اس ٹکڑے پر غور کرو کہ "وھم فی غفلۃ وھم لا یؤمنون" اے پیغمبر! یہ لوگ اس وقت اپنی کام رانیوں کی غفلت میں سرشار ہیں، یقین کرنے والے نہیں، تاہم تم اعلان کردو۔ نیز بعد کی آیت کہ "انا نحن نرث الارض ومن علیہا" کس طرح یہ تمام مطلب آشکارا=

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ ٱلْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝٤٠

ہم ہی زمین کے (بالآخر) وارث ہوں گے اور ان تمام لوگوں کے بھی جو زمین پر بسے ہوئے ہیں اور ہماری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے ٤٠ .

ع ٢ ٥

وَٱذْكُرْ فِي ٱلْكِتَٰبِ إِبْرَٰهِيمَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝٤١

اور (اے پیغمبر!) "الکتاب" میں ابراہیم کا ذکر کر. یقیناً وہ مجسم سچائی تھا اور الله کا نبی تھا ٤١ .

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْـًٔا ۝٤٢

(اس وقت کا ذکر) جب اس نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے باپ! تو کیوں ایک ایسی چیز کی پوجا کرتا ہے جو نہ تو سنتی ہے، نہ دیکھتی ہے، نہ تیرے کسی کام آسکتی ہے؟ ٤٢

= کر رہی ہے؟

افسوس ہمارے مفسروں کو اس عالم کی خبر ہی نہیں . وہ جہاں «یوم» کا لفظ دیکھتے ہیں جھٹ اسے یوم القیامۃ سمجھ لیتے ہیں!

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝٤٣

اے میرے باپ ! (میں سچ کہتا ہوں) علم کی ایک روشنی مجھے مل گئی ہے جو تجھے نہیں ملی۔ پس میرے پیچھے چل ، میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا ٤٣.

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝٤٤

اے میرے باپ! شیطان کی بندگی نہ کر۔ شیطان تو خدائے رحمان سے نافرمان ہو چکا ٤٤.

يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝٤٥

اے میرے باپ! میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو خدائے رحمان کی طرف سے کوئی عذاب تجھے آلگے اور تو شیطان کا ساتھی ہو جائے ٤٥.

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِـهَتِيْ يٰٓـاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ

باپ نے (یہ باتیں سن کر) کہا: ابراهیم ! کیا تو میرے معبودوں

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ　　سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ! اگر
وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ٤٦　　تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو
تجھے سنگ سار کر کے چھوڑوں گا. (اپنی خیر چاہتا ہے تو) جان
سلامت لیے کر مجھ سے الگ ہو جا ٤٦ .
قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ　　ابراهیم نے کہا: اچھا! میرا سلام
سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ　　قبول ہو (میں الگ ہو جاتا
بِيْ حَفِيًّا ٤٧　　ہوں). اب میں اپنے پروردگار
سے تیری بخشش کی دعا کروں گا. وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے ٤٧.
وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ　　میں نے تم سب کو چھوڑا اور
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ښ　　انہیں بھی جنہیں تم اللہ کے سوا
عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ　　پکارا کرتے ہو. میں اپنے
رَبِّيْ شَقِيًّا ٤٨　　پروردگار کو پکارتا ہوں. امید
ہے اپنے پروردگار کو پکار کے میں محروم ثابت نہیں ہوں گا ٤٨.
فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا　　پھر جب ابراھیم ان لوگوں سے
يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ　　اور ان سب سے جن کی اللہ کے

وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝٤٩

سوا پوجا کرتے تھے، الگ ہو گیا تو ہم نے (اس کی نسل میں برکت دی اور) اسے اسحاق اور (اسحاق کا بیٹا) یعقوب عطا فرمایا . ان میں سے ہر ایک کو ہم نے نبوت دی تھی ٤٩ .

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝٥٠

٣ ع ٦

اور اپنی رحمت کی بخشش سے سرفراز کیا تھا . نیز ان سب کے لیے سچائی کی صدائیں بلند کر دیں (جو کبھی خاموش ہونے والی نہیں) ٥٠ .

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ؗ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝٥١

اور (اے پیغمبر!) کتاب میں موسیٰ کا ذکر کر . بلا شبہ وہ ایک بندۂ خاص اور فرستادہ نبی تھا ٥١ .

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝٥٢

ہم نے اسے کوہ طور کی دہنی جانب سے پکارا اور (وحی کی) سرگوشیوں کے لیے اپنے سے قریب کیا ٥٢ .

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ ۵۳

نیز اپنی رحمت سے (رفاقت ومددگاری کے لیے) هارون عطا فرمایا که اس کا بھائی تھا اور نبی تھا ۵۳ .

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ز اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ج ۵۴

اور (اے پیغمبر!) الکتاب میں (یعنی قرآن میں) اسماعیل کا ذکر کر . بلا شبه وه اپنے قول کا سچا تھا اور (اللہ کا) فرستاده نبی تھا ۵٤ .

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ص وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝ ۵۵

وه اپنے گھر کے لوگوں کو نماز و روزے کا حکم دیتا تھا اور وه (اپنی ساری باتوں میں) اپنے پروردگار کے حضور پسندیده تھا ۵۵ .

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ز اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ق لا ۵٦

اور (اے پیغمبر!) کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کر . بلا شبه وه بھی سچائی مجسم اور نبی تھا ٥٦ .

وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ ٥٧ اور هم نے اسے بڑے هی اونچے مقام تك پهنچادیا تها ٥٧ .

---

٤١ تا ٥٧ - اس کے بعد آیت ٤١ سے ٥٧ تك حضرت ابراهیم، اسحاق، یعقوب، موسیٰ، هارون، اسماعیل اور ادریس (علیهم السلام) کی نبوتوں کی طرف اشاره کیا هے اور پهر آیت ٥٨ میں اس تمام تذکرے کا نتیجه نکالا هے.

حضرت ابراهیم کی زندگی کا جو واقعه بیان کیا گیا هے زیاده تفصیل کے ساتھ سورۂ انعام کی آیت ٧٤ میں گزرچکا هے اور آینده سورتوں میں بهی آئے گا. ماحصل اس کا یه هے که اُور (Ur) کے تمام باشندوں کی طرح ان کا چچا بهی بت پرست تها. اس نے غیظ و غضب میں آکے انهیں نکال دیا. انهوں نے بهی راه حق میں تمام ملك و قوم سے کناره کشی کرلی اور کنعان آکر مقیم هو گئے. پهر الله نے ان کی نسل میں برکت دی اور اسرائیلی اور اسماعیلی سلسلوں کے بانی هوئے.

جزیره نمائے سینا کی دهنی جانب عرب هے، بائیں جانب مصر هے. اسی دهنی جانب کے ساحل پر قبیلۂ مدین کی بستی آباد تهی جهاں حضرت موسیٰ مصر سے نکل کر مقیم هو گئے تهے. پس "من جانب الطور الایمن" کا مطلب =

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ اَنْعَمَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّنَ مِنْ
ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ق وَمِمَّنْ حَمَلْنَا
مَعَ نُوحٍ ز وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ
اِبْرٰهِيمَ وَ اِسْرَآءِيلَ ز وَمِمَّنْ
هَدَيْنَا وَ اجْتَبَيْنَا ط اِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا
سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا السجدة ۵۸

یہ ہیں وہ لوگ جو ان نبیوں میں سے ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ، آدم کی نسل میں سے اور ان کی نسل سے جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا ، نیز ابراھیم اور اسرائیل (یعنی یعقوب) کی نسل سے اور ان گروھوں میں سے

السجدة ۔ ۵

جنھیں ہم نے راہ راست دکھائی اور (کام رانیوں کے لیے) منتخب کرلیا. یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدائے رحمان کی آیتیں انھیں سنائی جاتی تھیں تو بے اختیار سجدے میں گر جاتے تھے اور ان کی آنکھیں اشك بار ہو جاتی تھیں ۵۸ .

= یہ ہے کہ یہ معاملہ طور کی مشرقی جہت میں پیش آیا تھا ، نہ کہ مغربی میں جو مصر کے مقابل ہے .

۵۸ - آیت ۵۸ اور اس کے بعد کی آیتیں اس تذکرے کا=

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ ٥٩ لیکن پھر ان کے بعد ایسے نا خلف ان کے جانشین ہوئے، جنھوں نے نماز (کی حقیقت) کھودی اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے۔ سو قریب ہے کہ ان کی سرکشی ان کے آگے آئے! ٥٩۔

= خلاصہ ہیں۔ فرمایا: ان تمام نبیوں نے خدا پرستی اور نیک عملی کی دعوت دی تھی۔ وہ ان میں سے تھے، جن پر خدا کا انعام ہوا اور کام یابیوں کے لیے چن لیے گئے۔ لیکن ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنھوں نے حقیقت ضائع کر دی اور اپنی خواہشوں کے پرستار ہو گئے۔ اب ان کے نام لیواؤں کے جتنے گروہ ہیں سب کا یہی حال ہے اور سب کو اپنی بد عملیوں کا نتیجہ بھگتنا ہے۔ ہاں! جو گم راہیوں سے باز آجائیں گے اور دعوت حق پر عمل کریں گے ان پر ہر طرح کی کام رانیوں کی راہ کھل جائے گی، اسی طرح جس طرح پہلے کھل چکی ہے۔

٥٩ - آیت ٥٩ میں پچھلوں کی گم راہی بیان کرتے ہوئے صرف "اضاعوا الصلوٰة واتبعوا الشھوت" فرمایا۔ =

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ۶۰

ھاں! جو کوئی باز آ گیا، ایمان لایا اور نیک عمل میں لگ گیا تو بلا شبہ ایسے لوگوں کے لیے کوئی کھٹکا نہیں ۔ وہ جنت میں داخل ہوں گے ۔ ان کے حقوق میں ذرا بھی نا انصافی نہ ہو گی ۶۰ ۔

جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ

ھمیشگی کی جنت جس کا اپنے بندوں سے خدائے رحمان نے

= اس سے معلوم ھوا کہ نماز یعنی عبادت جوھر ایمان ھے ۔ اس کی حقیقت گئی تو سب کچھ چلا گیا ۔

در اصل ایک خدا پرست اور ایک غیر خدا پرست میں عملی امتیاز اس کے سوا کچھ نہیں ھوتا کہ پہلا کسی کی بندگی میں لگا رھتا اور کسی کو پکارتا رھتا ھے، دوسرا اس سے بے پروا رھتا ھے ۔ اسی لیے دعا اور عبادت ایمان باللہ کی اصلی علامت ھوئی اور اسی لیے تمام مذاھب نے اسی عمل پر مذھبی زندگی کی ساری عمارتیں اٹھائیں ۔ جونہیں یہ عمل بگڑا مذھبی زندگی کی ساری بنیادیں ھل گئیں ۔

بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ وعدہ کر رکھا ہے اور وعدہ
مَاْتِيًّا ۝ ٦١ ایک غیبی بات کا ہے (جسے
وہ اس زندگی میں محسوس نہیں کر سکتے، مگر) یقیناً اس کا
وعدہ ایسا ہے جیسے ایک بات وقوع میں آ گئی ٦١ .

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اس زندگی میں کوئی ناشائستہ
اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ بات ان کے کانوں میں نہیں
فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ ٦٢ پڑے گی . جو کچھ سنیں گے
وہ سلامتی ہی کی صدا ہو گی . وہاں صبح و شام ان کا رزق
ان کے لیے برابر مہیا رہے گا ٦٢ .

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ سو (دیکھو!) یہ جنت ہے جس
مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝ ٦٣ کا ہم اسے وارث کر دیتے ہیں
جو ہمارے بندوں میں سے متقی (٧٢) ہوتا ہے ٦٣ .

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ اور (فرشتے (٧٣) جنتی سے کہیں
لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا گے :) ہم (تمہارے پاس) نہیں
خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ آتے مگر تمہارے پروردگار

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۚ ٦٤ کے حکم سے. جو کچھ ہمارے
سامنے ہے، جو کچھ ہمارے پیچھے گزر چکا ہے اور جو کچھ
ان دونوں وقتوں کے درمیان ہوا، سب اسی کے حکم سے ہے
اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں کہ بھول جانے والا ہو ٦٤ .

٦٤ - آیت ٦٢ میں فرمایا تھا کہ جنت کی زندگی سلامتی اور طہارت کی زندگی ہوگی. وہاں سلام کی صداؤں کے سوا اور کوئی صدا سننے میں نہیں آئے گی. پھر آیت ٦٤ میں فرمایا: جنتیوں پر فرشتوں کا نزول ہوگا جو سلامتی کا پیام پہنچائیں گے. وہ کہیں گے: تمہارا پروردگار بھول جانے والا نہ تھا. دیکھ لو! جو کچھ تم نے ماضی میں کیا تھا آج اس کے نتائج تمہارے دامن میں ہیں اور قانون نتائج کے حافظے نے کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل نہیں بھلایا ہے.

"وما کان ربك نسیا" کی حقیقت پر غور کرو! علم و قدرت کے جو ازلی قوانین ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ان کا حافظہ کیسا اٹل اور ان کا حساب و کتاب کیسا بے داغ ہے! کیا ممکن ہے کہ ایك پل کے لیے بھی ان پر سہو و نسیان طاری ہو جائے؟

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ آسمان اور زمین کا پروردگار
وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ اور ان سب کا پروردگار جو
وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ آسمان و زمین میں ہیں، سو
ع ٤ ٧ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ع ٦٥ (اے پیغمبر!) اسی کی بندگی کر
اور اس کی بندگی کی راہ میں جو کچھ پیش آئے جھیلتا رہ.
کیا تیرے جانتے کوئی دوسرا بھی اس کا ہم نام ہے (یعنی
اس جیسا ہے). ٦٥

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا اور (حقیقت سے غافل) انسان
مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝ ٦٦ کہتا ہے: ”جب میں مر گیا
تو پھر کیا ایسا ہونے والا ہے کہ زندہ اٹھایا جاؤں؟“ ٦٦
اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا (افسوس اس پر!) کیا انسان

---

٦٥ - آیت ٦٥ میں خطاب پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں سے ہے. فرمایا: دو باتوں میں لگے رہو، ساری کامیابیاں انہیں سے ملیں گی: اس کی عبادت کرو. اس کی عبادت کی راہ میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں جھیلتے رہو.

خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ۝٦٧
کو یہ بات یاد نہ رہی کہ ہم اسے پہلے پیدا کر چکے ہیں حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا ؟ ٦٧

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝٦٨
سو (اے پیغمبر!) تیرا پروردگار شاهد ہے کہ ہم ان سب کو اور ان کے ساتھ سارے شیطانوں کو ضرور اکٹھا کریں گے۔ پھر ان سب کو دوزخ کے گرد حاضر ہونے کا حکم دیں گے، زانوؤں پر گرے ہوے٦٨ ۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝٦٩
پھر ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو (چن چن کر) الگ کر لیں گے جو (اپنی زندگی میں) خدائے رحمان سے بہت ہی سرکش تھے ٦٩ ۔

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝٧٠
اور پھر یہ بات بھی ہمیں جاننے والے ہیں کہ کون دوزخ میں جانے کا زیادہ سزاوار ہے٧٠ ۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَاۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّاۚ ٧١ اور (یاد رکھو!) تم میں کوئی نہیں جو اس منزل سے گزرنے والا نہ ہو. ایسا کرنا تمہارے پروردگار نے ضروری ٹھیرا لیا. یہ ایک طے شدہ فیصلہ ہے ٧١ .

ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّاۚ ٧٢ پھر ہم ایسا کریں گے کہ جو متقی ہیں انہیں نجات دے دیں، جو ظالم ہیں انہیں دوزخ میں چھوڑ دیں، گھٹنوں کے بل گرے ہوے ٧٢ .

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور (دیکھو!) جب ہماری روشن آیتیں لوگوں کو سنائی

---

٧١ - آیت ٧١ میں "وان منکم الا واردها" کا خطاب تمام نوع انسانی سے نہیں ہے، بلکہ ان منکرین حق سے ہے جن کا ذکر پہلے سے چلا آتا ہے اور جن کی نسبت پچھلی آیت میں فرمایا "الذین هم اولٰی بها صلیا"، اور اسی لیے اس درجہ زور دے کر فرمایا "کان علٰی ربك حتما مقضیا"، جزاء عمل کا قانون طے شدہ قانون ہے، کبھی ٹلنے والا نہیں.

لِلَّذِينَ آمَنُوٓا لا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّأَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ ۷۳

جاتی ہیں تو جو لوگ کفر میں پڑے ہیں وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں "یہ تو بتلاؤ! ہم دونوں فریقوں میں کون ہے جو بہتر جگہ رکھتا ہے اور بہتر جمگھٹا ؟ " ۷۳

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَّرِئْيًا ۝ ۷٤

حالانکہ ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے جو ان سے کہیں بہتر ساز و سامان رکھتی تھیں اور ان سے کہیں بہتر ان کی نمود تھی ۷٤ ۔

قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ط فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضْعَفُ جُندًا ۝ ۷۵

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے: جو کوئی گم راہی میں پڑا تو خدائے رحمان کا قانون یہی ہے کہ اسے برابر ڈھیل دیتا جاتا ہے ۔ وہ اسی حال میں رہے گا یہاں تک کہ اپنی

آنکھوں سے وہ بات دیکھ لے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا تھا، یعنی عذاب یا قیامت کی گھڑی. تو اس وقت اسے پتا چلے گا کون تھا جس کی جگہ سب سے زیادہ بدتر ہوئی اور جس کا جتھا سب سے زیادہ بودا نکلا ۷۵ .

۷۳ تا ۷۵ - سورۂ مریم مکی عہد کی وسطی تنزیلات میں سے ھے . اس وقت پیروان دعوت کم زور اور بے سرو سامان تھے . منکروں کو ھر طرح کی دنیوی خوشیاں حاصل تھیں . پیغمبر اسلام مؤمنوں کے ساتھ بیٹھتے تو فقیروں اور بے نواؤں کی مجلس ھوتی . منکرین حق دار الندوہ میں جمع ھوتے تو سرداروں اور امیروں کا مجمع ھوتا . اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ قرآن کی بشارتیں سن کر کفار ھنسی اڑاتے. وہ کہتے: بتلاؤ! ھم دونوں میں سے کس کا مقام بلند ھے اور کس کی مجلس معزز ؟

آیت ۷۳ سے ۷۵ تک منکروں کی اسی سرکشی کا بیان ھے . فرمایا: انھیں خدا کے قانون کی خبر نہیں . اس نے نتائج عمل کا قانون ایسا ٹھیرا دیا ھے کہ گمراھوں کو ڈھیل پر ڈھیل دی جاتی ھے . راہ رووں کو راہ نمائی پر =

وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًىۭ ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝ ۷٦

اور جن لوگوں نے راہ پالی تو وہ ان پر اور زیادہ راہ کھول دیتا ہے (یعنی ان کی فلاح و سعادت بڑھتی ہی جاتی ہے)۔ اور تمہارے پروردگار کے حضور تو باقی رہنے والی

= راہ نمائی ملتی ہے ۔ جس نے آنکھیں بند کر لیں اس کے لیے تاریکی ہی ہو گی ، لیکن فوراً نہیں کرے گا ، یکے بعد دیگرے مہلتیں پائے گا ۔ جس نے آنکھیں کھلی رکھیں اسے راہ ملے گی ، لیکن فوراً منزل مقصود پر نہیں پہنچ جائے گا ۔ درجہ بدرجہ راہ نمائی پائے گا ۔ یہاں اچھائی اور برائی دونوں کے لیے تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے ۔ بس ایک خاص وقت کی حالت دیکھ کر مغرور نہیں ہونا چاہیے ، ظہور نتائج کا انتظار کرنا چاہیے ۔

تفصیل کے لیے تفسیر فاتحہ میں '' قانون امہال '' کا مبحث پڑھنا چاہیے ۔ یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے ۔

نیکیاں ھی بہتر ھیں ثواب کے اعتبار سے بھی اور نتیجے کے اعتبار سے بھی ٧٦ ۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ؕ ٧٧ (اے پیغمبر!) تو نے دیکھا اس آدمی کا کیا حال ھے جس نے ھماری آیتوں سے انکار کیا اور کہا ''خدا کی قسم! میں ضرور مال و دولت پاؤں گا. میں ضرور صاحب اولاد ھوں گا'' ٧٧ .

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۙ ٧٨ وہ جو ایسا کہتا ھے تو کیا اس نے غیب کو جھانك کے

٧٧ و ٧٨ - آیت ٧٧ میں انسان کی غفلت اور سرکشی کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ھے جب کہ وہ اپنی عارضی خوش حالیوں کے گھمنڈ میں سمجھنے لگتا ھے کہ ھر طرح خوش حالیاں میرے ھی حصے میں آنے والی ھیں اور بھول جاتا ھے کہ زندگی اور زندگی کے حوادث کا ایك پل بھی اس کے اختیار میں نہیں .

یہاں فرمایا : کیا اس سرکش نے غیب کی باتیں دیکھ لی ھیں یا خدا سے کوئی پٹا لکھوا لیا ھے؟ اگر ایسا نہیں ھے تو پھر کیا ھے جس پر بھولا بیٹھا ھے؟

دیکھ لیا ہے یا خدا سے کوئی عہد لے لیا ہے کہ اسے ایسا کرنا ہی پڑے گا؟" ٧٨ ۔

كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۙ ٧٩ ہر گز نہیں (ایسا کبھی نہیں ہو سکتا)۔ اچھا! وہ جو کچھ کہتا ہے ہم اسے لکھ لیں گے (یعنی اس کی یہ بات بھلائی نہیں جائے گی، اس کے آگے آئے گی) اور اس کے عذاب کی رسی لمبی کرتے جائیں گے ٧٩ ۔

وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝ ٨٠ یہ جس مال و اولاد کا دعویٰ کرتا ہے (اگر اسے میسر بھی آجائے تو بالآخر) ہمارے ہی قبضے میں آئے گا اور اسے تو ہمارے سامنے تن تنہا حاضر ہونا ہے! ٨٠

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۙ ٨١ اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا لیا ہے کہ ان کے مددگار ہوں ٨١ ۔

كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۚ ٨٢ لیکن ہر گز ایسا ہونے والا نہیں۔ وہ (قیامت کے دن) ان

ع ٥ ٨

کی بندگی سے صاف انکار کر جائیں گے۔ وہ الٹے ان کے مخالف ہوں گے ٨٢.

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ٨٣ (اے پیغمبر!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے، وہ انہیں برابر اکساتے رہتے ہیں ٨٣.

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ٨٤ پس تو ان کے بارے میں جلدی نہ کر. (فیصلۂ امر میں جو دیر ہو رہی ہے تو) یہ صرف اس لیے ہے کہ ہم ان کے دن گن رہے ہیں (قریب ہے کہ مقرر وقت ظہور میں آجائے) ٨٤.

---

٨٤ - آیت ٨٤ کے چند لفظوں نے جزاء عمل کے قانون کی ساری حقیقت کس طرح واضح کر دی ہے! فرمایا: "فلا تعجل علیھم انما نعد لھم عدا"، جلدی نہ کر، یہ دیر صرف اس لیے ہے کہ ان کے دن گنے جا رہے ہیں. یعنی ہر حالت کی تکمیل و ظہور کے لیے ایک مقررہ مدت ہے اور نتائج عمل کا قانون بھی اس سے باہر نہیں. کفار مکہ کو جو ڈھیل مل رہی ہے وہ صرف اس لیے=

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى	وہ دن کہ متقی انسانوں کو
الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۸۵	ہم اپنے حضور مہمانوں کی
	طرح جمع کریں گے ۸۵ .
وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى	اور مجرموں کو دوزخ کی
جَهَنَّمَ وِرْدًا ۸۶	طرف پیاسے جانوروں کی
	طرح ہنکائیں گے ۸۶ .
لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ	(اُس دن) شفاعت کرنا کرانا
اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ	کسی کے اختیار میں نہ ہوگا،
عَهْدًا ۸۷	ہاں! جس کسی نے خدا کے

وقف لازم

وقف لازم

= ہے کہ دن گنے جا رہے ہیں. وقت قریب آ گیا ہے، مگر دن ابھی پورے نہیں ہوئے. جو نہیں پورے ہوں گے نتیجہ خود بخود اچھل کر آشکارا ہو جائے گا.

چنانچہ ایسا ہی ہوا. دشمنان حق کی خوش حالیوں کے صرف گنے ہوئے دن باقی رہ گئے تھے. سورۂ مریم کے نزول پر پورے دس برس بھی نہیں گزرے تھے کہ سارے معاملے کا فیصلہ ہو گیا.

حضور سے وعدہ پا لیا (تو وہ وعدہ ضرور اس کے کام آئے گا) ۸۷ .

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۸۸ اور ان لوگوں نے (یعنی عیسائیوں نے) کہا: "خدائے رحمان نے اپنا ایک بیٹا بنا رکھا ہے" ۸۸ .

---

۸۵ تا ۸۷ - اب سورت ختم ہو رہی ہے ، سلسلۂ بیان پھر اسی مطلب کی طرف رجوع ہو گیا ہے جو اوائل سورت میں چھڑ گیا تھا ، یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں عیسائیوں کی گم راہی . چنانچہ آیت ۸۵ میں فرمایا : قیامت کے دن تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے : ایک متقیوں کا ہو گا ، دوسرا مجرموں کا . متقی اپنے ایمان و عمل کی جزا میں نجات پائیں گے ، مجرم اپنے انکار و بد عملی کی پاداش میں عذاب . یہ بات کسی کے اختیار میں نہ ہو گی کہ دنیا کے درباروں کی طرح جسے چاہے ، اپنی سفارش سے چھڑا لے . پس عیسائیوں نے جو حضرت مسیح کو نوع انسانی کے گناہوں کا کفارہ دینے والا اور اس کا شفیع و منجی تصور کر لیا ہے ، وہ صریح گم راہی نہیں ہے تو کیا ہے !

۸۸ تا ۹۱ - پھر الوہیت اور ابنیت مسیح کی گم راہی=

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۙ ٨٩	بڑی ھی سخت بات ھے جو تم گھڑ لائے ھو! ٨٩ .
تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ	قریب ھے کہ آسمان پھٹ پڑے،
مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ	زمین کا سینہ چاك ھو جائے،
وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ ٩٠	پہاڑ جنبش میں آ کر گر پڑیں ٩٠ .
اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ ٩١	لوگ اللہ کے لیے بیٹا ھونے کا دعوی کر رھے ھیں ! ٩١
وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ	اللہ کی یہ شان کب ھو سکتی ھے
يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۭ ٩٢	کہ اپنے لیے ایك بیٹا بنائے؟ ٩٢
اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ	آسمان اور زمین میں جو کوئی
وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ	بھی ھے وہ اسی لیے ھے کہ
عَبْدًا ۭ ٩٣	اس کے آگے بندگی کا سر جھکائے

= کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: انسانی گم راھی کی یہ انتہا ھے. اس سے زیادہ سخت گم راھی اور کیا ھو سکتی ھے کہ فاطر السمٰوٰت و الارض کو ایكِ بیٹے کی ھستی کا محتاج تصور کر لیا جائے!

حاضر ہو ۹۳ ۔

لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ اس نے (اپنی قدرت سے)

عَدًّا ؕ ۹٤ انہیں گھیر رکھا ہے اور (اپنے

۹۳ - اس کے بعد صرف ایک آیت کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو اس عقیدے کے رد میں کہا جا سکتا ہے. یہ زیادہ سے زیادہ واضح اور فیصلہ کن حجت ہے. مگر منطقی طریقے کی نہیں جو دلوں کو نہیں پکڑ سکتی، قرآنی طریقے کی جو دل کے ایک ایک ریشے میں اتر جاتی ہے: "ان کل من فی السمٰوٰت و الارض الا اٰتی الرحمٰن عبداً". تم خود تسلیم کرتے ہو کہ کائنات خلقت میں جو کوئی بھی ہے اس کے حضور بندے ہی کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا. یعنی یہاں آقائی و معبودیت صرف خدا کے لیے ہے باقی سب کے لیے بندگی و نیاز مندی ہے. اچھا! اگر اس سے تمہیں انکار نہیں تو پھر مسیح کو بھی عبد ہونا چاہیے نہ کہ معبود، غلام ہونا چاہیے نہ کہ آقا، محکوم ہونا چاہیے نہ کہ حکم فرما. یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کے آگے سب تو بندے ہوں، مگر مسیح بندہ نہ ہو!

علم سے) ایك ایك کی هستی گن رکھی ہے ۹٤ ۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ ٩٥

قیامت کے دن سب اس کے حضور تن تنہا آکر کھڑے ہوں گے (کوئی ان کا ساتھی اور مددگار نہ ہوگا) ۹۵ ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ ٩٦

(اے پیغمبر!) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیك عملوں میں لگ گئے ہیں، یہ یقینی ہے کہ خدائے رحمان ان کے لیے (دلوں میں) محبت پیدا کردے (یعنی لوگ ان کی طرف کھنچیں گے اور انہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے ۹٦) ۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ ٩٧

اسی غرض سے ہم نے قرآن تیری زبان (عربی) میں اتار کر آسان کر دیا کہ متقی انسانوں کو (کامیابی کی) خوش خبری دے دے اور جو گروہ سچائی کے مقابلے میں ہٹ کرنے والا اور اڑ جانے والا ہے اسے (انکار و سرکشی کے نتیجے سے) خبردار کر دے ۹۷ ۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۹۸

ان (سرکشوں) سے پہلے قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں جنہیں ہم نے (پاداش بد عملی میں) ہلاک کر دیا۔ کیا ان میں سے کسی کی ہستی بھی اب تم محسوس کرتے ہو؟ کیا ان کی بھنک بھی سنائی دیتی ہے؟ ۹۸

ع ۶ النصف ۹

۹۶ تا ۹۸ - آیت ۹۶ سے آخر تک سورت کی اختتامی موعظت ہے اس میں دو باتوں کی خبر دی گئی ہے: ایک یہ کہ جو لوگ ایمان و عمل کی راہ اختیار کریں گے عن قریب خدا ان کے لیے انسانوں کے دل کھول دے گا اور وہ قوموں اور ملکوں کے محبوب ہو جائیں گے: "سیجعل لھم الرحمٰن وداً"۔ دوسری یہ کہ حق کے مقابلے میں ہٹ دھرمی کرنے والوں کو وہی نتیجہ پیش آنے والا ہے جو پچھلی تباہ شدہ جماعتوں کو پیش آ چکا ہے کہ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں: "ھل تحس منھم من احد او تسمع لھم رکزا"۔

تاریخ کا داستان سرا شہادت دیتا ہے کہ دنیا نے یہ دونوں باتیں چند برسوں کے اندر دیکھ لیں۔ =

شرح "سیجعل لهم الرحمن ودّاً"

= ایمان وعمل کی اس دعوت نے مسلمانوں کا جو گروہ پیدا کر دیا تھا انسانوں نے اسے قبول ھی نہیں کیا، بلکہ اس کا والہانہ استقبال کیا۔ وہ خوف و دہشت کی طاقت نہ تھے جس سے لوگ بھاگتے، نیکی وعدالت کا پیام تھے جس کی طرف لوگ دوڑتے تھے۔ قوموں نے انہیں بلاوے بھیجے، شہروں نے ان کے لیے پھاٹك کھولے، قلعوں نے اپنی کنجیاں آگے رکھ دیں اور وقت کی ساری مظلوم آبادیوں نے انہیں نجات دہندہ سمجھا۔

اجنادین اور یرموك کے میدانوں میں بازنطینی شہنشاھی ان سے لڑ رھی تھی، لیکن شام کی آبادیاں محبت کے پیام بھیج رھی تھیں۔ بصرا نے اپنے دروازے خود کھول دیے تھے، حمص کے باشندوں نے منتیں کی تھیں، طرابلس پہلے سے چشم براہ تھا، صور کے پھاٹك بند ھی نہیں کیے گئے۔ اسی طرح جب انہوں نے مصر کا رخ کیا تو خود مصر کے عیسائی ھی تھے جنھوں نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا تھا۔ وہ جن جن راستوں سے گزرتے سڑکوں کو درست اور پلوں کو تیار پاتے اور ھر طرح کی رسد فوج کے لیے مہیا ھوتی!

باقی رھی دوسری بات تو محتاج تشریح نہیں۔ اس آیت کے نزول پر پورے پندرہ برس بھی نہیں گزرے =

= تھے کہ دعوت قرآن کی تمام معاند قوتیں بے نام و نشان هو چکی تھیں .

* * * *

حضرت مسیح (علیه السلام) اور مسیحیت کی نسبت بعض مہمات مباحث هیں جن کے اشارات آینده سورتوں کی تشریحات میں ملیں گے ، لیکن یہاں دو باتوں کی طرف اشاره کر دینا ضروری ھے :

(الف) قرآن نے حضرت مسیح کے ظہور کا ذکر زیادہ تفصیل کے ساتھ دو جگہ کیا ھے : یہاں اور سورۂ آل عمران کی آیات (٣٥ تا ٦٣) میں . یہاں یہ ذکر حضرت زکریا کی دعا اور حضرت یحیٰ کی پیدایش کے بیان سے شروع ہوا ھے اور اناجیل اربعہ میں سے سینٹ لوقا کی انجیل ٹھیک ٹھیک اسی طرح یہ تذکرہ شروع کرتی ھے . لیکن سورۂ آل عمران میں یہ تذکرہ اس سے بھی پیش تر کے ایک واقعے سے شروع هوتا ھے ، یعنی حضرت مریم کی پیدایش اور هیکل میں پرورش پانے کے واقعے سے ، اور اس بارے میں چاروں انجیلیں خاموش هیں .

لیکن انیسویں صدی میں متروك اناجیل کا جو نسخہ ویتیکان (Vatican) کے کتب خانے سے بر آمد هوا اس نے حضرت مریم کی پیدایش کا یہ مفقود ٹکڑا مہیا کر دیا ھے . اس سے معلوم هوتا ھے کہ کم از کم چوتھی صدی عیسوی =

= کے اوائل تك سرگذشت کا یہ ٹکڑا بھی اسی طرح الہامی یقین کیا جاتا تھا جس طرح بقیہ ٹکڑے یقین کیے جاتے ھیں ۔

"متروك اناجیل" سے مقصود وہ اکیس سے زیادہ انجیلیں ھیں جو پہلی صدی سے لے کر چوتھی صدی کے اوائل تك عیسائیوں میں رائج اور معمول تھیں ۔ سنہ ٣٢٥ ء میں نائسیا (Nicaea) کی کونسل نے چار منتخب کر لیں اور باقی متروك سمجھ لی گئیں ۔ یہ انتخاب کسی تاریخی یا علمی اصل کی بنا پر نہیں کیا گیا تھا، بلکہ ایك طرح کی فال دیکھی گئی تھی اور اس کا اشارہ فیصلہ کن تھا ۔

(ب) قرآن کا جب ظہور ھوا تو حضرت مسیح کے بارے میں عیسائیوں کے عام بنیادی عقائد یہ تھے:

اولاً: بغیر باپ کے پیدایش ۔

ثانیاً: مصلوب ھونے کے بعد پھر زندہ ھو جانا ۔

ثالثاً: الوھیت مسیح اور اقانیم ثلاثہ ۔

رابعاً: کفارہ اور یہ اعتقاد کہ اب نجات کی راہ عمل نہیں، بلکہ مسیح کے کفارے پر ایمان ھے ۔

قرآن نے واقعۂ صلیب کا رد کیا اور کہا کہ وہ مصلوب نہیں ھوئے، بلکہ حقیقت حال لوگوں پر مشتبہ ھو گئی ۔ الوھیت اور ابنیت کا بھی رد کیا اور کہا: =

= ایسا کہنا صریح کفر ہے . کفارے کا بھی رد کیا اور جا بجا اس پر زور دیا کہ نجات کی بنیاد ایمان باللہ اور عمل ہے، نہ کہ مسیح کے کفارے کا اعتقاد .

اب قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بغیر باپ کے پیدایش کا اعتقاد بھی انہیں عقائد کی طرح باطل تھا تو کیا ضروری نہ تھا کہ قرآن اسی صراحت کے ساتھ اس کا بھی رد کر دیتا جس صراحت کے ساتھ دوسرے عقائد کا کیا ہے؟ یقیناً ضروری تھا .

لیکن قرآن نے اس کے رد میں ایک حرف بھی نہیں کہا . اتنا ہی نہیں، بلکہ سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اگر اس پر نظر ڈالی جائے اور یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھی جائے کہ تذکرہ ایک ایسی پیدایش کا ہو رہا ہے جو بغیر باپ کے تسلیم کرلی گئی ہے تو بغیر کسی تأمل کے تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ بیان کی صاف روح یہی ہے کہ قرآن اس عام اعتقاد کا منکر نہیں، کم از کم اس کا رجحان اس کے خلاف نہیں جا رہا .

بلا شبہ قرآن میں یہ الفاظ کہیں نہیں ملتے کہ حضرت مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوے، یعنی کوئی ایسی مثبت تصریح نہیں جو اپنے منطوق میں ظاہر و قطعی ہو. =

= اس کی حتی آیتوں سے اس طرح کے اشارات نکل رہے ھیں اگر انھیں ایك دوسرے سے الگ کر لیا جائے تو ہر آیت کے مطالب کے لیے ایك دوسرا جامہ بھی تراش لیا جا سکتا ھے، جیسا کہ مرحوم سید احمد خاں اور ڈاکٹر توفیق صدقی و غیرھما نے کوشش کی ھے۔ لیکن جب تمام بیان پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے اور محل کے قدرتی مقتضیات اور قرائن بھی پیش نظر ہوں تو بلا تأمل تسلیم کر لینا پڑتا ھے کہ قرآن اس اعتقاد کے حق میں ھے، اس سے منکر نہیں۔

پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رھے کہ حضرت مسیح کی پیدایش کا معاملہ یہودیوں اور عیسائیوں میں بالکل متضاد سمتوں کا انتہائی گوشہ بن گیا تھا۔ یہودی ان کی پیدایش کو ناجائز تعلق کا نتیجہ قرار دیتے تھے۔ برخلاف اس کے عیسائی نہ صرف جائز بلکہ ایك ربانی معجزہ تصور کرتے تھے۔ قرآن کا فرض تھا کہ بحیثیت ایك ثالث کے دونوں میں فیصلہ کر دے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر دیا۔ اس نے حضرت مریم کی پاکی کا اعلان کیا:

"ان اللہ اصطفٰكِ و طھركِ و اصطفٰكِ علٰی نسآءِ العٰلمین" (۳ : ۴۲)۔ یہودیوں کے الزام کو افتراء عظیم قرار دیا:

"و بکفرھم و قولھم علٰی مریم بھتانًا عظیمًا" (۴ : ۱۵۶) =

= اور پیدایش مسیح کی سرگذشت ٹھیک اسی طرح بیان کر دی جس طرح انجیل میں بیان کی گئی ھے: "قالت انیّٰ یکون لی غلٰم و لم یمسسنی بشر و لم اك بغیا ۝ قال کذلك ج قال ربك ھو علی ھین ج و لنجعله اٰیة للناس و رحمة منا ج و کان امرًا مقضیًا"-۲۰-۲۱ مریم نے فرشتے سے کہا: ایسا کیسے ھو سکتا ھے جب کہ میں مرد سے واقف نہیں؟ اس نے کہا: ایسا ھی ھوگا. روح القدس تجھ پر نازل ھوگی اور خدا کی قدرت تجھے اپنے سایے میں لے لے گی (لوقا ۱: ۳٤ و ۳۵).

اب اگر یہودیوں کی طرح عیسائیوں کا اعتقاد بھی قرآن کے نزدیک غلط تھا تو کیا ضروری نہ تھا کہ جس طرح اس نے یہودیوں کے الزام کا رد کیا اسی طرح عیسائیوں کے غلو کا بھی صاف صاف رد کر دیتا؟ لیکن وہ اس کے رد میں ایک حرف بھی نہیں کہتا، بلکہ پیدایش کی جس روداد سے عیسائیوں نے یہ اعتقاد پیدا کیا تھا اسے حرف بحرف انجیل ھی کی طرح بیان کر دیتا ھے.

اگر اس کے نزدیک حقیقت نہ تو وہ تھی جو یہودیوں نے بنائی اور نہ وہ جو عیسائیوں نے سمجھی، بلکہ ایک تیسری ھی بات تھی، یعنی مریم کا اپنے شوھر یوسف سے حاملہ ھونا تو کیوں کر اس کے لیے جائز ھو سکتا تھا کہ وہ سب کچھ کہہ دے، لیکن اس بارے میں کچھ نہ کہے؟ =

=وہ اس فریق کا صاف صاف رد کردے جو اس میں تفریط کر رہا ہے، مگر اس کا رد نہ کرے جو افراط کا مرتکب ہو رہا ہے! اور پھر اصل حقیقت پر اسی طرح پردہ پڑا رہنے دے جس طرح پہلے پڑا ہوا تھا اور اپنا یہ وصف یک قلم بھول جائے کہ وہ تمام پچھلے اختلافات کے لیے حکم اور تمام ظنون و شکوک کے لیے علم و حقیقت کا اعلان ہے!

یہودیوں اور عیسائیوں کی نزاع صرف اسی باب میں نہیں ہوئی، بلکہ حضرت مسیح کی ساری باتوں میں ہوئی. دونوں نے تفریط و افراط کی دو انتہائی جہتیں اختیار کرلیں تھیں. یہودی انکار میں اتنے دور نکل گئے کہ انہیں شعبدہ باز اور فریبی سمجھ لیا. عیسائی اعتقاد میں اتنے دور نکل گئے کہ انہیں خدا بنالیا. قرآن دونوں کا رد کرتا ہے اور کہتا ہے: دونوں افراط و تفریط میں کھوئے گئے. پھر اگر پیدایش مسیح کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا تو کیا ضروری نہ تھا کہ جس طرح اس بارے میں دونوں کا رد کیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ دونوں حقیقت سے محروم ہیں، اسی طرح پیدایش کے بارے میں بھی یکساں طور پر دونوں کا رد کردیتا اور صاف صاف بتلادیتا کہ حقیقت سے دونوں محروم ہیں؟

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ عیسائیوں نے ابنیت کے اعتقاد=

= کے لیے جو سہارے ڈھونڈھے تھے ان میں سب سے بڑا سہارا اسی پیدایش کے اچنبھے کا تھا ۔ اسکندریہ کے فلسفہ آمیز اصنامی تخیل سیر اپیز (Serapis) سے تثلیثی وحدت کی اصل لی گئی اور ایزیز (Isis) کی جگہ حضرت مریم کو اور ہورس (Horus) کی حضرت مسیح کو دی گئی ۔ پس اگر قرآن کے نزدیک یہ اعتقاد بے اصل ہوتا تو وہ الوہیت و ابنیت کا رد کرتے ہوئے سب سے پہلی ضرب اسی سہارے پر لگاتا ، کیوں کہ اس کے گرنے کے بعد اصنامی مسیحیت کی ساری عمارت خود بخود گر جاتی ۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ایسا نہیں کیا ۔ وہ صرف ایك لفظ کہہ کر کہ ”یوسف مسیح کا باپ تھا“ سارا کارخانہ درہم برہم کر دے سکتا تھا ۔ مگر وہ یہ نہیں کہنا چاہتا ، وہ اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا ۔ اس کی بحث و احتجاج کا اسلوب ہر جگہ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے اسے غیر معمولی پیدایش کے معاملے سے تو انکار نہیں ، لیکن وہ کہتا ہے : اس سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ ایك بندہ خدا یا خدا کا بیٹا ہو جائے ؟ ایك انسان جو تمام انسانوں کی طرح انسان تھا اور اپنی پیدایش کے لیے ماں کے پیٹ کا محتاج ، بہر حال انسان ہی ہوگا ، خدا یا خدا کا بیٹا کیوں مانا جائے ؟ =

= جو لوگ قرآن کو غیر معمولی پیدایش کا منکر ثابت کرنا چاھتے ھیں انھوں نے اپنی توجیہات کی ساری بنیاد اس مقدمے پر رکھی ھے کہ رخصتی سے پہلے یوسف اور مریم میں زوجیت کا تعلق پیدا ھو گیا تھا اور یہ اگرچہ شریعت موسوی کے خلاف نہ تھا، لیکن وقت کے رواج کے خلاف ضرور تھا. اسی لیے لوگوں پر بچے کی پیدایش گراں گزری، وہ اسے نا جائز حمل کا نتیجہ قرار دینے لگے. لیکن اول تو یہ محض ایك ظنی بنیاد ھے جس کے لیے تاریخی قرائن کا کوئی سہارا موجود نہیں. ثانیاً، خود یہودیوں کی قدیم روایات بالکل اس کے خلاف جارھی ھیں. انھوں نے حضرت مریم کو متہم کرتے ھوے یوسف کا نام نہیں لیا تھا، بلکہ پنتھر اثالی کی طرف اشارہ کرتے تھے (٧٤).

بہر حال قرآن کو اس بارے میں منکر قرار دینا شرح و تفسیر کا ایك ایسا اقدام ھے جس پر کسی طرح ایك دیانت دار شارح کا ضمیر مطمئن نہیں ھو سکتا.

ھمیں قرآن کا مطالعہ نہ تو اس طرح کرنا چاھیے کہ اسے عجائب پرستوں کی داستان بنانے کے خواھش مند ھوں، نہ عجائب پرستی کے الزام سے بچنے کے لیے اس درجہ مضطرب ھونا چاھیے کہ ھر بے محل سے بے محل توجیہ قبول کرلیں. =

= قرآن عربی زبان کی ایک کتاب ہے اور دنیا کی تمام زبانوں کی طرح عربی الفاظ و تراکیب کے بھی ڈھلے ہوئے سانچے ہیں اور اسلوب بیان کے معین اور قطعی دلالات. پس چاہیے کہ علم و دیانت کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں اور جو مطلب صاف نکل رہا ہو اسے بغیر کسی جھجک کے قبول کر لیں. اگر ہم نے بہ تکلف ایک بات اس کے منہ میں رکھ دی جسے خود اس کی زبان قبول نہیں کر رہی تو گو ہم نے اپنے خیال میں ایک بات بنالی ہو، مگر فی الحقیقت بننے والی نہیں. یہاں علم و حقیقت کی بے لاگ عدالت موجود ہے. وہ ہر بناوٹ کو اصلیت سے جدا کرالے گی.

باقی رہا یہ سوال کہ یہ اور اس طرح کے دوسرے معاملات کیوں کر عقلاً تسلیم کیے جاسکتے ہیں؟ تو یہ ایک اصولی مبحث ہے اور اس کا محل ترجمان القرآن نہیں، مقدمۂ تفسیر ہے.

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سورۃ طٰہٰ - ۲۰

مکیۃ و ھی مائۃ و خمس و ثلثون اٰیۃ

مکی، ۱۳۵ آیات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰـہٰ ۚ ۱ — طاہا (یعنی اے شخص مخاطب (۷۵) ۱

مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۙ ۲ — ہم نے تجھ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ رنج و محنت میں پڑ ۲.

اِلَّا تَذۡکِرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ۙ ۳ — وہ تو اس لیے نازل ہوا ہے کہ جو (دل انکار و بد عملی کے نتائج سے) ڈرنے والا ہے اس کے لیے نصیحت ہو. (جو ڈرنے والے نہیں، وہ کبھی اس کی صداؤں پر کان نہیں دھریں گے) . ۳

---

۱ تا ۳ - بالاتفاق یہ سورت سورۂ مریم کے بعد نازل ہوئی ہے اور مکی عہد کی وسطی تنزیلات میں سے ہے . یہ زمانہ تاریخ دعوت کا سب سے زیادہ پر آشوب ==

تَنْزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ؕ ۴ یہ اس ہستی کا اتارا ہوا ہے جس نے زمین پیدا کی اور بلندی کے آسمان . ٤

= زمانہ تھا . انکار و جحود کا ہر طرف سے ہجوم تھا اور قبولیت کی رفتار بہت ہی دھیمی اور محدود تھی . قدرتی طور پر یہ صورت حال پیغمبر اسلام پر گراں گزرتی تھی . جو دل تمام نوع انسانی کی ہدایت کے لیے پھنک رہا تھا ، وہ اپنے قریبی ابناء وطن کو بھی قبولیت کے لیے آمادہ نہ پاتا تھا . کون ہے جو اس غم و اضطراب کا اندازہ کر سکتا ہے جس کی مقدس آگ آپ کے قلب مبارک میں سلگ رہی تھی ؟

یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی تمام تنزیلات تسکین و تشفی کی روح سے معمور ہیں اور یہی روح اس سورت میں بھی بول رہی ہے . خطاب براہ راست آپ سے ہے اور بالواسطہ آپ کے ساتھیوں سے .

فرمایا : قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا ہے کہ تم اپنے کو رنج و محنت میں ڈالو . وہ تو نصیحت کی بات ہے . جو مستعد ہیں قبول کریں گے ، جنھوں نے استعداد کھو دی وہ ماننے والے نہیں اور نتیجے کا ظہور اپنے وقت پر ہوگا .

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ﴿۵﴾ ''الرحمان'' کہ (جہاں داری کے) تخت پر متمکن ھے ۵.

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى ﴿٦﴾ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ھے، جو کچھان دونوں کے درمیان ھے، جو کچھ مٹی کے نیچے ھے (یعنی زمین کے نیچے ھے) سب اسی کا ھے (اور اسی کے لیے ھے) ٦.

وَ اِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَ اَخۡفٰى ﴿۷﴾ اور اگر تم پکار کے بات کہو تو (اس کی سماعت اس کی محتاج نہیں، کیوں کہ) وہ بھیدوں کا جاننے والا ھے، زیادہ سے زیادہ چھپے بھیدوں کا بھی ۷.

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ﴿۸﴾ وھی اللہ ھے، کوئی معبود نہیں ھے مگر صرف وھی. اس کے لیے حسن و خوبی کے نام ھیں ۸.

وَهَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ﴿۹﴾ اور (اے پیغمبر!) موسیٰ کی

رکوع ۱

حکایت تونے سنی؟ ۹

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ اَمْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ ۱۰

جب اس نے (دور سے) آگ دیکھی تو اپنے گھر کے لوگوں سے کہا: ٹھیرو! مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ (میں جاتا ہوں)

ممکن ہے تمہارے لیے ایک انگارا لے آؤں یا (کم از کم) الاؤ پر کوئی راہ دکھانے والا ہی مل جائے ۱۰.

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ ۱۱

پھر جب وہ وہاں پہنچا تو اس وقت پکارا گیا، (ایک آواز اٹھی کہ) اے موسیٰ! ۱۱

اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ ۱۲

میں ہوں تیرا پروردگار! پس اپنی جوتی اتار دے۔ تو طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے ۱۲.

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ

اور (دیکھ!) میں نے تجھے

لِمَا يُوحٰى ۝ ۱۳ (اپنی رسالت کے لیے) چن لیا

ہے۔ پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اسے (کان لگا کر) سن ۱۳ ۔

۹ تا ۱۳ - آیت ۹ میں فرمایا : کیا حضرت موسیٰ کی سرگذشت پر تم نے غور نہیں کیا؟ ان کی پوری سرگذشت کس طرح اس حقیقت کی مجسم شہادت ہے ۔

پھر حضرت موسیٰ کی ابتدائی زندگی کا وہ واقعہ بیان کیا ہے جب وہ مدین کی بستی میں مقیم تھے اور اپنے خسر کا گلہ چرایا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں ان کا گزر سیناء کے قرب وجوار میں ہوا اور وہیں یہ معاملہ پیش آیا۔ تورات میں اس جگہ کو "حورب" کہا ہے۔ یہ سیناء کا مشرقی گوشہ تھا ۔

تورات میں ہے کہ انہوں نے درخت میں آگ دیکھی اور متعجب ہو کر قریب گئے (خروج ۳ : ۳)۔ لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے محض رفع تعجب کے لیے نہیں گئے تھے، بلکہ آگ کی جستجو میں تھے۔ سورۂ نمل کی آیت ۷ سے مزید وضاحت ہو گئی ہے۔ وہ مع اہل وعیال کے بیابان میں تھے، رات ٹھنڈی تھی اور سوچ رہے تھے کہیں سے آگ مل جائے تو تاپنے کے لیے الاؤ جلائیں۔ اتنے میں دور پر ایک روشنی آگ کی طرح نظر آئی۔ یہ =

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنَا	میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا
فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ	کوئی معبود نہیں. پس میری ہی
لِذِكْرِیْ ۝ ١٤	بندگی کر اور میری ہی یاد کے

لیے نماز قائم کر ١٤.

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ	بلا شبہ (مقررہ) وقت آنے
اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ	والا ہے. میں اسے پوشیدہ
بِمَا تَسْعٰی ۝ ١٥	رکھنے کو ہوں، تاکہ

=سمجھے وہ آگ ہے، لیکن جب قریب پہنچے تو کارفرمائے قدرت نے پکارا: اے موسیٰ! تو اس آگ کی چنگاری لے کر کیا کرے گا؟ تیرے ہاتھوں ایک دوسری ہی آگ روشن ہونے والی ہے: "انا اخترتك فاستمع لما یوحی"

بال بکشا و صفیر از شجر طوبیٰ زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسے

جوتی اتار دینے کا حکم اس لیے ہوا کہ تعظیم کی جگہ ننگے پاؤں ہو جانا قدیم اور عام رسم تھی. چنانچہ بابل اور مصر میں بادشاہ کے حضور برہنہ پا ہو کر آتے تھے. تورات میں بھی اس حکم کا ذکر ہے (خروج ۳: ۵).

(لوگوں کے یقین و عمل کی آزمایش ہو جائے اور) جس شخص کی جیسی کچھ کوشش ہو اسی کے مطابق بدلا پائے ۱۵ .

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝[16]

پس (دیکھو!) ایسا نہ ہو کہ جو لوگ اس وقت کے ظہور پر یقین نہ رکھتے ہوں اور اپنی خواہش کے بندے ہوں، وہ تجھے بھی (قدم بڑھانے سے) روک دیں اور نتیجہ یہ نکلے کہ تو تباہ ہو جائے ۱٦ .

---

۱۵ - آیت ۱۵ میں "الساعة" سے مقصود روز قیامت نہیں ہے جیسا کہ مفسروں نے سمجھا ہے، بلکہ وہ وقت ہے جو بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون کی شکست کے لیے ظہور میں آنے والا تھا، چنانچہ سیاق وسباق صاف اس کی شہادت دے رہا ہے .

۱٦ - مصر کی غلامی نے بنی اسرائیل کے اخلاق وعواطف بالکل پژمردہ کر دیے تھے، عزم وہمت کا کوئی ولولہ ان میں باقی نہیں رہا تھا. جب حضرت موسیٰ نے فتح واقبال کے آنے والے وقت کی بشارت سنائی تو اکثروں کو یقین نہیں آیا. چوں کہ یہ بات علم الٰہی میں تھی، اس لیے یہاں آیت ۱٦ میں پہلے سے خبر دار کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو ایسے لوگوں کی محرومیاں تمھیں بھی اقدام عمل سے روک دیں .

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝١٧ اور (صداے غیبی نے پوچھا) اے موسیٰ! تیرے دھنے ہاتھ میں کیا ہے؟ ١٧.

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝١٨ عرض کیا: میری لاٹھی ہے. چلنے میں اس کا سہارا لیتا ہوں، اسی سے اپنی بکریوں کے لیے درختوں کے پتے جھاڑ لیتا ہوں، میرے لیے اس میں اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں (٧٦) ١٨.

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝١٩ حکم ہوا: اے موسیٰ! اسے ڈال دے ١٩.

فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝٢٠ موسیٰ نے ڈال دیا اور کیا دیکھتا ہے ایک سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے! ٢٠

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفه سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝٢١ حکم ہوا: اسے اب پکڑ لے، خوف نہ کھا. ہم اسے پھر اس کی اصلی حالت پر کیے دیتے ہیں ٢١.

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ اور (نیز حکم ہوا:) اپنا ہاتھ
تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ اپنے پہلو میں رکھ (اور پھر
سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ۙ٢٢ نکال). بغیر اس کے کہ کسی
طرح کا عیب ہو، چمکتا ہوا نکلے گا. یہ (تیرے لیے) دوسری نشانی
ہوئی ٢٢ .

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۚ٢٣ (اور یہ دونوں نشانیاں) اس
لیے (دی گئی ہیں) کہ (آیندہ) تجھے اپنی قدرت کی بڑی بڑی
نشانیاں دکھائیں ٢٣ .

١ ع ١٠ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۚ٢٤ (نیز حکم ہوا:) اے موسیٰ!
تو فرعون (یعنی بادشاہ مصر) کی طرف جا. وہ بڑا سرکش
ہو گیا ہے ٢٤ .

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۙ٢٥ موسیٰ نے عرض کیا: اے

---

١٧ تا ٢٢ ـ لاٹھی کے سانپ بننے، ہتھیلی کے چمک اٹھنے
اور ہارون کے وزیر و شریک ہونے کا ذکر تورات میں
بھی ہے (خروج ٤: ١ تا ٤). نیز یہ کہ خدا نے فرمایا: اب
تو جا میں. تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں (خروج ٣: ١٠).

پروردگار! میرا سینه کھول دے (که بڑے سے بڑا بوجھ اٹھانے کے لیے مستعد ہو جاؤں) ٢٥ .

وَيَسِّرْ لِيٓ أَمْرِي ۝ ٢٦ میرا کام میرے لیے آسان کردے (که راہ کی کوئی دشواری بھی غالب نه آسکے) ٢٦ .

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ ٢٧ میری زبان کی گرہ کھول دے ٢٧ .

يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ ٢٨ که (خطاب و کلام میں پوری طرح رواں ہو جائے اور) میری بات لوگوں کے دلوں میں اتر جائے ٢٨ .

وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ ٢٩ نیز میرے گھر والوں میں سے

هَارُونَ أَخِي ۝ ٣٠ میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنادے ٢٩ و ٣٠ .

اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝ ٣١ اس کی وجه سے میری قوت مضبوط ہو جائے ٣١ .

وَأَشْرِكْهُ فِيٓ أَمْرِي ۝ ٣٢ وہ میرے کام میں میرا شریک ہو ٣٢ .

---

٢٥ - "رب اشرح لی صدری" کی تشریح سورۂ الم نشرح میں ملے گی.

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝ ۳۳ ہم (دونوں یک دل ہو کر) تیری پاکی اور بڑائی کا بکثرت اعلان کریں ۳۳ .

وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝ ۳۴ اور تیری یاد میں زیادہ سے زیادہ لگے رہیں ۳۴ .

إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ۝ ۳۵ بلا شبہ تو ہمارا حال دیکھ رہا ہے (ہم سے کسی حال میں غافل نہیں) ۳۵ .

قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسٰى ۝ ۳٦ ارشاد ہوا : اے موسیٰ ! تیری درخواست منظور ہوئی ۳٦ .

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰى ۝ ۳۷ اور (تجھے معلوم ہے) ہم تجھ پر پہلے بھی ایک مرتبہ کیسا احسان کر چکے ہیں ۳۷ .

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحٰى ۝ ۳۸ ہم تجھے بتاتے ہیں ، (اس وقت کیا ہوا تھا) جب ہم نے تیری ماں کے دل میں ایک بات ڈال دی تھی ۳۸ .

أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ (ہم نے اسے سمجھایا تھا) کہ بچے

فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ۝ ٣٩

کو ایک صندوق میں ڈال دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے . دریا اسے کنارے پر دھکیل دے گا . پھر اسے وہ اٹھالے گا جو میرا (یعنی میری قوم کا) دشمن ہے، نیز اس بچے کا بھی دشمن . اور (اے موسی!) ہم نے اپنے فضل خاص سے تجھ پر محبت کا سایہ ڈال دیا تھا (کہ اجنبی بھی تجھ سے محبت کرنے لگے) اور یہ اس لیے تھا کہ ہم چاہتے تھے تو ہماری نگرانی میں پرورش پائے ۳۹ .

وقف لازم

إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ

تیری بہن جب وہاں سے گزری تو (یہ ہماری ہی کارفرمائی تھی کہ) اس نے (فرعون کی لڑکی سے) کہا: ''میں تمھیں ایسی عورت بتلادوں جو اسے پالے پوسے''؟ اور راس طرح ہم نے

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ ٤٠

تجھے پھر تیری ماں کی گود میں لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رهیں اور (بچے کی جدائی سے) غمگین نہ ھو۔ پھر (دیکھ! ایسا ھوا کہ) تونے (مصر میں) ایك آدمی مار ڈالا۔ ھم نے تجھے اس معاملے کے غم سے نجات دی اور تجھے ھر طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا۔ پھر تو کئی برس تك مدین کے لوگوں میں رھا، بالآخر (وہ وقت آ گیا کہ) اے موسیٰ! تو (مقررہ) اندازے پر پورا اتر آیا ۴۰۔

۳۷ تا ۴۰ - حضرت موسیٰ کو ان کی پیدایش کا واقعہ اس لیے یاد دلایا گیا کہ انھیں معلوم ھو جائے مشیت الٰہی کا ھاتھ اول دن سے انھیں چن چکا ھے اور ایسے عجیب و غریب حالات میں ان کی پرورش ھوئی ھے جو بغیر قدرت کی کرشمہ سازیوں کے ظھور میں نہیں آسکتے۔ پھر ان کا مصر سے نکلنے پر مجبور ھونا اور مدین کے بیابانوں میں صحرا کی زندگی بسر کرنا بھی اسی لیے تھا کہ پیش آنے والے معاملے کے لیے ان ساری باتوں کی ضرورت تھی۔ جب یہ سب کچھ ھو چکا اور شخصیت تیار ھو گئی تو =

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ج ٤١ اور (دیکھ! اس طرح) میں نے تجھے اپنے لیے (یعنی اپنے خاص کام کے لیے) بنایا اور تیار کیا ہے ٤١.

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ اب تو اور تیرا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور

وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ج ٤٢

= پردۂ غیب چاک ہوا اور نداء حق نے نمودار ہو کر کام پر لگا دیا. چنانچہ اسی لیے فرمایا: ''و فتنٰک فتونا'' ہم نے تجھے ہر طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا. ''ثم جئت علی قدر یٰموسیٰ'' پھر بالآخر تم اس اندازے پر ٹھیک اتر آئے جو تمہاری تکمیل کے لیے ٹھہرایا گیا تھا.

٤١ - اس کے بعد فرمایا: ''واصطنعتك لنفسی'' میں نے تجھے اپنے لیے بنایا اور تیار کیا. ''اپنے لیے'' یعنی اپنے کام کے لیے. کائنات کی ہر چیز اللہ ہی کے لیے بنتی ہے، لیکن جن انسانوں کا ظہور اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی سچائی اور عدالت کے قیام کا ذریعہ ہوں، انہیں وہ خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور یہ وحی کی عام اصطلاح ہے. گویا قدرت انہیں اس لیے بناتی ہے کہ اور کسی کام کے لیے نہ ہوں، صرف اسی ایک کام کے لیے پیدا ہوں، زندہ رہیں اور جان دے دیں!

میری یاد میں کوتاھی نہ کریں۴۲ .

اِذۡهَبَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ هاں! تم دونوں(یعنی موسٰی اور

اِنَّهٗ طَغٰى ۚ ۴۳ هارون ، کیوں کہ اب دونوں

اکٹھے ھو گئے تھے اور مصر کے قریب وحی الٰہی نے انھیں دوبارہ مخاطب کیا تھا) فرعون کے پاس جاؤ . وہ سرکشی میں بہت بڑھ چلا ھے ۴۳ .

فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا پھر (جب اس کے پاس پہنچو

لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوۡ يَخۡشٰى ۴۴ تو سختی کے ساتھ پیش نہ آنا)

---

۴۳ - یاد رھے جس فرعون کی طرف اب حضرت موسٰی جارھے ھیں یہ وہ نہیں ھے جس کے محل میں ان کی پرورش ھوئی تھی . وہ مرچکا تھا اور دوسرا فرعون تخت نشین ھو چکا تھا .

ادھر تو حضرت موسٰی کو یہ حکم ھوا اور مصر کی طرف چلے ، ادھر مصر میں حضرت هارون کو اشارۂ غیبی ھوا کہ موسٰی کی جستجو میں نکلیں . چنانچہ راہ میں دونوں کی ملاقات ھوگئی . اب چوں کہ دونوں یك جا ھو چکے تھے، اس لیے وحی الٰہی نے دوسری مرتبہ مخاطب کیا تو دونوں کو کیا . پس آیت ۴۳ میں” اذھبا “کا خطاب =

نرمی سے بات کرنا . (تمھیں کیا معلوم!) ہو سکتا ہے کہ نصیحت
پکڑ لے یا (عواقب سے) ڈر جائے ٤٤ .

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝٤٥
دونوں نے عرض کیا: پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے فرعون ہماری مخالفت میں
جلدی نہ کرے یا سرکشی سے پیش آئے ٤٥ .

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝٤٦
ارشاد ہوا: کچھ اندیشہ نہ کرو. میں تمھارے ساتھ ہوں. میں
سب کچھ سنتا ہوں، سب کچھ دیکھتا ہوں ٤٦ .

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ
تم اس کے پاس (بے دھڑک) جاؤ اور کہو: ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے ہیں .

= پہلے واقعے سے تعلق نہیں رکھتا، بعد کا واقعہ ہے .

٤٤ - آیت ٤٤ انبیاء کے طریق دعوت کی اصل الاصول ہے.
تشریح اس کی پچھلی سورتوں میں گزر چکی .

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ ٤٧

پس بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ رخصت کردے اور ان پر سختی نہ کر . ہم تیرے پروردگار کی نشانی لے کر تیرے سامنے آ گئے . اس پر سلامتی ہو جو سیدھی راہ اختیار کرے! ٤٧

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ ٤٨

جو کوئی جھٹلائے اور سرتابی کرے تو ہم پر وحی اتر چکی اس کے لیے عذاب کا پیام ہے٤٨ .

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ ٤٩

(چنانچہ وہ گئے اور) فرعون نے پوچھا: (اگر ایسا ہی ہے) تو بتلاؤ! تمہارا پروردگار کون ہے اے موسیٰ؟ ٤٩

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ ٥٠

موسیٰ نے کہا: ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی، پھر اس پر (زندگی و عمل کی) راہ کھول دی٥٠ .

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝۵۱

فرعون نے کہا: پھر ان کا کیا حال ہونا ہے جو پچھلے زمانوں میں گزر چکے ہیں؟ (یعنی(۷۷) تمھاری اس دعوت سے پہلے گزر چکے ہیں) ۵۱ .

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝۵۲

موسیٰ نے کہا: اس بات کا علم میرے پروردگار کے پاس نوشتے میں ہے. میرا پروردگار

---

۵۰ - حضرت موسیٰ نے تین چار لفظوں میں جو کچھ کہہ دیا، کیا اس سے زیادہ دنیا کی کوئی زبان خدا کے بارے میں کچھ کہہ سکتی ہے؟ پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کا وجود بخشا اور پھر اس کی زندگی و بقا کے لیے جن جن باتوں کی ضرورت تھی ان سب کی راہ انہیں دکھادی، یعنی ایسا وجدان، ایسے حواس، ایسی معنوی قوتیں دے دیں جو ان کی رہ نمائی کرتی ہیں "من نطفۃ خلقه فقدره ثم السبيل يسره (۸۰: ۱۹ و ۲۰) الذی خلق فسوّٰی و الذی قدر فهدی (۸۷ : ۲ و ۳) . مزید تشریح کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ .

ایسا نہیں کہ کھو یا جائے یا بھول میں پڑ جائے ۵۲ ۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا وَّ سَلَکَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجًا	وہ پروردگار جس نے تمہارے لیے زمین بچھونے کی طرح بچھا دی، نقل و حرکت کے لیے اس میں راہیں نکال دیں،

۵۱ و ۵۲ - ”پھر ان کا کیا حال ہونا ہے جو پچھلے زمانوں میں گزر چکے ہیں؟“ یعنی اگر پروردگار عالم وہی ہے جس کا تم نام لے رہے ہو تو کیا یہ بات ہمارے بزرگوں کو معلوم نہ تھی؟ کیا وہ سب گمراہی میں پڑے؟ ”علمھا عند ربی فی کتٰب“ حضرت موسیٰ نے کہا: مجھے کیا معلوم ان کا کیا حال تھا اور انہیں کیا پیش آئے گا؟ اور تمہیں اس کی فکر کیوں ہو؟ اس کا علم اللہ کے نوشتے میں ہے۔ ہر فرد اور ہر گروہ اپنی حالت کے مطابق اپنا نتیجہ پائے گا۔ ہم اپنی فکر کریں، پچھلوں کی فکر میں کیوں پڑیں؟ ”لھا ما کسبت و لکم ما کسبتم ج و لا تسئلون عما کانوا یعملون (۲ : ۱۳٤)۔

اس مکالمے سے اندازہ کرو کہ انبیاء کا طریق موعظت مجادلہ و مناظرہ کے طریقے سے کس درجہ مختلف ہے!

مِنْ نَبَاتٍ شَتّٰى ۝٥٣

آسمان سے پانی برسایا ، اس کی آب پاشی سے ہر طرح کی نباتات کے جوڑے پیدا کردیے ٥٣ .

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي
٢ ع ١١ النُّهٰى ۝٥٤

خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشی بھی چراؤ . اس بات میں عقل والوں کے لیے کیسی کھلی نشانیاں ہیں ! ٥٤

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝٥٥

اس نے اسی زمین سے تمہیں پیدا کیا ، اسی میں لوٹاتا ہے اور پھر اسی سے دوسری مرتبہ اٹھائے جاؤ گے ٥٥ .

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝٥٦

اور (دیکھو!) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے فرعون کو ساری نشانیاں دکھائیں ، مگر اس پر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا ٥٦ .

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا اس نے کہا: اے موسیٰ!

مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ كیا تو ہمارے پاس اس لیے

يٰمُوْسٰى ٥٧ آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور

سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال باہر کرے؟ ٥٧

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ اچھا! ہم بھی اسی طرح کے جادو

فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ کا کرتب تجھے لا دکھائیں گے.

مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ ہمارے اور اپنے درمیان ایک

وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ٥٨ دن (مقابلے کا) مقرر کر دے،

نہ تو ہم اس سے پھریں نہ تو، دونوں کی جگہ برابر ہوئی (٧٨) ٥٨.

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ موسیٰ نے کہا: جشن کا دن

وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ٥٩ تمہارے لیے مقرر ہوا، دن

چڑھے لوگ اکٹھے ہو جائیں ٥٩.

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ پھر فرعون نے ان سے رخ پھیرا،

كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ٦٠ اپنے تمام داؤ جمع کیے، پھر

(وقت مقرر پر مقابلے کے لیے) نمودار ہوا ٦٠ .

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ	موسٰی نے (میدان کی بھیڑ کو
لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا	مخاطب کرتے ہوئے) کہا :
فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ	افسوس تم پر! (تم کیا کر رہے
وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ ٦١	ہو!) دیکھو! اللہ پر جھوٹی تہمت

نہ لگاؤ . ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی عذاب بھیج کر تمھاری جڑ اکھاڑ دے . جس کسی نے جھوٹ بات بنائی وہ ضرور نامراد ہوا ٦١ .

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ	(یہ سن کر) لوگ آپس میں
وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ ٦٢	رد و کد کرنے لگے

اور پوشیدہ سرگوشیاں شروع ہو گئیں ٦٢ .

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ	پھر (درباری) بولے : یہ دونوں
يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ	بھائی ضرور جادوگر ہیں . یہ
اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا	چاہتے ہیں اپنے جادو کے زور
بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝ ٦٣	سے تمھیں تمھارے ملک سے

نکال باہر کریں اور پھر تمہارے شرف و عظمت کے مالک ہو جائیں ٦٣۔

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۞ ٦٤

پس اپنے سارے داؤ جمع کرو اور پرا باندھ کر ڈٹ جاؤ۔ جو آج بازی لے گیا وہی کام یاب ہوگا ٦٤۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۞ ٦٥

جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! یا تو تم پہلے اپنی لاٹھی پھینکو یا پھر ہماری ہی طرف سے پہل ہو؟ ٦٥

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۞ ٦٦

موسیٰ نے کہا: نہیں! تم ہی پہلے پھینکو۔ چنانچہ (انہوں نے اپنا کرتب دکھایا اور) اچانک موسیٰ کو ان کے جادو کی وجہ سے ایسا دکھائی دیا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں (سانپ

کی طرح) دوڑ رھی ھیں ٦٦

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ۝ ٦٧
موسیٰ نے اپنے اندر ھراس محسوس کیا (کہ اس منظر سے لوگ متاثر نہ ھو جائیں) ٦٧ .

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ۝ ٦٨
ھم نے کہا : اندیشہ نہ کر تو ھی غالب رھے گا ٦٨ .

وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ
تیرے دھنے ھاتھ میں جو لاٹھی ھے فوراً پھینک . وہ جادوگروں

٦٦- ”یخیل الیہ من سحرھم“ یعنی جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ نہیں بن گئیں تھیں ، بلکہ ان کی شعبدہ گری کی وجہ سے دیکھنے والا خیال کرنے لگتا سانپ کی طرح حرکت کر رھی ھیں . چنانچہ آگے چل کر کہا : ”انما صنعوا کید سحر ؕ ولا یفلح السّحر حیث اتٰی“ یہ جادوگروں کا فریب نظر ھے اور جادوگر کیسا ھی تماشہ دکھائے ، حقیقت کی طرح کام یاب نہیں ھو سکتا . سورۂ اعراف میں اس واقعے کی تشریحات گزر چکی ھیں اور آیندہ سورتوں میں مزید تشریحات ملیں گی .

اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ ٦٩

انہوں نے جو کچھ بنایا ہے محض جادوگروں کا فریب ہے کی تمام بناوٹیں نگل جائے گی۔ اور جادوگر کسی راہ سے آئے کبھی کام یابی نہیں پا سکتا ٦٩۔

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝ ٧٠

چنانچہ (ایسا ہی نتیجہ نکلا) تمام جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور پکارے: ہم ھارون اور موسیٰ کے خدا پر ایمان لائے ٧٠۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ج فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ

فرعون نے کہا: تم بغیر میرے حکم کے موسیٰ پر ایمان لے آئے؟ ضرور یہ تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا! (دیکھو! میں کیا کرتا ہوں) میں تمہارے ھاتھ پاؤں

النَّخْلِ ز وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ۝ [٧١]	اور کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا (۷۹)۔ پھر تمہیں پتا چلے گا ہم دونوں میں کون سخت عذاب دینے والا ہے اور کس کا عذاب دیرپا ہے! ۷۱
قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ [٧٢]	انہوں نے کہا: ہم یہ کبھی نہیں کرسکتے کہ (سچائی کی) جو روشن دلیلیں ہمارے سامنے آ گئی ہیں اور جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے

۷۱ - سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے کہ شکست کھانے کے بعد فرعون نے جادوگروں سے کہا: یہ تمہاری ملی بھگت ہے کہ موسیٰ کو جتا دیا (۷ : ۱۲۳)۔ یہاں اس کے قول کا دوسرا حصہ نقل کیا ہے کہ "معلوم ہوتا ہے موسیٰ تمہارا سردار ہے۔ تم جادو میں اس کے شاگرد ہو۔ اسی لیے اس کے آگے گر پڑے"۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ عوام پر حقیقت حال مشتبہ کردے اور شکست کی ذلت چھپائے۔

اس سے منہ موڑ کر تیرا حکم مان لیں . تو جو فیصلہ کرنا چاھتا ھے
کرگزر . تو زیادہ سے زیادہ جو کر سکتا ھے وہ یہی ھے کہ
دنیا کی اس زندگی کا فیصلہ کردے (اس سے زیادہ تیرے اختیار
میں کچھ نہیں) ٧٢ .

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ ٧٣

ھم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے کہ ھماری خطائیں بخش دے، خصوصًا جادوگری کی خطا جس پر تو نے ھمیں مجبور کیا تھا . (ھمارے لیے) اللہ ھی بہتر ھے اور وھی باقی رھنے والا ھے ٧٣ .

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ ٧٤

کچھ شک نہیں جو شخص اپنے پروردگار کے حضور مجرم ھوکر حاضر ھوگا تو یقینًا اس کے لیے دوزخ ھوگی، نہ تو اس میں مرے گا نہ زندہ رھے گا (دونوں حالتوں کے درمیان سسکتا رھے گا ! ٧٤)

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو کوئی اس کے حضور مومن ھوکر حاضر ھوگا

لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۙ ٧٥ اور اس کے کام بھی اچھے رھے

ھوں گے تو یقیناً ایسے ھی لوگ ھیں جن کے لیے بڑے بڑے

درجے ھوں گے ٧٥ .

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ ھمیشگی کے گلزار جن کے تلے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ نہریں رواں ھیں . وہ ھمیشہ

فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا اسی میں رھیں گے . یہ ھے

مَنْ تَزَكّٰى ۧ ٧٦ اس کا بدلا جو (زندگی میں ٣ ع ١٢

ھر طرح کی آلودگیوں سے) پاك رھا ٧٦ .

---

٧٤ تا ٧٦ - جادوگروں کا مقولہ آیت ٧٣ پر ختم ھوگیا. اس کے بعد کی تین آیتوں میں ان کے ایمان باللہ اور امید مغفرت و رضوان کی تصدیق کی ھے اور واضح کیا ھے کہ عذاب اخروی انھیں کے لیے ھے جو زندگی میں مجرم رھے . جو ایمان لے آئے اور نیك عملی اختیار کر لی تو ان کے لیے درجوں کی بلندی اور روحانی زندگی کی کام رانیاں ھوں گی .

اس میں اشارہ ھے کہ سحرۂ فرعون کا اللہ کے حضور بڑا درجہ ھوا ، کیوں کہ انھوں نے قبولیت حق کی استعداد =

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰىٓ ۙ اور (پھر دیکھو!) ہم نے
اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ موسٰی پر وحی بھیجی تھی کہ
لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ (اب) میرے بندوں کو راتوں
يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا رات (مصر سے) نکال لے جا،
وَّلَا تَخْشٰى ۝ ٧٧ پھر سمندر میں ان کے گزرنے
کے لیے خشکی کی راہ نکال لے. نہ تو تعاقب کرنے والوں سے
اندیشہ ہو گا نہ اور کسی طرح کا خطرہ ٧٧.
فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ پھر (جب موسٰی اپنی قوم کو

= اور اس کی استقامت دونوں کا ثبوت دے دیا. ان کا کفر ساری زندگی کا کفر تھا اور ایمان صرف چند لمحوں کا ایمان، لیکن چند لمحوں کے ایمان نے عمر بھر کا کفر محو کر دیا. ان کا دل صدیقوں کا دل اور ان کی صدا شہداء حق کی صدا ہو گئی. مصری شہنشاہی کا سارا قہر و جلال ایک پل کے لیے بھی ان کی استقامت ایمانی پر غالب نہ آ سکا.

فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا	لے کر نکل گیا تو) فرعون
غَشِيَهُمْ ۝ ٧٨	نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کا

پیچھا کیا ۔ پس پانی کا ریلا جیسا کچھ ان پر چھانے والا تھا چھا گیا (یعنی جو کچھ ان پر گزرنی تھی گزر گئی) ٧٨ .

وَ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ	اور فرعون نے اپنی قوم پر
وَ مَا هَدٰی ۝ ٧٩	راہ (نجات) گم کر دی ، انھیں

سیدھی راہ نہیں دکھائی ٧٩ .

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ	اے بنی اسرائیل! میں نے
اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ	تمھارے دشمن سے تمہیں
وَ وٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ	نجات بخشی ، تم سے (برکتوں
الْاَیْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ	اور کام رانیوں کا) وعدہ کیا
الْمَنَّ وَ السَّلْوٰی ۝ ٨٠	جو کوہ طور کی دہنی جانب

٧٧ و ٧٨ - آیت ٧٧ اور ٧٨ حضرت موسیٰ اور فرعون کے معاملے کا خلاصہ و ما حصل ھے . اس کے بعد ان حالات کی طرف اشارہ کیا ھے جو مصر سے خروج کے بعد دشت سیناء میں پیش آئے تھے .

ظہور میں آیا تھا، تمہارے لیے (صحرائے سیناء میں) ''من''
اور ''سلوٰی'' مہیا کر دیا ۸۰ ۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا	(تمھیں کہا گیا:) یہ پاك غذا مہیا
رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ	کر دی گئی ہے، شوق سے
فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ج	کھاؤ، مگر اس بارے میں
وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ	سرکشی نہ کرو. کروگے تو
فَقَدْ هَوٰى ۝ ۸۱	میرا غضب نازل ہو جائے گا ۔

اور جس پر میرا عذاب نازل ہوا تو بس وہ (ہلاکت میں) گرا ۸۱۔

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ	اور (میں نے کہا:) جو کوئی
وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ	توبہ کرے، ایمان لائے، نیك
اهْتَدٰى ۝ ۸۲	عمل ہو تو میں یقیناً اس کے لیے

بڑا ہی بخشنے والا ہوں ۸۲ ۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ	اور (جب موسٰی طور پر
قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ ۸۳	حاضر ہوا تو ہم نے پوچھا:)

اے موسیٰ ! کس بات نے تجھے جلدی پر ابھارا اور تو قوم کو پیچھے چھوڑ کر چلا آیا ؟ ۸۳

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ ۸۴

موسیٰ نے عرض کیا: وہ مجھ سے دور نہیں، میرے نقش قدم پر ہیں۔ اور اے پروردگار!

۸۳ - آیت ۸۳ سے سامری کا واقعہ شروع ہوتا ہے۔ پچھلی سورتوں میں گزر چکا ہے کہ جب حضرت موسیٰ طور پر معتکف ہونے کے لیے گئے تو قوم کو حضرت ہارون کی نگرانی میں چھوڑ گئے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں سامری کا فتنہ ظہور میں آیا۔ یہاں آیت ۸۳ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت موسیٰ جب قوم کو پیچھے چھوڑ کر طور پر پہنچ گئے تو وحی الٰہی نے انہیں مخاطب کیا ''کس بات نے تجھے قوم کی طرف سے اس درجہ مطمئن کر دیا کہ فوراً انہیں چھوڑ کر چلا آیا''؟ حضرت موسیٰ جو پیش آنے والے واقعے سے بے خبر تھے بولے: ''میں نے مقرر وقت پر آنے میں جلدی کی کہ تو رضا مند ہو اور قوم میرے نقش قدم پر چل رہی ہے''۔ فرمایا: ''ہاں! مگر قوم کا یہ حال ہے کہ اتنے ہی دنوں میں گم راہ ہو گئی''۔

میں نے تیرے حضور آنے میں جلدی کی کہ تو خوش ہو ۸۴ .

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ ۸۵	فرمایا: مگر ہم نے تیرے پیچھے تیری قوم کی (استقامت کی) آزمایش کی اور سامری

نے اسے گم راہ کر دیا ہے ۸۵ .

فَرَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ۝ ۸٦	پس موسیٰ خشم ناك اور افسوس کرتا ہوا قوم کی طرف لوٹا . اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! (یہ تم نے کیا کیا؟) کیا تم سے تمھارے پروردگار نے ایك بڑی بھلائی کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ پھر کیا

ایسا ہوا کہ تم پر بڑی مدت گزر گئی (اور تم اسے یاد نہ رکھ سکے) یا یہ بات ہے کہ تم نے چاہا تمھارے پروردگار کا غضب

تم پر آ نازل ہو اور اس لیے تم نے مجھ سے ٹھیرائی ہوئی بات توڑ ڈالی؟ ۸۶

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۙ ۸۷

انھوں نے کہا: ہم نے خود اپنی خواهش سے عہد شکنی نہیں کی ، بلکہ (ایك دوسرا هی معامله پیش آیا . مصری) قوم کی زیب و زینت کی چیزوں کا هم پر بوجھ پڑا تھا (یعنی بھاری بھاری زیوروں کا جو مصر میں پہنے جاتے تھے . هم اس بوجھ کے رکھنے کے خواهش مند نه تھے) وہ هم نے پھینك دیا (بس همارا اتنا هی قصور هے) . چنانچه اس طرح (جب سونا فراهم هو گیا تو) سامری نے اسے (آگ میں) ڈالا ۸۷ .

۸۷ - آیت ۸۷ میں " فقذفنٰها " تك لوگوں کا جواب هے . اس کے بعد " فکذلك " سے قرآن واقعے کی تفصیل بیان کرتا هے . یه لوگوں کے جواب کا ٹکڑا نہیں . صرف اتنی سی بات غور نه کرنے کی وجه سے مفسروں اور مترجموں نے اس مقام کا پورا مطلب خبط کر دیا اور اسلوب کلام کی بھی ساری کل بگڑ گئی . اب هم نے =

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۙ فَنَسِيَ ؕ ۸۸

اور ان کے لیے ایک (سنہرا) بچھڑا (بنا کر) نکال لایا، محض ایک بے جان دھڑ جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی! لوگ یہ دیکھ کر بول اٹھے: یہ ہے ہمارا (۸۰) معبود اور موسیٰ کا بھی، مگر وہ بھول میں پڑ گیا ۸۸۔

= جس طرح ترجمہ کیا ہے اس پر غور کرو۔ مصری گردن اور سر پر سونے کے بھاری بھاری زیور پہنتے تھے۔ یہودیوں نے بھی وہ اختیار کر لیے تھے اور جب نکلے تو پہنے ہوئے نکلے۔ انہیں کو گلا کر سامری نے بچھڑا بنایا تھا۔ اب جب حضرت موسیٰ نے پرسش کی تو لوگوں نے اپنا بچاؤ یہ کہہ کر کرنا چاہا کہ ہمارا اور کچھ قصور نہیں۔ مصری زیوروں کا بڑا بوجھ ہمارے سروں پر پڑا تھا۔ ہم نے چاہا اسے پھینک دیں۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ سامری اس سے ایک عجیب و غریب چیز بنا کر ہمیں گم راہ کر دے گا۔

قرآن کہتا ہے: ہوا تھا ایسا ہی۔ انہوں نے اپنا سب زیور اتار دیا اور سامری نے اسے گلا کر بچھڑا بنا لیا۔

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ (افسوس ان کی سمجھ پر!)
اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ کیا انہیں یہ (موٹی سی) بات
ع ٤ ١٣ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝٨٩ بھی دکھائی نہ دی کہ بچھڑا

(آواز تو نکالتا ہے مگر) ان کی بات کا جواب نہیں دے سکتا اور نہ انہیں فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان؟ ٨٩

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ اور هارون نے اس سے پہلے
قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ انہیں (صاف صاف) جتا دیا تھا:
بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ بھائیو! یہ اس کے سوا کچھ
فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا نہیں ہے کہ تمہاری (استقامت
اَمْرِيْ ۝٩٠ کی) آزمایش ہو رہی ہے.

تمہارا پروردگار تو خدائے رحمان ہے. دیکھو! میری پیروی کرو اور میرے کہے سے باہر نہ ہو ٩٠.

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ مگر انہوں نے جواب دیا تھا:
عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ جب تک موسیٰ ہمارے پاس
اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝٩١ واپس نہ آ جائے، ہم اس کی

پرستش پر جمے ہی رہیں گے ۹۱ ۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ	(بہر حال) موسٰی نے (اب
اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۙ ۹۲	ہارون سے) کہا: اے ہارون!
اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ	جب تو نے دیکھا یہ لوگ
اَمْرِىْ ۹۳	گمراہ ہو گئے ہیں تو کیا

بات ہوئی کہ انہیں روکا نہیں؟ کیا تو نے پسند کیا کہ میرے حکم سے باہر ہو جائے؟ ۹۲ و ۹۳ ۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ	ہارون بولا: اے میرے عزیز
بِلِحْيَتِىْ وَلَا بِرَاْسِىْ ۚ	بھائی! میری ڈاڑھی اور سر کے
اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ	بال نہ نوچ (میں نے اگر
فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ	تحقیق میں کمی کی تو صرف
وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِىْ ۹۴	اس خیال سے کہ) میں ڈرا

کہیں تم یہ نہ کہو: تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کی راہ نہ دیکھی ۹۴ ۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝٩٥ تب موسیٰ نے (سامری سے)
کہا: سامری! یہ تیرا کیا حال ہوا؟ ۹۵

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝٩٦

کہا: میں نے وہ بات دیکھ لی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی، اس لیے (اللہ کے) رسول کی پیروی میں میں نے بھی کچھ حصہ لیا تھا پھر چھوڑ دیا۔ (کیا کہوں!) میرے جی نے ایسی ہی بات مجھے سجھائی ۹۶.

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ص وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰـهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ

موسیٰ نے کہا: اگر ایسا ہے تو پھر جا! زندگی میں تیرے لیے یہ ہونا ہے کہ کہے "میں اچھوت ہوں" اور (آخرت میں عذاب کا) ایک وعدہ ہے جو کبھی ٹلنے والا نہیں. اور دیکھ!

فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ ۹۷ تیرے (کھڑے ہوئے)

معبود کا اب کیا حال ہوتا ھے جس کی پوجا پر جم کر بیٹھ رہا تھا. ہم اسے جلا کر راکھ کردیں کے اور راکھ سمندر میں اڑا کر بہا دیں گے ۹۷ .

---

۹۵ تا ۹۷ - جب حضرت موسیٰ نے سامری سے پوچھا: تو دین حق سے کیوں پھر گیا؟ تو اس نے کہا: میں نے اللہ کے رسول کی (یعنی آپ کی) ایک حدتک پیروی کی، کیوں کہ جو بات میری قوم کے دوسرے آدمی نہ پاسکے تھے میں نے پالی تھی. مگر پھر میں نے آپ کا طریقہ چھوڑ دیا. میری طبیعت کے بے اختیارانہ ولولے نے مجھے اس کے لیے مجبور کردیا تھا، کیوں کہ میرا آبائی طریق عبادت یہی ھے.

اس پر حضرت موسیٰ نے اسے جماعت سے باھر کر دیا اور حکم دیا: کوئی اس سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھے. "ان تقول لا مساس" کا مطلب ھے کہ لوگ تجھ سے اس درجہ نفرت کرنے لگیں گے کہ تیری چھوت سے بھاگیں گے. تو "لا مساس" یعنی اچھوت ہو جائے گا. کہتا پھرے گا: مجھے کوئی نہ چھوئے.

إِنَّمَآ إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِى لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ۝ ٩٨

معبود تو تمھارا بس اللہ ھی ھے، اس کے سوا کوئی نہیں . وھی ھے جو ھر چیز پر اپنے علم سے چھایا ھوا ھے ٩٨ .

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۖۚ ٩٩

(اے پیغمبر !) اس طرح ھم گزری ھوئی سرگذشتوں میں سے (خاص خاص واقعات کی) خبریں تجھے سناتے ھیں اور بلا شبه ھم نے اپنے پاس سے تجھے ایك سرمایۂ نصیحت عطا فرمادیا ھے (یعنی قرآن) ٩٩ .

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۙ ١٠٠

تو جس کسی نے اس سے رخ پھیرا، یقیناً وہ قیامت کے دن ایك (بھت بڑے جرم کا) بوجھ اٹھائے گا ١٠٠

٩٩ و ١٠٠ – آیت ٩٨ پر سرگذشت ختم ھو گئی ھے =

خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَ سَآءَ لَهُمْ (اور) هميشه اسی حالت ميں
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ ١٠١ رهے گا. كيا هی برا بوجھ هے
جو يه قيامت كے دن اپنے اوپر لادے هوں گے! ١٠١
يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وه دن كه نرسنگا پھونكا جائے
وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ گا هم مجرموں كو جمع
زُرْقًا ۚ ١٠٢ كريں گے اور ان كی آنكھيں
مارے دهشت كے بےنور هوں گی ١٠٢.

= اور اس كے بعد سلسلۂ بيان منكرين دعوت كی طرف متوجه هو گيا هے. فرمايا: جس طرح موسیٰ پر هدايت وحی اتری تھی اسی طرح هم نے تجھے بھی ايك سرمايۂ نصيحت، يعنی قرآن عطا فرمايا هے اور اس كے منكروں كے ليے بھی وهی هونا هے جو پہلے هو چكا هے.

١٠٢ - لوگوں كو اكٹھا كرنے كا پرانا دستور يه چلا آتا هے كه نرسنگا پھونكا كرتے هيں. آشوريوں، مصريوں، هندوستانيوں، ايرانيوں، چينيوں سب ميں يه طريقه پايا گيا هے. اسی ليے نرسنگا پھونكنے كا مطلب يه هو گيا كه جمع هونے كی پكار بلند هوئی. تورات اور انجيل كی يه عام=

يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۝ ١٠٣ وہ آپس میں چپکے چپکے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے: (ہم اس حالت میں، یعنی پہلی اور دوسری زندگی کی درمیانی حالت میں) ہفتے عشرے سے زیادہ کیا رہے ہوں گے؟ ١٠٣.

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۝ ١٠٤ یہ (اس دن) جیسی جیسی باتیں کریں گے ہم ان سے بے خبر نہیں۔ ان میں جو سب سے بہتر

ع
١٤

=اصطلاح ہے اور قرآن نے بھی جا بجا "نفخ فی الصور" کی ترکیب استعمال کی ہے۔

١٠٣ - آیت ١٠٣ کا وہی مطلب ہے جو پچھلی سورتوں میں گزر چکا ہے۔ آدمی سو کر اٹھتا ہے تو نہیں جانتا کتنی دیر سویا۔ یہی حال دوسری زندگی میں ہوگا۔ انسان اپنی پچھلی زندگی یاد کرے گا تو ایسا معلوم ہوگا جیسے چند دن پہلے کی بات ہو۔ ایک کہے گا "ہفتے عشرے کی بات ہے"، دوسرا جو اندازہ لگانے میں زیادہ تیز ہوگا کہے گا: "نہیں! صرف ایک دن کی بات"۔ دوسری جگہ اس سے بھی کم اندازے کی تعبیر آئی ہے "عشیة او ضحٰها" (٧٩: ٤٦).

سراغ پر ہوگا وہ بول اٹھے گا: نہیں! ہم بہت رہے ہوں گے تو بس ایک دن (اس سے زیادہ یہ مدت نہیں ہو سکتی) ۱۰٤ .

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۙ ۱۰۵ اور یہ پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ ان کا حال کیا ہوگا) تو کہہ دے: میرا پروردگار (ریزہ ریزہ کر کے) بالکل اڑا دے گا ۱۰۵ .

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۙ ۱۰٦ پھر انہیں ایسا کردے گا جیسے صاف ہموار میدان ہو جائے ۱۰٦ .

لَّا تَرٰى فِيهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ؕ ۱۰۷ کہیں تم کجی نہ پاؤ اور نہ اونچ نیچ ۱۰۷ .

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ج وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝ ۱۰۸ اس دن سب پکارنے والے کے پیچھے ہو لیں گے، اس سے منحرف نہ ہو سکیں گے اور خدائے رحمان کے جلال کے آگے سب کی آوازیں خاموش ہو جائیں گی (۸۱) . اس سناٹے میں

کوئی آواز سنائی نہیں دے گی مگر صرف قدموں کی
آهٹ (۸۲) ۱۰۸ .

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ ۱۰۹

اس دن سفارشیں کچھ کام نہ دیں گی ، مگر ہاں ! جس کو خدائے رحمان اجازت دے ، اس کا زبان کھولنا پسند فرمائے ! ۱۰۹

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ ۱۱۰

جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے گزر چکا سب کا وہ علم رکھتا ہے ، مگر انسان اپنے علم سے اس پر چھا نہیں سکتا ! ۱۱۰ .

۱۰۸ - آیت ۱۰۸ میں قیامت کے منظر کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اس کا سارا زور مترجموں نے ضائع کر دیا ۔ ایك میدان میں بے شمار آدمی چل رہے ہوں ، مگر سب کے ہوش اڑے ہوئے ہوں اور سب کی زبانیں ہیبت نے گونگی کر دی ہوں تو اس منظر کا کیا حال ہوگا ؟ ایك دہشت انگیز سناٹا جس میں قدموں کی آهٹ کے سوا اور کوئی آواز مخل نہ ہوگی ! اور یہ آواز

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ ١١١

اس حی و قیوم کے آگے سب کے سر جھك گئے. جس نے ظلم کا بوجھ لاد لیا تھا (دیکھو!) وہ نا مراد ھوا ۱۱۱ .

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝ ١١٢

اور (ھاں!) جس کے عمل اچھے ھوے اور وہ مومن بھی ھے تو اس کے لیے کوئی اندیشہ نہ ھوگا، نہ تو نا انصافی ھوگی نہ حق تلفی ۱۱۲ .

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝ ١١٣

اور (دیکھو!) اسی طرح یہ بات ھوئی کہ ھم نے اس (سرمایۂ نصیحت) کو قرآن عربی کی شکل میں اتارا اور مختلف طریقوں سے اس میں

= بھی زندگی کی خوش گواری پیدا نہیں کرے گی، بلکہ منظر کی دہشت میں اور اضافہ کردے گی .

(انکار و بدعملی کی) پاداش کی خبر دیدی، تاکہ لوگ (گمراہی سے) بچیں یا پھر ایسا ہو کہ نصیحت پذیری کی روشنی ان میں نمودار ہو جائے ١١٣.

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝ ١١٤

پس ہر طرح کی بلندی اللہ ہی کے لیے ہے، وہی جہاں دار حقیقی ہے. اور (اے پیغمبر!) جب تک قرآن کی وحی تجھ پر پوری نہ ہو جائے. تو اس میں جلدی نہ کر. تیری پکار یہ ہو کہ پروردگار! میرا علم اور زیادہ کر ١١٤.

---

١١٤ - آیت ١١٤ میں فرمایا: جب تک سلسلۂ وحی پورا نہ ہو جائے، اس بارے میں جلدی نہ کر اور منتظر رہ کہ فیضان غیب کی بخشایشیں کہاں تک مالا مال کرتی ہیں. تیری زبان حال کی صدا تو یہ ہونی چاہیے کہ "رب زدنی علما" یعنی میری تشنگی کی سیرابی کے لیے علم کے یہ سارے دریا اور عرفان حقیقت کی ساری بارشیں بھی کافی نہیں. اے علم کی لا انتہائی اور حقیقت کی ناپیدا کناری! اپنی بخششیں اور زیادہ کر!

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ | اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے
مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ | آدم کو پہلے سے جتا کر عہد
نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ع ١١٥ | لے لیا تھا، پھر وہ بھول گیا

٦ ع ١٥

اور ہم نے (نا فرمانی کا) قصد اس میں نہیں پایا تھا ١١٥ .

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ | اور (پھر) وہ معاملہ یاد کرو
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا | جب ہم نے فرشتوں کو حکم
اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اَبٰى ۝ ١١٦ | دیا تھا: ''آدم کے آگے جھک جاؤ''.

سب جھک گئے تھے، مگر ابلیس نہیں جھکا، اس نے انکار کیا ١١٦ ۔

=اس آیت نے واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام کے مقام علم وعرفان کی وسعت و عظمت کا کیا حال تھا! وہ کسی حد پر بھی رکنا نہیں چاہتی تھی. اس کے لیے کوئی زیادتی بھی زیادتی نہ تھی . اس کے لیے ہر افاضہ نئے استفاضے کا اشارہ تھا. اس کے لیے ہر عطیہ نئے عطیے کا تقاضا تھا. وہ یکسر طلب تھی. بے ہم ''رب زدنی'' کا سوال تھی. یہ معلوم ہے کہ یہاں مطلوب کی وسعت کے لیے کوئی انتہا نہیں ہو سکتی، لیکن یہ کیوں کر معلوم کیا جائے کہ طالب کی طلب کہاں جا کر منتہی ہوئی تھی!

فَقُلْنَا يٰآدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ ١١٧

اس پر ہم نے کہا: اے آدم! (دیکھ لے!) یہ (ابلیس) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے. ایسا نہ ہو یہ تمہیں جنت سے نکال کے رہے اور تم محنت میں پڑ جاؤ! ١١٧

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ ١١٨

تمہارے لیے اب ایسی زندگی ہے کہ نہ تو اس میں بھوکے رہتے ہو نہ برہنہ ١١٨ .

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ ١١٩

نہ تمہارے لیے پیاس کی جلن ہے نہ سورج کی تپش. (اگر اس سے نکلے تو سرتا سر محنت میں مبتلا ہو جاؤ گے) ١١٩ .

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰآدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ ١٢٠

لیکن پھر شیطان نے آدم کو وسوسے میں ڈالا. اس نے کہا: اے آدم! میں تجھے ہمیشگی کے درخت کا نشان دے دوں

اور ایسی بادشاہی کا جو کبھی زائل نہ ہو؟ ١٢٠

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؗ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۖ ١٢١

چنانچہ دونوں نے (یعنی آدم اور اس کی بیوی نے) اس درخت کا پھل کھا لیا اور دونوں کے ستر ان پر کھل گئے. تب ان کی حالت ایسی ہو گئی کہ باغ کے پتے توڑ نے لگے اور ان سے اپنا جسم ڈھانکنے لگے. غرض کہ آدم اپنے پروردگار کے کہنے نہ چلا، پس وہ (جنت کی زندگی سے) بے راہ ہو گیا ١٢١.

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى ۝ ١٢٢

(لیکن) پھر اس کے پروردگار نے اسے برگزیدہ کیا. اس پر (اپنی رحمتوں سے) لوٹ آیا. اس پر (زندگی و عمل کی) راہ کھول دی ١٢٢

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ ١٢٣

(چنانچہ) اللہ نے حکم دیا تھا: تم دونوں اکٹھے یہاں سے نکل چلو. تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوا. (اب تم پر ایک دوسری زندگی کی راہ

کھلے کی) ۔ پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس (یعنی تمہاری نسل کے پاس) کوئی پیام ہدایت آیا تو (اس بارے میں میرا قانون یاد رکھو!) جو کوئی میری ہدایت پر چلے گا وہ نہ تو راہ سے بے راہ ہوگا نہ دکھ میں پڑے گا ۱۲۳ .

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ — جو کوئی میری یاد سے روگرداں

فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا — ہوگا تو اس کی زندگی ضیق

وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ — میں گزرے گی اور قیامت کے

اَعْمٰى ۝ ۱۲٤ — دن بھی میں اسے اندھا اٹھاؤں گا ۱۲٤ .

---

۱۲۳ و ۱۲٤ - آیت ۱۲۳ اور ۱۲٤ مہمات معارف میں سے ہیں ۔ ان دو آیتوں سے ہم وہ سب کچھ معلوم کراسکتے ہیں جو قرآن انسان کی روحانی سعادت و شقاوت کے بارے میں بتلانا چاہتا ہے .

فرمایا : جو ہدایت وحی پر چلے گا نہ تو کام یابی کی راہ سے بے راہ ہوگا نہ دکھی . پس معلوم ہوا کہ یہ ہدایت اس لیے ہے کہ انسان کو بے راہی اور اس کے لازمی نتیجے سے محفوظ کردے .

غور کرو! انسان کی ساری محرومیوں کی تصویر کس طرح صرف دو لفظوں کے اندر کھینچ دی ہے : ضلالت =

= اور شقاوت۔ انسان کو جتنی ٹھوکریں بھی لگتی ہیں، بے راہ ہو جانے سے لگتی ہیں۔ ہر گوشے میں کامیابی و سعادت کی ایک مقررہ راہ ہے۔ جونہیں اس سے قدم بے راہ ہوئے شقاوت میں گر گئے۔

پھر فرمایا: جس نے ہمارے ذکر سے اعراض کیا تو اسے دو حالتیں پیش آئیں گی: دنیا میں اس کی زندگی ضیق میں پڑ جائے گی، یعنی وہ بظاہر کتنا ہی نہال ہو جائے لیکن دل کی طمانیت اور روح کا انبساط اسے کبھی نہیں ملے گا۔ اور آخرت میں بینائی سے محروم ہو جائے گا۔ سعید انسانوں کی نگاہیں روشن ہوں گی، اس کی اندھی۔ وہ جمال الٰہی کا نظارہ کریں گی، اس کے آگے پردہ پڑا ہو گا "کلّا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون" (۸۳ : ۱۵)۔

وہ اندھا کیوں ہو جائے گا؟ اس لیے کہ آخرت کی زندگی دنیوی زندگی کا نتیجہ ہے۔ اس نے دنیا میں قدرت کی نشانیوں سے آنکھیں بند کر لی تھیں، اس لیے آخرت میں بھی اس کی آنکھیں بند رہیں گی "من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا"! (۱۷ : ۷۲)

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ قرآن کے نزدیک ثواب آخرت کی حقیقت یہ ہے کہ نگاہیں جمال الٰہی کے نظارے سے شادکام ہوں گی، عذاب کی یہ ہے کہ اندھی ہو کر محجوب ہو جائیں گی۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ ١٢٥

وہ کہے گا: پروردگار! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو اچھا خاصا دیکھنے والا تھا ١٢٥ .

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝ ١٢٦

ارشاد ہوگا: ہاں! اسی طرح ہونا تھا . ہماری نشانیاں تیرے سامنے آئیں مگر تو نے انہیں بھلا دیا . سو اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا گیا ہے ١٢٦ .

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ۝ ١٢٧

اور (دیکھو!) جو کوئی (سرکشی میں) بڑھ نکلتا ہے اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پر یقین نہیں کرتا تو اس طرح ہم اسے (اس کی حالت کا) بدلا دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ سخت ہے، بہت دیر تک رہنے والا ہے! ١٢٧ .

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ	کیا ان لوگوں کو اس بات
اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ	سے بھی ھدایت نہ ملی کہ ان
الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ	سے پہلے قوموں کے کتنے
مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	ھی دور گزر چکے ھیں
لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۱۲۸	جنھیں ھم (پاداش جرائم میں)

ع ۷ ۱۶

ھلاک کر چکے ؟ یہ ان کی بستیوں میں چلتے پھرتے ھیں (ان کے آثار ان کی نگاھوں کے سامنے ھیں !) . جو لوگ دانش مند ھیں ان کے لیے اسی ایک بات میں (تذکیر و عبرت کی) کتنی ھی نشانیاں ھیں ! ۱۲۸ .

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ	اور (اے پیغمبر !) اگر ایسا
مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا	نہ ھوتا کہ پہلے سے تیرے
وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۱۲۹	پروردگار نے (اس بارے

میں) ایک بات ٹھیرادی ھوتی (یعنی ایک قانون ٹھہرا دیا ھوتا) تو اسی گھڑی ان پر (جرم کا) الزام لگ جاتا اور مقررہ وقت

نمودار ہوجاتا! ١٢٩ .

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ	پس چاہیے کہ ان کی ساری باتوں
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ	پر صبر کر اور اپنے پروردگار
طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ	کی حمد و ثنا کی پکار میں لگا رہ،
غُرُوْبِهَا ج وَمِنْ اٰنَآئِ	صبح کو سورج نکلنے سے پہلے،
الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ	شام کو ڈوبنے سے پہلے، رات

١٢٩ - آیت ١٢٩ میں فرمایا: اگر پہلے سے اللہ کا یہ قانون موجود نہ ہوتا کہ انکار و بد عملی کے نتائج اپنے مقررہ وقت اور مقررہ حالت کے مطابق ظہور میں آئیں تو یہ لوگ اپنی سرکشیوں کی وجہ سے کب کے ملزم ہوچکے تھے! لیکن یہاں ہر گوشے میں رحمت الٰہی نے ڈھیل دے رکھی ہے اور ضروری ہے کہ مقررہ وقت کا انتظار کیا جائے.

لیکن یہ انتظار کس طرح کیا جائے؟ اس طرح کہ صبر اور صلاۃ کی روح سے معمور ہوجاؤ. یہی وہ دو عنصر ہیں جن سے ہر طرح کی کام رانی و فتح مندی ڈھل سکتی ہے اور ظہور میں آسکتی ہے!

النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ ١٣٠ کی گھڑیوں میں بھی اور دوپہر کے لگ بھگ بھی۔ بہت ممکن ہے کہ تو بہت جلد (ظہور نتائج سے) خوشنود ہو جائے ۱۳۰۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ ١٣١

اور یہ جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دنیوی زندگی کی آرایشیں دے رکھی ہیں اور ان سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں تو تیری نگاہیں اس پر نہ جمیں (یعنی یہ بات تیری نگاہ میں نہ جچے)۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ہم نے انھیں آزمایش میں ڈالا ہے۔ اور جو کچھ تیرے پروردگار کی بخشی ہوئی روزی ہے وہی (تیرے لیے) بہتر ہے اور (بہ اعتبار نتیجے کے) باقی رہنے والی! ۱۳۱

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔـلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ

اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جا۔

١٢٩
٥١ . ٣ . ٣٦٢٩

نَرْزُقُكَ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ ١٣٢ — ہم تجھ سے روزی کا سوال نہیں رکھتے۔ تو ہم سے سائل ہے، ہم بخشنے والے ہیں! اور انجام کار تقوے (٨٣) ہی کے ہاتھ ہے ١٣٢۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ ١٣٣ — اور ان لوگوں نے کہا: ”کیوں یہ اپنے پروردگار کی کوئی نشانی اپنے ساتھ نہیں لایا؟“ لیکن کیا ان تک وہ روشن دلیلیں نہیں پہنچ چکیں جو اگلی کتابوں میں موجود ہیں؟ ١٣٣۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ — اور اگر ہم انہیں اس سے پہلے (یعنی نزول قرآن سے پہلے) عذاب نازل کر کے ہلاک کر ڈالتے تو یہ ضرور کہتے: خدایا! اس سے پہلے کہ ہم

وَنَخْزٰى ۝ ١٣٤ ظہور عذاب سے ذلیل و رسوا
ہوں، تو نے ایك پیغمبر کیوں نه بھیج دیا که ہم تیری آیتوں پر چلتے
اور ہلاك نه ہوتے؟ ١٣٤

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا (اے پیغمبر!) تو کہہ دے:
فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحٰبُ یہاں ہر ایك کے لیے (مستقبل
الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ کا) انتظار کرنا ہے، پس تم
ع ٨ ١٧ اهْتَدٰى ۝ ١٣٥ بھی انتظار کرو. بہت جلد
تمہیں معلوم ہوجائے گا کون سیدھے راستے پر ہے اور کون
منزل مقصود پر پہنچتا ہے! ١٣٥

(۞)

سورت ختم ہوگئی لیکن چند مقامات کی مزید تشریح
ضروری ہے:

فرعون اور حضرت موسیٰ کا مکالمہ

(الف) آیت ٤٩ میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام)
اور فرعون کا جو مکالمہ نقل کیا ہے وہ اگرچہ دو تین
جملوں سے زیادہ نہیں ہے، لیکن حقائق و معارف کے دفاتر
ان میں پنہاں ہیں.

فرعون کا پہلا سوال یہ تہا که "من ربکما یموسی"؟ جس سے

= پروردگار کا ذکر کرتے ہو وہ کون ہے ؟

اس سوال کی نوعیت سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے معلوم کر لیا جائے مصریوں کے عقائد کیا تھے ؟

مصری مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے جن میں سے بعض تو خاص خاص قبیلوں اور علاقوں کے تھے ، جیسے نیفات (Nebhat) فتا (Ptah) اور مات (Maāt). اور بعض عالم گیر قوتوں کے الگ الگ مظاہر تھے ، جیسے اوزیرس (Osiris) عالم آخرت کا خدا ، میه اورت آسمان کا خدا ، کنیمو (Knemu) جسم بنانے والا ، ایزیز (Isis) روح بخشنے والی دیبی . طوطا (Thoth) عمر کی مقدار مقرر کرنے والا ، هورس (Horus) درد وغم دور کرنے والا ، حاثور (Hathor) (گاے) رزق بخشنے والا اور ان سب سے بلند تر آمن رع (Ammon Ra) تھا ، یعنی سورج دیوتا .

نیز مصریوں میں الوهیت آمیز شاهی کا تصور بھی پوری طرح نشوو نما پا چکا تھا اور تاج داران مصر نے نیم خدا کی حیثیت اختیار کر لی تھی . ان کا لقب « فارع » اسی لیے هوا که وه ”رع“ یعنی سورج دیوتا کے اوتار سمجھے جاتے تھے (٨٤) .

پس جب حضرت موسیٰ نے کہا : ”میں خدا کا فرستادہ هوں“ تو فرعون نے متعجب ہو کر پوچھا : کس خدا کے ؟ =

=آمن رع کے جس نے مجھے اپنا مظہر ٹھہرایا ھے؟ ایزیز دیبی کے جو روح پیدا کرنے والی ھے؟ کنیمو دیوتا کے جو جسم و خلقت بنانے والا ھے؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا: نہیں! "الذی اعطی کل شیء خلقه ثم ھدی"، ھمارا پروردگار تو وہ ایك ھی پروردگار ھے جس نے دنیا کی ھر چیز کو اس کا جسم و وجود بھی بخشا اور پھر ھر طرح کی ضروری قوتیں دے کر اس پر زندگی و عمل کی راہ بھی کھول دی!

غور کرو! فرعون کے استفسار میں اس کے عقائد و تصورات کے بے شمار پہلو پوشیدہ تھے اور اگر حضرت موسیٰ کا طریقہ جدل و مناظرے کا ھوتا تو ان میں سے ھر بات الجھا لینے کے لیے کاف تھی۔ ایکن انھوں نے اور کسی بات سے تعرض نہیں کیا۔ صرف ایك ھی بات کہی، مگر ایسی بات جو اس کے سوال کا براہ راست جواب بھی تھی، اس کے تمام تصورات کا بالواسطه ابطال بھی تھا اور صرف دعوی ھی نہ تھا، دعوے کے ساتھ اس کی خاموش دلیل بھی موجود تھی!

اس کے تمام تصورات کا ابطال کیوں کر ھوا؟ اس طرح کہ میں تمھارے ان گھڑے ھوے معبودوں کا قائل =

=نہیں جن میں سے کسی کو تم نے خلقت دینے والا سمجھ رکھا ہے، کسی کو روح بخشنے والا، کسی کو رزق و تندرستی کا سرچشمہ! میں تو صرف اس ایك ھی ھستی کا پرستار ھوں جو جسم بھی دیتی ھے اور وہ سب کچھ بھی دیتی ھے جو جسم کے نشو ونما و قیام کے لیے ضروری ھے! خالق بھی وھی ھے، راہ نمائے زندگی بھی وھی ھے، اس کے سوا کوئی نہیں . چنانچہ پھر آگے چل کر انھوں نے اس اعتقاد کی تفصیل بھی کردی ھے : " الذی جعل لکم الارض مھدا و سلك لکم فیھا سبلا و انزل من السماء ماء فاخرجنا به ازواجا من نبات شتی ".

پھر اس جملے کی جامعیت اور مانعیت دیکھو! کائنات ھستی میں جو کچھ بھی ھے وہ اس کے سوا کیا ھے کہ یا تو وجود ھے یا وجود کی وہ معنوی قوتیں ھیں جو اسے قائم و باقی رکھتی ھیں اور قیام و عمل کی راھوں پر لگاتی رھتی ھیں . انھیں دو حقیقتوں کو یہاں خلقت اور ھدایت سے تعبیر کیا ھے اور ان دو لفظوں نے وجود اور حیات کے تمام گوشے سمیٹ لیے ھیں .

دعوے کے ساتھ دلیل کیوں کر ھوئی ؟ اس کے لیے تفسیر سورۂ فاتحہ کا مبحث «ربوبیت» دیکھنا چاھیے . =

فما بال القرون الاولیٰ

= اس کے بعد فرعون نے دوسرا سوال کیا اور بطریق جدل کیا ۔ "فما بال القرون الاولی" ؟ اچھا ، اگر حقیقت حال ایسی ہی ہے تو جو لوگ پچھلے عہدوں میں گزر چکے ان کے لیے کیا ہونا ہے ؟ وہ راہ صواب پر تھے یا گم راہی پر ؟ انہیں تو تمہارے اس نئے اعتقاد کی خبر بھی نہ تھی !

اب دیکھو ! یہاں پھر وہی صورت پیدا ہوگئی ہے ۔ اگر یہ سوال امام فخر الدین رازی سے کیا جاتا تو اسی بحث میں صبح کر دیتے اور سارا معاملہ اسی میں الجھ کر رہ جاتا ۔ لیکن حضرت موسیٰ داعی تھے ، مجادل اور مناظر نہ تھے ۔ انہوں نے صرف ایک بات کہہ کر ساری بحث ہی ختم کر دی ! "علمها عند ربی فی کتٰب" ، اس کا علم اللہ کو ہے ، ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور ہمیں اس کی فکر کیوں ہو؟ ہمارے جاننے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ " لا یضل ربی ولا ینسی" خدا انسانوں کی طرح نہیں ہے کہ غلطی میں کھو یا جائے یا کوئی بات بھول جائے ۔ جس کا قانون یہ ہے کہ ہر انسان کا جیسا اعتقاد و عمل ہوگا ٹھیک اسی کے مطابق اسے نتائج بھی ملیں گے ۔ پس پچھلوں کا جیسا حال رہا ہوگا ویسا ہی نتیجہ بھی بھگتیں گے ۔ ہم کو اپنا حال دیکھنا ہے اور اپنے ہی سامنے کی باتوں کا علم بھی رکھتے ہیں ۔ ہم اس کاوش میں پڑیں ہی کیوں =

= که پچھلوں کا کیا حال تھا اور وہ بخشے جائیں گے یا نہیں؟

غور کرو! فرعون کا سوال مجادلانہ تھا اور ایسا تھا کہ بحث و کاوش کی قسم کا جواب بھی دیا جاتا، مسکت اور مختتم نہ ہوتا. جو بات بھی کہی جاتی بحث طلب ہوتی اور ایك نیا سوال پیدا کردیتی. لیکن انبیاء کرام کا طریق دعوت یہ نہیں ہوتا کہ بحث میں الجھیں یا دوسرے کو الجھائیں. پس حضرت موسیٰ نے اس کاوش میں پڑنے ہی سے انکار کردیا. انہوں نے کہا: ہم یہ جانتے ہی نہیں اور ہمیں اس کا خواہش مند بھی نہیں ہونا چاہیے کہ اسے جانیں.

اور پھر غور کرو! انہوں نے اس جملے کے اندر جو بات کہہ دی وہ انسان کی فکری گمراہیوں کی کتنی راہیں بند کردیتی ہے بشرطیکہ لوگ اسے سمجھیں! مگر مصیبت یہ ہے کہ لوگ ہمیشہ اسی کاوش کی پیروی کرتے رہے جو فرعون کے سوال سے ٹپك رہی ہے. وہ حقیقت نہ پاسکے جو حضرت موسیٰ کے جواب میں مضمر ہے. حضرت موسیٰ کے جواب نے ہمیں یہ اصل عظیم بتلادی ہے کہ جن گوشوں کا ہمیں علم نہیں، جن کی کاوش ہمارے لیے سودمند بھی نہیں، ان کی فکر میں ہمیں نہیں پڑنا چاہیے اور ان کا حکم اللہ کے حوالے کردینا چاہیے. =

= اگر لوگ اس اصل عظیم پر عامل ہو جائیں تو مذاہب کے کتنے ہی گم راہ کن جھگڑے ختم ہو جائیں !

ابھی دور نہ نکلو ، اسی گوشے میں رہو جو فرعون کے اس مجادلانہ سوال کی اصل جگہ ہے اور غور کرو: مذہب کے نام سے کتنے جھگڑے بنالیے گئے ہیں جن میں سے ہر جھگڑا " فما بال القرون الاولی" کی فرعونی صدا کا ٹھیک ٹھیک اعادہ ہے ! اب اس سے پہلے فلاں گروہ جو گزرا ہے اہل حق میں تھا یا اہل باطل میں ؟ فلاں انسان جو گزر چکا نیک تھا یا بد؟ فلاں بزرگ کا رتبہ خدا کے نزدیک زیادہ ہے یا فلاں بزرگ کا؟ افضل کون ہے ، زید یا عمرو؟ ولایت و طریقت میں سب سے بڑا کون رہا ، فلاں یا فلاں؟ پھر اس میں بحثیں ہیں ، تصنیفیں ہیں ، لڑائیاں ہیں ، فرقہ بندیاں ہیں . گویا انسان کی نجات کے لیے صرف یہی فکر کافی نہیں کہ خود اسے کیا کرنا چاہیے . وہ اس فیصلے کے لیے بھی ذمہ دار بنادیا گیا ہے کہ اب سے پانچ سو برس پہلے کسی نے کیا کیا تھا اور ایک ہزار برس پہلے کون کیسا تھا . پھر ان میں سے ہر فریق اس طرح حکم لگانا شروع کر دیتا ہے گویا خدا کے دفتر کا رجسٹر ابھی ابھی پڑھ کر اٹھا ہے اور اسے علم قطعی حاصل ہو گیا ہے کہ فلاں کا نام فلاں درجے میں لکھا ہوا ہے ، فلاں کا فلاں درجے میں . =

= پچاس برس ہوے شام میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے دوسرے گروہ کی بستیاں صرف اس لیے جلا دی تھیں کہ ایک کہتا تھا: حضرت شیخ عبد القادر جیلانی سب سے بڑے ولی ہیں. دوسرا کہتا تھا: نہیں، شیخ احمد رفاعی. ہندوستان کا یہ حال ہے کہ آج تک میرے پاس نہایت سنجیدہ عبارت میں لکھے ہوے استفسار آتے رہتے ہیں: زید کہتا ہے: بڑے پیر صاحب سے بڑھ کر کوئی نہیں. عمرو کہتا ہے: مجدد الف ثانی سے بڑھ کر کوئی نہیں. نماز کس کے پیچھے جائز ہے؟

ایک مرتبہ میرے جی میں آیا لکھ دوں: دونوں کے پیچھے نہیں!

فقہ کے مذاہب اربعہ جب مشخص و مدون ہو گئے اور تقلید شخصی کا التزام قائم ہو گیا تو سوال پیدا ہوا: ان چاروں اماموں میں افضل کون ہیں؟ حضرت امام ابو حنیفہ یا امام شافعی؟ اب بحث شروع ہوئی اور بحث نے جنگ و قتال کی شکل اختیار کی. چنانچہ ہلاکو خاں کو اسلامی ممالک پر حملے کی سب سے پہلی ترغیب خراسانیوں کے اسی جھگڑے سے ملی تھی. حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آکر بلاوا بھیجا اور شہر کے پھاٹک کھول دیے. پھر جب تاتاریوں کی تلوار چل گئی تو اس نے نہ شافعی=

=کو چھوڑا نہ حنفی کو۔

"بجاسوا خلال الدیار و کان وعدا مفعولا"!

شیعہ سنی کے اختلاف نے مسلمانوں کو دو مختلف امتوں میں متفرق کر دیا۔ لیکن اس تمام اختلاف کا ماحصل بھی کیا ہے؟ یہی کہ "فما بال القرون الاولیٰ"۔ اور تیرہ سو برس گزر گئے، مگر اتنی بات کسی کے سمجھ میں نہیں آتی کہ "علمہا عند ربی فی کتٰب ج لا یضل ربی و لا ینسیٰ"۔

بہر حال یاد رکھنا چاہیے کہ اس طرح کی تمام کاوشوں کے اندر وہی فرعون والی مجادلانہ روح کام کیا کرتی ہے اور طریق موسوی یہ ہے کہ "علمہا عند ربی فی کتٰب" کہہ کر سارے جھگڑے ختم کر ڈالنا اور سرے سے ان کاوشوں میں پڑنا ہی نہیں۔

قرآن اور صاحب وحی نے ہمیں جن امور کی خبر دے دی ہے ان کا علم ہمیں حاصل ہو گیا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ان باتوں کو اسی طرح یقین کریں جس طرح بتلا دی گئی ہیں۔ لیکن ان سے زیادہ جو سوال بھی دینی عقائد کی بنا پر اٹھایا جائے گا، ہمارا جواب یہی ہوگا: "علمہا عند ربی فی کتٰب ج لا یضل ربی و لا ینسیٰ"۔

خدا نے اپنے دفتر کی مسلیں ہمارے پاس نہیں بھیج دی ہیں =

= اور نہ ہمیں لوگوں کی سعادت و شقاوت اور مدارج و فضائل کے فیصلے کی ٹھیکے داری عنایت فرمائی ہے. ہمیں معلوم نہیں حقیقت حال کیا ہے. البتہ خوش قسمتی سے معاملہ ایسے محاسب کے ہاتھ ہے جو نہ تو غلطی کر سکتا ہے، نہ بھول چوک میں پڑ سکتا ہے. بس دوسروں کی فکر میں تمہیں گھلنے کی ضرورت نہیں، اپنی خبر لو اور ان کا معاملہ ان کے خدا پر چھوڑ دو!

سامری اور گوسالہ پرستی کا معاملہ

(ب) آیت ۸۷ میں بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور یہ مقام بھی من جملہ ان مقامات کے ہے جن میں قرآن کی تصریحات تورات کے موجودہ نسخے سے مختلف واقع ہوئی ہیں اور اس کی صریح تحریفات نمایاں کرتی ہیں. خروج میں ہے کہ سنہرا بچھڑا خود حضرت ہارون نے بنایا تھا (۳۲ : ۱ تا ٤). لیکن قرآن نے یہاں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ حضرت ہارون کا دامن اس شرک سے پاک تھا. یہ در اصل سامری کی کارستانی تھی.

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سامری کون تھا؟ یہ اس کا نام تھا یا قومیت کا لقب؟

قیاس کہتا ہے کہ یہاں ''سامری'' سے مقصود سمیری=

=قوم کا فرد ہے ۔ کیوں کہ جس قوم کو ہم نے سمیری کے
نام سے پکارنا شروع کر دیا ہے، عربی میں اس کا نام قدیم
سے سامری آرہا ہے اور اب بھی عراق میں ان کا بقایا
اسی نام سے پکارا جاتا ہے ۔ یہاں قرآن کا ’’السامری‘‘
کہ کے اسے پکارنا صاف کہ رہا ہے کہ نام نہیں ہے،
اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے، یعنی وہ شخص
اسرائیلی نہ تھا، سامری تھا ۔

سمیری تمدن.

حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے تین
ہزار برس پہلے دجلہ و فرات کے دو آبہ میں دو مختلف
قومیں آباد ہو رہی تھیں اور ایک عظیم الشان تمدن کی
بنیادیں اٹھا رہی تھیں ۔ ان میں سے ایک قوم جو جنوب
سے آئی تھی عرب تھی ۔ دوسری جس کی نسبت خیال
کیا جاتا ہے کہ شمال سے اتری سُمیری تھی ۔ اسی قوم کے
نام سے تاریخ قدیم کا شہر سامر اور اور (Ur) آباد
ہوا تھا (؟) جس کا محل اب تل العبید میں دریافت ہوا ہے
اور وہاں سے پانچ ہزار برس پیشتر کے بنے ہوئے زیور
اور سنہری ظروف بر آمد ہو رہے ہیں ۔

سمیری قوم کا اصل وطن

سُمیری قوم کی اصل کیا تھی؟ اس بارے میں اس
وقت تک کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکی ہے ۔
لیکن نینوا میں آشور بنی پال (Assurbanipal) (٨٥) (متوفی=

= سنه ٦٢٦ قبل مسیح) کا جو کتب خانه نکلا ہے اس میں تختیوں کا ایك مجموعه لغت کی کتاب (٨٦) کا بھی ہے، جس میں اکادی اور سمیری زبان کے ہم معنی الفاظ جمع کیے گئے ہیں . اس سے معلوم ہوتا ہے که سمیری زبان کے اصوات سامی حروف کے اصوات سے چنداں مختلف نہیں تھے . بہت ممکن ہے که وه بھی در اصل انہیں قبائل کے مجموعه سے کوئی بعیدی تعلق رکھتے ہوں جن کے لیے ہم نے تورات کی اصطلاح "سامی" اختیار کر لی ہے .

نسل انسانی کے دو قافلا

اصل یه ہے که جس طرح عہد قدیم میں منگولیا کا علاقه صحرا نورد قبائل کا ابتدائی سر چشمه رہا ہے اور یہاں سے انسانی گروہوں کے قافلے نکل کر وسط ایشیا ، ہندوستان ، ایران، اناتولیا اور پھر تمام یورپ میں پھیل گئے، ٹھیك اسی طرح نسل انسانی کے اقدام و انشعاب کا ایك مرکزی سر چشمه جزیرہ نماے عرب بھی رہ چکا ہے . یہاں کے صحراؤں میں یکے بعد دیگرے نسل انسانی کا مواد بنتا رہا اور پھر ابل ابل کر دور دور تك پھیلتا گیا . فلسطین ، شام ، مصر ، عراق ، آرمینیا اور خلیج فارس کی ساحلی آبادیاں سب اسی مرکزی نسل کا انشعاب تھیں اور سب کا تمدن اسی عربی نسل کا تمدن تھا . قوم "عیلام" =

= جس کا ذکر کتاب پیدایش میں آیا ہے اور جو جنوبی ایران میں آباد تھی، عجب نہیں در اصل اسی نسل کی ایک شاخ ہو۔ (اس مقام کی مزید تفصیل سورۂ نوح کی تشریحات میں ملے گی)۔

بہر حال سمیری قبائل کا اصلی وطن عراق تھا، مگر یہ دور دور تک پھیل گئے تھے۔ مصر سے ان کے تعلقات کا سراغ ایک ہزار سال قبل مسیح تک روشنی میں آچکا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ کا بھی معتقد ہو گیا اور جب بنی اسرائیل نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ نکل آیا۔ اسی کو قرآن نے "السامری" کے لفظ سے یاد کیا ہے۔

سامری کا ایمان اور پھر ارتداد

گائے، بیل اور بچھڑے کی تقدیس کا خیال سمیریوں میں بھی تھا اور مصریوں میں بھی۔ مصری اپنے دیوتا حورس کا چہرہ گائے کی شکل کا بناتے تھے اور خیال کرتے تھے کرۂ زمین ایک گائے کی پشت پر قائم ہے۔ جب سامری نے دیکھا بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی عدم موجودگی سے مضطرب ہو رہے ہیں تو اس نے کہا: "مجھے سونے کے زیور لا دو"۔ پھر انہیں گلا کر بچھڑے کی ایک مورتی بنا دی۔ مصری مندروں کی مخفی کاریگریاں اسے معلوم تھیں۔ اس نے مورتی کے اندر =

= ہوا کے نفوذ و خروج کی ایسی کل بٹھا دی کہ اس سے ایك طرح کی آواز نکلنے لگی .

سامری حضرت موسیٰ کا معتقد ہو گیا تھا، لیکن اسرائیلی توحید پر اس کا دل جما نہیں تھا . چند دنوں اسی طریقے پر کاربند رہا، پھر منحرف ہو گیا . اسی لیے جب حضرت موسیٰ نے پوچھا: یہ تو نے کیا کیا؟ تو اس نے کہا: '' بصرت بما لم یبصروا بہ '' مجھے ایسی بات سجھائی دی جو دوسروں کو نہیں سوجھی' یعنی بچھڑا بنانا '' فقبضت قبضۃ من اثر الرسول فنبذتھا '' میں نے رسول کی پیروی میں تھوڑا بہت حصہ لے لیا تھا، مگر پھر چھوڑ دیا . یعنی گو میں نے آپ کی پیروی میں چند قدم اٹھا دیے تھے مگر میرا دل اس پر جما نہیں تھا . '' و کذلك سولت لی نفسی '' کیا کروں! میری طبیعت کا ایسا ھی تقاضا ہوا . میں آپ کے پیچھے چل نہ سکا .

عربی میں جب کہیں کے '' قبضت قبضۃ '' میں نے صرف ایك مٹھی اٹھائی تو اس کے معنی تقلیل کے ہوں گے: '' قبضت قبضۃ ، ای شیء قلیل ، و القبضۃ القدر المقبوض '' (ابن سیدہ) . اردو کا بھی محاورہ ھے: میں نے تو صرف ایك ھی مٹھی اٹھائی ھے، یعنی بہت تھوڑا حصہ لیا ھے .

گوسالہ کی نسبت جوڑی خرافہ

=یہودیوں نے اپنی قومی برتری کے لیے یہ کہانی گھڑ لی تھی کہ گو سالہ پرستی کے معاملے میں ایک روحانی طاقت کا ہاتھ کام کر رہا تھا، ورنہ ہمارے اسلاف کیوں ایسی گمراہی میں پڑتے؟ وہ کہتے تھے: بچھڑے کی گویائی اس مٹی کا معجزہ تھا جو حضرت جبریل کے گھوڑے کے سموں سے پامال ہوئی تھی. جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو ان کے آگے جبریل جا رہے تھے اور زندگی کے فرشتے پر سوار تھے، جس نے گھوڑے کی شکل اختیار کر لی تھی. اس گھوڑے کے سم جس مٹی پر پڑتے تھے اس میں زندہ کر دینے کی خاصیت پیدا ہو جاتی تھی. یہ بات کسی نے نہیں دیکھی، لیکن سامری نے دیکھ لی. بس اس نے بچھڑا بنا کر اس میں (آب حیات کی جگہ) اس خاک حیات کی ایک مٹھی ڈال دی. بس پھر کیا تھا! وہ زندہ ہو کر بولنے لگا.

مفسرین کا تسامح

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ کہانی تفسیر کی روایتوں میں بھی داخل ہو گئی اور "اثر الرسول" کا مطلب یہ بنا لیا کہ "جبریل کے نقش قدم" کی ایک مشت خاک سامری نے اٹھا لی تھی. لیکن یاد رہے کہ یہ تفسیر کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتی. اتنا ہی نہیں، بلکہ ایسی تفسیر کرنا قرآن کے اس مقام کو تمسخر انگیز حد تک بے معنی بنا دینا ہے. =

= اولاً ، قرآن نے اس معاملے کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے اور یہ بات بلاغت قرآنی کے صریح خلاف ہے کہ ایک ایسا واقعہ جو قیاس اور قرینے سے معلوم نہیں کیا جا سکتا ، بیان نہ کرے اور پھر اچانک صرف "اثر الرسول" کہہ کر اس کی طرف اشارہ کر دے ۔

ثانیاً ، قرآن میں جہاں کہیں بھی بغیر اضافت و اسناد کے "الرسول" کہا گیا ہے ، اس کا صرف ایک ہی مطلب ہے ، یعنی پیغمبر ۔ پس یہاں "الرسول" سے فرشتہ سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا ۔

ثالثاً ، ایسا سمجھنا صریح قرآن کو جھٹلانا ہے ، اس لیے کہ قرآن کہیں یہ نہیں کہتا کہ بچھڑے کی مورتی میں زندگی پیدا ہو گئی تھی ، بلکہ صاف صاف کہتا ہے کہ "جسدا له خوار" ایک بے جان دھڑ تھا جس سے آواز نکلتی تھی ۔ اگر ایک ملکوتی کرشمے نے اسے زندہ کر دیا ہوتا تو قرآن اسے "عجلا جسدا" کیوں کہتا ؟

رابعاً ، قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ اس مورتی میں کوئی بات نہ تھی ، محض ایک شعبدہ تھا ، کیوں کہ وہ بنی اسرائیل کے استعجاب و تاثر کو ان کی حد درجہ بے وقوفی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے : "افلا یرون الا یرجع الیهم قولا" یعنی ان عقل کے اندھوں نے اتنی =

= بات بھی نہ دیکھی کہ اگر یہ کوئی زندہ وجود ہے تو ان کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتا؟ خالی بھاں بھاں کیوں کرتا رہتا ہے؟ پھر اگر مفسروں کی یہ کہانی مان لی جائے تو تسلیم کر لینا پڑے گا کہ قرآن کا یہ بیان یك قلم غلط ہے، کیوں کہ اس میں تو ایك ملکوتی معجزہ تھا، اس کے اندر تو جبریلی زندگی کی ایك روح دوڑ رہی تھی .

خامساً، یہ کہانی خود اپنی بناوٹ ھی میں ناقابل تسلیم ہے . اگر فی الحقیقت کوئی ایسا ملکوتی مظاہرہ ہوا تھا اور " بصرت بما لم یبصروا " کے یہی معنی ھیں تو مان لینا پڑے گا کہ سامری کی روحانی بصیرت تمام بنی اسرائیل سے حتی کہ حضرت ھارون سے بھی کہ پیغمبر تھے، بڑھی ہوئی تھی ، کیوں کہ یہ کرشمۂ الٰہی کوئی نہ دیکھ سکا، صرف اس کی نگاہ حقیقت شناس کام کر گئی . بلکہ کہنا پڑے گا خود حضرت موسیٰ سے بھی بڑھی ہوئی تھی ، کیوں کہ وہ بھی یہ بات نہ پا سکے . لیکن کیا ایسا مانا جا سکتا ہے؟ حمزہ، کسائی، اور اعمش کی قراءت میں " بما لم یبصروا بہ " کی جگہ " بما لم تبصروا بہ " (بالمثناة الفوقانیة) ہے . اگر یہ قراءت اختیار کر لی جائے تو صریح مطلب یہ ہوگا کہ " میں نے وہ بات دیکھ لی =

= جو تم بھی نہ دیکھ سکے" یعنی حضرت موسیٰ بھی نہ دیکھ سکے۔ پھر کیا "بصرت" کو اس کہانی پر لے جانا صحیح ہو سکتا ہے؟

سادساً، خود یہی مفسر "عجلا جسدا لہ خوار" کی تفسیر میں یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ "خوارہ کان بالریح، لأنہ کان عمل فیہ خروقا۔ فاذا دخلت الریح فی جوفہ خار ولم یکن فیہ حیاۃ"، یعنی اس میں زندگی نہ تھی، محض ہوا کے نفوذ سے بچھڑے کی سی آواز نکلنے لگتی تھی۔ پھر جب یہ تفسیر بھی موجود ہے تو کونسی وجہ ہے کہ خواہ مخواہ حضرت جبریل کو گھسیٹا جائے اور فرشتوں کو گھوڑا بننے کی زحمت دی جائے۔

سابعاً، جن روایتوں کی بنا پر یہ کہانی چلی ہے، اگر ان کے متن سے قطع نظر کر لی جائے تو باعتبار اسناد کے بھی لائق اعتنا نہیں۔ سب سے زیادہ زور ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم کی روایت پر دیا جاتا ہے، جس میں حضرت علی کا قول نقل کیا گیا ہے۔ لیکن وہ بھی مجروح ہے اور حاکم کی تصحیح کی جو قدر و قیمت ہے وہ ہم امام ذہبی کی زبانی سن چکے ہیں۔

سورة الانبياء – ٢١

مكية و هی مائة و اثنتا عشرة اٰية

مکی ' ۱۱۲ آیات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمۡ وَ ھُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ ۱ وقت قریب آلگا ھے کہ لوگوں سے (ان کے اعمال کا) حساب لیا جائے. اس پر بھی ان کا یہ حال ھے کہ رخ پھیرے غفلت میں متوالے چلے جا رھے ھیں ! ۱

اقترب الناس – ۱۷

---

۱ – یہ سورت ان سورتوں میں سے ھے جو مکی عہد کے اواخر میں نازل ھوئی ھیں . یہ بالاتفاق سورۂ ابراھیم کے بعد اور مومنون سے پہلے اتری .

سورت کی ابتداء ، اس کا وسط ، اس کا خاتمہ سب اعلان کر رھے ھیں کہ محاسبے کا وقت قریب آ گیا اور ضروری ھے کہ فیصلہ کن معاملہ ظہور میں آ جائے . ==

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝ۙ ٢

ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نصیحت کی باتیں پیہم آتی رہیں، مگر کبھی ایسا نہ ہوا کہ انہوں نے جی لگا کر سنا ہو! وہ سنتے ہیں مگر اس طرح کہ کھیل کود میں لگے ہوے ہیں! ۲

لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ۗ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ ۖ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ۝ ٣

اور دل ہیں کہ یک قلم غافل! اور (دیکھو!) ظلم کرنے والوں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں: یہ آدمی اس کے سوا کیا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک آدمی ہے؟ پھر کیا تم

= چنانچہ وقت فی الحقیقت قریب آ گیا تھا. تھوڑے ہی عرصے کے بعد ہجرت مدینہ کا واقعہ ظہور میں آیا اور دعوت حق کے فتح واقبال اور معاندین حق کے خسران وادبار کا دور شروع ہو گیا.

جان بوجھ کر ایسی جگہ آتے ہو جہاں جادو کے سوا اور کچھ نہیں؟ ۳۔

قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۫ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۴

(پیغمبر نے) کہا: آسمان وزمین میں جو بات بھی کہی جاتی ہے (خواہ پوشیدہ کہی جائے،

---

۳ ـ پیغمبر اسلام کی صداقت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کے سخت سے سخت معاند بھی اس عجیب و غریب کشش و تاثیر سے انکار نہیں کر سکتے تھے جو آپ کی شخصیت اور آپ کی تعلیم میں پائی جاتی تھی! اور چوں کہ اعتراف حقیقت کے لیے تیار نہ تھے، اس لیے مجبور ہو جاتے تھے کہ اسے جادو سے تعبیر کریں۔ یہاں آیت ۳ میں فرمایا: وہ پیغمبر اسلام کے پاس جانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور کہتے ہیں: تم ان کے پاس گئے اور جادو میں پھنسے وہاں تو جادو ہی جادو بھرا ہے۔ نیز وہ کہتے ہیں: اس آدمی میں وحی و نبوت کی تو کوئی بات نظر نہیں آتی، کیوں کہ یہ ہماری ہی طرح ایک آدمی ہے۔ پس جو کچھ بھی اس کا اثر و نفوذ ہے جادو ہی کی وجہ سے ہے۔

خواہ علانیہ) میرے پروردگار کو سب معلوم ہے، وہ سننے
والا، جاننے والا ہے! ٤.

بَلْ قَالُوٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿٥﴾

(اتنا ہی نہیں!) بلکہ انہوں نے
کہا: یہ محض خواب و خیال
کی باتیں ہیں، بلکہ من گھڑت
دعویٰ ہے، نہیں! بلکہ یہ شاعر
ہے. اگر ایسا نہیں ہے تو کوئی (نزول ہلاکت کی) نشانی ہمیں
لا دکھائے جس طرح اگلے وقتوں کے لوگ نشانیوں کے ساتھ
بھیجے جا چکے ہیں ٥.

٥ - سچائی کی سب سے بڑی شناخت یہ ہے کہ اسے سچائی
کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا. اگر کچھ اور کہنا
چاہو گے تو خواہ کتنا ہی زور لگاؤ، بات بننے کی نہیں.
بنے گی اس وقت جب سر جھکادو گے کہ ہاں یہ سچائی ہے.
لیکن مشکل یہ ہے کہ نفس انسانی کی گمراہی وسرکشی
پر حقیقت کا اعتراف ہمیشہ گراں گزرتا ہے. وہ بغیر
لڑے کبھی ہتھیار نہیں رکھے گی. وہ مانے گی (کیوں کہ
سچائی بغیر منوائے نہیں رہ سکتی) مگر اسی وقت جب =

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ ٦

لیکن ان سے پہلے جن جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا ان میں سے تو کوئی بھی (نزول ہلاکت کی نشانیاں دیکھ کر) ایمان نہیں لے آیا تھا، پھر کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے ؟ ٦

= ماننے پر مجبور ہو جائے گی ۔

پیغمبر اسلام نے جب کلام حق کی منادی شروع کی تو قریش مکہ کا یہی حال ہوا ۔ وہ سچائی دیکھ رہے تھے، مگر اسے سچائی کہنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ کبھی کہتے: یہ مجنون ہو گیا ہے، خواب و خیال کو وحی نبوت سمجھ رہا ہے۔ پھر تاثیر و نفوذ دیکھتے تو کہتے: یہ جادو کر ہے۔ پھر یہ بات بھی نہ بنتی تو کہتے: چالاک مفتری ہے: من گھڑت باتوں کو خدا کا پیغام بتلاتا ہے ۔ پھر یہ بات بھی چل نہیں سکتی تو کہتے: کچھ نہیں! یہ شاعری کا کرشمہ ہے ۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے اور یہ ساری باتیں آپس میں کہیں (ابن ہشام).

٦-قرآن نے پچھلی قوموں کی ہلاکتوں کی سرگذشتیں =

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ٧

اور (اے پیغمبر!) هم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اسی طرح که آدمی تھے، ان پر هماری وحی اترتی تھی۔

پھر (اے گروہ منکرین!) اگر تمہیں یه بات معلوم نہیں تو ان لوگوں سے پوچھ کر معلوم کرلو جو اهلِ کتاب هیں! ٧۔

= سنائی هیں اور کہا هے: جب خدا کے رسول جھٹلائے گئے تو انهوں نے ظهور عذاب کی خبر دی۔ یه سرگذشتیں سن کر قریش مکه کہتے تھے: ایسی هی کوئی نشانی تم کیوں نہیں لا دکھاتے؟ آیت ٦ میں فرمایا: اگر کوئی ایسی خبر دے دی جائے تو کیا تم فوراً ایمان لے آوگے؟ تم سے پہلے جتنی سرکش قومیں هلاك هوئیں، ان میں سے تو کوئی بھی ایمان نہیں لایا تھا. اور پرستاران حق کی طرح پرستاران باطل کی سنت بھی هیشه ایك هی رهی هے اور همیشه ایك هی رهے گی۔

٧ - آیت ٧ میں ان کے اس وهم کا رد کیا هے که نبیوں کو آدمیوں کی طرح نہیں هونا چاهیے، کچھ اور هونا چاهیے۔ فرمایا: یهودیوں اور عیسائیوں سے پوچھ لو! =

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ۸

اور ہم نے ان پیغمبروں کو کبھی ایسے جسم کا نہیں بنایا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے تھے ۸۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ۹

(ہم نے تمہاری ہی طرح کے آدمیوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور) پھر جس بات کا وعدہ کیا تھا وہ انہیں سچا کر دکھایا۔ ہم نے انہیں اور (ان کے ساتھ)

= خدا کے جو پیغمبر پہلے آچکے ہیں وہ آدمیوں ہی کی طرح تھے یا ہوا میں اڑا کرتے تھے!

مشرکین مکہ از راہ تحقیر کہا کرتے تھے: ''ما لهذا الرسول يا كل الطعام ويمشى فى الاسواق''، یہ کیسا نبی ہے کہ آدمیوں کی طرح غذا کا محتاج ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے؟ فرمایا: ہم نے کسی کو ایسا دھڑ نہیں دیا کہ اسے غذا کی احتیاج نہ ہو اور ہمیشہ زندہ رہے۔ ہمارا قانون حیات یہی ہے کہ جسم ہوگا تو اسے قائم رہنے کے لیے غذا کی احتیاج بھی ہوگی

جس کسی کو چاھا نجات دے دی اور حد سے نکل چلنے والوں
کو ھلاک کر ڈالا ۹ .

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ ھم نے تمھارے لیے ایك کتاب
كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ نازل کردی ھے، اس میں
١ ع ١ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ؏ ١٠ تمھارے لیے موعظت ھے
(پھر اس سے زیادہ تمھیں اور کیا چاھیے؟). کیا تم سمجھتے نہیں؟ ١٠
وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اور کتنی ھی بستیاں جو ظلم
كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا وشرارت میں غرق تھیں، ھم نے
بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۱۱ پامال کر ڈالیں اور ان کے بعد

١٠- پھر آیت ١٠ میں صاف صاف کہہ دیا: اگر سچائی کی طلب ھے تو قرآن کو دیکھو! اس کی موعظت سے بڑھ کر سچائی کی اور کونسی نشانی ھو سکتی ھے؟

اس مقام نے اور اسی طرح کے اور بے شمار مقامات نے یہ حقیقت قطعی طور پر واضح کردی ھے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی صداقت کے لیے جس چیز پر بطور ایك نشانی کے زور دیا ھے وہ صرف قرآن ھے. چنانچہ سورۂ عنکبوت میں اس کی مزید وضاحت ملے گی.

دوسرے گروہوں کو اٹھا کھڑا کیا ۱۱ .

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ   جب ہمارا عذاب انہوں نے
اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۱۲   محسوس کیا تو (دیکھو!) اچانک
بستیوں سے بھاگے جارہے ہیں ! ۱۲ .

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى   اب بھاگتے کہاں ہو؟ اپنے
مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ   اسی عیش و عشرت میں لوٹو
لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۱۳   (جس نے تمہیں اس قدر سرشار
کر رکھا تھا) اور انہیں مکانوں میں (جن کی مضبوطی کا تمہیں غرہ تھا)، شاید (وہاں تدبیر و مشورے میں تمہاری ضرورت ہو اور) تم سے کچھ دریافت کیا جائے ۱۳ .

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا   بستیوں کے باشندوں نے پکارا:
ظٰلِمِيْنَ ۱۴   افسوس ہم پر! بلا شبہ ہم ظلم
کرنے والے تھے ۱۴ .

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ   تو (دیکھو!) وہ برابر یہی پکارا
حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا   کیے، یہاں تک کہ ہم نے
خٰمِدِيْنَ ۱۵   انہیں (ہلاک) کر دیا، کٹے ہوئے

کھیت کی طرح، بجھے ہوئے انگاروں کی طرح ! ١٥

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ ١٦

اور (دیکھو!) ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کچھ کھیل تماشا کرتے ہوئے نہیں بنایا (بلکہ کسی مصلحت و مقصد سے بنایا ہے) ١٦.

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ ١٧

اگر ہمیں کھیل تماشا بنانامنظور ہوتا تو (ہمیں اس سے کون روک سکتا تھا؟) ہم خود اپنی جانب سے ایسا ہی کارخانہ بناتے، مگر ہم ایسا کرنے والے نہ تھے ١٧.

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝ ١٨

بلکہ (یہاں حقیقت حال ہی دوسری ہے) ہم حق سے باطل پر چوٹ لگاتے ہیں تو وہ باطل کا سر کچل ڈالتا ہے اور اچانک اسے فنا کر دیتا ہے۔ افسوس، تم پر! تم کیسی کیسی باتیں

کرتے ہو! ۱۸ .

۱۶ تا ۱۸ - آیت ۱۶ قرآن کے مہمات دلائل میں سے ہے ، لیکن ہمارے مفسرون کو اس پر حسب عادت غور کرنے کی مہلت نہ ملی . اس سے پہلے پچھلی قوموں کی ہلاکت اور ان کی جگہ نئی جماعتوں کے ابھرنے کا ذکر کیا تھا . فرمایا : یہ انقلاب حال کیوں پیدا ہوا ؟ آباد وخوش حال بستیاں کیوں کٹے ہوے کھیتوں کی طرح اجڑ گئیں ؟ زندگی اور حرکت کے بھڑکتے ہوے شعلے کیوں بجھ کے رہ گئے ؟ اس لیے کہ یہاں ہمارا ایك عالم گیر قانون کام کر رہا ہے ، یعنی حق و باطل کے تزاحم و کشاکش کا قانون .

ہم نے کائنات ہستی کا یہ پورا کارخانہ ایك فعل عبث کی طرح نہیں بنایا ہے . کسی طے شدہ مصلحت و مقصد ہی سے بنایا ہے . وہ مقصد کیا ہے ؟ یہ کہ کائنات ہستی پستی سے بلندی کی طرف برابر ترقی کرتی جائے ، یہاں تك کہ علو و رفعت کے اس انتہائی نقطے تك پہنچ جائے جو کارفرماے قدرت نے اس کے لیے ٹھہرا دیا ہے . اس مقصد کے لیے کونسا ہاتھ کام کر رہا ہے ؟ حق و باطل کی کشاکش کے قانون کا ہاتھ ، یعنی یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے =

کھیت کی طرح، بجھے ہوے انگاروں کی طرح !١٥

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝١٦

اور (دیکھو!) ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کچھ کھیل تماشا کرتے ہوے نہیں بنایا (بلکہ کسی مصلحت و مقصد سے بنایا ہے) ١٦.

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝١٧

اگر ہمیں کھیل تماشا بنانا منظور ہوتا تو (ہمیں اس سے کون روك سکتا تھا؟) ہم خود اپنی جانب سے ایسا ہی کارخانہ بناتے، مگر ہم ایسا کرنے والے نہ تھے١٧.

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝١٨

بلکه (یہاں حقیقت حال ہی دوسری ہے) ہم حق سے باطل پر چوٹ لگاتے ہیں تو وہ باطل کا سر کچل ڈالتا ہے اور اچانك اسے فنا کر دیتا ہے. افسوس، تم پر! تم کیسی کیسی باتیں

کرتے ہو! ۱۸ .

۱۶ تا ۱۸ - آیت ۱۶ قرآن کے مہمات دلائل میں سے ہے ، لیکن ہمارے مفسرون کو اس پر حسب عادت غور کرنے کی مہلت نہ ملی . اس سے پہلے پچھلی قوموں کی ہلاکت اور ان کی جگہ نئی جماعتوں کے ابھرنے کا ذکر کیا تھا . فرمایا : یہ انقلاب حال کیوں پیدا ہوا ؟ آباد وخوش حال بستیاں کیوں کٹے ہوے کھیتوں کی طرح اجڑ گئیں ؟ زندگی اور حرکت کے بھڑکتے ہوے شعلے کیوں بجھ کے رہ گئے ؟ اس لیے کہ یہاں ہمارا ایك عالم گیر قانون کام کر رہا ہے ، یعنی حق و باطل کے تزاحم و کشا کش کا قانون .

ہم نے کائنات ہستی کا یہ پورا کارخانہ ایك فعل عبث کی طرح نہیں بنایا ہے . کسی طے شدہ مصلحت و مقصد ہی سے بنایا ہے . وہ مقصد کیا ہے ؟ یہ کہ کائنات ہستی پستی سے بلندی کی طرف برابر ترقی کرتی جائے ، یہاں تك کہ علو و رفعت کے اس انتہائی نقطے تك پہنچ جائے جو کارفرماے قدرت نے اس کے لیے ٹھیرا دیا ہے . اس مقصد کے لیے کونسا ہاتھ کام کر رہا ہے ؟ حق و باطل کی کشا کش کے قانون کا ہاتھ ، یعنی یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے =

کھیت کی طرح، بجھے ہوے انگاروں کی طرح !۱۵

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ ۱۶

اور (دیکھو!) هم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ھے، کچھ کھیل تماشا کرتے ہوے نہیں بنایا (بلکہ کسی مصلحت و مقصد سے بنایا ھے) ۱۶۔

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ ۱۷

اگر ھمیں کھیل تماشا بنانا منظور ہوتا تو (ھمیں اس سے کون روك سکتا تھا؟) هم خود اپنی جانب سے ایسا ھی کارخانہ بناتے، مگر هم ایسا کرنے والے نہ تھے۱۷۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝ ۱۸

بلکہ (یہاں حقیقت حال ھی دوسری ھے) هم حق سے باطل پر چوٹ لگاتے ھیں تو وہ باطل کا سر کچل ڈالتا ھے اور اچانك اسے فنا کر دیتا ھے۔ افسوس، تم پر! تم کیسی کیسی باتیں

کرتے ہو! ۱۸ .

۱۶ تا ۱۸ - آیت ۱۶ قرآن کے مہمات دلائل میں سے ہے ، لیکن ہمارے مفسرون کو اس پر حسب عادت غور کرنے کی مہلت نہ ملی . اس سے پہلے پچھلی قوموں کی ہلاکت اور ان کی جگہ نئی جماعتوں کے ابھرنے کا ذکر کیا تھا . فرمایا : یہ انقلاب حال کیوں پیدا ہوا ؟ آباد و خوش حال بستیاں کیوں کٹے ہوئے کھیتوں کی طرح اجڑ گئیں ؟ زندگی اور حرکت کے بھڑکتے ہوئے شعلے کیوں بجھ کے رہ گئے ؟ اس لیے کہ یہاں ہمارا ایک عالم گیر قانون کام کر رہا ہے ، یعنی حق و باطل کے تزاحم و کشاکش کا قانون .

ہم نے کائنات ہستی کا یہ پورا کارخانہ ایک فعل عبث کی طرح نہیں بنایا ہے . کسی طے شدہ مصلحت و مقصد ہی سے بنایا ہے . وہ مقصد کیا ہے ؟ یہ کہ کائنات ہستی پستی سے بلندی کی طرف برابر ترقی کرتی جائے ، یہاں تک کہ علو و رفعت کے اس انتہائی نقطے تک پہنچ جائے جو کارفرمائے قدرت نے اس کے لیے ٹھیرا دیا ہے . اس مقصد کے لیے کونسا ہاتھ کام کر رہا ہے ؟ حق و باطل کی کشاکش کے قانون کا ہاتھ ، یعنی یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے =

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں جو کوئی ہے اور
وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ	زمین میں جو کوئی ہے، سب
لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ	اسی کے لیے ہیں. جو (فرشتے)
وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ۚ ١٩	اس کے حضور ہیں وہ کبھو

گھمنڈ میں آ کر اس کی بندگی سے سرتابی نہیں کرتے، نہ کبھی (بندگی سے) تھکتے ہیں! ١٩.

اس لیے ہوتا ہے کہ حق باقی رہے اور باطل نابود ہو جائے. "حق" اس لیے باقی رہتا ہے کہ اسی سے بقا اور علو وارتفاع ہے. "باطل" اس لیے نابود ہو جاتا ہے کہ وہ نقص، فساد اور زوال ہے.

چنانچہ زندگی اور وجود کے ہر گوشے میں یہ کشاکش جاری ہے. فطرت "حق" کے ہتھیار سے "باطل" پر ضرب لگاتی ہے اور وہ ٹك نہیں سکتا، کیوں کہ "حق" کے مقابلے میں اس کے لیے ٹکنا نہیں. پھر اچانك ایسا ہوتا ہے کہ "باطل" ملیامیٹ ہو گیا اور میدان میں صرف "حق" ہی کی نمود باقی رہ گئی!

يُسَبِّحُونَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝۲۰

وہ رات دن اس کی پاکی کے ترانوں میں زمزمہ سنج رہتے ہیں، وہ کبھی تھکتے نہیں! ۲۰

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝۲۱

کیا ان لوگوں نے زمین (کی مخلوقات میں) سے ایسے معبود بنالیے ہیں جو مردوں کو زندہ کردیتے ہیں؟ ۲۱

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ج فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۲۲

اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا تو (ممکن نہ تھا کہ ان کا کارخانہ اس نظم و ہم آہنگی کے ساتھ چلتا) وہ یقیناً بگڑ کے برباد ہو جاتے! پس اللہ کے لیے کہ (جہاں بانی عالم کے) تخت کا مالک ہے، پاکی ہو، ان ساری باتوں سے پاکی ہو جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں ۲۲۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝۲۳

وہ جو کچھ بھی کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں،

اور سب (اس کے آگے جواب دہ ہیں، ان) سے باز پرس ہونی ہے! ۲۳

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ ۲۴

پھر کیا ان لوگوں نے اس کے سوا دوسرے معبود پکڑ رکھے ہیں؟ (اے پیغمبر!) تو ان سے کہہ دے: اگر ایسا ہی ہے تو بتلاؤ تمہاری دلیل کیا ہے؟ یہ ہے وہ کلام جو میرے ساتھیوں کے ہاتھ میں ہے (یعنی قرآن) اور جو مجھ سے پہلوں کے لیے اتر چکا ہے (یعنی پچھلی کتابیں. تم ان میں کوئی بات بھی میری دعوت کے خلاف نکال سکتے ہو؟). اصل یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثروں کو حقیقت کا پتا ہی نہیں! یہی وجہ ہے کہ وہ (سچائی سے) رخ پھیرے ہوئے ہیں ۲۴.

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس پر اس بات کی وحی

فَاعْبُدُوْنِ ۝ ۲۵ ہم نے نہ بھیجی ہو کہ "کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف میری ذات۔ پس چاہیے کہ میری ہی بندگی کرو!" ۲۵

۲٤ و ۲۵ - آیت ۲٤ پر ہمارے مفسروں نے زیادہ غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ لیکن تم سرسری نظر ڈال کے گزر نہ جاؤ۔ ایك لمحے کے لیے رك جاؤ۔ یہ استدلال وحدت ادیان کی اصل عظیم کا استدلال ہے جس پر قرآن نے اپنی دعوت کی تمام بنیادیں استوار کی ہیں۔ وہ کہتا ہے: یہ تعلیم حق ہے جو میرے ساتھیوں کے پاس ہے اور اسی طرح وہ تمام تعلیمیں بھی موجود ہیں جو مجھ سے پہلے دی جا چکی ہیں۔ تم کسی تعلیم سے بھی یہ بات ثابت کر دکھاؤ کہ سچائی کی بات وہ نہیں ہے جو میں پیش کر رہا ہوں! پھر اگر بغیر کسی اختلاف کے دنیا کے ہر عہد اور ہر گوشے کی دینی تعلیم ایك ہی رہی ہے اور سب نے توحید و خدا پرستی ہی کی طرف بلایا ہے تو کیا یہ عالم گیر وحدت تعلیم اور باہم دگر تصدیق و توثیق حقیقت کی موجودگی کا ایك قطعی ثبوت نہیں ہے؟ چنانچہ آیت ۲۵ میں وضاحت کر دی کہ دعوت قرآن سے پہلے جتنی دعوتیں بھی دنیا میں آ چکی ہیں —

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۙ ۲۶

اور (دیکھو!) انھوں نے کہا: ''خدائے رحمان نے اپنے لیے اولاد بنائی ہے''. پاکی ہو اس کے لیے. (یہ جنھیں اس کی اولاد بناتے ہیں وہ اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتے) بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں ۲۶ .

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۲۷

وہ اس کے آگے بڑھ کے بات نہیں کر سکتے، وہ اس کے حکم پر سر تا سر کار بند رہتے ہیں ۲۷ .

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ

جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ پیچھے چھوڑ آئے

= ان سب کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں رہی ہے کہ ''لا الہ الا انا فاعبدون''.

یہی بات آگے چل کر سورۂ احقاف میں بھی ملے گی: ''ایتونی بکتٰب من قبل ھٰذا او اثرۃ من علم ان کنتم صٰدقین'' (۴۶ : ۴). مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ مبحث وحدت ادیان دیکھو!

اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ	(یعنی ان کا ماضی بھی اور
خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ ۲۸	مستقبل بھی) سب اللہ جانتا ہے۔

ان کی مجال نہیں کہ کسی کو اپنی سفارش سے بخشوا لیں، مگر ہاں! جس کسی کی بخشش اللہ پسند فرمائے، اور وہ تو اس کی ہیبت سے خود ہی ڈرتے رہتے ہیں! ۲۸

وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ	اور ان میں سے اگر کوئی (اپنی
مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ	جرأت کر بیٹھے کہ) کہے:
جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي	" اللہ کے سوا میں معبود ہوں"
الظّٰلِمِيْنَ ۝ع ۲۹	تو اس کی پاداش میں ہم اسے

۳ ع ۲

جہنم کی سزا دیں۔ ہم اسی طرح ظلم کرنے والوں کو ان کے ظلم کا بدلا دیتے ہیں ۲۹

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا	جو لوگ منکر ہیں کیا انہوں
اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا	نے اس بات پر غور نہیں کیا
رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا	کہ آسمان اور زمین دونوں
مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ	(اپنی ابتدائی خلقت میں) ایک

اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ٣٠ دوسرے سے ملے ہوے تھے،

پھر ہم نے انہیں الگ الگ کیا اور پانی سے تمام جاندار چیزیں پیدا کردیں! پھر کیا یہ (اس بات پر) یقین نہیں رکھتے؟ ٣٠

وَجَعَلْنَا فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ ٣١

اور ہم نے زمین میں جمے ہوے (٨٧) پہاڑ بنا دیے کہ ایک طرف کو ان کے ساتھ جھک نہ پڑے، اور ہم نے

٣٠ - قرآن کا عام اسلوب موعظت یہ ہے کہ توحید ربوبیت و خالقیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے. چنانچہ آیت ٣٠ میں فرمایا: کیا منکرین حق اس بات پر غور نہیں کرتے کہ کس کی قدرت و حکمت نے یہ تمام کارخانۂ خلقت پیدا کیا ہے اور کس کی ربوبیت نے اسے زندگی اور زندگی کی ساری احتیاجوں کے لیے اس درجہ اوفق و اصلح بنا دیا ہے! اس طریق استدلال کی تشریح تفسیر فاتحہ میں ملے گی. تخلیق کائنات کی جو حالت یہاں بیان کی گئی ہے اس کی تشریح سورۂ یونس کے آخری نوٹ میں گزر چکی ہے۔

ان میں (یعنی پہاڑوں میں) ایسے درے (۸۸) بنا دیے کہ راستوں کا کام دیتے ہیں تاکہ لوگ اپنی منزل مقصود پا لیں ۳۱ ۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝۳۲

اور ہم نے آسمان کو ایک چھت کی طرح بنادیا (ہر طرح کے نقص اور خرابی سے) محفوظ، مگر یہ لوگ اس کی نشانیوں سے رخ پھیرے ہوئے ہیں ۳۲ ۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۳۳

اور (دیکھو!) وہی ہے جس نے رات اور دن کا اختلاف پیدا کیا اور سورج اور چاند بنائے ۔ یہ تمام (ستارے) اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں ۳۳ ۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝۳۴

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی (اور نہ

تیرے لیے ہمیشہ زندہ رہنا ہے). پھر اگر تجھے مرنا ہے تو کیا
یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ٣٤

٣٤ - جب انسان کسی کے بغض و عناد میں کھویا جاتا ہے تو پھر اپنی زندگی کا اتنا خواہش مند نہیں رہتا جتنا اس کی موت کا آرزو مند ہو جاتا ہے. دعوت حق کے معاندوں کا بھی یہی حال تھا. وہ پیغمبر اسلام کی موت کے خیال سے اپنا جی خوش کیا کرتے تھے اور کہتے تھے: اور تو کچھ ہونے والا نہیں، ہاں! اسی طرح دعوی کرتے کرتے ختم ہو جاؤ گے.

آیت ٣٤ میں منکروں کی انہیں خام خیالیوں کی طرف اشارہ کیا ہے. فرمایا: دنیا میں ہر جان کے لیے مرنا ہے، یہاں کسی کے لیے دائمی زندگی نہ ہوئی. پس اصلی سوال مرنے کا نہیں ہے، سوال تو یہ ہے کہ "نبلوکم بالشر و الخیر فتنة"، ہم نے آزمایش عمل میں ڈالنے کے لیے خیر و شر کی آزمایشیں پیدا کر دی ہیں. ان آزمایشوں سے کون کس طرح عہدہ برا ہوتا ہے؟ خیر کا سرمایہ جمع کرتا ہے یا شر کا؟ یہ تمھاری موت کے خیال سے اپنا جی خوش کرتے ہیں، مگر خود اپنی زندگی کی خبر نہیں لیتے!

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ ۳۵

ہر جان کے لیے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمہیں (زندگی کی) اچھی بری حالتوں کی آزمایش میں ڈالتے ہیں تاکہ تمہارے لیے (یعنی تمہاری سعی و طلب کے لیے) آزمایشیں ہوں اور پھر (بالآخر) تم سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے ۳۵۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ۳۶

اور (اے پیغمبر!) جب تجھے وہ لوگ دیکھتے ہیں جنہوں نے انکار حق کی راہ اختیار کی ہے تو (انہیں اور تو کچھ سوجھتا نہیں، بس) تجھے اپنی ہنسی ٹھٹھے کی بات بنا لیتے ہیں: ''کیا یہی وہ آدمی ہے جو ہمارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟'' اور ان کا حال یہ ہے کہ خدائے رحمان کے ذکر سے یک قلم منکر ہیں! ۳۶

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ ۳۷

آدمی کی سرشت ہی میں جلد بازی ہے (وہ مستقبل کا انتظار کرنا نہیں چاہتا)۔ اچھا! عن قریب تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھا دیں گے، اتنی جلدی نہ کرو ۱۳۷

۳۷ - قرآن نے جا بجا انسانی طبیعت کے اس خاصے کا ذکر کیا ہے۔ وہ اپنی خواہشوں، رایوں اور اقدام عمل میں جلد باز واقع ہوا ہے۔ یہاں بھی آیت ۳۷ میں اس طرف اشارہ کیا۔ فرمایا: جن نتائج کے ظہور کی خبر دی جا رہی ہے وہ عن قریب ظاہر ہونے والے ہیں، لیکن یہ منکر شور مچا رہے ہیں کہ فوراً ظاہر کیوں نہیں ہو جاتے! اچھا، تھوڑا سا انتظار اور کریں، بہت جلد سامنے آجائیں گے۔

اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر انسانی طبیعت میں جلد بازی ہے تو قرآن اس خاصے کی مذمت نہیں کرتا، کیوں کہ اس کے نزدیک فطرت انسانی کا کوئی خاصہ بھی فی نفسہ برائی کے لیے نہیں ہے: "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" (۹۵ : ٤)۔ ضروری تھا کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہوتی، کیوں کہ یہی =

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ۝ ۳۸

اور یہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ یہ وعدہ کب ظہور میں آئے گا؟ ۳۸

= جلد بازی ہے جو اس کے اندر سعی و عمل کا فوری ولولہ پیدا کرتی ہے اور اس کی ساری سرگرمیوں کے لیے ایک محرک کا کام دیتی ہے۔ لیکن خواص طبیعت کے ہر گوشے کی طرح یہاں بھی اسے ٹھوکر اصل خاصے کے تقاضے میں نہیں لگتی، بلکہ اس کے بے محل اور بے اعتدالانہ استعمال میں لگتی ہے۔ اسے جہاں صبر کرنا چاہیے وہاں بے صبری کرنے لگتا ہے اور جب فیصلہ کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے تو بے دھڑک فیصلہ کر دیتا ہے۔ پس قرآن انسان کی ہر گم راہی کی طرح اس گم راہی میں بھی سوء استعمال کی مذمت کرتا ہے، نہ کہ طبیعت اور خصوصی طبیعت کی۔

۳۸ - آیت ۳۸ سے ۴۷ تک مشرکین مکہ کو ان کی سرکشی و غفلت پر سرزنش کی ہے کہ سچائی کی نشانیاں دیکھتے تھے، بشارت و نذارت کے پیہم اعلانات سنتے تھے، مگر شرارت سے باز نہیں آتے تھے اور نصیحت پکڑنے کی جگہ اعلان حق کی ہنسی اڑاتے تھے۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ ٣٩

اگر یہ منکر اس گھڑی کا حال معلوم کر لیں جب آتش (عذاب بھڑکے گی اور اس) کے شعلے نہ تو اپنے آگے سے ہٹا سکیں گے، نہ پیچھے سے اور نہ کہیں سے مدد پائیں گے (تو کبھی اس شوخی و شرارت سے ظہور نتائج کا مطالبہ نہ کریں!) ٣٩.

بَلْ تَأْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ ٤٠

بلکہ وہ گھڑی تو ان پر اچانك آموجود ہوگی اور انہیں مبہوت کردے گی، پھر نہ تو اس وقت کو پھرا دے سکیں گے اور نہ ھی مہلت پائیں گے ٤٠.

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا

اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ تجھ سے پہلے بھی پیغمبروں کی ھنسی اڑائی

بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۴۱ جا چکی ہے ، لیکن اس کا نتیجہ ۳ ع ۳

یہی نکلا ہے کہ جس بات کی ہنسی اڑاتے تھے (یعنی ظہور نتائج کی) وہی بات ان پر چھا گئی! ۴۱

قُلۡ مَنۡ يَّكۡلَؤُكُمۡ بِالَّيۡلِ (اے پیغمبر!) ان سے پوچھو:

وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحۡمٰنِ ؕ رات کا وقت ہو یا دن کا

بَلۡ هُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّهِمۡ مگر کون ہے جو خدائے رحمان

مُّعۡرِضُوۡنَ ۴۲ سے تمہاری نگہبانی کرسکتا ہے

(اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے)؟ مگر (ان سے کیا پوچھو گے!) یہ تو اپنے پروردگار کی یاد سے بالکل رخ پھیرے ہوئے ہیں !۴۲

اَمۡ لَهُمۡ اٰلِهَةٌ تَمۡنَعُهُمۡ پھر کیا ان کے لیے معبود ہیں

مِّنۡ دُوۡنِنَا ؕ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ جو ہم سے انہیں بچا سکتے ہیں؟

نَصۡرَ اَنۡفُسِهِمۡ وَلَا هُمۡ (بھلا وہ کیا بچائیں گے!)

مِّنَّا يُصۡحَبُوۡنَ ۴۳ وہ خود اپنی مدد تو کر نہیں

سکتے اور نہ ہماری ہی طرف سے حفاظت پا سکتے ہیں !(۸۹) ۴۳

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۗ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ۴۴

اصل یہ ہے کہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو (فوائد زندگی سے) بہرہ ور ہونے کے موقعے دیے، یہاں تک کہ (خوش حالیوں کی سرشاری میں) ان کی بڑی بڑی عمریں گزر گئیں (اور اب غفلت ان کی رگ رگ میں رچ گئی ہے)۔ مگر کیا یہ لوگ نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو چاروں طرف سے ان پر تنگ کرتے ہوئے چلے آ رہے ہیں؟ پھر کیا وہ (اس مقابلے میں) غالب ہو رہے ہیں؟ ۴۴

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝ ۴۵

(اے پیغمبر!) کہہ دے: "میری پکار اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کی وحی سے علم پا کر تمہیں متنبہ کر رہا ہوں"

اور (یاد رکھ!) جو بہرے ہیں انہیں کتنا ہی خبردار کیا جائے

کبھی سننے والے نہیں ! ۴۵

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۰۴۶

اور اگر ان پر تیرے پروردگار کے عذاب کی ایک چھینٹ (۹۰) بھی پڑ جائے تو (ساری سرکشی و شرارت بھول جائیں اور) بے اختیار پکار اٹھیں : ہائے افسوس ! بلا شبہ ہم ہی ظلم کرنے والے تھے ! ۴۶

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۰۴۷

اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو کھڑے کر دیں گے، پس کسی جان کے ساتھ ذرا بھی نا انصافی نہ ہو گی۔ اگر رائی برابر بھی کسی کا عمل ہو گا تو ہم اسے وزن میں

۴۵ - آیت ۴۵ نے دعوت حق کی پوری حقیقت واضح کر دی ہے : ”میں تمہیں وحی الٰہی سے خبر پا کر متنبہ کر رہا ہوں، مگر جانتا ہوں جو بہرے ہیں انہیں کتنا ہی خبر دار کیا جائے، سننے والے نہیں“۔

لے آئیں گے۔ جب ہم (خود) حساب لینے والے ہوں تو پھر اس کے بعد کیا باقی رہا! ٤٧

٤٧ - آیت ٤٧ میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ فطرت کا ترازو بڑا ہی دقیقہ سنج ہے، ایک ذرہ بھی اس کی تول میں کم نہیں ہو سکتا. کوئی عمل کتنا ہی حقیر ہو، مثلاً تم نے کسی مصیبت زدہ پر ہمدردی کی ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال دی، راہ چلتے ایک پتھر ہٹا دیا، ایک پیاسی چیونٹی کے آگے پانی کا قطرہ ٹپکا دیا، مگر ضروری ہے کہ اس کے وزن میں آجائے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ رایگان جائے.

اور تم خود اپنی زندگی ہی میں دیکھ لو فطرت کے قانون مجازات کی دقائق اندیشیوں کا کیا حال ہے! تم نے ایک پل کے لیے کسی پر ہمدردی کی نظر ڈالی اور معاً تمہارے اندر حسن اخلاق کا ایک نقش جم گیا. تم نے کسی جانور پر بھی بے رحمی کی نگاہ ڈالی اور تمہارے آئینۂ اخلاق میں قساوت کا بال پڑ گیا۔ تمہاری کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی تمہیں بدلا دیے بغیر نہیں رہ سکتی اور بدلا ٹھیک ٹھیک نپا تلا ہوتا ہے، رائی برابر بھی ادھر ادھر نہیں!

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ ٤٨

اور (دیکھو!) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان (یعنی حق کو باطل سے الگ کر دینے والی قوت) اور (وحی الٰہی کی) روشنی اور متقیوں کے لیے نصیحت دی تھی ۴۸ ۔

---

۴۸ - آیت ۴۸ سے سلسلۂ بیان اس طرف متوجہ ہو گیا ہے کہ متذکرۂ صدر مقاصد پر گزشتہ دعوتوں اور قوموں کی سرگذشتوں سے استشہاد کیا جائے ۔ چنانچہ پہلے حضرت موسیٰ کی دعوت کی طرف اشارہ کیا جن کی کتاب و وحی کا حال عام طور پر معلوم و مسلم تھا ۔ فرمایا: اسی طرح قرآن کا بھی نزول ہوا ہے۔ پھر اگر یہ اس سے منکر ہیں تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ تمام سلسلۂ وحی و تنزیل سے منکر ہیں ۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم کی زندگی کا وہ ابتدائی واقعہ بیان کیا ہے جو ان کے وطن "اُور" میں پیش آیا تھا، جہاں سے ہجرت کرکے وہ کنعان آئے اور وہیں بقیہ عمر کے لیے بس گئے ۔

الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ۴۹

ان متقیوں کے لیے جو اپنے پروردگار کی ہستی سے بغیر اسے دیکھے ہوئے ڈرتے رہتے ہیں اور آنے والی گھڑی کے تصور سے بھی لرزاں رہتے ہیں ۴۹ .

وَهَذَا ذِكْرٌ مُبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ۵۰ ع ۴ رکوع

اور یہ (قرآن) بھی نصیحت ہے برکت والی، ہم نے اسے نازل کیا . پھر کیا تمھیں اس سے انکار ہے؟ ۵۰

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ۵۱

اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کے درجے کے مطابق (۹۱) سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی اور ہم اس کی حالت سے بے خبر نہ تھے ۵۱ .

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي

جب اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے لوگوں سے

اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۞ ۵۲ کہا تھا: یہ کیا مورتیاں ہیں
جن کی پوجا پر تم جم کر بیٹھ گئے ہو؟ ۵۲

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا تو انھوں نے جواب دیا تھا: ہم
عٰبِدِيْنَ ۞ ۵۳ نے اپنے باپ دادوں کو دیکھا
انہیں کی پوجا کرتے تھے ۵۳ ۔

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ ابراھیم نے کہا: یقین کرو
وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ ۵۴ تم خود بھی اور تمہارے باپ
دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے ۵۴ ۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اس پر انھوں نے کہا: تو ہم سے
اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۞ ۵۵ سچ مچ کہہ رہا ہے یا مزاح
کر رہا ہے؟ ۵۵

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ ابراھیم نے کہا: نہیں! (میں کہتا
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ ہوں) آسمان اور زمین کا

فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝٥٦
پروردگار جس نے ان سب کو پیدا کیا ، وهی تمهارا بھی پروردگار ھے. میں اس حقیقت پر تمهارے آگے گواہ هوں! ٥٦

وَتَاللّٰهِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝٥٧
اور (ابراهیم نے کہا:) بخدا! میں ضرور تمهارے ان بتوں کے ساتھ ایك چال چلوں گا جب تم سب پیٹھ پھیر کے چل دو گے ٥٧

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا کَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ۝٥٨
چنانچه (اس نے ایسا هی کیا) اس نے بتوں کو توڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، صرف ایك بت کو جو ان میں بڑا سمجھا جاتا تھا ، چھوڑ دیا که شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں ! ٥٨

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝٥٩
انهوں نے کہا: (یعنی جب لوگ معبد میں واپس آئے تو یه حال دیکھ کر کہنے لگے)

ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی؟ جس کسی
نے کی ہو، وہ بڑا ہی ظالم آدمی ہے! ۵۹

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝ۭ ٦٠
چند آدمیوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو ان کے بارے
میں کچھ کہتے سنا تھا، اسے ابراہیم کہہ کے پکارتے ہیں ۶۰ ۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓي اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝ ٦١
اوگوں نے کہا: اسے یہاں تمام آدمیوں کے سامنے بلا لاؤ
تا کہ سب گواہ رہیں ۶۱ ۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ۭ ٦٢
ان لوگوں نے ابراہیم سے کہا: (کیوں کہ اب اسے بلا لائے
تھے) ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی؟ ۶۲

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ڰ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔــلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ ٦٣
ابراہیم نے کہا: بلکہ (یوں سمجھو) اس بت نے کی جو ان
میں سب سے بڑا ہے۔ اگر بت
بول سکتے ہیں تو خود اسی سے دریافت کر لو! ۶۳

فَرَجَعُوٓا اِلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ فَقَالُوٓا اِنَّكُمۡ اَنۡتُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۙ ٦٤

تب وہ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے کہا: (۹۲) اس میں شک نہیں اصل میں مجرم تو خود ہمیں ہیں ٦٤۔

ثُمَّ نُكِسُوۡا عَلٰى رُءُوۡسِهِمۡ ۚ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا هٰٓؤُلَاۤءِ يَنۡطِقُوۡنَ ۝ ٦٥

پھر وہ اس حال میں پڑ گئے کہ (شرم و خجالت سے) سر جھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: تو اچھی طرح جانتا ہے یہ بت بات نہیں کیا کرتے ٦٥۔

قَالَ اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُكُمۡ شَيۡـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمۡ ؕ ٦٦

ابراہیم نے کہا: پھر تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو تمھیں نہ تو کسی طرح نفع پہنچائیں نہ نقصان! ٦٦

اُفٍّ لَّكُمۡ وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ

تمھاری حالت کتنی ناقابل برداشت ہے اور ان کی بھی جنہیں

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥ ۶۲ تم اللہ کے سوا پوجتے ہو! کیا
تم عقل سے بالکل کورے ہو گئے؟ ۶۷

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا انہوں نے (آپس میں) کہا:
اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ اگر ہم میں کچھ بھی ہمت ہے
فٰعِلِيْنَ ٥ ۶۸ تو آؤ اس آدمی کو آگ میں
ڈال کر جلا دیں اور اپنے معبودوں کا بول بالا کریں! ۶۸

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا (مگر) ہمارا حکم ہوا: اے
وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۙ ۶۹ آگ! ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم

---

۵۸ تا ۶۷ - حضرت ابراہیم نے جب دیکھا کہ بتوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں اس طرح جم گئی ہے کہ عقل و بصیرت کی کوئی صدا بھی اسے متزلزل نہیں کرسکتی تو اعلان حقیقت کے لیے انہوں نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا، ایسا طریقہ کہ تمام لوگوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ان کے معبود خود ان سے بھی زیادہ عاجز اور بے بس ہیں اور وہمی اور روایتی عقیدت کے سوا کوئی حقیقت موجود نہیں۔ تشریح اس کی سورت کے آخر میں ملے گی۔

کے لیے سلامتی! ۶۹

وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۚ ۷۰ اور (دیکھو!) انہوں نے چاہا تھا ابراھیم کے ساتھ ایک چال چلیں، لیکن ہم نے انہیں نامراد کر دیا ۷۰۔

وَ نَجَّيْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۞ ۷۱ ہم نے اسے اور (اس کے بھتیجے) لوط کو (دشمنوں سے) نجات دلا کر ایک ایسے ملک میں پہنچا دیا جسے قوموں کے لیے (بڑا ہی) بابرکت ملک بنایا ہے (یعنی سرزمین کنعان) ۷۱۔

---

۶۸ تا ۷۱ - جب لوگ اس مقابلے میں عاجز و درماندہ ہو گئے تو پھر جیسا کہ جہل و تعصب کا قاعدہ ہے، ظلم و تشدد پر اتر آئے۔ انہوں نے چاہا حضرت ابراھیم کو زندہ آگ میں جلا دیں، لیکن اللہ نے ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیے اور حضرت ابراھیم زندہ و سلامت وہاں سے نکل کر کنعان چلے گئے۔ ان کے ساتھ ان کے بھتیجے حضرت لوط بھی تھے۔ ان دونوں کے توطن کنعان کی تفصیل بضمن آیت ۶۹ سورۂ ھود میں گزر چکی ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ	اور (پھر) ہم نے اسے (ایک
نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا	فرزند) اسحاق عطا فرمایا اور
صٰلِحِيْنَ ۷۲	مزید برآں (پوتا) یعقوب۔ ان

سب کو ہم نے نیک کردار بنایا تھا ۷۲۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ	ہم نے انہیں (انسانوں کی)
بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ	پیشوائی دی تھی۔ ہمارے حکم
فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ	کے مطابق وہ راہ دکھاتے تھے۔
الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ	ہم نے ان پر وحی بھیجی کہ
وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۷۳	ہر طرح کی بھلائی کے کام انجام

دیں، نیز نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ وہ ہماری بندگی میں لگے رہتے تھے! ۷۳

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا	اور (اسی طرح) لوط کو بھی
وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ	ہم نے (احکام حق دینے کا)
الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ	منصب اور (نبوت کا) علم

اَلْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۙ ۷۴

عطا فرمایا. هم نے اسے اس بستی سے نجات دے دی جس کے باشندے بڑے هی گندے کام کیا کرتے تھے اور کچھ شك نهیں بڑے هی بد راه، حد سے گزرے هوے لوگ تھے ! ۷٤

وَ اَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۧ ۷۵

ع

(هم نے ان سے لوط کو نجات دی) اور اپنی رحمت کی پناه میں لے لیا. یقیناً وه نیك کردار انسانوں میں سے ایك انسان تها ۷۵ .

وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ۚ ۷۶

اور (اسی طرح) نوح (کا معامله بهی یاد کرو!) جو ان (نبیوں) سے پیشتر کا هے، جب اس نے همیں پکارا تها تو (دیکهو!) هم نے اس کی پکار سن لی اور اسے اور اس کے گهرانے کو ایك بڑی هی سختی سے نجات دے دی ۷٦ .

وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

نیز ان لوگوں کے مقابلے میں جو هماری نشانیاں جهٹلاتے تهے

قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۝۷۷

اس کی مدد کی۔ وہ بڑے ہی بد راہ لوگ تھے، بس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا ۷۷۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ اِذۡ يَحۡكُمٰنِ فِى الۡحَـرۡثِ اِذۡ نَفَشَتۡ فِيۡهِ غَنَمُ الۡقَوۡمِ‌ۚ وَكُنَّا لِحُكۡمِهِمۡ شٰهِدِيۡنَ ۝۷۸

اور داود اور سلیمان (کا معاملہ بھی یاد کرو!) جب وہ (ملک کے) کھیت میں کہ لوگوں کی بکریاں اس میں منتشر ہو گئی تھیں، حکم چلاتے تھے اور ہم ان کی حکم فرمائی دیکھ رہے تھے ۷۸۔

۷۸ - اگر ایک آدمی ایک طرف کھیت بوئے، دوسری طرف رات کو اپنی بکریاں بھی کھول دیا کرے تو کیا نتیجہ نکلے گا؟ یہی کہ ساری فصل تباہ ہو جائے گی۔ وہ جتنا چر سکیں گی چر لیں گی، جتنا روند سکیں گی روند جائیں گی۔

یہی حال یہودیوں کا تھا۔ وہ ایک طرف بناتے تھے، دوسری طرف خود اپنے ہی ہاتھوں اسے اجاڑ دیتے تھے۔ حضرت داود نے انہیں فلسطینیوں پر فتح مند کرایا اور تمام ملک ساحل بحر تک ان کے قبضے میں آ گیا۔ لیکن پھر بھی=

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ؗ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ ٧٩	پس ہم نے سلیمان کو اس بات کی پوری سمجھ دے دی۔ اور ہم نے حکم دینے کا منصب اور (نبوت کا) علم اُن میں سے

= ان میں نظم و اطاعت کی روح پیدا نہ ہوئی۔

البتہ حضرت سلیمان کے زمانے میں ایک نیا انقلاب رونما ہوا اور انہوں نے اپنی دانش و حکمت نبوت سے یہودیوں کی حالت ایسی پلٹ دی کہ ایک عظیم الشان عبرانی مملکت قائم ہو گئی۔

آیت ۷۸ میں اسی صورت حال کی طرف غالباً اشارہ کیا گیا ہے۔

آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "الحرث" سے مقصود کوئی خاص کھیتی ہو اور "غنم القوم" سے خاص گروہ کی بکریاں، یعنی کسی کا کھیت تھا اور کسی کی بکریاں اس میں جا پڑی تھیں۔ اس جھگڑے کا فیصلہ دونوں نے کیا: حضرت داود نے بھی اور حضرت سلیمان نے بھی، اور فیصلہ حضرت سلیمان کا زیادہ قوی اور اوفق تھا۔ مزید تشریح عام تفاسیر میں ملے گی۔

ہر ایك کو عطا فرمایا تھا ۔ نیز ہم نے پہاڑوں کو داود کے لیے مسخر کردیا تھا ، وہ اللہ کی پاکی کی صدائیں بلند کرتے تھے ، اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی ۔ اور ہم (ایسا ہی) کرنے والے تھے ۷۹ ۔

---

۷۹ - آیت ۷۹ میں "یسبحن" کے دو مطلب ہو سکتے ہیں : ایك وہ جو " ان من شیء الا یسبح بحمدہ " میں ہے ، دوسرا یہ کہ جب حضرت داود حمد الٰہی کے نغمے گاتے تھے تو سماں بندھ جاتا تھا اور چٹانیں تك وجد میں آجاتی تھیں (۹۳) ۔

حضرت داود بڑے ہی خوش آواز تھے ۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے عبرانی موسیقی مدون کی اور مصری اور بابلی مزامیر کو ترقی دے کر نئے نئے آلات ایجاد کیے ۔

تورات اور روایات یہود سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھ کر حمد الٰہی کے ترانے گاتے اور اپنا بربط بجاتے تو شجر حجر جھومنے لگتے ۔

روایات تفسیر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے ۔ پرندوں کی تسخیر کو بھی دونوں باتوں پر محمول کیا جاسکتا ہے : اس پر بھی کہ ہر طرح کے پرند ان کے محل میں جمع ہوگئے تھے اور اس پر بھی کہ ان کی نغمہ سرائیوں سے متاثر ہوتے تھے ۔ =

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ ٨٠

اور (دیکھو!) ہم نے داود کو تمھارے لیے زرہ بکتر بنانا سکھادیا کہ تمھیں ایک دوسرے کی زد سے بچائے. پھر کیا تم (ہماری بخششوں کے) شکر گزار ہو؟ ٨٠

= کتاب زبور در اصل ان گیتوں کا مجموعہ ہے جو حضرت داود نے الہام الٰہی سے نظم کی تھیں .

٨٠ - جس وقت تک آتشیں اسلحہ ایجاد نہیں ہوے تھے جنگ میں حفاظت کا بڑا ذریعہ آہنی لباس کا استعمال تھا، یعنی زرہ کا . آیت ٨٠ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داود نے اس صنعت کو بہت فروغ دیا تھا اور اس میں طرح طرح کی نئی ایجادات کی تھیں . تاریخی آثار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے: ایک ہزار سال قبل مسیح تک زرہ کا استعمال قوموں میں دکھائی نہیں دیتا، لیکن اس کے بعد سے خود کا استعمال شروع ہو جاتا ہے اور پھر دوسری چیزیں بھی مستعمل ہونے لگتی ہیں، یہاں تک کہ سکندر کے عہد میں یونانی اور ایرانی دونوں سرتاپا آہن پوش ہو گئے تھے .

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۸۱	اور (دیکھو!) ہم نے (سمندر کی) تند ہواؤں کو بھی سلیمان کے لیے کیسا مسخر کردیا تھا کہ اس کے حکم پر چلتی تھیں

اور اس سرزمین کے رخ پر جس میں ہم نے بڑی ہی برکت رکھ دی ہے (یعنی فلسطین اور شام کے رخ پر جہاں بحر احمر اور متوسط سے دور دور کے جہاز آتے تھے). اور ہم ساری باتوں کی آگاہی رکھتے ہیں ۸۱ .

۸۱ — آیت ۸۱ میں فرمایا: "ہم نے سمندر کی باد تند سلیمان کے لیے مسخر کردی تھی". یعنی بادبانی کے بڑے بڑے جہاز چلنے لگے تھے اور خشکی کے جانوروں کی طرح سمندر کی ہوائیں بھی ان کے لیے بار برداری اور نقل و حرکت کا ذریعہ ہوگئی تھیں

سمندر کی ہواؤں کا معاملہ بھی قدرت کے عجائب مظاہر میں سے ہے . جس وقت تك دخانی قوت کا انکشاف نہیں ہوا تھا بحری سیر و سیاحت کا ذریعہ یہی ہوائیں تھیں. یہ مختلف جہتوں میں چلتی ہیں اور مختلف وقتوں میں چلتی ہیں اور ان کی جہتیں اور اوقات اس درجہ معین اور

= منضبط ہیں کہ کبھی ان میں فرق نہیں پڑسکتا۔ پھر ان کی تندی و طاقت کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے جہازوں کو تنکوں کی طرح سطح سمندر پر دوڑاتے ہوئے لے جاتی ہیں .

قدیم عہدوں میں حضرت سلیمان پہلے شخص ہیں جنھوں نے جہازوں سے اس طرح کام لینا شروع کیا کہ ہندوستان اور مغربی جزائر تک بحری آمد و رفت کا منظم سلسلہ قائم ہوگیا . تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تجارتی بیڑا وقت کا سب سے زیادہ طاقتور بیڑا تھا۔ بحر احمر میں اس کا مرکز ''ترسیس''(Tarshish) تھا جو خلیج عقبہ میں واقع تھا، اور بحر متوسط میں صور (=ٹائر_Tyre) یافہ کی بندرگاہیں .

فلسطین کا علاقہ ایسے گوشے میں واقع ہوا ہے کہ اس کے مغرب و شمال میں بحر متوسط ہے اور جنوب میں بحر احمر۔ پس ایسے متضاد سمتوں کی ہوائیں چاہییں، تاکہ دنیا کے جہاز اس کے ساحلوں تک پہنچ سکیں، یعنی بحر احمر میں شمالی ہوا اور متوسط میں جنوبی اور مشرقی۔ اور اگرچہ دونوں سمندروں کا باہمی فاصلہ کچھ زیادہ نہیں، لیکن قدرت الٰہی نے ان کی ہواؤں کی سمتیں ایسی ہی رکھ دی ہیں. بیک وقت بحر احمر میں بادشمال کے جھونکے چلتے ہیں=

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۙ ۸۲

اور شیطانوں میں سے ایسے شیطان جو اس کے لیے غوطے لگاتے اور اس کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے کام کرتے اور ہم انہیں پاسبانی میں لیے ہوئے تھے ۸۲ ۔

=اور متوسط میں باد جنوب کے اور دونوں یکساں طور پر سواحل شام وفلسطین کے لیے مفید ہیں ۔

اس تفصیل کے بعد " الی الارض التی برکنا فیہا " کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے ۔

۸۲ – قرآن میں شیطان کا اطلاق شیاطین الجن پر بھی ہوا ہے اور شیاطین الانس پر بھی، مثلاً " انما ذٰلکم الشیطٰن یخوف اولیآءہ " (۳ : ۱۷۵) میں شیطان سے مقصود قریش مکہ کا بھیجا ہوا جاسوس ہے، یا " و اذ زین لھم الشیطٰن اعمالھم (۸ : ۴۸) میں شیطان کا اطلاق سراقہ بن مالک بن جعشم پر کیا گیا جو قریش کو لڑائی پر ابھارتا تھا مگر پھر بھاگ گیا ۔

پس یہاں آیت ۸۲ میں بھی معلوم ہوتا ہے شیاطین کا =

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۸۳

اور ایوب (کا بھی معاملہ یاد کرو) جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا: میں دکھ میں پڑ گیا ہوں اور خدایا! تجھ سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں! ۸۳

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۸۴

پس ہم نے اس کی پکار سن لی اور جس دکھ میں پڑ گیا تھا وہ دور کر دیا. ہم نے اس کا گھرانا (پھر سے) بسا دیا اور اس کے ساتھ ویسے ھی (عزیز و اقارب) اور بھی دیے. یہ ہماری طرف سے اس کے لیے رحمت تھی. اور یہ نصیحت ہے ان کے لیے جو اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں ۸۴.

= اطلاق شیاطین الانس ھی پر ہوا ہے ؛ یعنی فلسطین اور شام کی ان شریر اور سرکش قوموں پر جو حضرت سلیمان کے عہد میں بالکل مطیع و منقاد ہو گئی تھیں اور انہوں نے =

= هیکل کی تعمیر میں تیرہ برس تك ہر طرح کی سخت سخت خدمتیں انجام دی تھیں .

هیکل کی بنیاد حضرت داود نے ڈال دی تھی ، لیکن تعمیر حضرت سلیمان نے کی. تورات کی کتاب سلاطین اول سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس ہزار آدمی تیرہ برس تك کام میں لگے رہے، تب کہیں جا کر عمارت تیار ہوئی تھی (٥ : ١٣).

۸۳ و ۸٤ - عہد عتیق میں ایوب کے نام سے ایك صحیفہ ہے اور اس میں اس نام کے ایك راست باز اور صابر انسان کی سرگذشت لکھی ہے . آیت ۸۳ میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے .

سرگذشت کا خلاصہ یہ ہے کہ عوض(Uz) کے ملك میں ایوب ایكؔ کامل اور راست باز انسان تھا . خدا نے اسے بڑا خاندان اور بڑی دولت دے رکھی تھی . اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں . سات ہزار بھیڑیں، تین ہزار اونٹ، ایك ہزار بیل اور پانچ سو باربرداری گدھے تھے . اس کے نوکر چاکر بھی بے شمار تھے اور اہل مشرق میں اس درجہ مال دار کوئی نہ تھا . وہ اس دولت و شوکت کے لیے خداوند کا شکر گزار تھا اور ہمیشہ بدی سے دور رہتا تھا . =

=لیکن پھر زندگی کی ساری مصیبتیں ان پر آپڑیں. ان کے مویشی لوٹ لیے گئے، نوکر چاکر قتل ہو گئے، اولاد مر گئی، جاہ و حشم نابود ہو گیا اور زندگی کی خوش حالیوں میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہی۔ پھر بربادیوں کے تمام زخم ایک ایک کرکے نہیں لگے کہ سنبھلنے اور جھیلنے کی مہلت ملی ہو، بیک وقت لگے اور اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی.

لیکن عین اس حالت میں بھی حضرت ایوب کی زبان سے کلمۂ صبر وشکر کے سوا اور کچھ نہیں نکلا: وہ سجدے میں گر پڑا اور کہا: میں اپنی ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا ہوا تھا اور برہنہ ہی دنیا سے جاؤں گا. خداوند نے مجھے دیا تھا اور خداوند نے اسے لیا. اس کے نام کے لیے ساری پاکیاں اور مبارکیاں ہوں! (ایوب ۱: ۲۱).

سب کچھ جاچکا تھا، صرف جسم کی تندرستی باقی رہ گئی تھی۔ اب اس نے بھی جواب دے دیا اور ایوب کے تلوے سے لے کے سر کی چاند (چندیا ـ م) تک سارے جسم میں جلتے ہوئے پھوڑے نکل آئے۔ وہ ایک ٹھیکرا لے کر اپنا جسم کھجاتا اور راکھ پر بیٹھا رہتا (۲: ۷و۸).

لیکن اس پر بھی ان کی زبان ایک لمحے کے لیے شکوہ =

=وشکایت سے آلودہ نہ ہوئی ۔

اب درد و مصیبت کی یہ حالت برابر بڑھتی ہی جاتی ہے، لیکن جوں جوں بڑھتی جاتی ہے روح کا یقین، دل کا صبر اور زبان کا زمزمۂ شکر بھی بڑھتا جاتا ہے ۔ چنانچہ تمام صحیفۂ ایوب انہیں دل نشین مواعظ کا مجموعہ ہے جو ان کے درد و غم کی آہوں اور کرب و اذیت کی صداؤں کے اندر نمایاں ہوئے۔ ان کی ہر آہ حمد و ثنا کا نغمہ تھی اور ہر پکار صبر وشکر کی تلقین ۔

اسلوب بیان یہ ہے کہ تین دوست مصیبت کا حال سن کر آتے ہیں اور اللہ کے کاموں اور حکمتوں پر ان سے رد وکد کرتے ہیں ۔ پھر اللہ کی وحی انہیں مخاطب کرتی ہے اور ان کی آزمایش کا دور ختم ہوجاتا ہے: اور خداوند نے ایوب کی حالت بدل دی۔ اسے پہلے کی نسبت دو چند دولت عنایت کی ۔ اس کے تمام عزیزوں کو اس کے گرد جمع کر دیا۔ اسے آخری عمر میں پہلے کی طرح اولاد ملی ۔ وہ ایک سو چالیس برس تک جیا اور اپنی نسل کی چار پشتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں (۴۲ : ۱۰) ۔

اس بات کے اظہار کے لیے کہ یہ حضرت ایوب کے لیے ایک آزمایش تھی ، پیرایۂ بیان یہ اختیار کیا گیا ہے کہ=

= شیطان نے کہا: ایوب کی خدا پرستی و راست بازی اس لیے ہوئی کہ خدا نے اسے ہر طرح کی خوش حالیاں دے رکھی ہیں۔ اگر وہ ان سے محروم ہو جائے تو پھر کبھی خدا کا شکر گزار نہ ہو۔ لیکن وہ خوش حالیوں سے محروم ہو گئے، پھر بھی ان کا ایمان و یقین گھٹنے کی جگہ اور زیادہ بڑھ گیا۔

قرآن نے صبر و شکر کی یہ پوری داستان یہاں صرف چند جملوں میں بیان کر دی ہے اور اس کا ایجاز بلاغت اتنا ہی مؤثر ہے جتنا صحیفۂ ایوب کے پچاس صفحوں کا شاعرانہ اطناب ہے۔

آیت ۸۳ اور ۸۴ پر مکرر نظر ڈالو "و ایوب اذ نادیٰ ربہ انی مسنی الضر و انت ارحم الرحمین * فاستجبنا لہ فکشفنا ما بہ من ضر و آتینہ اھلہ و مثلھم معھم رحمۃ من عندنا و ذکریٰ للعبدین"!

حضرت ایوب کی دعا اور

"انی مسنی الضر" میں ان کے درد و مصیبت کی ساری داستان آ گئی، کوئی گوشہ بھی نہیں چھوٹا۔ ساتھ ہی اسلوب خطاب یہ ہوا کہ "میں دکھ میں پڑ گیا ہوں" یہ نہ ہوا کہ "تو نے مجھے دکھ میں ڈال دیا ہے"، کیوں کہ وہ تو کسی کو بھی دکھ میں نہیں ڈالتا۔ اس نے جو کچھ بھی بخشا ہے سر تا سر سکھ اور راحت ہی ہے۔ جو حالت بھی =

=ہمارے لیے دکھ ہو جاتی ہے خود ہماری صورت حال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے مخاطبات میں ہر جگہ یہ حقیقت نمایاں ہوئی: حضرت آدم نے کہا: ''ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین'' (۷: ۲۳)، خدایا! ظلم ہم نے کیا اور مغفرت کی طلب گاری تجھ سے ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کی موعظت سورۂ شعراء میں آئی کی ''و اذا مرضت فھو یشفین'' (۲۶: ۸۰)، جب میں بیمار پڑجاتا ہوں تو وہی ہے جو شفا دیتا ہے یعنی بیماری میں پڑنا میری حالت ہوئی، شفا دینا اس کا کام ہوا، کیوں کہ اس کے پاس جو کچھ ہے شفا ہی شفا ہے۔ اس کی رحمت نے دار الشفاء بنایا ہے، بیماریاں بانٹنے کا کوئی گھر نہیں بنایا ہے: وما احسن قول الشاعر العارف:

کفر ہم نسبت بخالق حکمت است
چوں بما نسبت کنی کفر آفت است

اور یہی وجہ ہے کہ فرمایا: ''تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدك الخیر'' (۳: ۲۶)۔ تو جسے چاہے عزت دے دے، جسے چاہے ذلیل کر دے۔ ہر طرح کا ''خیر'' تیرے ہی ہاتھ ہے۔ یعنی جسے عزت ملی وہ بھی خیر کی بات ہوئی، جسے ذلت ملی وہ بھی خیر کی بات ہوئی، حالانکہ جسے=

= ذلت ملی اس کے لیے تو ''شر'' ہی کی بات ہوئی، ''خیر'' کی بات نہیں ہوئی، لیکن قرآن کہتا ہے: اس کے لیے اور اس کی اضافت سے ''شر'' کی بات ہوئی، فی الحقیقت شر کی بات نہ ہوئی، کیوں کہ خدا جو کچھ کرتا ہے خیر ہی خیر ہے، شر کا یہاں گزر ہی نہیں۔ یہ ہم ہیں اور ہماری حالت ہے جو ''شر'' کا جامہ پہن لیا کرتی ہے:

ہرچہ ہست از قامت ناساز و بی اندام ما است

ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

مسلم کی حدیث ابو ذر میں یہی حقیقت واضح کی گئی ہے: ''یا عبادی! انما ہی اعمالکم احصیہالکم ثم اوفیکم ایاہا۔ فمن وجد خیرا فلیحمد اللہ و من وجد غیر ذالک فلا یلومن الا نفسہ''، اے میرے بندو! یہ تمھارے اعمال ہی ہیں جنھیں میں تمھارے لیے ضبط کرتا ہوں اور پھر ان کے نتائج پورے پورے لوٹا دیتا ہوں۔ پس تم میں سے جو کوئی خیر پائے تو اللہ کی ستایش کرے اور جس کسی شخص کو کوئی دوسری حالت پیش آجائے تو اور کسی کا شکوہ نہ کرے، خود اپنے نفس کو ملامت کرے۔

اس کے بعد کہا: ''و انت ارحم الرّٰحمین'' اور غور کرو! اس ایک جملے میں سفر ایوب کے کتنے صفحے آگئے! =

=اس میں حمد و ثنا بھی آ گئی، صبر و شکر کا دامن بھی نہیں چھوٹا، طلب و الحاح کا ھاتھ بھی دراز ھو گیا اور عجز و نیاز کی پیشانی بھی بندگی و تذلل کی زمین پر پڑ گئی: خدایا! میں دکھی ھوں اور تجھ سے بڑھ کر کون ھے جو رحم کرنے والا ھو، طوبیٰ لعبد تکون مولاہ!

اگر ایک فقیر بادشاہ سے کہے: "میں محتاج ھوں اور تجھ سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں" تو پھر اس کے بعد اور کیا رہ گیا جو اس نے نہیں کہا اور کیوں اس سے زیادہ اس کی زبان سے کچھ نکلے؟ بلا شبہ یہ عرض حال ھے، طلب و سوال نہیں، لیکن:

در حضرت کریم تقاضا چہ حاجت است

آیت ۸۴ کی جامعیت

اس کے بعد صرف ایک آیت کے اندر پوری سرگذشت اور اس کا ماحصل بیان کر دیا۔ غور کرو! کس طرح یہ آیت ایک پورے صحیفے کا کام دے رہی ھے اور کس طرح اس کا ھر جملہ اپنی جگہ ایک پورا باب ھے!

(ا) "فاستجبنا لہ" ھم نے اس کی پکار سن لی، یعنی وحی الٰہی کی وہ اجابت جو سفر ایوب کے چار بابوں میں بیان کی گئی ھے ۳۸۰ سے ۴۱ تک۔

(ب) "فکشفنا ما بہ من ضر" پس درد و مصیبت میں سے جو کچھ اسے پیش آیا تھا سب ھم نے دور کر دیا۔ اس میں=

=وہ ساری مصیبتیں آ گئیں جن کی تفصیلات دو بابوں میں آئی ہیں ۔

(ج) "وآتینٰه اھله" اس کا گھرانا اسے دے دیا. "دے دیا"، اس سے کھویا گیا تھا پھر اسے واپس مل گیا ۔ اس اشارے نے خاندانی مصیبت اور تفرقے کی ساری داستان بتلا دی ۔

(د) "و مثلھم معھم" اتنا ھی اور بھی ۔ یعنی گھر بار کا جمگھٹا پہلے سے دو چند کر دیا ۔

(ہ) لیکن یہ سب کچھ کیوں ھوا اور اس سرگذشت کا ماحصل کیا ہے ؟ "رحمةً من عندنا" یہ ھماری طرف سے رحمت کا ظہور تھا، کیوں کہ رحمت کو پکارا گیا تھا "وانت ارحم الرّٰحمین"، پس ضروری تھا کہ رحمت جواب دے ۔

(و) "و ذکرٰی للعٰبدین"، اور اس لیے کہ بندگی کرنے والوں کے لیے اس میں نصیحت ھو ۔ یعنی یہ حقیقت آشکارا ھو جائے کہ جو عبادت گزاران حق ھیں وہ کبھی رحمت الٰہی کی بخششوں سے محروم نہیں رہ سکتے !

قرآن کے قصص اور اشارات قصص کا یہی حال ہے ۔ ترجمان القرآن میں اس کی گنجایش نہیں نکل سکتی تھی کہ ھر مقام کی تفسیر اس تفصیل کے ساتھ کی جائے ۔ پس صرف اس مقام کی تفسیر کر دی گئی، تا کہ اھل نظر کے لیے =

= ایک نمونے کا کام دے اور تمام مقامات کا مطالعہ اسی روشنی میں کر سکیں ۔

اس سلسلے میں چار باتیں اور یاد رکھنی چاہیں :

حضرت ایوب عرب تھے

اولاً ۔ محققین تورات میں سے اکثر اس طرف گئے ہیں کہ حضرت ایوب عرب تھے، عرب میں ظاہر ہوئے تھے اور سفر ایوب اصلاً قدیم عربی میں لکھی گئی تھی، حضرت موسیٰ نے اسے قدیم عربی سے عبرانی میں منتقل کیا ۔

سفر ایوب میں ہے کہ وہ ''عوض''(Uz) کے ملک میں رہتے تھے۔ اور آگے چل کر تصریح کی ہے کہ ان کے مویشی پر شیبا (سبا) کے لوگوں (Sabeans) نے اور کسدیوں (Chaldeans) (بابلیوں) نے حملہ کیا تھا (۱ : ۱ و ۱۵ تا ۱۸). ان دونوں تصریحوں سے بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے ، کیوں کہ کتاب پیدایش اور تواریخ اول میں '' عوض '' کو ارم بن سام بن نوح کا بیٹا کہا ہے اور '' آرامی '' بالاتفاق عرب عاربہ کی ابتدائی جماعتوں میں سے ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر تک یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی ، لیکن اب اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا ہے ۔

پھر اس مقام کا ایسی جگہ ہونا جہاں سبا اور بابل کے باشندے آکر حملہ آور ہوتے تھے ایک مزید جغرافیائی روشنی ہے، کیوں کہ ایسا مقام بجز عرب کے اور کوئی=

= نہیں ہو سکتا۔ یقیناً یہ عرب کا ڑھی مقام ہوگا (۹۴) جو آگے چل کر قبیلۂ مدین کی بستی بنا، یعنی خلیج عقبہ کا مشرق ساحل۔

بالاتفاق یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ تورات میں سب سے زیادہ قدیم صحیفہ یہی ہے اور حضرت ایوب کا زمانہ حضرت موسیٰ سے بہت پہلے تھا۔ لیکن اگر ''یوباب'' (Jobab) سے مقصود ''ایوب'' ہیں تو انہیں حضرت ابراہیم کا معاصر ہونا چاہیے یا کم از کم حضرت اسحاق اور یعقوب کا۔

ثانیاً – سفر ایوب کا ایک ایک جملہ کہہ رہا ہے کہ میں شعر ہوں، نثر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے محققین تورات نے اسے بھی امثال اور زبور کی طرح اصلاً کتاب منظوم ہی قرار دیا ہے۔ بلاغت کلام، شعریت بیان اور بلندی اسلوب کے لحاظ سے یہ اس درجے کی کتاب ہے کہ عہد عتیق کا کوئی صحیفہ، امثال و زبور مستثنیٰ کر دینے کے بعد، اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سفر ایوب منظوم کتاب ہے

ثالثاً – معلوم ہو گیا کہ عربی علم ادب کی تاریخ اس عہد سے بہت پہلے شروع ہو جاتی ہے جو عہد عام طور پر سمجھ لیا گیا تھا، کیوں کہ اگر حضرت موسیٰ سے پہلے سفر ایوب جیسی نظم عربی میں لکھی جا سکتی تھی تو یقیناً =

عربی علم ادب کی قدامت

= عبرانی علم ادب کے نشو و نما سے صدہا سال پہلے عربی علم ادب پوری طرح ترقی یافتہ ہو چکا تھا۔ بلا شبہ سفر ایوب کی عربی وہ عربی نہ ہوگی جو نزول قرآن کے وقت بولی جاتی تھی۔ یقیناً عربی کی کوئی ابتدائی شکل ہوگی جس کی اخوات ہیں آرامی، کلدانی اور آشوری کتبات کے الفاظ و اسماء میں نظر آرہی ہیں اور قدیم مصری بھی اس کی جھلك سے خالی نہیں۔ تاہم وہ عربی زبان ہی ہوگی اور اسی عربی نے موجودہ عربی کے تمام عناصر و مواد بہم پہنچائے ہوں گے۔

اصل یہ ہے کہ عہد جاہلیت کی عربی اگرچہ صحرائیوں کی عربی تھی، لیکن زبان کی نوعیت بول رہی ہے کہ یہ صحرائی قبائل کی پروردہ نہیں ہو سکتی۔ اتنی وسیع، اتنی ہمہ گیر، اتنی دقیقہ سنج، اس درجہ متمول زبان ضروری ہے کہ صدیوں کی متوارث اور مسلسل ادبی زندگی سے ظہور پذیر ہوئی ہو۔ جو زبان قرآن کے معانی و دقائق کی متحمل ہو کئی کیوں کر ممکن ہے کہ اسے غیر متمدن قبائل کی ایك بدوی زبان تسلیم کر لیا جائے؟ اتنا ہی نہیں، بلکہ وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے جس عربی میں امرؤ القیس نے اشعار کہے ہیں اس عربی کی لغوی تاریخ اس سے بہت زیادہ قدیم اور زیادہ متمدن ہونی چاہیے جتنی =

= اس وقت تك سمجهی گئی هے

جدید اثری انکشافات اور عربی کی قدامت

گزشته صدی تك عربی کی لغوی تاریخ کا یه مسئله ایك لا ینحل مسئله سمجها جاتا تها، حتی که بعض محققین نے مجبور هوکر یه راے قائم کرلی تهی که زبانوں کی تخلیق اور نشو ونما کا اسے ایك فوری تحول تسلیم کر لینا چاهیے. لیکن اب اثری تحقیقات کے آخرین مواد نے بحث و تعلیل کا ایك نیا میدان پیدا کر دیا هے اور عربی نسل اور عربی زبان کی تاریخ بالکل ایك نئی شکل میں نمودار هو رهی هے. یه زبان جس پر زندگی و خلود کی آخری مهر قرآن نے لگائی، دراصل مدنی نشو ونما کے اتنے مرحلوں سے گزر چکی هے که دنیا کی کوئی زبان بهی اس وصف میں اس کی شریك نهیں. سمیری اور اکادی اقوام کا تمدن، نینوا اور بابل کی علمی کامرانیاں. قدیم مصری لغات کا عمرانی سرمایه، آرامی زبان کا عروج و احاطه، کلدانی اور سریانی کا ادبی تمول دراصل ایك هی زبان کی لغوی تشکیل و تکمیل کے مختلف مرحلے تهے اور اسی نے آگے چل کر چوتهی صدی کی عربی کا بهیس اختیار کیا. جو زبان حضارت و تمدن کی اتنی بهٹیوں میں سے پك کر نکلی هو، ظاهر هے که اس کے اسماء و مصادر کسی مفلس اور خام زبان کے اسماء و مصادر نهیں هو سکتے. =

ثبوت "اجراء" کا انکشاف اور عربی کتبہ

= آج ہم تعجب کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ ظہور مسیح سے آٹھ نو سو برس پہلے آشوری اور بابلی زبان میں طبق، ملك، شمس، سماء، فلك، نجم، ارض وغیرہ الفاظ ٹھیك ٹھیك انہیں معنوں میں مستعمل تھے جن معنوں میں آج مستعمل ہیں! اتنا ہی نہیں، بلکہ سنہ ۱۹۲۳ء کے ایك جدید انکشاف نے تو ہمیں تیرہ سو برس قبل مسیح تك پیچھے ہٹا دیا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زبان کے ابتدائی مواد نے ایك کتابی اور ادبی زبان کی حیثیت حاصل کرلی ہے اور اس میں نہ صرف موجودہ اسماء و مصادر ہی پائے جاتے ہیں، بلکہ بعض حروف نحویہ (۹۵) تك موجود ہیں۔ مثلاً حرف عطف وہی "و" ہے اور اپنی ابتدائی فینیقی شکل Y میں لکھا جارہا ہے۔ الف لام بدستور حرف تعریف ہے اور ہر اسم کے پہلے اپنی نمود رکھتا ہے، مثلاً الملك، الجبل۔ "ذی" (بمعنی ذو، ذوالجلال وذوالقرنین) ہرجگہ نمودار ہے۔ اسم اشارہ وہی "ھو" (؟) ہے "علی" اسی معنی میں مستعمل ہے جس میں اب مستعمل ہوتا ہے۔ نیز ملك (۹۶)، فعل، طمع، محن، فتح، محو، ٹھیك انہیں معنوں میں بولے گئے ہیں جو بعد کو لغت قریش میں بولے گئے۔ =

=عربی کا یہ کتبہ ایك تابوت پر منقش ہے. اس میں
"احیرام" ملك بیبلس (Byblus) کی نعش رکھی گئی تھی اور
اس کے بیٹے "توبعل" (Thubaal) کے حکم سے تیار ہوا تھا.
"احیرام" کا نام تورات میں بھی آیا ہے(٩٧) اور تاریخی
حیثیت سے اس کا زمانہ بالاتفاق سنہ ١٢٥٠ قبل مسیح ہے.
کتبہ کا خط وہی ابتدائی عربی خط ہے جسے عام طور پر
فینیقی خط کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جس نے آگے
چل کر آرامی، سریانی اور نبطی خطوط کی شکلیں
اختیار کی ہیں (٩٨).

اس انکشاف نے تاریخ کے متعدد گوشوں کے لیے
بحث و نظر کے نئے نئے چراغ روشن کر دیے. ازانجملہ
یہ کہ معلوم ہو گیا تورات کے نزول اور کتب خانۂ بابل کی
الواح سے بھی پہلے عربی زبان کے مواد و مصادر نے ایك
مکتوب و مرسوم زبان کی نوعیت اختیار کر لی تھی. یعنی
اس درجے تك پہنچ چکی تھی کہ اس میں اعلانات و فرامین
لکھے جاتے تھے، محض بول چال ہی کی زبان نہ تھی
نیز یہ کہ اگر سنہ ١٢٥٠ قبل مسیح عربی زبان کی ایك ابتدائی
شکل کا یہ حال تھا تو یہ بات کیوں عجیب سمجھی جائے کہ
حضرت موسیٰ سے پہلے حضرت ایوب نے عربی میں کوئی
منظوم صحیفہ لکھا تھا اور شریعت حمورابی (Hammurabi)
بھی اصلاً عربی کی کتابت ہے. =

قرآن کا عربی میں نزول

= علاوہ بریں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن کا عربی زبان میں نازل ہونا اور جابجا اس بات پر زور دینا کہ " انا انزلنٰه قرءٰنا عربیا " (۱۲ : ۲)، ہم نے قرآن کسی اور زبان میں نازل نہیں کیا ، عربی میں نازل کیا ، صرف اتنے ہی معنی نہیں رکھتا جس قدر اس وقت تک سمجھے گئے ہیں، بلکہ ایک بہت زیادہ وسیع اور گہری حقیقت اس میں مضمر ہے. تفصیل اس مقام کی مقدمے میں ملے گی.

دنیا کی قدیم ترین نظم سفر ایوب ہے

رابعاً – اگر سفر ایوب کی یہ نوعیت تسلیم کرلی جائے تو مان لینا پڑے گا کہ شعر وادب کا سب سے قدیم نمونہ بھی ہے جو اس وقت تک ہماری معلومات میں آیا ہے . اور اگر قدامت کے اعتبار سے دنیا کی کوئی کتاب منظوم اس سے معارضہ کرسکتی ہے تو وہ صرف ہندوستان کا رگ وید ہے، بشرطیکہ اسفار ہند کی قدامت کا وہ مذہب تسلیم کرلیا جائے جو رگ وید کو سنہ ۱۰۰۰ قبل مسیح یا اس سے بھی پیچھے لے جانا چاہتا ہے (۹۹) .

اس وقت تک رزمیہ شاعری کا سب سے زیادہ قدیم نمونہ ہومر (Homer) کی ایلیڈ (Ilaid) تسلیم کی گئی ہے، لیکن اگر ہومر کا عہد وہی قرار دیا جائے جو ہیروڈوٹس (Herodotus) کے بیان سے متبادر ہوتا ہے تو زیادہ سے زیادہ سنہ ۹۰۰ قبل مسیح ہے ، لیکن سفر ایوب کا زمانہ =

وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِدۡرِیۡسَ وَ ذَا الۡکِفۡلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیۡنَ ۚ ۸۵ اور (اسی طرح) اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل، سب (راہ حق میں) صبر کرنے والے تھے۔ ۸۵

وَ اَدۡخَلۡنٰہُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّہُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۸۶ ہم نے انہیں اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیا۔ یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے۔ ۸۶

وَ ذَا النُّوۡنِ اِذۡ ذَّہَبَ اور (اسی طرح) ذوالنون (کا

= اس سے بھی پہلے کا زمانہ ہونا چاہیے۔ پس قدیم تر نظم ہومر (Homer) کی نہ ہوئی، سفر ایوب کی ہوئی۔

ہندوستان کی دو رزمیہ نظمیں مہابھارت اور راماین بھی قدیم نظمیں ہیں، لیکن ان کا زمانۂ تصنیف بھی محققین عصر کے نزدیک چوتھی صدی قبل مسیح سے زیادہ پیچھے نہیں جاسکتا اور زمانۂ تدوین بشکل کتاب تو اکثروں کے نزدیک زیادہ سے زیادہ سنہ مسیحی کے ابتدائی قرون ہیں (۱۰۰)۔

مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ ۸۷

معاملہ یاد کرو) جب ایسا ہوا تھا کہ وہ (راہ حق میں) خشم ناک ہوکر چلا گیا. پھر اس نے خیال کیا ہم اسے تنگی میں نہیں ڈالیں گے (۱۰۱). لیکن پھر (جب اس پر حالت تنگ ہوئی تو مایوسی کی) تاریکیوں میں اس نے پکارا: خدایا! تیرے سوا کوئی معبود نہیں. تیرے لیے (ہر طرح کی) پاکی ہو! حقیقت یہ ہے کہ میں نے (اپنے اوپر بڑا ہی) ظلم کیا ۔ ۸۷

یونس علیہ السلام

آیت ۸۷ میں ''ذوالنون'' سے مقصود بالاتفاق حضرت یونس ہیں۔ عہد عتیق میں ان کا عبرانی نام ''یوناہ'' (Jonah) آیا ہے اور ان کے نام سے ایک صحیفہ بھی موجود ہے۔ یہاں انہیں ''ذوالنون'' کے نام سے پکارا گیا، کیونکہ ان پر مچھلی کا حادثہ گزرا تھا اور قدیم عربی میں ''نون'' مچھلی کو کہتے تھے. چنانچہ آرامی، کلدانی اور مصری میں بھی مچھلی کا یہی نام بولا گیا ہے۔ =

=اس صحیفے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یروشلم (Jerusalem) میں تھے کہ وحی الٰہی نے انہیں مخاطب کیا اور حکم دیا باشندگان نینوا کو نزول عذاب کی خبر پہنچادیں۔ نینوا اس زمانے میں دنیا کی سب سے زیادہ عظیم الشان آبادی تھی۔ مہم کی گراں باری اور اپنی بے سرو سامانی دیکھ کر بمقتضاء بشریت طبیعت ہراساں ہوئی۔ بہر حال یافہ (Yafa) سے ایک جہاز پر سوار ہوگئے جو ترسیس (Tarshish) جارہا تھا۔ اثناء راہ میں طوفان نے گھیرلیا۔ قدیم زمانے میں جہاز رانوں کا اعتقاد تھا اگر طوفان عرصے تک نہ تھمے تو یہ اس کا ثبوت ہوتا ہے کہ کوئی گنہ گار آدمی جہاز میں سوار ہے۔ جب تک وہ موجود رہے گا اس کی نحوست سے طوفان بھی جاری رہے گا۔ چنانچہ یہی خیال اس جہاز کے مسافروں کو بھی ہوا۔ وہ قرعہ ڈالنے لگے کہ کون مجرم ہے اور کسے سمندر کے حوالے کریں۔ جب حضرت یونس نے سنا تو کہا "ایسا ہی کرنا ہے تو مجھے سمندر میں پھینک دو۔ مجھ سے زیادہ اس کا کون مستحق ہوسکتا ہے"؟ صحیفے میں ہے کہ قرعہ کا فیصلہ بھی یہی ہوا تھا۔

جب طوفان نہیں تھما تو لوگوں نے انہیں سمندر میں ڈال دیا۔ سمندر میں ایک بہت بڑی مچھلی تھی، وہ نگل گئی۔ یہ تین دن تک اس کے اندر رہے۔ پھر وہ ساحل کی طرف=

= کئی اور خشکی پر انھیں اگل دیا ۔ اس طرح قدرت الٰہی نے موت کے منہ میں ڈال کر پھر اس سے زندہ سلامت نکال لیا ۔

یوناہ نبی کے صحیفے میں ھے کہ اس نے مچھلی کے پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے دعا مانگی تھی اور اس نے اس کی پکار سن لی ۔ وہ پاتال کے بطن میں سے چلایا اور اس کی آواز سنی گئی (۲ : ۱ و ۲) ۔

قرآن نے یہاں غالبًا اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا ھے : '' اذ ذھب مغاضبًا '' ای مغاضبًا من اجل ربه ، کما یقولون ''غضبت لك'' ای من اجلك ، یعنی اللہ کی خاطر خشم ناك ھو کر روانہ ھوا ۔ '' فظن ان لن نقدر علیه '' ای لن نضیق علیه ، اس نے گمان کیا کہ ھم اسے تنگی میں نہیں ڈالیں گے ، حالانکہ اسے ایك آزمایش پیش آنے والی تھی ۔

یاد رھے اس جملے کا مطلب وہ نہیں ھے جو تفسیر کی روایات میں سعید بن جبیر اور حسن کی طرف منسوب کیا گیا ھے کہ ان الله لا یقدر علی معاقبته ، یعنی یونس نے خیال کیا ''خدا اس پر قابو نہیں پاسکتا'' ، کیوں کہ ایسا اعتقاد تو صریح کفر ھے اور ممکن نہیں ایك لمحے کے لیے کسی نبی کے قلب میں گزر سکے ۔ یقینًا یہ ان ائمۂ تفسیر کا قول نہیں ھوسکتا ، بعد کے راویوں کی کج فہمی ھے ۔ =

= اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ھے ۔ اسی طرح ایک دوسری تفسیر بھی ھو سکتی ھے اور شاید پہلی سے زیادہ موزوں :

تورات کے اسی صحیفے میں ھے کہ اس حادثے کے بعد پھر انھیں نینوا کے لیے حکم ھوا۔ وہ نینوا گئے اور اعلان کیا "چالیس دن کے بعد یہ شہر برباد ھوجائے گا"۔ لیکن یہ بات سن کر باشندگان نینوا نے سرکشی نہیں کی، بلکہ بادشاہ سے لے کر ادنی باشندے تک سب کانپ اٹھے۔ سب نے خدا کی ھستی پر اعتقاد کیا۔ بادشاہ نے شاھی لباس اتار کر ٹاٹ کا پیراھن پہن لیا اور تمام باشندوں کے نام فرمان جاری کیا کہ ھر کوئی اپنی بری راہ سے اور ظلم و شرارت کی بات سے باز آجائے، روزہ رکھے، خدا کے حضور زاری کرے، توبہ و انابت کا سر جھکائے (۳ : ۵)۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب ٹل گیا۔ چالیس دن گزر گئے مگر کوئی ھلاکت ظہور میں نہیں آئی۔ یہ بات حضرت یونس پر گراں گزری۔ وہ مضطرب ھوئے کہ اعلان حق میں تخلف کیوں ھوا!

وہ شہر کے باھر ایک چھپر بنا کے مقیم ھوگئے تھے۔ رینڈی کے ایک درخت کی شاخیں چھپر پر پھیل گئی تھیں۔ قضارا اس درخت کی جڑ میں کیڑا لگ گیا۔ ایک دن =

== صبح اٹھے تو کیا دیکھتے ہیں اس کی شاخیں بالکل سوکھ گئی ہیں اور سایے کی جگہ دھوپ ہے۔ یہ حال دیکھ کر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ تب خداوند نے کہا: تو اس ریندی کے درخت کے سوکھ جانے پر اتنا رنجیدہ ہو رہا ہے، حالانکہ اس کے بونے اور اگانے میں تو نے کچھ بھی محنت نہیں کی تھی۔ پھر غور کر! کیا میرے لیے ضروری نہیں کہ اس عظیم الشان نینوا پر رحم و شفقت کروں؟ اس نینوا پر جس میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی اور بے شمار مویشی بستے ہیں جنہیں میں نے پیدا کیا اور پروان چڑھایا (٤:٥)۔

یعنی عذاب والی بات اپنی جگہ صحیح تھی۔ وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن عذاب کا ظہور لوگوں کے انکار و بد عملی ہی کا نتیجہ تھا۔ جب وہ اس سے باز آگئے تو عذاب بھی ٹل گیا اور یہاں اصل کار فرمائی ہر حال میں عفو و بخشش کی ہے، سرزنش و عقوبت کی نہیں ہے۔ جب یہ حقیقت ان پر کھل گئی تو ان کا سارا رنج و غم دور ہو گیا۔

پس ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں ان کی خشم ناکی سے مقصود وہ حالت ہو جو باشندگان نینوا کا حال دیکھ کر ان پر طاری ہوئی تھی اور «ظلمات» سے مقصود رنج و غم کی تاریکیاں ہوں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے ==

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ٨٨

تب ہم نے اس کی پکار سن لی اور غمگینی سے اسے نجات دی . (دیکھو !) ہم اسی طرح ایماں والوں کو نجات دیا کرتے ہیں ! ٨٨

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰي رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ ٨٩

اور (اسی طرح) زکریا (کا معاملہ یاد کرو) جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا : خدایا ! مجھے (اس دنیا میں) اکیلا نہ چھوڑ (یعنی بغیر وارث کے نہ چھوڑ) اور (ویسے تو) تو ہی (ہم سب کا) بہتر وارث ہے . ٨٩

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰي وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ

تو (دیکھو !) ہم نے اس کی پکار سن لی . اسے (ایک فرزند)

== درد و غم کی حالت میں اللہ کو پکارا اور اللہ نے حقیقت حال منکشف کر کے ان کے دل مضطر کو تسکین دے دی .

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۹۰

یحییٰ عطا فرمایا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے تندرست کر دیا ۔ یہ تمام لوگ نیکی کی راہوں میں سرگرم تھے ۔ (ہمارے فضل سے) امید لگائے ہوئے اور (ہمارے جلال سے) ڈرتے ہوئے دعائیں مانگتے تھے اور ہمارے آگے عجز و نیاز سے جھکے ہوئے تھے ۹۰

وَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۹۱

اور (اسی طرح) اس عورت کا معاملہ جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی (یعنی مریم کا معاملہ) ۔ پس ہم نے اپنی روح میں سے (یعنی اپنے ملائکہ کے جوہر ملکوتیت میں سے ایک جوہر) اس میں پھونک دیا اور اسے اور اس کے بیٹے (مسیح) کو تمام دنیا کے لیے (سچائی کی) ایک نشانی بنادیا ! ۹۱

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖۗ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۹۲

(ان تمام رسولوں کے ذریعے ہم نے جو تعلیم دی تھی وہ

یہی تھی کہ) یہ تم سب کی امت فی الحقیقت ایك هی امت هے (الگ
الگ دین اور الگ الگ گروہ بندیاں نہیں هیں) اور میں هی تم
سب کا (تن تنہا) پروردگار هوں . پس چاهیے کہ میری هی بندگی
کرو (اور اس راہ میں الگ الگ نہ هو) . ٩٢

وَتَقَطَّعُوٓا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ ۖ مگر لوگوں نے آپس میں
ع ٦ كُلٌّ إِلَيْنَا رَٰجِعُونَ ٩٣ اختلاف کر کے اپنے (ایك هی)
دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ، (بالآخر) سب کو هماری هی
طرف لوٹنا هے ٩٣ .

فَمَن يَعْمَلْ مِنَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ پس (یاد رکھو! اصل اس باب
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ میں یہ هے کہ) جس کسی نے
لِسَعْيِهِۦ وَإِنَّا لَهُۥ نیك کام کیے اور وہ الله پر
كَٰتِبُونَ ٩٤ ایمان رکھتا هے تو اس کی
کوشش اکارت جانے والی نہیں ، هم اس کی نیکیاں لکھ لینے
والے (موجود) هیں ٩٤ .

---

٩٢ تا ٩٤ - آیت ٩٢ اس تمام تذکرے کا خلاصہ هے جو
انبیاء کرام کا اوپر گزر چکا هے . یعنی الله کے یہ تمام رسول
جو مختلف عہدوں اور قوموں میں ظاهر هوے ان سب
کی دعوت کا ما حصل کیا تھا؟ انہوں نے نسل انسانی کے =

= مختلف عہدوں اور گروہوں کو کس بات کا پیام پہنچایا؟ وہ بات ایك ھی تھی یا ایك سے زیادہ؟ یہ آیت اپنے نپے تلے لفظوں میں جواب دیتی ھے کہ "ان سب کا پیام ایك ھی تھا اور وہ یہی تھا کہ " ان ھذہ امتکم امة واحدة و انا ربکم فاعبدون"، تم سب ایك ھی امت ھو، تم سب کا پروردگار ایك ھی پروردگار ھے ۔ پس الگ الگ نہ ھو، اسی کی بندگی کرو ۔ "و تقطعوا امرھم بینھم"، لیکن قوموں نے یہ تعلیم بھلادی اور اپنے دین کا معاملہ آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ۔ یعنی ایك ھی دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت سے دین بنالیے اور ہر گروہ دوسرے گروہ سے کٹ کر الگ ھوگیا ۔ وحدت کی جگہ تفرقہ اور اجتماع کی جگہ انشتات ان کا شعار ھوا ۔ "کل الینا رٰجعون"، مگر بالآخر سب کو ھماری طرف لوٹنا ھے ۔ اس وقت حقیقت حال آشکارا ھو جائے گی ۔ ہر گروہ دیکھ لے گا کہ اس کی حقیقت فراموشیوں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا ۔

سبحان اللہ! قرآن کی معجزانہ بلاغت! ایك چھوٹی سی آیت کے اندر اس معاملے کے سارے دفتر کس طرح سمیٹ دیے ھیں! اور پھر صرف امر و خبر ھی نہیں ھے بلکہ ترتیب بیان نے خود بخود استدلال کی روشنی بھی پیدا کردی ھے ۔ =

وحدت دین

= (ا) "ان هذه امتكم امة واحدة"، تم نے کتنے ہی تفرقے پیدا کر رکھے ہوں، مگر تمہاری امت اصلاً ایک ہی امت ہے۔

(ب) "وانا ربکم"۔ اور میں ہی تم سب کا تنہا پروردگار ہوں، میرے سوا کوئی نہیں۔

(ج) "فاعبدون"، جب تمام نوع انسانی ایک ہی امت ہوئی اور سب کا پروردگار بھی ایک ہوا تو پھر سب کے لیے بندگی و نیاز کی چوکھٹ بھی ایک ہی کیوں نہ ہو؟ ایک سے دو کیوں ہو؟ پس اسی ایک کی بندگی کرو، کیونکہ تم سب ایک ہی ہو اور ایک ہی کے لیے ہو یہاں ایک سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں ہے۔ غور کرو! "فاعبدون" کی "ف" یہاں کس طرح بول رہی ہے! کس طرح اس نے استدلال کا پہلو پکار دیا ہے!

ایک آیت کے اندر تینوں توحیدوں کا بیان جمع ہو گیا: توحید امت۔ توحید ربوبیت، توحید دین و عبادت۔ اور یہی تین توحیدیں دعوت قرآنی کا اصل الاصول ہیں۔ وہ ہر جگہ انہیں کی صدا بلند کرتا ہے اور انہیں پر اپنی تعلیم و تذکیر کی ساری بنیادیں استوار کرتا ہے۔

توحید امت سے مقصود یہ ہے کہ افراد انسانی کی کثرت و انتشار کے پردے میں اس کی وحدت چھپی ہوئی=

توحید امت، توحید ربوبیت، توحید عبادت.

= ھے، اسے نہ بھولو ۔ تمھاری نسل، تمھارا وطن، تمھاری بولیاں کتنی ھی الگ الگ ھوگئی ھوں، مگر تم سب ایك ھی نسل انسانی کا گھرانا ھو اور تمھارا گروہ اصل میں ایك ھی گروہ ھے ۔

توحید ربوبیت سے مقصود یہ ھے کہ تم نے کتنے ھی مختلف نام رکھ لیے ھوں، کتنی ھی مختلف عبادت گاھیں بنا رکھی ھوں، کتنے ھی مختلف تصور رکھ لیے ھوں، مگر تمھارے پیدا کیے ھوے اختلاف سے حقیقت مختلف نہیں ھو جاسکتی ۔ جس طرح تم سب کا گروہ ایك ھی ھے اسی طرح تمھارا پروردگار بھی ایك ھی ھے ۔ اس ایك کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ھو سکتا ۔

توحید عبادت سے مقصود یہ ھے کہ جب گروہ ایك ھی گروہ ھے اور پروردگار ایك ھی پروردگار ھے تو دین بھی ایك ھی ھونا چاھیے ۔ وہ ایك سے زیادہ نہیں ھوسکتا ۔ پس سچائی کی راہ یہ ھوئی کہ اسی ایك کی بندگی کرو اور اس راہ میں مختلف اور متفرق نہ ھو جاؤ !

پھر ایك آیت کے اندر صاف صاف واضح کردیا کہ نجات و سعادت کا قانون کیسا ھے ؟ یعنی قوموں کے اس تقطع اور گروھوں کے اس تفرق کے بعد بھی قانون نجات و سعادت کیا ھے ؟ فرمایا : وہ ھمیشہ کی طرح اب بھی یہی ھے کہ ” فمن یعمل من الصلحت وھو مؤمن فلا کفران لسعیه “ ۔ =

شرط نجات صرف ایمان و عمل ھے

وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ ٩٥	اور (دیکھو!) جس آبادی کے لیے ہم نے ہلاکت

= نجات کی شرط صرف دو باتیں ہیں : ایمان اور عمل صالح . جس انسان نے نیک عمل کیے اور اس کے اندر ایمان بھی ہوا تو اس کی سعی کبھی رایگاں جانے والی نہیں، ضروری ہے کہ مقبول ہو . "فمن" کے زور پر غور کرو! یہودی کہتے تھے "کونوا ھودا" . نصارٰی کہتے تھے "کونوا نصارٰی". قرآن کہتا ہے: نہیں، "فمن یعمل من الصلحت و ھو مومن" ، کوئی ہو، لیکن اگر وہ مومن ہوا اور اس نے نیک عملی کی راہ اختیار کی تو اس کا ایمان و عمل کبھی ضائع نہیں ہو سکتا . وہ اپنا اجر ضرور پائے گا . "و انا لہ کٰتبون" ! یہ ہمارا ٹھیرایا ہوا قانون ہے . ہم اس کا ایمان و عمل لکھ دینے والے ہیں . پھر کون ہے جو اسے رایگاں ٹھیرا سکتا ہے؟ دنیا کا ہر انسان ٹھرا دے، لیکن ہمارے دفتر میں وہ ثبت ہو جائے گا .

کتنا اہم مقام ہے، مگر تفسیریں اٹھا کر دیکھو کس طرح اس کی ساری اہمیت بے محل بحثوں میں ضائع کر دی گئی ہے ! اہمیت کی وضاحت کے لیے یہ سطریں بھی کافی نہیں ہیں ، لیکن اس سے زیادہ تفصیل کی گنجایش نہیں

ٹھیرادی تو اس کے لیے (کام یابی و سعادت) ممکن نہیں ، وہ کبھی (اپنی سرکشی و غفلت سے) اوٹنے والے نہیں ۹۵ ۔

حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ۝۹۶

جب وہ وقت آجائے گا کہ یاجوج اور ماجوج کی راہ کھل جانے کی اور (زمین کی) تمام بلندیوں سے وہ دوڑتے ہوئے اتر آئیں گے ۹۶ ۔

---

۹۶ - سورۂ کہف کے آخر میں یاجوج و ماجوج کی تحقیق گزر چکی ہے ۔ اس سورت کی آیت ۹۶ میں جس خروج کی خبر دی گئی ہے یہ ان کا آخری خروج تھا ۔ یعنی منگولی تاتاریوں کا وہ خروج جو چھٹی صدی ہجری میں منگولیا کی بلندیوں سے امنڈا اور پھر آناً فاناً تمام مشرق و مغرب پر چھا گیا ۔ مشرق میں چین کی تمام مملکت اس نے مسخر کر لی ۔ مغرب میں بحر اسود کے شمالی ساحل سے گزرتا ہوا ڈینیوب کی وادیوں تک پھیل گیا ، پھر ہنگری و روس پر قابض ہو کر جرمنی کی سرحد تک پہنچ گیا ۔ پھر اسلامی ممالک کی طرف متوجہ ہوا اور چھ صدیوں کے اندر اسلامی تمدن نے جو کچھ تعمیر کیا تھا =

= جیحون سے لے کر دجلہ تک چشم زدن میں پامال کر دیا:
"و کان وعداً مفعولاً".

تعبیر بیان کے بعض دقائق

غور کرو! یہاں صرف چند لفظوں کے اندر اس معاملے کی خصوصیات کس طرح واضح کر دی ہیں! یاجوج و ماجوج کے اس ظہور کو "خروج" یا اسی طرح کے کسی دوسرے لفظ سے تعبیر نہیں کیا، بلکہ "فتح" کا لفظ استعمال کیا: "حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج". عربی میں جب "فتح" کا لفظ اشیاء کے لیے کہا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف کھلنے کے ہوتے ہیں، مثلاً "فتح الباب"، لیکن جب حیوانات کے لیے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف کھلنے ہی کے نہیں ہوتے بلکہ کھل کر اچانک نکل پڑنے کے ہوتے ہیں، مثلاً ٹڈیوں کا دل کسی گوشے سے نکل پڑتا ہے تو کہتے ہیں: "فتحت الجراد". پس مطلب یہ ہوا کہ یاجوج و ماجوج کسی گوشے میں الگ تھلگ پڑے ہیں. ایک وقت آئے گا کہ اچانک نکل پڑیں گے اور اس طرح نکل پڑیں گے جیسے مدتوں سے پانی بندھا پڑا ہو، بند ٹوٹ جائے اور ہر طرف سیلاب امنڈ آئے.

اب دیکھو! کس طرح اس ایک لفظ نے معاملے کی پوری تاریخی نوعیت آشکارا کر دی ہے! =

فتنۂ تاتار

= سورۂ کہف کی تشریحات میں پڑھ چکے ہو کہ ظہور اسلام سے پہلے منگولیا کا آخری قبائلی سیلاب وہ تھا جو چوتھی صدی مسیحی میں مغرب و شمال کی طرف پھیلنا شروع ہوا اور پھر یورپ کے مختلف قطعات میں منقسم ہوکر تھم گیا۔ اس کے بعد قبائل کے نئے سیلابوں کا خروج رک گیا تھا۔ البتہ جو قبائل وسط ایشیا اور سواحل یورال و خزر کے مختلف حصوں میں متوطن ہو گئے تھے ان کی نسل وہاں نشو و نما پاتی رہی۔ اسلامی فتوحات نے جب ان اطراف کا رخ کیا تو انہیں قبائل کو وہاں آباد پایا۔ یہ بتدریج مسلمان ہوتے گئے۔ چنانچہ ترک، کرغز، خزر، قچر، تاجیک، چرکس، کرد، اوزبک، سلجوق وغیرہ سے مقصود یہی قبائل ہیں۔ یہ سب اگرچہ منگولیا کی پچھلی بھرتوں کا بقایا تھے، لیکن اب ان کا کوئی تعلق اپنے وطن قدیم سے نہیں رہا تھا، بلکہ ایک دوسرے کو اجنبیوں اور دشمنوں کی نظر سے دیکھتے تھے۔

اس عرصے میں منگولیا کا گوشہ بدستور صحرا نشین قبائل کے نئے گروہ پیدا کرتا رہا۔ اب یہ دنیا سے الگ تھلگ تھے۔ اطراف کے سرحدی قطعات پر لوٹ مار کے لیے نکل جاتے، مگر اس سے آگے بڑھنے کی جرأت =

= نہ کرے۔ بعض گروہ جنوب میں پنجاب تک اور مغرب میں بلخ و ماوراء النہر تک بھی پہنچ گئے اور ایک قبیلے کی ترکتازیاں تو بنارس تک پہنچ گئی تھیں۔ لیکن جیسے قبائلی سیلاب پہلے اٹھ چکے تھے ویسا کوئی سیلاب اب نہ اٹھ سکا۔ تمام قبائلی مواد منگولیا ھی میں سمٹا اور بندھا رھا۔

لیکن چھٹی صدی ھجری میں ایک طرف تو ان کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی، دوسری طرف ایک غیر معمولی عزم و استعداد کا قائد بھی پیدا ھو گیا۔ یہ مشہور منگولی قائد چنگیز خاں تھا۔ اس نے تمام منتشر قبائل کو ایک رشتۂ اطاعت میں منظم کر دیا اور اس طرح ایک عظیم الشان عسکری قوت پیدا ھو گئی۔ اب یہ قتل و غارت کا ایک ایسا منظم سیلاب تھا جسے دنیا کی کوئی انسانی قوت روک نہیں سکتی تھی۔ چنگیز خاں کے بیٹے اوکتائی خاں کے عہد میں اس سیلاب کا بند ٹوٹا اور پھر اچانک اس طرح ھر طرف پھیل گیا گویا دنیا اپنی بربادی کے لیے صرف اسی بند کے ٹوٹنے کی منتظر تھی۔

اس کے بعد فرمایا ”من کل حدب ینسلون“۔ ”حدب“ کے معنی کسی چیز کا اٹھا ھوا اور ابھرا ھوا ھونا ھے، چنانچہ زمین کے مرتفع حصوں کو ”حدبۃ الارض“ =

= کہتے ہیں ، ای کل اکۃ من الأرض مرتفعة ۔ "نسل" کے معنی تیزی کے ساتھ دوڑنے کے ہیں ۔ بھیڑیے کے لپکنے کو "نسلان الذئب" کہیں گے ۔ پس مطلب یہ ہوا کہ وہ زمین کے تمام مرتفع حصوں سے دوڑتے ہوئے آ اتریں گے ۔

غور کرو ! تاتاریوں کے حملے کی یہ کیسی مکمل تصویر ہے ! تمام مؤرخ متفق ہیں کہ ان کے خروج کی سب سے بڑی خصوصیت یہی تھی ۔ ان کا ظہور منگولیا میں ہوا جو کرۂ ارضی کی سطح مرتفع ہے ۔ مشرق کی طرف بڑھے تو یہ بھی بلندی سے اترنا تھا ۔ پھر شمال میں روس تک پہنچ گئے اور جنوب میں تمام مغربی ایشیا کے میدانوں پر چھا گئے ۔ یہ بھی بلندیوں سے اترنا ہی تھا ، کیونکہ وسط ایشیا کی بلندیوں پر نمودار ہوئے اور پھر شمال و جنوب کے زیریں میدانوں پر ٹوٹ پڑے ۔ پھر ان کے ظہور کے لیے "ینسلون" کا لفظ کس درجہ موزوں واقع ہوا ہے ! ان کی شب و روز کی زندگی منگولیا کے باد رفتار گھوڑوں کی پیٹھ پر بسر ہوتی تھی اور سو سو میل تک بغیر دم لیے چلے جاتے تھے ۔ جب ان کے جتھے اسلامی ملکوں پر گرے تو ان کی برق رفتاری کا یہ حال تھا کہ ایک شہر کی تباہی کی خبر دوسرے شہر =

= تک پہنچنے نہیں پاتی تھی کہ وہ خود اس کے دروازے پر نمودار ہو جاتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے اکثر اصحاب نظر ان کی حالت دیکھتے ہی بے اختیار پکار اٹھے کہ یاجوج وماجوج کا موعود خروج یہی ہے۔ امام ذہبی نے تاریخ میں متعدد علماء کا یہ تاثر نقل کیا ہے اور حافظ علم الدین برزالی نے تاریخ دمشق میں اور مقریزی نے الدرر المضیئة میں تصریح کی ہے کہ اس عہد میں "ایک کثیر جماعت" اہل علم کی اس فتنے کو فتح یاجوج و ماجوج قرار دیتی تھی۔ نیز حافظ سیوطی نے اپنے رسالہ "فضائل بنی عباس" میں مقریزی کے ایک رسالہ "ماورد فی بنی امیة و بنی العباس من الروایات و الأقوال" کا حوالہ دیا ہے اور اس سے یہی قول نقل کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے جد مجد الدین ابن تیمیہ صاحب "منتقی" کہا کرتے تھے: اگر یہ خود یاجوج وماجوج نہیں ہیں تو ظاہر ہونے والے یاجوج وماجوج ایسے ہی ہوں گے۔ صاحب تاریخ گزیدہ نے بھی دبے لفظوں میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

ہمارے مفسروں نے چوں کہ سد ذو القرنین کی تعمیر کا مطلب یہ سمجھ رکھا تھا کہ جس طرح قیدیوں کو دیوار چن کر بند کر دیتے ہیں، اسی طرح ذو القرنین =

علماء عصر کی تصریحات

فتح یاجوج و ماجوج سے

= نے یاجوج و ماجوج کو بند کر دیا ہے، اس لیے یہاں "فتحت" کا لفظ دیکھ کر جھٹ انہوں نے یہ مطلب ٹھہرا دیا کہ جب دیوار کھل جائے گی اور یاجوج و ماجوج آزاد ہو کر نکل پڑیں گے۔ حالانکہ نہ تو سد سے مقصود قید خانے کی دیواریں ہیں اور نہ یاجوج و ماجوج سے مقصود بھیڑوں کا کوئی گلہ ہے جسے باڑہ کھینچ کر بند کر دیا گیا ہو۔ دنیا میں اس طرح کوئی کسی قوم کو دیواروں میں چن نہیں دے سکتا۔ ذو القرنین کے زمانے میں یاجوج و ماجوج کا حملہ ایک خاص راہ سے ہوتا تھا، دوسری راہیں ان پر نہیں کھلی تھیں، اس لیے اس نے سد تعمیر کر کے اسے بند کر دیا اور صدیوں تک کے لیے ملک محفوظ ہو گیا۔ اسی طرح چینیوں نے بارہ سو میل لمبی دیوار تعمیر کر کے شمال اور مغرب کی ساری سرحد بند کر دی۔ لیکن اب یہ دونوں رکاوٹیں بے کار ہو گئی تھیں، کیوں کہ چین کے لیے جنوب کی راہ اور مغربی ایشیا کے لیے خراسان کی راہ کھل گئی تھی، و القصة بطولها۔

اس واقعے نے تاریخ اسلام کو دو بڑی قسموں میں منقسم کر دیا ہے: قبل از فتنۂ تاتار اور بعد از فتنۂ تاتار۔ پہلے عہد کی تمام دینی، تمدنی، ذہنی اور عملی خصوصیات =

= دوسرے عہد میں یک قلم معدوم ہو گئیں ۔ پہلا عہد صرف عروج ہی کا عہد نہ تھا بلکہ تنزل کا بھی تھا، تاہم مسلمانوں کے فکر و عمل کی جو معنوی روح اوائل میں پیدا ہو گئی تھی وہ کسی شکل میں کم و بیش قائم تھی۔ لیکن اس فتنے نے پچھلا دور بالکل ختم کر دیا اور عالم اسلامی کی خون آلود سر زمین سے جو نیا دور بنا وہ ہر اعتبار سے ایک مختلف اور متضاد دور تھا اور سرتاسر عہد تنزل کی پیداوار۔ آج مسلمانوں کے فکر و عمل کا جو ڈھانچہ نظر آرہا ہے یہ اسی دور کی پیداوار ہے۔

اس انقلاب حال کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ عربی خلافت کا بکلی خاتمہ ہو گیا۔ عربی خلافت اس سے پہلے بھی خلافت نہیں رہی تھی، خلافت کا محض سایہ تھی۔ تاہم سایہ باقی تھا اور وہ اصلیت کی یاد تازہ کرتا رہتا تھا، لیکن سقوطِ بغداد سے یہ سایہ بھی معدوم ہو گیا۔

حدیث زینب بنت جحش

بخاری کی حدیث زینب بنت جحش میں اس صورت حال کی طرف صاف صاف اشارہ موجود ہے: "استیقظ النبی صلی اللہ علیہ و سلم محمراً وجھہ یقول: لا الہ الا اللہ! ویل للعرب من شر قد اقترب! فتح الیوم من ردم یاجوج و ماجوج مثل ھذہ،" وعقد سفیان تسعین أو مائة۔ =

= قیل: أ نهلك و فینا الصالحون ؟ قال: نعم! اذا كثر الخبث (۱۰۲). یعنی آنحضرت (صلعم) ایك دن سو كر اٹھے تو ان كا چہرۂ مبارك شدت تاثر سے سرخ ہو رہا تھا اور فرما رہے تھے ''لا الٰہ الا اللہ! اس شر سے جو قریب آ گیا عرب كے لیے افسوس! آج یاجوج و ماجوج كی روك كھل گئی''. پھر انگلیوں سے حلقه بنا كر بتلایا كه ابھی صرف اتنی راه كھلی ہے. یه حلقه رو پیسے كے برابر یا اس سے كچھ چھوٹا تھا (۱۰۳). آخری راوی كو اس بارے میں شبه پڑ گیا. بہر حال مطلب یه تھا كه ابھی صرف رخنه پڑا ہے. پوری راه نہیں كھلی. اس پر عرض كیا گیا: كیا ہم ہلاكت میں پڑ جائیں كے حالانكه ہم میں صالح انسان بھی ہوں كے؟ فرمایا: ہاں! جب گندگی بڑھ جائے گی.

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

اولاً، آنحضرت كے زمانے میں یعنی ساتویں صدی مسیحی میں یاجوج و ماجوج كی روك كھلنا شروع ہو گئی تھی، لیكن اتنی نہیں كھلی تھی كه قدم باہر بڑھا سكیں. یه حقیقت خواب میں اس طرح دكھائی گئی جیسے ایك دیوار ہے اور اس میں ذرا سا سوراخ بن گیا ہے. چنانچه تاریخ اس كی ہو بہو تصدیق كرتی ہے. ٹھیك یہی زمانه ہے =

= جب منگولی قبائل نے اس راہ کے علاوہ جسے ذوالقرنین بند کر چکا تھا، ایك دوسری راہ کا سراغ پا لیا۔ یعنی بحر خزر اور بحر اسود کی درمیانی راہ کی جگہ بحیرۂ یورال اور بحر خزر کا درمیانی راستہ۔ چھٹی صدی میں تاتاریوں کے بعض قبائل اس طرف بڑھ آئے اور دریاے جیحون کی وادیوں میں آباد ہو گئے۔

ثانیا، یاجوج و ماجوج کے ظہور میں عرب کے لیے ہلاکت تھی، کیوں کہ '' ویل للعرب '' فرمایا، '' للمسلمین '' نہیں فرمایا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو نسل عربی اقتدار و عروج کے انقراض کی باعث ہوئی وہ یہی منگولی نسل ہے اور اس لیے یقیناً یاجوج و ماجوج سے مقصود یہی نسل تھی۔ عربی اقتدار کی ہلاکت کی ابتدا بھی اسی نسل کی مختلف شاخوں سے ہوئی، یعنی ترکوں اور سلجوقیوں سے، اور انتہا بھی اسی کے نئے ظہور سے ہوئی۔ یعنی منگولی تاتاریوں سے۔

اس باب میں بہت سے امور تفصیل طلب ہیں، لیکن یہاں مزید اطناب کا موقع نہیں۔ البتہ تذکیر و عبرت کے لیے ایك تاریخی حقیقت یاد رکھنی چاہیے۔ اسلام کا مؤرخ کبھی اس واقعے کے ماتم سے فارغ نہیں ہو سکتا کہ تاتاریوں کی ابتدائی تاخت اور آخری تاخت دونوں کا =

= باعث خود مسلمانوں کی فرقہ بندی اور اس کی جاهلی عصبیت هوئی۔ یعنی بربادی کا پہلا دروازہ حنفیوں اور شافعیوں کے باهمی جدال سے کھلا اور بربادی کی آخری تکمیل، یعنی بغداد کا قتل عام سنیوں اور شیعوں کے اختلاف کا نتیجہ تھا۔

چنگیز خاں نے وسط ایشیا کا بالائی علاقہ خوارزم تك (یعنی خیوا تك) فتح کر لیا تھا، لیکن اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکا تھا۔ بعد کو جب اس کے پوتوں میں سلطنت تقسیم هوئی تو وسط ایشیا اور اس کے ملحقات هلاکو خاں کے زیر حکومت آئے۔ لیکن اسے بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہیں هوئی، کیوں کہ اسلامی مملکتوں کی شش صد سالہ عظمت کا رعب ابھی تك دلوں سے محو نہیں هوا تھا۔ مگر اس اثناء میں اچانك ایك واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے خود بخود هلاکو کے آگے فتح و تسخیر کی راهیں کھول دیں۔ خراسان میں حنفیوں اور شافعیوں میں باهمی جنگ و جدال کا بازار گرم تھا۔ طوس کے حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آ کر هلاکو کو حملے کی دعوت دی اور شہر کے دروازے کھول دیے۔ پھر جب تاتاریوں کی تلوار چمك گئی تو اس نے نہ حنفیوں کو چھوڑا نہ شافعیوں کو، دونوں کا خاتمہ کر دیا (۱۰۴)۔ =

= خراسان کی تسخیر نے بغداد کی شاہ راہ کھول دی تھی ، پھر بھی ھلا کو اس کی جرأت نہ کر سکا کہ عباسی دار الخلافہ پر حملہ کرے . لیکن اب پھر خود مسلمانوں کے باھمی قتال نے اسے بلاوا بھیجا . بغداد سنیوں اور شیعوں کے باھمی پیکار کا میدان جنگ بن چکا تھا . خلیفہ مستعصم کا وزیر ابن علقمی شیعہ تھا اور سنیوں کے ھاتھوں اذیتیں برداشت کر چکا تھا . اس نے خواجہ نصیر الدین طوسی کے ذریعہ (کہ ھلا کو کا وزیر اور معتمد تھا) ھلا کو کو بغداد آنے کی ترغیب دی اور اس طرح تاریخ اسلام کی سب سے بڑی بربادی اپنی آخری تکمیل تک پہنچ گئی .

یہی معنی ھیں سورۂ انعام کی اس آیت کے جس میں جماعتی زندگی کے عذابوں میں سے ایک عذاب یہ بتلایا ھے کہ کسی ایک جماعت کا مختلف جماعتوں میں متشیع اور متحزب ھو جانا اور پھر ہر گروہ کا دوسرے گروہ کو اپنی شدت کا مزہ چکھانا : " قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم باس بعض " (٦ : ٦٥) .

تاریخی حیثیت سے یہ واقعہ بھی ثابت ھو چکا ھے کہ چنگیز خاں کو خوارزم پر حملہ کرنے کی ترغیب =

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ	اور (خدا کے ٹھیرائے ہوئے)
فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ	سچے وعدے کی گھڑی قریب
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۭ یٰوَیْلَنَا	آجائے گی تو اس وقت اچانك
قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا	ایسا ہو گا کہ لوگوں کی آنکھیں

= خود خلیفه ناصر لدین اللہ عباسی نے دی تھی ، کیوں که سلجوقیوں کے بعد خوارزم شاهیوں کا اقتدار قائم هو گیا تھا ۔ خلیفۂ بغداد اس اقتدار کی وجه سے سخت ضیق میں تھا ۔

چنگیز خاں کا نام تیموجن (Temujin) تھا ۔ سنه ٦٠١ ھ مطابق سنه ١٢٠٦ ء میں اس نے چنگیز خاں کا شہنشاهی لقب اختیار کیا ۔ سنه ٦١٤ ھ مطابق سنه ١٢١٩ ء میں خوارزم فتح کر لیا ۔ سال وفات سنه ٦٢٢ ھ مطابق سنه ١٢٢٧ ء ھے ۔

اس کے بعد اس کا بیٹا اوکتائی خاں جانشین هوا ۔ اوکتائی کے بعد منکو ، منکو کے بعد قبلائی ۔ قبلائی کے بھائی ھلاکو کے حصے میں وسط ایشیا کی فرماں روائی آئی ۔ اسی نے سنه ٦٥٦ ھ مطابق سنه ١٢٥٨ ء میں بغداد پر حمله کیا اور عربی خلافت کا آخری نقش قدم بھی مٹ گیا ۔

بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ ۹۷ (شدت دهشت و حیرت سے)

کھلی کی کھلی رہ جائیں گی، ان لوگوں کی آنکھیں جنھوں نے (سچائی سے) انکار کیا تھا. (وہ پکار اٹھیں گے:) افسوس ہم پر! ہم اس (ہول ناک گھڑی) سے غفلت میں رہے، بلکہ ہم ظلم و شرارت میں سرشار تھے! ۹۷

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ ۹۸

تم اور وہ تمام چیزیں جن کی اللہ کو چھوڑ کر پوجا کرتے ہو، دوزخ کا ایندھن ہیں، تم سب وہاں پہنچنے والے ہو. ۹۸

لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۹۹

اگر یہ چیزیں سچ مچ کو معبود ہوتیں تو کبھی دوزخ میں نہ پہنچتیں، حالانکہ سب اس میں ہمیشہ کے لیے رہنے والے ہیں. ۹۹

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ ۱۰۰

ان کے لیے دوزخ میں (صرف دکھ اور جان کی) چیخیں

ھوں گی اور وہ (اور کچھ) نہیں سنیں گے ۰

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۙ ۱۰۱

مگر جن لوگوں کے لیے ہم نے پہلے سے بھلائی کا حکم دے دیا تو وہ یقینًا دوزخ سے دور کر دیے گئے ۔ ۱۰۱

لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۚ ۱۰۲

(وہ اس سے اتنے دور ھوں گے کہ) وھاں کی (اذیتوں کی) بھنک بھی ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی ۔ وہ اپنی پسند اور خواھش کی تمام نعمتوں میں ھمیشہ کے لیے مگن رھیں گے ۔ ۱۰۲

لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۙ ۱۰۳

انھیں (روز قیامت کی) بڑی سے بڑی ھول ناکی بھی ھراساں نہ کرے گی ۔ فرشتے انھیں بڑھ کر لیں گے (اور کہیں گے:) یہ ھے

وہ تمہارا دن جس کا (کلام حق میں) وعدہ کیا گیا تھا۔ ۱۰۳

یَوۡمَ نَطۡوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلۡكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِیۡدُهٗ ؕ وَعۡدًا عَلَیۡنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیۡنَ ۝۱۰۴

وہ دن جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے بھی کھاتوں کے طومار لپیٹ لیے جاتے ہیں۔ ہم نے جس طرح پہلی پیدایش شروع کی تھی اسی طرح اسے دہرائیں گے بھی۔ اس وعدے کا پورا کرنا ہم پر ہے اور ہم پورا کرکے رہیں گے! ۱۰۴

وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّكۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ ۝۱۰۵

اور (دیکھو!) ہم نے زبور میں تذکیر و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ زمین کی وراثت انہیں بندوں کے حصے میں آئے گی جو نیک ہوں گے۔ ۱۰۵

اِنَّ فِیۡ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ ۝۱۰۶

اس بات میں ان لوگوں کے لیے جو عبادت گزار ہیں ایک بڑا ہی پیام ہے۔ ۱۰۶

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۰۷

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر اس لیے کہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہو! ۱۰۷

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ۱۰۸

تو کہہ دے: مجھ پر جو کچھ وحی کیا گیا ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی تنہا معبود ہے (اس کے سوا کوئی نہیں)۔ پس بتلاؤ! تم اس کے آگے سر جھکاتے ہو یا نہیں؟ ۱۰۸

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝ ۱۰۹

پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دے: میں نے تمہیں (انکار و سرکشی کے نتائج سے) یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے۔ میں نہیں جانتا جس بات کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا وقت قریب آلگا ہے یا ابھی دور ہے۔ (تاہم وہ ٹلنے والا نہیں)۔ ۱۰۹

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ

اللہ کے علم سے کوئی بات پوشیدہ

اَلْقَوْلِ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ۱۱۰ نہیں، جو کچھ پکار کے (علانیہ)
کہا جاتا ہے وہ بھی اور جو کچھ تم (دلوں میں) چھپائے ہوئے
ہو وہ بھی. ۱۱۰
وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ اور مجھے کیا معلوم؟ ہوسکتا
لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۱۱۱ ہے کہ اس (تاخیر) میں تمہارے
لیے آزمایش رکھ دی گئی ہو اور یا یہ بات ہو کہ ایک مقررہ وقت
تک زندگی کا لطف اٹھالو. ۱۱۱
قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ اس نے کہا: (یعنی پیغمبر نے
وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ دعا کرتے ہوئے عرض کیا:)
النصف ع ۷ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ۱۱۲ خدایا! (اب دیر نہ کر!) سچائی کے
ساتھ فیصلہ کردے. اور ہمارا پروردگار تو (وہی) الرحمٰن ہے،
اسی سے مدد مانگی گئی ہے. جیسی کچھ باتیں تم بنارہے ہو ان کے
خلاف اسی کی مددگاری فیصلہ کردے گی. ۱۱۲

قانون وراثت ارض

۱۰۵ تا ۱۱۲ - آیت ۱۰۵ سے آخر تک سورت کے
مواعظ کا خاتمہ ہے. فرمایا: "و لقد کتبنا فی الزبور من
بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصّٰلحون" ہم نے=

—زبور میں اپنے اس مقررہ قانون کا اعلان کر دیا تھا کہ زمین کے وارث خدا کے صالح بندے ہوتے ہیں۔ یعنی جماعتوں اور قوموں کے لیے یہاں یہ قانون الٰہی کام کر رہا ہے کہ انہیں لوگوں کے حصے میں ملک کی فرماں روائی آتی ہے جو صالح ہوتے ہیں۔ "صلح" کے معنی سنورنے سنوارنے کے ہیں، "فسد" کے معنی بگڑنے بگاڑنے کے۔ «صالح» انسان وہ ہے جو اپنے کو سنوار لیتا ہے اور دوسروں کو سنوارنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے اور یہی حقیقت نیک عملی کی ہے۔ "مفسد" وہ ہے جو بگاڑ میں پڑتا اور بگاڑنے والا ہوتا ہے اور یہی حقیقت بد عملی کی ہے۔ پس قانون یہ ہوا کہ زمین کی وراثت سنورنے سنوارنے والوں کی وراثت میں آتی ہے۔ ان کی وراثت میں نہیں جو اپنے اعتقاد و عمل میں بگڑ جاتے ہیں اور سنوارنے کی جگہ بگاڑنے والے ہوتے ہیں۔

زبور کا اعلان

زبور کا جو مجموعہ آج موجود ہے اس کے بے شمار ترانوں میں یہ حقیقت صاف صاف بول رہی ہے۔ مثلاً زبور ۳۷ میں ہے: بد عمل کاٹ ڈالے جائیں گے، مگر وہ جو خداوند کی بات کی راہ دیکھتے ہیں زمین کو میراث میں لیں گے۔ قریب ہے کہ شریر نابود ہو جائے۔ تو اس کا ٹھکانا ڈھونڈے اور نہ پائے۔ پر وہ جو حلیم ہیں=

انسانی زندگی سر تا سر ارث و میراث ہے

=زمین کے وارث ہوں گے اور ہر طرح کی راحتوں سے خوش دل ہوں گے (۳۷: ۹)

تورات، انجیل اور قرآن تینوں نے زمین کی وراثت کی ترکیب جا بجا استعمال کی ہے اور غور کرو یہ ترکیب صورت حال کی کتنی سچی اور قطعی تعبیر ہے! دنیا کے ہر گوشے میں ہم دیکھتے ہیں ایک طرح کی بدلتی ہوئی میراث کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ یعنی ایک فرد اور ایک گروہ طاقت و اقتدار حاصل کرتا ہے؛ پھر وہ چلا جاتا ہے اور دوسرا فرد اور گروہ اس کی ساری چیزوں کا وارث ہو جاتا ہے۔ حکومتیں کیا ہیں؟ محض ایک ورثہ ہیں جو ایک گروہ سے نکلتا اور دوسرے کے حصے میں آجاتا ہے۔ اگر زمین کا کوئی ایک قطعہ سامنے رکھ لو اور جس وقت سے اس کی تاریخ روشنی میں آئی ہے اس کے حالات کا کھوج لگاؤ تو تم دیکھو گے اس کی پوری تاریخ کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ارث و میراث کی ایک مسلسل داستان ہے۔ ایک قوم قابض ہوئی، پھر مٹ گئی، دوسری اس کی وارث ہو گئی۔ پھر اس کے لیے بھی مٹنا ہوا اور تیسرے وارث کے لیے جگہ خالی ہو گئی، وھلمّ جرّا۔

پس قرآن کہتا ہے: یہاں ارث و میراث کے سوا=

= اور کچھ نہیں ہے ۔ اب سوچنا یہ چاہیے کہ جو ورثہ چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں کیوں ہوتے ہیں؟ اور جو وارث ہوتے ہیں کیوں وراثت کے حق دار ہو جاتے ہیں؟

فرمایا: اس لیے کہ یہاں خدا کا ایک اٹل قانون کام کر رہا ہے "ان الارض (١٠٥) یرثها عبادی الصّٰلحون" وراثت ارضی کی شرط اصلاح و صلاحیت ہے ۔ جو صالح نہ رہیں ان سے نکل جائے گی ۔ جو صالح ہوں گے ان کے ورثے میں آئے گی ، "و لن تجد لسنة الله تبدیلا" ۔

اس کے بعد فرمایا: " ان فی ھٰذا لبلٰغا لقوم عٰبدین "، اس بات میں عبادت گزاران حق کے لیے ایک بڑا پیام حقیقت مضمر ہے ۔ یعنی اس قانون الٰہی کے تذکرے میں ان کے لیے وراثت ارضی کا پیام ہے کہ "وعد الله الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم و لیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم و لیبدلنهم من بعد خوفهم امنًا " (٥٥:٢٤)، جس طرح ان سے پہلے خدا کے صالح بندوں کی وراثت میں زمین آچکی ہے اسی طرح عن قریب ان کی وراثت میں بھی آنے والی ہے ۔ اور پھر یہ انقلاب کیوں ہونے والا ہے؟ اس لیے کہ " وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمین "۔ پیغمبر اسلام کا ظہور کرۂ ارضی کے لیے رحمت الٰہی کا ظہور ہے ۔ پس ضروری ہے کہ انسانی =

=شقاوت کا خاتمہ ہو . ضروری ہے کہ اس کی جگہ رحمت الٰہی کا سایہ کرۂ ارضی پر چھا جائے!

اس کے بعد واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام کی دعوت کا ما حصل کیا ہے؟ "انما الٰہکم اللہ واحد فھل انتم مسلمون".

باقی رہی یہ بات کہ یہ انقلاب حال کب ظہور میں آنے والا ہے؟ تو "ان ادری اقریب ام بعید ما توعدون". میں جانتا ہوں کہ یقیناً ایسا ہونے والا ہے . لیکن ابھی اس میں کچھ دیر ہے یا بالکل سامنے آ گیا؟ یہ میں نہیں کہہ سکتا ، کیوں کہ اس بارے میں بھی اللہ کے مقرر و قوانین ہیں اور وہ کام کر رہے ہیں . "وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین "کون جانتا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ جو تاخیر ہو رہی ہے وہ اس لیے ہو کہ تمہیں ابھی کچھ دنوں اور آزمایش میں ڈالنا ہے یا اس لیے کہ تمہارے تمتع حیات کے کچھ دن ابھی باقی ہیں.

یہ سورت کا کتنا اہم مقام ہے! سورت کے تمام بیانات کس طرح وقت کی سب سے بڑی موعظت پر ختم ہو رہے ہیں! اور پھر کیسی فیصلہ کن بات ہے جس میں مؤمنین صالحین کے لیے پیام اقبال اور منکرین مفسدین کے لیے پیام ادبار ہے! لیکن تفسیریں اٹھا کر پڑھو ہمارے مفسر اس تیزی سے نکل گئے ہیں گویا رکنے اور نظر و تدبر سے کام لینے کی اس میں کوئی بات ہی نہیں ہے! =

رحمۃ للعلمین

= یہاں پیغمبر اسلام کے ظہور کا ایك ایسا وصف بیان کیا گیا ھے جو قرآن کے بیان کردہ اوصاف میں سب سے زیادہ اھم اور نمایاں ھے، یعنی رحمۃ للعلمین! یہ ظہور صرف کسی ایك ملك، کسی ایك قوم، کسی ایك نسل ھی کے لیے نہیں، بلکہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ھے۔ یہ وصف بیان کر کے قرآن نے ایك کسوٹی ھمارے حوالے کر دی ھے۔ اس پر ھم اس ظہور کی ساری صداقتیں پرکھ لے سکتے ھیں۔ اگر یہ فی الحقیقت تمام نوع انسانی کے لیے رحمت کا ظہور ثابت ھوا ھے تو اس کی سچائی میں کوئی شك نہیں۔ اگر ایسا نہیں ھوا ھے تو پھر سچائی نے قرآن کا ساتھ نہیں دیا۔ ھمارا فرض ھے کہ حقیقت کا حقیقت کے لیے اعتراف کر لیں۔

تاریخ کا فیصلہ

یہ جانچ تاریخ کی بے لاگ اور بے رحم جانچ ھونی چاھیے، ھر طرح کی مذھبی خوش اعتقادیوں سے منزہ، ھر طرح کی خود پرستانہ طرف داریوں سے پاك۔ کیوں کہ یہاں حقیقت کی عدالت موجود ھے اور وہ صرف حقیقت ھی کی شہادت پر کان دھرتی ھے!

جہل و تعصب نے ھمیشہ اعلان حقیقت کی راہ روکنی چاھی ھے، لیکن روك نہیں سکی ھے۔ اس فیصلے میں بھی تاریخ نے دیر لگائی، لیکن بالآخر اسے کرنا پڑا۔ ضروری ھے =

= که یه فیصله خود اسی کی زبانی سنا جائے اور ایك معتقد کی طرح نہیں بلکه ایك مؤرخ کی طرح عالم انسانیت کے ایك ایك گوشے سے شہادت طلب کی جائے. افسوس ھے که اس وقت تك کوئی کوشش ایسی نہیں کی گئی جو اس موضوع پر علمی حیثیت سے وقیع سمجھی جا سکے. ھم نے مقدمۂ تفسیر میں اس کی کوشش کی ھے اور ایك خاص باب کا موضوع بحث یہی مسئله ھے. یہاں اتنی تفصیل کی گنجایش نہیں اور اختصار مفید مدعا نہیں، اس لیے مجبوراً قلم روك لینا پڑتا ھے.

○ ○ ○ ○ ○

حضرت ابراھیم کی بت شکنی کا واقعه

سورت کی تشریحات ختم ھو گئیں، مگر ایك نہایت اھم مبحث باقی رہ گیا ھے. یعنی حضرت ابراھیم (علیه السلام) کی بت شکنی کا واقعه جو آیت ٥٧ سے ٦٧ تك بیان کیا گیا ھے. عام طور پر مفسروں نے یه بات تسلیم کر لی ھے که حضرت ابراھیم نے تین موقعوں پر ایسی بات کہی جس پر بظاھر جھوٹ کا اطلاق ھو سکتا ھے. اس میں سے ایك موقع یه ھے جب ان سے پوچھا گیا: "ءانت فعلت ھذا" کیا تو نے بتوں کو توڑا ھے تو انھوں نے کہا: "بل فعله کبیرھم ھذا" بلکه اس بڑے بت نے ایسا کیا، حالانکه فی الحقیقت فعل =

= خود انہیں کا تھا ۔

اس بارے میں استدلال صحاح کی ایک روایت سے کیا جاتا ہے ، لیکن سب سے پہلے ہمیں خود اس مقام پر تدبر کرنا چاہیے کہ کیا فی الحقیقت یہاں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس سے حضرت ابراہیم کا جھوٹ بولنا ثابت ہوتا ہو ، خواہ وہ جھوٹ کسی درجے اور کسی نوعیت کا ہو ۔

حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کی تاریخ کی بو العجبیوں میں اس سے بڑھ کر اور کوئی ناقابل توجیہ بو العجبی نہیں ۔ قرآن میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے اس اصدق الصادقین کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو ۔ لیکن بتکلف ایک آیت کو توڑ مروڑ کر ایسا بنایا جا رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ بولنے کی بات بن جائے ۔ اور اثبات کذب کی یہ مبارک کوشش کیوں کی جا رہی ہے ؟ صرف اس لیے کہ ایک مزعومہ حدیث موجود ہے ۔ پس کہیں یہ قیامت نہ ٹوٹ پڑے کہ اس کے غیر معصوم راویوں کی روایت کمزور مان لینی پڑے ! گویا اصل اس باب میں غیر معصوم راویوں کا تحفظ ہے نہ کہ معصوم رسولوں کا ، اور اگر قرآن میں اور کسی روایت میں اختلاف واقع ہو جائے تو قرآن کو روایت کے مطابق =

= بننا پڑے گا، راوی کی شہادت اپنی جگہ سے کبھی نہیں ھل سکتی !

اب غور کرو ! یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ خود قرآن کے صاف صاف لفظوں میں کیا ہے .

شہر "اُر" کی بت پرستی

سر زمین دجلہ و فرات میں نینوا اور بابل سے پہلے جو شہر آباد ہوے ان میں ایک اُور (Ur) تھا. یہ جنوبی عراق میں فرات کے کنارے آباد تھا اور محل وقوع وہ مقام تھا جو آج کل "تل العبید" کے نام سے پکارا جاتا ہے . اس کی تنقیب و تحقیق کا سلسلہ ابھی جاری ہے ، لیکن جس قدر آثار و کتبات روشنی میں آچکے ہیں ان سے باشندگان شہر کے عقائد و اعمال کے بہت سے گوشے واضح ہو چکے ہیں . یہاں بت پرستی کی وہ ساری بنیادیں استوار ہو چکی تھیں جو آگے چل کر نینوا اور بابل میں زیادہ وسیع اور منظم شکل اختیار کر لیتی ہیں . پرستش کا مبدأ کواکب تھے . سب سے بڑا بت "شمش" کا تھا ، یعنی شمس (سورج) کا. اس کے نیچے بہت سے بت مختلف طاقتوں یا مختلف قبیلوں اور آبادیوں کے تھے . خود شہر اُور کا محافظ خدا "نانعار" تھا، یعنی چاند. "تل العبید" (١٠٦) کے ٹیلے میں جس مندر کے آثار ملے ہیں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ "نانعار" کا مندر تھا . =

=مندر کے خاص پجاریوں اور محافظوں کا ممتاز گروہ بھی پیدا ہو چکا تھا اور انہیں دینی ریاست پیشگی (priest hood) کی نوعیت حاصل ہوگئی تھی ۔

آزر نام نہیں لقب تھا

حضرت ابراھیم کا ظہور اسی شہر میں ہوا ۔ ان کے والد تارخ کا بچپنے ھی میں انتقال ہو گیا تھا ۔ چچا نے پرورش کی تھی اور چونکہ وہ مندر کے پجاریوں میں سے تھا، اس لیے "آدار" کے لقب سے پکارا جاتا تھا ۔ "آدار" قدیم کالدی زبان میں بڑے پجاری یا محافظ معبد کو کہا کرتے تھے ۔ یہی "آدار" ھے جس نے بعد کی عربی میں "آزر" کی شکل اختیار کر لی اور اسی لیے قرآن نے اس کا ذکر "آزر" کے نام سے کیا ۔

حضرت ابراہیم کا گھرانا

حضرت ابراھیم نے جب آنکھ کھولی تو خود اپنے گھر میں بت پرستی پائی ۔ لیکن اللہ نے سچائی کی حجتوں اور دلیلوں کی وحی سے ان کا قلب سلیم اس طرح معمور کر دیا تھا کہ نہ تو قوم و وطن کی جہالت و گمراھی اسے چھو سکی، نہ خود اپنے عزیزوں اور بزرگوں کا اعتقاد راسخ اسے متأثر کر سکا ۔ انہوں نے پہلے اپنے گھرانے میں تبلیغ کی، پھر تمام قوم کو پیام حق پہنچایا

دعوت و تبلیغ حق

انہوں نے پہلے شرک و بت پرستی کے خلاف عقل سلیم کی حجتیں اور وجدان صادق کی شہادتیں پیش کیں : =

= "وتلك حجتنا اٰتینٰها ابرٰهیم علی قومه ۚ نرفع درجٰت من نشاء ان ربك حكیم علیم" (۶ : ۸۳). لیکن پھر دیکھا که آباء و اجداد کی تقلید کی ظلمت اس طرح دلوں پر چھا گئی ھے که عقل و بینش کی کوئی روشنی بھی انھیں دکھائی نہیں دیتی. ھر حجت و آیت کا جواب ان کی زبانوں سے یہی نکلتا ھے که "وجدنا اٰباءنا لها عٰبدین". نیز انھوں نے دیکھا ایك عرصے کے تعامل و توارث نے لوگوں کی عقلیں یکسر مفلوج کر دی ھیں. بتوں کے روحانی اقتدار و تصرف کا عقیدہ ان کی رگ رگ میں سرایت کر گیا ھے. ان کی سمجھ میں یه بات آ ھی نہیں سکتی که الوھیت و قدوسیت کی یه متمثل روحانیتیں جو طرح طرح کے روایتی معجزوں اور الھامی اچنبھوں کا سر چشمه چلی آتی ھیں، محض بے اختیار مورتیاں ھو جائیں اور جو حقیقت ھمارے آباء و اجداد اور ان کے آباء و اجداد نه پا سکے وہ کل کا ایك نوجوان لڑکا پالے. چنانچه وہ ان کی دعوت و تبلیغ کا تمسخر اڑاتے اور کہتے: "اجئتنا بالحق ام انت من اللّٰعبین" فی الحقیقت تمہارا ایسا ھی عقیدہ ھے یا ھم سے ھنسی تمسخر کر رھے ھو؟ یعنی بتوں کی عظمت اور ان کے روحانی اقتدار و تصرف کی ھیبت دلوں پر اس طرح چھائی ھوئی تھی که اس کے خلاف کسی کا بے دھڑك =

= زبان کھولنا ان کے وھم و گمان میں بھی نہیں آسکتا . وہ حضرت ابراھیم کی باتیں سنتے تو متعجب ھو کر کہتے: تمہارے ہوش و حواس کہاں گئے؟ تم سنجیدگی سے ایک بات کہہ رہے ھو یا ھم سے مزاح کر رہے ھو؟ .

(ان کا محسوس کرنا کہ مغلوبِ جہل کے لیے دلائل بے کار ھیں)

جب ابناء قوم کے جہل و کوری کی یہ حالت دکھائی دی تو حضرت ابراھیم نے محسوس کیا حجتوں اور دلیلوں کی روشنی ایسے لوگوں کے لیے بالکل بے کار ھے . ان کے دلوں میں بتوں کے اقتدار و تصرف کا وھم اعتقاد بن کر جم گیا ھے . جب تك اس پر چوٹ نہیں لگے گی ان کی آنکھیں کھلنے والی نہیں . بس ضروری ھے کہ اعلان حقیقت کے لیے ایك دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے اور وہ طریقہ ایسا ھو کہ میری دلیلوں اور موعظتوں کی روشنی سے نہیں بلکہ خود اپنی اندھی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ صدیوں کی یہ کھڑی ہوئی عظمتیں اور نسلوں کی مانی ہوئی معبودیتیں بے اختیار مورتیوں اور بے جان پتھروں سے زیادہ کچھ نہیں ھیں . اور انسانوں کی کسی بڑی تعداد کا کسی بڑی مدت تك ایك بات مان لینا اور کیے جانا سچائی کا ثبوت نہیں . سچائی کا ثبوت صرف عقل سلیم کی حجت ھے .

یہ طریقہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ انہوں نے تمام لوگوں کو =

= کھلا کھلا چیلنج دے دیا: "تاللہ لا کیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین". یعنی اگر عقل کی کوئی دلیل بھی تمھارے لیے سود مند نہیں، تم اپنے اس وہم باطل میں جمے ہوے ہو کہ یہ مورتیاں طاقت و تصرف رکھتی ہیں تو اچھا خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو نتیجہ کیا نکلتا ہے. جونہیں تم آج اپنے بڑے میلے میں گئے، میں تمھارے ان بتوں کے ساتھ ایک داؤ کھیلوں گا. اگر فی الحقیقت ان میں طاقت و تصرف ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا کر اپنے کو بچا لیں یا میرے ہاتھ پاؤں شل کر دیں.

جب ایک جماعت تقلید و وہم پرستی میں اس درجہ ڈوب جائے کہ عقل و بصیرت کی کوئی بات بھی اس کے اندر نہ اتر سکے تو پھر اقناع فکر کی صرف یہی ایک راہ رہ جاتی ہے کہ ان کی عقل کی جگہ ان کے حواس کو مخاطب کیا جائے اور کوئی ایسی بات کر کے دکھا دی جائے جس سے ان کی ساری وہم پرستیوں کا بطلان ہو جائے. مثلاً ایک بچہ چڑیا کو دیکھ کر ڈرنے لگتا ہے. تم ہزار اسے سمجھاؤ کہ چڑیا کاٹتی نہیں، لیکن وہ ماننے والا نہیں. اب ایک دانش مند آدمی کیا کرے گا؟ یہ کرے گا کہ دلیلوں کی جگہ مشاہدے سے کام لے گا. =

= وہ اپنی انگلی چڑیا کی چونچ میں ڈال دے گا اور پھر نکال کر بچے کو دکھا دے گا کہ دیکھ لے اس نے کاٹا ہے یا نہیں کاٹا ہے ۔ یہ ایک مشاہدہ بچے کے اندر جس درجہ یقین پیدا کر دے گا وہ ایک سو آدمیوں کی ایک ہزار دلیلوں سے بھی پیدا نہیں ہو سکتا ۔ یہی حال عقول فاسدہ کا ہے ۔ تم ان کی عقل و فکر سے کچھ نہیں پا سکتے ۔ لیکن تم انہیں مشاہدے کے ذریعے عاجز کر دے سکتے ہو ۔ حضرت ابراہیم نے بالآخر یہی طریقہ اختیار کیا ۔ انہوں نے کہا : جس حقیقت کو تم عقل و فکر سے نہیں پاسکتے میں تمہارے مشاہدے میں لا کر خود تمہاری زبانوں سے اگلوا لوں گا ۔ تمہارے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ ان میں طاقت و تصرف ہے ۔ اچھا ! میں ان پر ہاتھ اٹھاتا ہوں ۔ اب اگر سچ مچ کو ان میں اختیار و تصرف ہے تو یہ اپنے سارے معجزے لے کر نمودار ہو جائیں اور مجھے اس سے روک دیں یا مجھ پر کوئی آسمانی عذاب اتار دیں ۔

لوگوں نے ان کا یہ اعلان سنا ، لیکن چوں کہ دلوں میں بتوں کی عظمت و تقدیس رچی ہوئی تھی ، اس لیے قابل التفات نہیں سمجھا ۔ وہ سمجھے ایک مجنونانہ بڑ ہے ۔ بھلا کون ہے جو ان قادر و توانا معبودوں کی جناب میں ایسی جرأت کر سکتا ہے اور اگر کرلے تو =

= اسے اس کی مہلت ہی کب ملے گی؟ نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے!

لیکن حضرت ابراہیم اپنے فیصلے کا اعلان کر چکے تھے اور اسے کر کے دکھا دینا تھا. جونہیں معبد خالی ہوا انہوں نے ایک ایک کر کے تمام بت توڑ دیے، صرف بڑے بت یعنی ''شمش'' کو چھوڑ دیا. اس میں مصلحت یہ تھی کہ ''لعلھم الیہ یرجعون''، اگر یہ باقی رہے گا تو شاید اس کی طرف لوگ رجوع کریں. یعنی یہ سوال اٹھایا جا سکے کہ اس کے سامنے بتوں پر آفت آئی اور خود یہ بھی کہ ''رب الارباب'' تھا، کچھ نہ کر سکا. اب اسی سے بتوں کی تباہی کی کہانی سن لی جائے!

پہلے چیلنج دیا پھر کر کے دکھا دیا

جب لوگ واپس آئے اور انہوں نے دیکھا جو بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتی تھی وہ وقوع میں آ گئی اور سچ مچ کو ابراہیم نے سارے بت پاش پاش کر دیے تو غور کرو! ان کے دل و دماغ کا کیا حال ہوا ہو گا اور ایسی حالت میں کیا ہونا چاہیے؟ پہلے حیرت چھائی ہو گی کہ یہ کیا سے کیا ہو گیا! کیا یہ مقدس مورتیاں اس طرح توڑ پھوڑ ڈالی جا سکتی تھیں! پھر حضرت ابراہیم کی ساری باتیں سامنے آ گئی ہوں گی. صاف نظر آ گیا ہو گا کہ اس بارے میں سچا وہی نکلا، ہم جھوٹے ہوئے. =

بتوں کی حیرانی اور پھر تجاہل

=پھر اپنی شکست کے خیال نے غم و غصے کی شکل اختیار کر لی ہوگی۔ فتح مند آدمی اتنا غضب ناک نہیں ہوتا جتنا شکست خوردہ ہو جاتا ہے، خصوصاً جب کہ یہ شکست سخت ذلت و ندامت کی شکست ہو۔ اب پجاریوں کے لیے سب سے زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ معاملے کی شناعت عامۃ الناس سے پوشیدہ رکھی جائے۔ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ ابراھیم نے پہلے چیلنج دے دیا تھا اور پھر کر کے دکھا دیا تو ان کے عقیدے فوراً متزلزل ہو جائیں گے۔ پس دکھاوے کے لیے پجاریوں نے ایسا انداز اختیار کر لیا گویا ابراھیم والی بات کی انہیں خبر ہی نہیں۔ آپس میں پوچھنے لگے: یہ شرارت کس نے کی ہے؟ جس کسی نے کی ہے وہ بڑا ہی مجرم ہے۔ وہ دیوتاؤں کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔ اس پر بعض دکھاوے کے لیے بول اٹھے "سمعنا فتیً یذکرھم یقال لہ ابرٰھیم" ہمارے سننے میں آیا ہے ایک نوجوان ان مورتیوں کے بارے میں کچھ باتیں کہتا تھا۔ غالباً اسی نے کیا ہو۔ اسے ابراھیم کہہ کر پکارتے ہیں۔ غور کرو! کہنے والا اب بھی یہ نہیں کہتا کہ اس نے مورتیوں کے خلاف ایک داؤ کھیلنے کی دھمکی دی تھی، بلکہ صرف "یذکرھم" کہہ کے چپ ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ کوشش یہ ہے کہ اصل معاملہ عوام سے چھپایا جائے=

= جو اس حادثۂ عظیم کی خبر سنکر وهاں جمع هو گئے تھے اور جس کا پتا " فاتوا به علی اعین الناس " سے لگتا ھے، یعنی پجاریوں نے کہا : ابراهیم کو یہاں لوگوں کے سامنے لاؤ. بہرحال حضرت ابراهیم بلائے گئے . وہ اب تمام مجمع کے سامنے کھڑے هیں . مجمع میں پجاری اور عوام دونوں هیں پجاریوں کو سب کچھ معلوم ھے ، عوام کو تفصیلات معلوم نہیں .

حضرت ابراہیم کا مجمع عام میں آنا اور پجاریوں سے مکالمہ

اب وہ وقت آگیا ھے کہ حضرت ابراهیم نے انکشاف حقیقت کا جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کا نتیجہ آشکارا هو جائے اور جس حقیقت کے اعتراف سے لوگوں کو انکار تھا وہ خود انہیں کے حلقوں سے اگلوالی جائے. اور دیکھو! کیسے صاف اور قدرتی طریقے سے حضرت ابراهیم اپنی اس عملی اور وقوعی حجت کی سلطانی کا اعتراف کراتے هیں! پجاریوں نے دکھاوے کے لیے بے خبر بن کر پوچھا "أنت فعلت هذا بآلهتنا یا ابرٰهیم" کیا همارے معبودوں کے ساتھ تونے یہ حرکت کی ھے؟ اب اگر حضرت ابراهیم ان کے جواب میں کہتے: میں تمہیں پہلے هی کہہ چکا تھا کہ ایسا کروں گا. اس میں پوچھنے کی بات کیا ھے؟ تو انہیں رد و کد کرنے کا موقع مل جاتا. مثلاً وہ عوام کے سامنے انکار کر دیتے کہ تم نے کبھی ایسا نہیں =

= کہا تھا اور اس طرح اصل مسئلے کی جگہ ایک دوسری بات میں سوال وجواب ہونے لگتا۔ پس انہوں نے جواب میں حجت الزامی کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ ردوکد کے سارے دروازے بند ہوگئے اور حقیقت آشکارا ہوگئی: ''بل فعله كبيرهم هذا فسئلوهم ان كانوا ينطقون''، بلکہ اس سب سے بڑے بت ''شمش'' نے کیا ہے، جس کے آگے تم ہمیشہ اپنے سوالات پیش کرتے رہتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ اس کی پراسرار صدائیں تمہیں (یعنی تم پجاریوں کو) سنائی دیتی ہیں۔ یہ ابھی زندہ سلامت موجود ہے۔ اگر فی الحقیقت مورتیاں سوالوں کا جواب دیا کرتی ہیں تو اسی مورتی سے پوچھ لو۔ مجھ سے کیوں سوال کرتے ہو؟

پجاریوں کا اعتراف پر مجبور ہونا

یہ جواب سنتے ہی سب پر سناٹا چھا گیا، کیوں کہ اس کا اُن کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ نہ تو یہ کہہ سکتے تھے کہ مورتی سے امید جواب نہیں، نہ مورتی سے سوال ہی کر سکتے تھے! ادھر عوام نتیجے کے منتظر تھے۔ ''فرجعوا الى انفسهم''۔'' انفسهم'' یعنی پجاریوں کی جماعت عوام سے الگ ہو کر آپس میں باتیں کرنے لگی اور چوں کہ اب حضرت ابراہیم کا تیر ٹھیک نشانے پر لگ چکا تھا، اس لیے انہیں اقرار کرنا پڑا ''فقالوا انكم انتم الظلمون''، بلاشبہ حق سے نافرمانی کرنے والے ہم ہی ہیں۔ ٹھیک بات تو وہی ہے =

= جو ابراہیم کہہ رہا ہے . بالآخر مجبور ہوئے کہ جو بات حضرت ابراہیم ان سے کہلوانی چاہتے تھے وہ سر جھکا کر دبی زبان سے کہہ دیں : '' لقد علمت ما ھؤلاء ینطقون '' ، '' لقد علمت '' یعنی یہ حقیقت تو تجھے معلوم ہی ہو چکی ہے کہ مورتیوں کی صداؤں اور مندر کے ہاتف غیبی کے جوابوں کا معاملہ وہ نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے ، مورتیاں بولا نہیں کرتیں . پھر تیرا یہ کہنا کہ بڑے بت سے پوچھ کر فیصلہ کرو ، کیا معنی رکھتا ہے؟ تب حضرت ابراہیم نے تمام مجمع سے مخاطب ہو کر نداء حق بلند کر دی '' افتعبدون من دون اللہ ما لا ینفعکم شیئاً ولا یضرکم * اف لکم و لما تعبدون من دون اللہ ط افلا تعقلون '' (٦٦ و ٦٧)، جب ان مورتیوں کے نطق و الہام کے سارے قصے من گھڑت ہیں اور ان کے عجز و درماندگی کا یہ حال ہے جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش پر جم گئے ہو! کیا اتنی موٹی بات بھی سمجھ نہیں سکتے؟

ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ کالڈیا (Chaldea) میں پجاریوں کی خاص جماعت پیدا ہو چکی تھی اور بت پرستی کی تاریخ میں اصلی کار فرما جماعت ہمیشہ یہی رہی ہے . یہ لوگ عوام سے الگ ہو جاتے تھے اور پھر عوام کو =

تفسیر '' ان کانوا ینطقون ''

= کو اپنے قبضہ و اقتدار میں رکھنے کے لیے مندروں کی معجزانہ قوتیں برابر بڑھاتے رہتے تھے۔ چنانچہ مختلف طریقے کام میں لا کر لوگوں کو یقین دلاتے کہ مورتیاں بولتی ہیں۔ سوالوں کا جواب دیتی ہیں۔ نذرانے قبول کرتی ہیں۔ ہر طرح کے عجائب و خوارق شب و روز ان سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کا اصلی خطاب انہیں پجاریوں سے تھا۔ وہ گھر کے بھیدی تھے، کیونکہ خود ان کا چچا مندر کے پجاریوں میں سے تھا اور اس طرح وہاں کے تمام حالات سے باخبر ہونے کا پورا موقع انہیں حاصل ہو گیا تھا۔ انہوں نے چاہا عوام کے سامنے حقیقت حال کا پجاریوں سے اعتراف کرائیں اور انہوں نے اعتراف کرا کے چھوڑا۔ پس ان کے اس قول کا کہ "ان کانوا ینطقون" یہ مطلب سمجھنا چاہیے کہ اگر مورتیوں کی پر اسرار نداؤں کی وہ بات ٹھیک ہے جس کا تم عوام کو یقین دلاتے رہتے ہو تو اس بڑے بت سے نداء حق کا مطالبہ کرو۔ اگر یہ ہمیشہ تمہارے سوالوں کا جواب دیتا ہے تو آج کیوں نہ دے؟ اور ایسے موقع پر کیوں نہ دے جب تمام مندر تہ و بالا ہو گیا ہے؟ یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر بت عام طور پر نطق و کلام کرتے ہیں تو ان سے بات کرا لو۔ کیونکہ =

= بتوں کا عام طور پر آدمیوں کی طرح بات نہ کرنا تو عام طور پر مسلم تھا . کوئی بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا تھا کہ یہ ہماری طرح بولتے چالتے ھیں .

حضرت ابراھیم کی یہ بات عوام کے دلوں میں قطعاً اتر گئی ھوگی . ھر شخص بول اٹھا ھوگا کہ بات ٹھیک کہہ رھا ھے . بڑی مورتی سے اس حادثے میں کیوں نہ رجوع کیا جائے .

لیکن جب ابراھیم نے مجمع عام میں بت پرستی کے خلاف وعظ شروع کردیا تو پجاری ڈرے اور انھوں نے چاھا عوام کے بت پرستانہ جذبات بھڑکا کر اپنا کام نکال لیں . انھوں نے کہا " حرقوہ و انصروا الھتکم ان کنتم فعلین " اسے زندہ آگ میں جلادو . کیوں کہ تمام قدیم قوموں میں دستور تھا کہ مذھبی اور سیاسی مجرموں کو زندہ جلادینے کی سزا دیا کرتے تھے . چنانچہ کالڈیا میں آخری زمانے تک یہی دستور رھا . کتاب دانیال سے معلوم ھوتا ھے کہ کالدیوں نے ان یہودیوں کو زندہ جلا دینا چاھا تھا جنھوں نے بادشاہ کی معبودیت سے انکار کردیا تھا .

اب غور کرو ! اس تمام سرگذشت میں کونسی بات ایسی ھے جس سے حضرت ابراھیم کا جھوٹ بولنا نکلتا ھو ؟

فرض ابطال مع الخصم کذب نہیں ھے

= بتوں کو انھوں نے کچھ چوری چھپے نہیں توڑا تھا کہ خلاف واقعہ بات کہہ کے اسے چھپانا چاہتے. تمام پجاریوں کے سامنے صاف صاف اعلان کر دیا تھا اور اعلان بھی اس تاکید کے ساتھ کہ '' تاللہ لاکیدن اصنامکم ''، خدا کی قسم! میں ضرور تمہارے بتوں کو اپنے داؤ کا نشانہ بناؤں گا. پھر جو بات اس طرح صاف صاف کہہ دی گئی ہو اور علانیہ کی گئی ہو، اس میں جھوٹ بولنے کی بات کہاں سے نکل آئی! باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ '' بل فعلہ کبیرھم ھذا '' تو ظاہر ہے کہ ایک لمحے کے لیے بھی اس سے مقصود انکار فعل نہیں ہو سکتا. کیوں کہ فعل کا تو وہ پہلے سے اعلان کر چکے تھے اور خود پوچھنے والوں میں ایک ایک فرد جانتا تھا کہ انہیں کا کیا دھرا ہے. بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ محض حجت الزامی تھی اور حجت الزامی کا وہ طریقہ جسے ہمارے مناظر '' فرض الباطل مع الخصم حتی تلزمہ الحجۃ '' سے تعبیر کرتے ہیں. صدق و کذب کا سوال یہاں کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے.

چوں کہ ہمارے مفسروں کے سامنے ایک روایت موجود تھی اور اس کی تعمیل میں ضروری سمجھتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ کی بات بن جائے، اس لیے =

=انہوں نے کوشش کی کہ جو بات قرآن میں نہیں ہے وہ محذوف بنا کر بڑھا دی جائے. چنانچہ وہ حضرت ابراہیم کے قول "تاللہ لا کیدن اصنامکم" کو سلسلۂ بیان سے الگ کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ بات انہوں نے مخاطبوں سے نہیں کی تھی، اپنے جی میں کہی تھی. یعنی ان کا اعلان نہ تھا، جی ہی جی میں ایک سازش سوچی تھی. لیکن یہ محض رائے سے قرآن کے مطالب میں اضافہ کرنا ہے. قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے جی میں کہا تھا. وہ تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ موقع مخاطبہ اور مکالمہ کا تھا اور جب پجاریوں نے یہ بات کہی کہ "اجئتنا بالحق ام انت من اللعبین" تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیم نے اعلان کیا. علاوہ بریں اس طرح کے محذوفات جبھی تسلیم کیے جا سکتے ہیں جب کہ کوئی قطعی قرینہ موجود ہو. یہاں بجز اس ضرورت کے کہ حضرت ابراہیم کو کذب گو بنایا جائے اور کونسی ضرورت لاحق ہو گئی ہے کہ یہ محذوف گھڑ لیا گیا.

روایت صحیحین

باقی رہی صحیحین (۱۰۷) کی روایت کہ "لم یکذب ابراہیم فی شیء قط الا ثلاث کلھن فی اللہ الخ" تو اگرچہ اس کی توجیہ و تاویل کی بہت سی راہیں لوگوں نے کھول لی ہیں، مگر صاف بات وہی ہے جو امام ابو حنیفہ کی طرف =

= منسوب ہے اور جسے امام رازی نے بھی دھرایا ہے۔ یعنی ہمارے لیے یہ تسلیم کر لینا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم و تعبیر حدیث میں غلطی ہو گئی بمقابلے اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کرلیں۔ اگر ایک راوی کی جگہ سینکڑوں راویوں کی روایت بھی ناقص ٹھیر جائے تو بہر حال غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہو گی، لیکن اگر ایک معصوم پیغمبر کو بھی غلط بیان تسلیم کر لیا گیا تو نبوت و وحی کی ساری عمارت درہم برہم ہو گئی۔

"صحت" اور "عصمت"

بلا شبہ روایت صحیحین کی ہے، لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی مسلمان نے بھی راویان حدیث کی عصمت کا دعوی نہیں کیا ہے، نہ امام بخاری و مسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے۔ کسی روایت کے لیے بڑی سے بڑی بات جو کہی گئی ہے وہ اس کی "صحت" ہے، "عصمت" نہیں ہے اور "صحت" سے مقصود صحت مصطلحۂ فن ہے، نہ کہ صحت قطعی و یقینی مثل صحت قرآن۔ پس ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی مہریں لگ چکی ہوں،

معیار رد و قبول

لیکن بہر حال غیر معصوم انسانوں کی ایک شہادت اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے۔ ایسا فیصلہ ہر بات کے لیے مفید حجت ہو سکتا ہے، مگر یقینیات =

= و قطعیات کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ جب کبھی ایسا ہو گا کہ کسی راوی کی شہادت یقینیات قطعیہ سے معارض ہو جائے گی تو یقینیات اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے، غیر معصوم کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑے گی۔

نبی کا سب سے بڑا وصف جو قرآن نے بتلایا ہے وہ اس کی سچائی ہے اور احتیاج تفصیل نہیں۔ نبوت ایک سیرت ہے جو صرف سچائی ہی سے بنتی ہے اور صرف سچائی ہی کے سانچے میں ڈھل سکتی ہے۔ ایک نبی کسی بات سے عاجز نہیں ہوتا مگر اس بات سے کہ سچ نہ بولے۔ حقیقت اور سچائی کے خلاف جو کچھ ہے خواہ کسی شکل اور کسی درجے میں ہو، نبوت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر نبوت ہو گی تو سچائی بھی ہو گی، اگر سچائی نہیں ہے تو نبوت بھی نہیں۔ پس انبیاء کرام کی سچائی اور عصمت یقینیات دینیہ و نقلیہ میں سے ہے۔ روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو بہر حال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحے کے لیے بھی یقینیات دینیہ کے مقابلے میں تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ ہمیں مان لینا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں ہو سکتا، یقیناً یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے۔ اور ایسا =

= مان لینے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین شق ہو جائے گی۔

اصل یہ ہے کہ ہر گوشے کی طرح اس گوشے میں بھی متاخرین افراط و تفریط میں پڑ گئے ہیں اور اس کی وجہ سے عجیب عجیب الجھاؤ پیش آرہے ہیں۔ ایک طرف فقہاء حنفیہ ہیں جنھوں نے یہ دیکھ کر کہ صحیح بخاری و مسلم کی مرویات کی زد ان کے مذہب پر پڑ رہی ہے، اس امر کی کوشش شروع کر دی کہ ان دونوں کتابوں کی صحت کی قوت کسی نہ کسی طرح کمزور کی جائے۔ چنانچہ ابن ہمام و غیرہ نے اس طرح کے اصول بنانا شروع کر دیے کہ صحیحین کی ترجیح صحیحین کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ محض ان کی شروط کی وجہ سے ہے۔ پس اگر کسی دوسری کتاب کی روایت بھی ان شرطوں پر اتر آئی تو قوت میں صحیحین کی روایت کے ہم پلہ ہو جائے گی۔ حالانکہ صحیحین کی ترجیح محض ان کی شروط کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ "شہرت" اور "قبول" کی بنا پر ہے اور اس پر تمام امت کا اتفاق ہو چکا ہے۔ دوسری طرف عامۂ اصحاب حدیث ہیں جنھوں نے اس باب میں ٹھیک ٹھیک تقلید کی وہی چادر اوڑھ لی ہے جو فقہاء مقلدین کے سروں پر انھوں نے دیکھی تھی اور اسے =

صحیحین کے باب میں افراط و تفریط

= پارہ پارہ کر دینا چاہا تھا. ان کے سامنے جونہیں بخاری و مسلم کا نام آجاتا ہے بالکل درماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں اور پھر کوئی دلیل و حجت بھی انہیں اس پر تیار نہیں کر سکتی کہ اس کی کسی روایت کی تضعیف پر اپنے آپ کو راضی کر سکیں۔

یہ محل تفصیل کا نہیں، لیکن چوں کہ ایک اہم اور اصولی سوال ہے اس لیے ضروری ہے کہ مختصراً اشارات کر دیے جائیں. پس اس باب میں تحقیق کی راہ یہ سمجھنی چاہیے کہ:

(۱) قرآن کے بعد دین کی ان تمام کتابوں میں جو انسانوں کی ترتیب دی ہوئی ہیں سب سے زیادہ صحیح کتاب جامع بخاری اور جامع مسلم ہے اور ان کی ترجیح محض ان کی شروط ہی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ شہرت اور قبول کی بنا پر ہے. "شہرت" یہ کہ ایک کتاب علم و نظر کے تمام عہدوں اور طبقوں میں عالمگیر طور پر مشہور رہی ہو اور اہل علم نسلاً بعد نسل اس کی صحت و فضیلت پر مہریں لگاتے رہے ہوں. "قبول" یہ کہ وہ تمام امت کی نظر و بحث کا مرکز بن گئی ہو. ہر عہد اور ہر طبقے میں بے شمار ناقدوں اور محققوں نے اس کی ایک ایک روایت، ایک ایک راوی، ایک ایک متن، =

مسلک تحقیق

= ایک ایک لفظ پر ہر طرح کی بحثیں کی ہوں، ہر طریقے سے جانچا ہو، ہر طرح کی نگاہیں رد و قبول کی ڈالی ہوں، زیادہ سے زیادہ موافق و مخالف شرحیں لکھی ہوں، زیادہ سے زیادہ درس و تدریس میں مانجھتے رہے ہوں اور پھر بھی اس کی مقبولیت یک قلم بے داغ رہی ہو. چوں کہ یہ دو باتیں تاریخ اسلام میں صرف انہیں دو کتابوں کے حصے میں آئی ہیں، و لیس لهما ثالث، اس لیے ان کی ہستی بجائے خود ایک دلیل صحت ہو گئی ہے. اور بلا شبہ جب کبھی اختلاف ہوگا تو صحیحین کی روایت محض اس لیے بھی قوی تر سمجھی جائے گی کہ وہ صحیحین کی روایت ہے. دوسرے مجامیع کی روایات کتنی ہی شروط بخاری و مسلم پر نکال کر دکھا دی جائیں، لیکن وہ اس کی قوت کا ہم پلہ نہیں ہو سکتیں.

(ب) لیکن یہ جو کچھ ہے ان کی صحت کا اعتقاد ہے، یعنی ایسی صحت کا جیسی اور جس درجے کی صحت ایک غیر معصوم انسان کے اختیارات کی ہو سکتی ہے، عصمت کا اعتقاد نہیں ہے. اور اس لیے اگر کوئی روایت شاذ یقینیات قطعیہ قرآنیہ سے معارض ہو جائے گی تو ہم ایک لمحے کے لیے بھی اس کی تضعیف میں تأمل نہیں کریں گے، کیوں کہ اصل ہر حال میں قرآن ہے جس کا تواتر یقینی =

= اور حس کی قطعیت شك و شبہہ سے بالا تر ہے.
ہر انسانی شہادت اس پر کسی جائے گی. وہ کسی
غیر معصوم شہادت اور رائے پر کسا نہیں جا سکتا کہ:

غرض اندر میان سلامت اوست

اور پھر تم دیکھ رہے ہیں کہ محققین حدیث نے اس
باب میں کبھی ارباب جمود و تقلید کا شیوۂ اعمیٰ اختیار
نہیں کیا. یہ بخاری کی روایت "اسریٰ" شریك بن عبد الله
بن ابی نمر والی ہے (۱۰۸) جس کی نسبت تمام محققین نے
بے تامل تصریح کر دی کہ شریك کو غلط فہمی ہوئی
اور صحیح بات وہی ہے جو مسلم کی روایت انس بن
مالك میں ہے. اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث "خاق الله
التربہ یوم السبت" (۱۰۹) کی نسبت تمام محققین نے
اتفاق کیا اس کا رفع ثابت نہیں اور اسرائیلیات سے
ماخوذ ہے. پھر اگر اسی طرح صحیحین کی یہ روایت
بھی رد کر دی گئی کہ ابراهیم خلیل کی صداقت رد نہ کرنی
پڑے تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑے گی!

اس روایت میں حضرت ابراهیم کی تین باتوں کو
"کذب" سے تعبیر کیا گیا ہے: ایك تو یہی بات.
دوسری وہ جو سورۂ الصفت میں ہے "فقال انی سقیم"
(۳۷ : ۸۹). تیسری یہ کہ انہوں نے بادشاہ مصر کے آگے =

فقال "انی سقیم"

= اپنی بیوی سارہ کو بہن کہا تھا۔ آخری بات قرآن میں کہیں نہیں ہے، تورات میں ہے اور ہم اس کے موجودہ نسخے کی صحت کے ذمہ دار نہیں۔ باقی رہا ''انی سقیم'' والا قول تو اس کی شرح الصّٰفّٰت میں ملے گی۔ یہاں اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ اس کا کوئی مطلب بھی ٹھیرایا جائے لیکن اس میں جھوٹ کا پہلو کہاں سے نکل آیا؟ ایک شخص نے کہا ''میں سقیم ہوں''، پھر کیوں اسے جھوٹ پر محمول کیا جائے؟

ہم نے یہاں اصل واضح کر دی، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ روایت مشہورہ کے متن و اسناد پر نظر ڈالی جائے۔ اس کے لیے ''البیان'' کا انتظار کرنا چاہیے۔

سورۃ الحج ۔ ۲۲

مدنیة و هی ثمان و سبعون اٰیة

مدنی، ۷۸ آیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝۱

لوگو! اپنے پروردگار (کے عذاب سے) ڈرو۔ یقین کرو! آنے والی گھڑی کا بھونچال بڑا ہی سخت واقعہ ہوگا!!

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ

جس دن وہ تمہارے سامنے آموجود ہوگی اس دن (کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہے گا)، دودھ پلانے والی مائیں اپنا

سُکٰرٰی وَمَا هُمْ بِسُکٰرٰی دودھ پیتا بچہ بھول جائیں گی،
وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ۲ حاملہ عورتیں (وقت سے پہلے)
اپنا حمل گرا دیں گی. لوگوں کو تم اس حال میں دیکھو گے
کہ بالکل متوالے ہو گئے، حالانکہ وہ متوالے نہیں ہوے،
مگر اللہ کے عذاب کی ہول ناکی بڑی ہی ہول ناك ہے (جس نے
انہیں متوالوں کی طرح بے ہوش کر دیا) ۲.

۱ و ۲ - سورت کی ابتدا حیات اخروی کے اثبات اور قیامت کی ہول ناکیوں کی تذکیر سے ہوئی ہے. غور کرو! صرف ایك آیت کے اندر اس ہول ناك ترین حادثۂ کائنات کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے!

ماں کی محبت سے بڑھ کر طبیعت انسانی کا کوئی علاقہ نہیں اور اس محبت کے جوش کی سب سے زیادہ تیزی اس وقت ہوتی ہے جب بچہ دودھ پیتا ہوتا ہے اور ہر وقت ماں کی چھاتی سے لگا رہتا ہے. پس ہول ناکی کی شدت کی یہ کس درجہ حقیقی اور فطری تصویر ہے کہ ماؤں کو اپنے دودھ پیتے بچوں تك کا ہوش نہ رہا. دھشت میں ایسی کھوئی گئیں کہ اپنی گود کے بچوں کو بھول گئیں! جس کی ہول ناکی کا یہ حال ہو اس سے بڑھ کر طبیعت بشری کے لیے اور کونسی ہول ناکی ہو سکتی ہے؟

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۳ۙ

اور (دیکھو!) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور ان کے پاس کوئی علم نہیں۔ وہ ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں ۳.

= اس کے بعد فرمایا: حاملہ عورتیں کہ ابھی ان کے وضع حمل کا وقت نہیں آیا، شدت ہول سے بے اختیار جنین گرا دیں گی. اور یہ دہشت کی انتہا ہے! جسم انسانی پر اس سے زیادہ دہشت کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا.

اور لوگ کس حال میں ہوں گے؟ ایسے جیسے متوالے ہو گئے ہوں. یہ حالت فی الحقیقت متوالے ہونے کی حالت نہ ہوگی، بلکہ ہول ناکی کی شدت انہیں مخبوط الحواس کر دے گی!

گزشتہ جنگ میں جب جرمن فوج نے لیژ (Liege) اور اینٹورپ (Antwerp) پر گولہ باری کی تھی تو وہاں کے بہت سے باشندے بالکل پاگل ہو گئے تھے. اگر گولہ باری کی ہول ناکی کا یہ اثر ہوتا ہے تو اس حادثے کا اثر کیسا ہوگا جس میں اجرام سماویہ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے.

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝٤

شیطان کے لیے یہ بات لکھ دی گئی ہے کہ جو کوئی اس کا رفیق ہوا وہ ضرور اسے گمراہی میں ڈالے گا اور عذاب جہنم تک پہنچا کر رہے گا ٤ .

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي

لوگو! اگر تمہیں اس بارے میں شك ہے کہ آدمی (دوبارہ) جی اٹھے گا تو (اس بات پر غور کرو!) ہم نے تمہیں (کس چیز سے) پیدا کیا؟ مٹی سے . پھر (تمہاری پیدایش کا سلسلہ کس طرح جاری ہوا؟) اس

٣ــ قرآن نے جا بجا انسان کی ایك ذہنی حالت کو جدال فی الله بغیر علم سے تعبیر کیا ہے . تشریح اس کی آخری نوٹ میں ملے گی .

الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ج وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ط وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ ۢ بَهِيْجٍ ۝

طرح که پہلے نطفه ہوتا ہے، پھر ”علقه“ بنتا ہے (یعنی جونك کی طرح کی ایك چیز)، پھر متشکل اور غیر متشکل گوشت کا ایك ٹکڑا. اور یه اس ایسے ہوتا ہے که تم پر (اپنی قدرت کی کار فرمائیاں) واضح کر دیں. پھر (دیکھو!) جس نطفے کو ہم چاہتے ہیں (تکمیل تك پہنچائیں) اسے عورت کے رحم میں ایك مقرره وقت تك ٹھیرائے رکھتے ہیں. پھر (جب نطفه تکمیل کے تمام اندرونی مراتب طے کر لیتا ہے تو) طفولیت کی حالت میں تمہیں باہر نکالتے ہیں. پھر تم (پر یکے بعد دیگرے ایسی حالتیں

طاری کرتے ہیں کہ بالآخر) اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جاتے ہو۔ پھر تم میں کوئی تو ایسا ہوتا ہے جو (بڑھاپے سے پہلے ہی) مر جاتا ہے، کوئی ایسا ہوتا ہے جو (بڑھاپے تک پہنچتا اور اس طرح) عمر کی نکمی حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے کہ سمجھ بوجھ کا درجہ پا کر پھر ناسمجھی کی حالت میں پڑ جائے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے۔ پھر جب اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو اچانک لہلہانے اور ابھرنے لگتی ہے۔ ہر قسم کی روئیدگیوں میں سے حسن و خوبی کا منظر اگ آتا ہے! ٥

---

٥ - پیدایش سے پہلے جنین پر جو مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں ان کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے:

"نطفة" لغت میں پانی کے ایک قطرے کو کہتے ہیں۔ چوں کہ جنین کی تکوین کا ابتدائی مادہ پانی کے چند قطروں کی طرح ہوتا ہے، اس لیے اسے نطفہ کہنے لگے۔

"علقة" جمے ہوے خون کے لوتھڑے کو بھی کہتے ہیں اور جونک کو بھی۔

"مضغة" کے معنی ہیں گوشت کا ایک ٹکڑا۔

"مخلقة" یعنی اس ٹکڑے میں شکل و صورت کی شان کا پیدا ہو جانا۔ =

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ ٦

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی ہستی ایک حقیقت ہے اور وہ بلا شبہہ مردوں کو زندہ کردیتا ہے اور وہ ہر بات پر قادر ہے ۔ نیز اس بات کی کہ مقررہ گھڑی آنے والی ہے ، اس میں کسی طرح کا شبہہ نہیں ٦ ۔

= "غیر مخلقة" بگڑ کے رہ جانا اور متشکل نہ ہونا ۔

پیدایش کے بعد کی تین حالتیں بیان کی ہیں : طفولیت ، رشد و عقل ، ارذل العمر ۔ یعنی بڑھاپا ۔ بڑھاپے کو عربی میں "ارذل العمر" کہتے ہیں ، کیوں کہ اس عمر میں تمام قوتیں جواب دے دیتی ہیں اور طاقت کے بعد پھر کمزوری و بے بسی کا عہد طاری ہو جاتا ہے ۔

اس کے بعد اس کی تعلیل واضح کر دی کہ یہ رشد و عقل کے بعد پھر طفولیت کی نادانی و بے عقلی کی طرف لوٹ جانا ہے ۔ گویا انسان کی عمر طفولیت کی نادانی سے شروع ہوتی ہے ، اور بتدریج بڑھتے بڑھتے رشد و عقل کے بلوغ و کمال تک پہنچ جاتی ہے ۔ اس کمال کے بعد پھر زوال شروع ہو جاتا ہے اور جس حالت سے عمر چلی تھی اسی کی طرف لوٹ آتی ہے ۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ	اور اس کی کہ اللہ ضرور انھیں
فِيْهَا لا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ	اٹھا کھڑا کرے گا جو
مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۞ ۷	قبروں میں پڑ گئے (یعنی

مر گئے) ۷ ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ	اور (دیکھو!) کچھ لوگ ایسے
فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى	ہیں کہ نہ تو ان کے پاس علم
وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۞ لا ۸	کی کوئی روشنی ہے، نہ کسی

طرح کی رہنمائی، نہ کوئی کتاب روشن ۸ ۔

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ	مگر گھمنڈ کرتے ہوے
سَبِيْلِ اللّٰهِ ط لَهٗ فِي الدُّنْيَا	اللہ کے بارے میں جھگڑا
خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ	کرتے ہیں تا کہ لوگوں کو

الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۞ ۹ اس کی راہ سے بھٹکادیں ۔

ایسے آدمی کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم اسے عذاب آتش کا مزہ چکھائیں گے ۹ ۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ع ١٠

ع ٨

یہ اس کا نتیجہ ہے جو خود تیرے ہاتھوں نے پہلے سے مہیا کر رکھا تھا اور اللہ تو اپنے بندوں کے لیے کبھی ظالم نہیں ہو سکتا ۱۰ ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ج فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ ج وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ج قف خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ط ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۱۱

اور (دیکھو !) کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کی بندگی تو کرتے ہیں مگر دل کے جماؤ سے نہیں (۱۱۰)۔ اگر انھیں کوئی فائدہ پہنچ گیا تو مطمئن ہو گئے ، اگر کوئی آزمایش آلگی تو الٹے پاوں اپنی (کفر کی) حالت پر لوٹ پڑے ۔ وہ دنیا میں بھی نامراد ہوے اور آخرت میں بھی اور یہی ہے جو آشکارا نامرادی ہے ۱۱ ۔

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو
مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ (اپنی حاجت روائی کے لیے)
ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ ۱۲ پکارتے ہیں جو نہ تو انہیں
نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ نفع ۔ یہی گم راہی ہے جسے سب سے
زیادہ گہری گم راہی سمجھنا چاہیے ۱۲ ۔

۱۱ و ۱۲ ـ قرآن نے ہر جگہ یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ایمان امید اور یقین ہے اور کفر شک اور مایوسی ہے اور وہ بار بار اس بات پر زور دیتا ہے کہ مایوس نہ ہو، امید کا چراغ روشن رکھو، ہر حال میں امیدوار فضل و سعادت رہو۔ یہی مقتضائے ایمان ہے، یہی سرچشمۂ زندگی ہے، اسی سے تمام دنیوی اور اخروی کامرانیوں کی دولت حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر مایوس ہو گئے، اگر مایوسی کی پرچھائیں بھی دل پر پڑنے دی تو پھر یہ زندگی کا خاتمہ ہوگا، دنیا کی نامرادی ہوگی، عاقبت کا خسران ہوگا!

وہ کہتا ہے: زندگی امید ہے اور موت مایوسی۔ جونہیں تم نے امید کی شمع جلائی، زندگی و سعادت کے دائرے میں آگئے۔ جونہیں یہ شمع بجھ گئی، موت =

= اور نا مرادی کی ظلمت میں گر گئے !

غور کرو! قرآن جو کچھ کہتا ہے کیا اس کے علاوہ بھی کچھ اس بارے میں کہا جا سکتا ہے؟ کیا انسانی زندگی کی ساری کام رانیوں اور فتح مندیوں کی اصل و اساس امید ہی نہیں ہے اور کیا نا امیدی سے بڑھ کر کوئی موت کا سر چشمہ ہو سکتا ہے؟

یہاں آیت ۱۱ میں یہی حقیقت واضح کی ہے. فرمایا: کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی بندگی تو کرتے ہیں مگر اس طرح کہ دل میں جماؤ نہیں ہے اور ایمان کی بنیاد یقین پر نہیں ہے، زندگی کے عارضی اور وقتی حالات پر ہے۔ اگر آرام و خوش حالی کی کوئی بات پیش آگئی تو مطمئن ہو گئے، مصیبت پیش آگئی تو اکھڑ گئے. ایسا آدمی نہ تو دنیا کی زندگی میں کام یاب ہو سکتا ہے نہ آخرت میں، کیوں کہ بناء کامیابی یقین اور امید ہے۔ جو اس روح سے محروم رہا وہ دونوں جگہ نامراد ہو گا اور زندگی کی سب سے نمایاں نامرادی یہی ہے !

پھر فرمایا: زندگی کی ذرا سی مصیبت بھی انہیں اللہ کی طرف سے ہٹا کر دوسری چوکھٹوں پر گرا دیتی ہے، جہاں نہ ان کے لیے نفع ہے نہ نقصان. اور گم راہی میں سب سے زیادہ گہری گم راہی یہی ہے!

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝ ١٣

وہ ایسی ہستی کو پکارتے ہیں جس کے نفع سے زیادہ اس کا نقصان قریب تر ہے (یعنی واضح و آشکارا ہے) . سو کیا ہی برا کارساز ہوا اور کیا ہی برا ساتھی ! ١٣

= آیت ١١ پر غور کرو . انسانی زندگی کی گم راہیوں کی کیسی سچی تصویر ہے ! کتنے ہی آدمی ہیں جو بظاہر خدا پرستی کے دعوے میں کسی سے پیچھے نہیں ہوتے ، لیکن جہاں زندگی کے کسی الجھاؤ میں پڑے اور وہ حسب خواہش دور نہیں ہوا معاً انھوں نے خدا سے منہ موڑ لیا . اور گو زبان سے اقرار نہ کریں ، لیکن ان کی اعتقادی حالت ایسی ہی ہو جاتی ہے کہ اب حاجت براری کے لیے دوسرے آستانے ڈھونڈھنے چاہییں . چنانچہ جو چوکھٹ سامنے نظر آجائے گی فوراً جھک جائیں گے اور اسے اپنی بندگی و نیاز کا کعبہ بنا لیں گے . قرآن کہتا ہے : " ذلك ھو الضلال البعید " یہی گم راہی کی سب سے زیادہ گہری حالت ہے .

١٣ — آیت ١٣ میں فرمایا : وہ ایسی ہستیوں کو =

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝١٤

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کیے تو ضرور اللہ انہیں ایسے باغوں میں پہنچائے گا جن کے تلے نہریں بہ رہی ہوں گی (اور اس لیے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں)۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے (وہ مالك و مختار ہے) ١٤۔

=پکارنے لگتے ہیں جن کے نفع سے زیادہ ان کا نقصان اقرب ہے. یعنی اگر وہ ذرا بھی سمجھ بوجھ سے کام لیں تو دیکھلیں ان سے نفع پہنچنے کے لیے تو کوئی دلیل موجود نہیں. لیکن نقصان میں پڑجانا بالکل واضح اور آشکارا ہے، کونسا نقصان؟ ایمان و عقل کا نقصان! اگر ایك انسان اپنے ہی جیسی عاجز و محتاج ہستی کو حاجت روائی کے لیے پکارتا ہے تو حاجت پوری ہو یا نہ ہو لیکن اس کے ایمان و عقل کا تو فوراً خاتمہ ہو ہی گیا. اس نے سچائی اور حقیقت سے منہ موڑا، نجات و سعادت کی راہ اپنے اوپر بند کرلی. یہ تو ہوا فوری نقصان. باقی رہا نفع تو اس کے لیے کوئی روشنی موجود نہیں، محض اوہام و ظنون ہیں =

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ	جو آدمی (مایوس هو کر) ایسا
يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا	خیال کر بیٹھتا ھے کہ اللہ دنیا
وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ	اور آخرت میں اس کی مدد
بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ	کرنے والا نہیں تو اس کے
لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ	لیے زندگی کی کوئی راہ باقی
يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيظُ ۝ ١٥	نہ رہی ۔ اسے چاہیے ایک رسی

چھت تک لے جاکر باندھ دے اور (اس میں گردن لٹکا کر زمین سے) رشتہ کاٹ لے، پھر دیکھے اس تدبیر نے اس کا غم و غصہ دور کر دیا یا نہیں؟ ۱۵

=جو اسے ان چوکھٹوں پر گرا رہے ھیں! پس نقصان یقینی اور فوری ہوا اور نفع محض مظنون و موھوم ۔

۱۵ - آیت ۱۵ پچھلے بیانات کا خلاصہ ھے ۔ فرمایا: جس انسان نے امید و یقین کی جگہ شک و مایوسی کی راہ اختیار کی، خواہ دنیا کی زندگی کے لیے ہو خواہ آخرت کے لیے، اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اب اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ۔ ایسے آدمی کے لیے صرف یہی چارۂ کار=

= رہ جاتا ہے کہ گلے میں پھندا ڈالے اور زندگی ختم کر ڈالے !

سبحان اللہ ! انسانی زندگی کے تمام مسائل اس ایک آیت نے حل کردیے ۔ زندگی امید اور سعی ہے ، موت مایوسی اور ترک سعی ہے ۔ پس اگر ایک بدبخت نے یہ فیصلہ کرلیا کہ خدا کے پاس اس کے لیے کچھ نہیں ، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ، تو پھر اس کے لیے باقی کیا رہا ؟ کیا ہے جس کے سہارے وہ زندہ رہ سکتا ہے اور زندہ رہے تو کیوں زندہ رہے ؟

لیکن نہیں ! ایمان نام ہی امید کا ہے اور مومن وہ ہے جو مایوسی سے کبھی آشنا نہیں ہو سکتا ۔ اس کا ذہنی مزاج کسی چیز سے بھی اتنا بیگانہ نہیں جس قدر مایوسی سے ۔ زندگی کی مشکلیں اسے کتنا ہی ناکام کریں لیکن وہ پھر سعی کرے گا ۔ لغزشوں اور گناہوں کا ہجوم اسے کتنا ہی گھیرلے لیکن وہ پھر توبہ کرے گا ۔ نہ تو دنیا کی کام یابی سے وہ مایوس ہو سکتا ہے ، نہ آخرت کی نجات سے ۔ وہ جانتا ہے کہ دنیا کی مایوسی موت ہے اور آخرت کی مایوسی شقاوت ہے ۔ وہ دونوں جگہ رحمت الٰہی کو دیکھتا اور اس کی بخششوں پر یقین رکھتا ہے کہ ’’لا تقنطوا من رحمة اللہ ؕ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا ؕ انہ ھو الغفور الرحیم‘‘ (۳۹ : ۵۳) ۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝ ۱٦

اور (دیکھو!) اس طرح ہم نے یہ کلام روشن دلیلوں کی شکل میں اتارا اور اس لیے اتارا کہ اللہ جسے چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ پر لگادیتا ہے ۱٦.

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ ۱۷

جو لوگ ایمان لائے (یعنی مسلمان)، جو یہودی ہوئے، جو صابی ہیں، جو نصاریٰ ہیں، جو مجوسی ہیں، جو مشرک ہیں، قیامت کے دن ان سب کے درمیان اللہ فیصلہ کردے گا (اور ان کے اعمال کی حقیقت ظاہر ہوجانے گی). اللہ (سے کوئی بات چھپی نہیں. وہ) سب کچھ دیکھ رہا ہے ۱۷.

۱۷ - اس کے بعد آیت ۱۷ میں فرمایا کہ دنیا =

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ	کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو
مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ	کوئی بھی آسمانوں میں ہے
فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ	اور جو کوئی بھی زمین میں
وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ	ہے، نیز سورج، چاند،
وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ	ستارے، پہاڑ، درخت
مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ	چار پایے، سب اللہ کے آگے
عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ	سر بسجود ہیں اور کتنے ہی
يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ	انسان بھی؟ ہاں! بہت سے انسان
مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ	ایسے بھی ہیں کہ ان پر عذاب
مَا يَشَآءُ ۩ ۱۸ (السجدة)	کی بات ثابت ہوگئی۔ اور

السجدة - ٦

==دار العمل ہے اور ہر فرد اور گروہ کو اس کے ایمان و عمل کے مطابق نتیجہ ملتا ہے۔ یہاں حقیقت کا فیصلہ نہیں ہوتا، کیوں کہ آنکھوں کے آگے پردے پڑے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن تمام پردے اٹھ جائیں گے اور سب دیکھ لیں گے==

جس کسی کو اللہ ذلت میں ڈالے تو پھر کوئی نہیں جو اسے عزت دینے والا ہو۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۱۸ ۔

= کہ اللہ کا فیصلۂ حق کیا ہوتا ہے ۔ چنانچہ مسلمانوں کے علاوہ ان مذہبی گروہوں کا بھی ذکر کیا جو عرب اور عرب کے جوار میں موجود تھے :

یہودی، صابی ، مسیحی ، مجوس اور مشرک ، یعنی عرب کے بت پرست ۔

۱۸ - آیت ۱۸ نے واضح کردیا کہ قرآن کے نزدیك اتباع حق کی حقیقت کیا ہے ۔ فرمایا : کائنات ہستی میں جس قدر مخلوق ہے سب اللہ کے احکام و قوانین کے آگے جھکی ہوئی ہے ۔ اجرام سماویہ سے لے کر درختوں اور پتھروں تك کوئی چیز نہیں جس کے لیے اس نے احکام و قوانین نہ ٹھیرا دیے ہوں اور ان کے مطابق ان کی ہستی کا کارخانہ نہ چل رہا ہو ۔ پھر اگر یہاں درخت کے ایك پتے اور پہاڑ کی ایك چٹان کے لیے بھی کسی کے ٹھیرائے ہوے احکام ہیں تو کیا انسان کے لیے نہیں ہوں کے جو کرۂ ارضی کے تمام سلسلۂ خلقت کا ماحصل اور تمام کارخانۂ تخلیق و تکمیل کا آخرین مظہر ہے؟ اور اگر سب کی ہستی و بقاء اس پر موقوف ہوئی کہ احکام حق کے آگے سر بسجود رہیں تو کیا انسان کی ہستی و سعادت کے لیے ایسا ہونا ضروری نہیں ؟ =

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ز فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ج ۱۹

(دیکھو!) یہ دو مخالف (فریق) ہیں جو اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے مخالف باتیں کہتے ہیں۔ ان میں سے جنہوں نے کفر کی راہ

= اس آیت کے اسلوب بیان پر غور کرو انسان کو مخلوقات ہستی کی عام صف سے الگ کھڑا نہیں کیا ہے، بلکہ ایک ہی سلسلے میں سب کا ذکر کیا ہے: "و الشمس و القمر و النجوم و الجبال و الشجر و الدواب و کثیر من الناس"، یعنی اس اعتبار سے سب ایک ہی صف میں ہیں۔ انسان کا گوشہ عام سلسلۂ قوانین فطرت سے کوئی الگ گوشہ نہیں ہے۔ جس طرح سورج، چاند، ستارے، نباتات، جمادات احکام فطرت کے آگے سر بسجود ہیں اسی طرح صحیح الفطرت انسانوں کے بھی سر جھکے ہوئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہاں حقیقت کی راہ عمل صرف یہی ہے۔ یہ مقام مہمات معارف قرآنی میں سے ہے اور صرف اس ایک آیت کی تفسیر میں پوری ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: "و کثیر حق علیہ العذاب"، بہت سے =

اختیار کی ان کے لیے آگ کا پہناوا قطع کر دیا گیا ۔ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا ۱۹ ۔

يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ اس (کی گرمی کی شدت) سے
وَالْجُلُودُ ۲۰ جو کچھ ان کے شکم میں ہے

= انسان ایسے ہیں جو اس دائرۂ اطاعت سے باہر ہو جاتے ہیں ، اس لیے ان پر تعذیب کا قانون لازم آجاتا ہے ۔" و من یہن اللہ فما لہ من مکرم"، اور جس کسی پر اللہ کے قانون تذلیل کی مہر لگ گئی تو پھر کوئی نہیں جو اسے سر بلند کر سکے ۔

۱۹ - آیت ۱۹ میں فرمایا : دین کے کتنے ہی جتھے بن گئے ہوں مگر راہیں صرف دو ہی ہیں اور دو ہی منزلوں پر ختم ہوتی ہیں : ایک منکروں کی ہے ، ایک مومنوں کی ہے ۔ پہلی انکار، مایوسی اور بدعملی کی راہ ہے، دوسری ایمان، امید اور نیک عملی کی ۔ پہلی کو بالآخر عذاب کی منزل پر پہنچنا ہے ، دوسری کو نعیم و سرور ابدی پر ۔ انہیں دو راہوں پر چلنے والوں کو "خصمٰن اختصموا فی ربہم" سے تعبیر کیا ۔

جل کر گل اٹھے گا، ان کے جسم کے چمڑے کا بھی یہی حال ہوگا ۲۰۔

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ ٢١

نیز ان (کی روک تھام) کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے ۲۱۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ق
وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ٢٢ ع ٢ ع ٩

جب بھی (عذاب کے) دکھ سے بے قرار ہوکر نکلنا چاہیں گے تو اسی میں لوٹا دیے جائیں گے کہ: (اب نکلتے کیوں ہو؟) عذاب سوزاں کا مزہ چکھو! ۲۲۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا

جو فریق ایمان لایا اور نیک عمل ہوا تو یقیناً اللہ اسے (نعیم ابدی کے) باغوں میں داخل کرے گا۔ ان کے تلے نہریں بہ رہی ہیں (اس لیے ان کی بہار

وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝۲۳ کبھی ختم ہونے والی نہیں) ۔

انہیں وہاں (آگ کے پہناوے کی جگہ) سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے اور لباس ان کا ریشمی ہوگا۲۳ ۔

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝۲۴

انہیں باتوں میں سے ایسی بات کی رہنمائی ملی جو نہایت پاکیزہ ہے۔ انہیں راہوں میں سے ایسی راہ پر چلایا گیا جس کی ستایش کی گئی۲۴ ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۵ ع

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور جو اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں، نیز مسجد حرام سے جسے ہم نے بلا امتیاز تمام انسانوں کے لیے (عبادت گاہ) ٹھہرایا ہے، خواہ وہاں کے رہنے والے ہوں

۳
ع
۱۰

یا باهر سے آنے والے (تو انهیں یاد رکهنا چاهیے کہ هم انهیں) اور هر اس آدمی کو جو اس میں از راہ ظلم حق سے منحرف هونا چاهے گا عذاب درد ناك کا مزہ چکهائیں گے ٢٥ .

وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ
اَلْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ
شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ
لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ
وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ ٢٦

اور (وہ وقت یاد کرو) جب
هم نے ابراهیم کے لیے خانۂ کعبہ
کی جگہ مقرر کردی (اور حکم
دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز
کو شریك نہ کر اور میرا یہ

٢٥ - اس کے بعد آیت ٢٥ سے سلسلۂ بیان کفار مکہ کی طرف متوجہ هو گیا هے . یہ گویا اذن قتال کی تمهید هے جو آیت ٣٩ میں آنے والا هے . فرمایا : یہ صرف کفر هی پر قانع نهیں رهے، بلکہ ظلم و تشدد پر اتر آئے . یہ مسجد حرام کا اپنے کو مالك سمجهتے هیں اور جسے چاهتے هیں وهاں آنے اور عبادت کرنے سے روك دیتے هیں ، حالانکہ وہ انسان کے ایسے معبد عام هے . وہ صرف باشندگان مکہ هی کے لیے نهیں بنایا گیا هے . تمام انسانوں کے لیے بنایا گیا هے ، کسی انسان کو حق نهیں کہ اس کا دروازہ عبادت گزاروں پر بند کردے .

پھر ان لوگوں لیے پاك رکھ جو طواف کرنے والے ہوں، عبادت میں سرگرم رہنے والے ہوں، رکوع و سجود میں جھکنے والے ہوں! ۲٦

وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّ عَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ۙ ۲۷

اور (حکم دیا تھا کہ) لوگوں میں حج کا اعلان پکار دے۔ لوگ تیرے پاس دنیا کی تمام دور دراز راہوں سے آیا کریں گے، پاپیادہ اور ہر طرح کی سواریوں پر جو (مشقت سفر سے) تھکی ہوئی ہوں گی ۲۷۔

لِّیَشۡهَدُوۡا مَنَافِعَ لَهُمۡ وَ یَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡلُوۡمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِیۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ ۚ فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَ اَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِیۡرَ ۫ ۲۸

وہ اس لیے آئیں گے کہ اپنے فائدے پانے کی جگہ میں حاضر ہو جائیں اور ہم نے جو پالتو چارپایے ان کے لیے مہیا کر دیے ہیں ان کی قربانی کرتے ہوئے مقررہ دنوں میں

الله کا نام لیں ۔ بس قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ ۲۸ ۔

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ ٢٩

پھر قربانی کے بعد وہ اپنے جسم ولباس کا میل کچیل دور کردیں (یعنی احرام اتار دیں) ، نیز اپنی نذریں پوری کریں اور اس خانۂ قدیم (یعنی خانۂ کعبہ) کے گرد پھیرے پھر لیں ۲۹ ۔

ذٰلِكَ ق وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ ط وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ لا ٣٠

(تو دیکھو! حج کی) بات یوں ہوئی ۔ اور جو کوئی اللہ کی ٹھیرائی ہوئی حرمتوں کی عظمت مانے تو اس کے لیے اس کے پروردگار کے حضور بڑی ھی بہتری ہے ۔ اور (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) ان جانوروں کو

چھوڑ کر جن کا حکم قرآن میں سنا دیا گیا ہے، تمام چار پائے تمہارے لیے حلال کیے گئے ہیں۔ پس چاہیے کہ بتوں کی ناپاکی سے بچتے رہو، نیز جھوٹ بولنے سے ۳۰۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ ۳۱

صرف اللہ ہی کے لیے ہو کر رہو، اس کے ساتھ کسی ہستی کو شریک نہ کرو۔ جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرایا تو اس کا حال ایسا سمجھو جیسے بلندی سے اچانک نیچے گر پڑا۔ جو چیز اس طرح گرے گی اسے یا تو کوئی اچک لے گا یا ہوا کا جھونکا کسی دور دراز گوشے میں لے جا کر پھینک دے گا ۳۱۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ ۳۲

(حقیقت حال) یہ ہے۔ پس (یاد رکھو!) جس کسی نے اللہ کی نشانیوں کی عظمت مانی تو اس نے ایسی بات مانی جو فی الحقیقت دلوں کی پرہیزگاری کی باتوں میں سے ہے ۳۲۔

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾

ع ٤
١١

ان (چار پایوں) میں ایک مقررہ وقت تک تمہارے لیے (طرح طرح کے) فائدے ہیں، پھر (اس) خانۂ قدیم تک پہنچا کر ان کی قربانی کرنی ہے ٣٣.

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾

اور (دیکھو!) ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ ٹھیرا دیا کہ ہمارے دیے ہوے پالتو چار پایے ذبح کرے تو اللہ کا نام یاد کرلے۔ پس (یاد رکھو!) تمہارا معبود ہی ایک معبود یگانہ ہے (اور جب اس کے سوا کوئی نہیں) تو (چاہیے کہ) اسی کے آگے فرماں برداری کا سر جھکادو! اور (اے پیغمبر!) عاجزی اور نیازمندی کرنے والے بندوں کو (کام رانی وسعادت کی) خوش خبری دے دو ٣٤.

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ٣٥

ان (نیاز مندان حق) کو جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ھے تو ان کے دل لرز اٹھتے ھیں ، جو ھر طرح کی مصیبتوں میں صبر کرنے والے ھیں ، جو نماز کے پڑھنے اور درستگی میں کوشاں رھتے ھیں ، جو اس رزق میں سے کہ اللہ نے دے رکھا ھے (نیک کاموں کی راہ میں) خرچ کرتے رھتے ھیں ! ٣٥ ۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ ق فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ

اور (دیکھو ! قربانی کے یہ) اونٹ (جنھیں دور دور سے حج کے موقع پر لایا جاتا ھے) تو ھم نے انھیں ان چیزوں میں سے ٹھیرادیا ھے جو تمھارے لیے اللہ کی (عبادت کی) نشانیوں

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ٣٦

میں سے ہیں ، ان میں تمہارے لیے بہتری کی بات ہے . پس چاہیے کہ انہیں قطار در قطار ذبح کرتے ہوئے (١١١) اللہ کا نام یاد کرو . پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں (یعنی ذبح ہو جائیں) تو ان کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور فقیروں اور زائروں کو بھی کھلاؤ . اس طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کردیا تاکہ (احسان الٰہی کے) شکر گزار ہو ٣٦ .

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ٣٧

یاد رکھو ! اللہ تک ان قربانیوں کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے نہ خون . اس کے حضور جو کچھ پہنچ سکتا ہے وہ تو صرف تمہارا تقوی ہے (یعنی تمہارے دل کی نیکی ہے). ان جانوروں کو اس طرح تمہارے لیے مسخر کردیا کہ اللہ کی رہ نمائی پر اس کے شکر گزار ہو اور اس کے نام کی بڑائی کا آوازہ بلند کرو .

اور نیک کرداروں کے لیے (قبولیت حق کی) خوش خبری ہے ۳۷ .

۳۷ - اس کے بعد آیت ۲۶ سے ۲۹ تک سے واضح کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے اس عبادت گاہ کی بنیاد رکھی تو کیا مقاصد ان کے پیش نظر تھے اور وحی الٰہی نے کس راہ کی تلقین کی تھی؟ اور پھر حج کا اعلان کیا گیا تو اس کے بنیادی اعمال و مقاصد کیا کیا تھے؟ اور کس طرح وحی الٰہی نے اس کی رہ نمائی کی تھی؟ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ:

(ا) توحید کا اعتقاد .

(ب) عبادت گزاران حق کے لیے معبد کی تطہیر .

(ج) حج کا اجتماع تاکہ اس کے گوناگوں منافع سے لوگ مستفید ہوں اور معین ایام میں ذکر الٰہی کا ولولہ تازہ ہوتا رہے .

(د) جو لوگ اس موقع پر جمع ہوں جانوروں کی قربانیاں کریں اور محتاجوں کے لیے غذا کا اہتمام ہو .

پس جس مرکز عبادت کا قیام اول دن سے ان مبادی و مقاصد کے لیے ہوا ہے، کیوں کر جائز ہو سکتا ہے کہ قریش مکہ اس کے مالک بن بیٹھیں اور جنھیں چاہیں وہاں آنے دیں، جنھیں چاہیں روک دیں . =

=بظاهر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت (۲۶) سے (۳۷) تک
جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ سب ان احکام کی حکایت ہے
جو حضرت ابراہیم کو دیے گئے تھے، لیکن عام طور پر
مفسروں نے آخری حصے کو براہ راست خطاب قرار
دیا ہے. بہر حال دونوں صورتوں میں یہ تمام تفصیلات
اسی بات کی شرح ہیں کہ "جعلنٰہ للناس سواء العاکف
فیہ والباد". یعنی یہ عبادت گاہ صرف باشندگان مکہ ہی
کے لیے نہیں بنائی گئی ہے، بلکہ بلا امتیاز سب کے لیے،
خواہ مکہ کے رہنے والے ہوں یا دوسری جگہوں کے.
چنانچہ اسی لیے حج اور قربانی کا حکم دیا گیا. لوگ دور
دور سے یہاں آنے لگے اور قربانی کے جانور لانے لگے
خصوصاً قربانی کے اونٹ جو صحرا و جبال طے کر کے حرم
مکہ میں پہنچائے جاتے اور لوگ انہیں اس معبد کی
نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی تصور کرتے. اب اگر
قریش مکہ کا یہ اختیار تسلیم کر لیا جائے کہ جسے چاہیں
آنے دیں، جسے چاہیں روک دیں تو پھر نہ کعبہ کعبہ رہا،
نہ حج حج.

ضمناً یہ بات بھی واضح کر دی کہ قربانی کی حقیقت کیا
ہے؟ آیت ۲۸ اور ۳۶ میں فرمایا تھا کہ اس کا گوشت
خود بھی کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ. یعنی مقصود=

إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ	جو لوگ ایمان لائے ہیں یقیناً
اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ	اللہ (ظالموں کے ظلم و تشدد سے)
خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۳۸ ع	ان کی مدافعت کرتا ہے اس میں

ع ۱۲

کوئی شبہ نہیں کہ اللہ امانت میں خیانت کرنے والوں کو کہ کفران نعمت کر رہے ہیں کبھی پسند نہیں کر سکتا ۳۸ ۔

--- اس سے جانوروں کا خون بہانا نہیں ہے جیسا کہ لوگ سمجھتے تھے، بلکہ یہ ہے کہ لوگوں کے لیے غذا کا سامان ہو ۔ پھر آیت ۳۷ میں صاف صاف کہہ دیا کہ اصل عبادت تمہارے دلوں کا تقویٰ ہے ، نہ کہ قربانی کا گوشت اور خون ۔

بت پرست اقوام میں قربانی کی رسم اس طرح چلی تھی کہ انہوں نے خیال کیا انسانوں کی طرح دیوتاؤں کو بھی چڑھاووں کی ضرورت ہے اور جانوروں کا خون بہانا ان کا غضب و قہر ٹھنڈا کر دیتا ہے ۔ قرآن کہتا ہے : نہ تو خدا تک گوشت کا چڑھاوا پہنچ سکتا ہے ، نہ وہ خون بہانے کا شائق ہے ۔ اصل شے جو اس کے حضور مقبول ہو سکتی ہے دل کی نیکی اور طہارت ہے !

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝۳۹ۙ

جن (مومنوں) کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی رخصت دی جاتی ہے، کیوں کہ ان پر سراسر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے ۳۹.

۳۹ – آیت ۳۹ میں مسلمانوں کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے دفاع میں اب ہتھیار اٹھا سکتے ہیں. بالاتفاق یہ پہلی آیت ہے جو اذن قتال کے بارے میں نازل ہوئی.

اس سے پہلے قریش مکہ کا یہ ظلم بیان کر دیا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں پر حج کی راہ بند کر دی ہے جس کا انہیں کوئی حق نہیں. اب یہاں صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا کہ جواز قتال کی علت کیا ہے؟ فرمایا: "بانہم ظلموا"، اس لیے کہ مسلمان مظلوم ہیں اور مظلوم کا حق ہے کہ ظالم کے مقابلے میں اپنا بچاؤ کرے.

یہ مظلوم تیرہ برس تک قریش مکہ کے ظلم و تشدد کا نشانہ رہے، بالآخر ترک وطن پر مجبور ہوئے. لیکن غربت میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا گیا. ان کے خلاف جنگ کا =

اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ	یہ وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی
بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا	حق کے اپنے گھروں سے نکال
رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ	دیے گئے۔ ان کا کوئی جرم

= اعلان کر دیا گیا۔ آخر ان کا قصور کیا تھا؟ صرف یہ کہ "یقولوا ربنا اللہ"۔ وہ کہتے تھے: ہم اپنے یقین کے مطابق اپنے پروردگار کو یاد کرنا چاہتے ہیں۔ ہم دوسروں کو مجبور نہیں کرتے کہ ہمارا اعتقاد تسلیم کر لیں، لیکن دوسرے ہمیں کیوں مجبور کرتے ہیں کہ اپنے اعتقاد سے دست بردار ہو جائیں؟

اس کے بعد واضح کیا کہ یہ مظلوموں کا قدرتی حق ہے۔ اگر وہ اس حق سے محروم کر دیے جائیں تو دنیا میں انسانی ظلم و استبداد کی مدافعت کا کوئی سامان باقی نہ رہے۔ جس گروہ کی بن پڑے دوسرے گروہ کے اعتقاد و عمل کی آزادی ہمیشہ کے لیے پامال کر دے۔ چنانچہ فرمایا: یہاں اللہ نے ایک جماعت کے ہاتھوں دوسری جماعت کے ظلم و تشدد کو دفع کرانے کا نظام قائم کر رکھا ہے۔ اگر یہ سلسلۂ مدافعت بعض ببعض نہ ہوتا تو دنیا میں خدا پرستی کا خاتمہ ہو جاتا۔ کسی گروہ کی عبادت گاہ انسانی ظلم و استبداد کے ہاتھوں محفوظ نہ رہتی۔

النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ نہ تہا ۔ اگر تہا تو صرف یہ کہ
لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وہ کہتے تھے "ہمارا پروردگار
وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ اللہ ھے"۔ اور (دیکھو!) اگر اللہ
فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ بعض آدمیوں کے ھاتھوں بعض
وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ آدمیوں کی مدافعت نہ کراتا
اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ٤٠ رھتا (اور ایك گروہ کو دوسرے
گروہ پر ظلم و تشدد کرنے کے لیے بے روك چھوڑ دیتا) تو کسی
قوم کی عبادت گاہ زمین پر محفوظ نہ رھتی۔ خانقاھیں، گرجے،
عبادت گاھیں، مسجدیں جن میں اس کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا
جاتا ھے، سب کبھی کے ڈھائے جا چکے ھوتے (یاد رکھو!)
جو کوئی اللہ (کی سچائی) کی حمایت کرے گا ضروری ھے کہ اللہ
بھی اس کی مدد فرمائے۔ کچھ شبہ نہیں وہ یقیناً قوت رکھنے
والا (اور سب پر) غالب ھے ٤٠۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى یہ (مظلوم مسلمان) وہ ھیں کہ
الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ اگر ھم نے زمین میں انھیں
وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا صاحب اقتدار کردیا (یعنی ان کا

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱

حکم چلنے لگا) تو وہ نماز (کا نظم) قائم کریں گے، زکوٰۃ کی ادائگی میں سرگرم ہوں گے، نیکیوں کا حکم دیں گے، برائیاں روکیں گے . اور تمام باتوں کا انجام کار اللہ ھی کے ھاتھ ھے ۴۱ .

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۙ ۝۴۲ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۙ ۝۴۳ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝۴۴

اور (اے پیغمبر!) اگر یہ (منکر) تجھے جھٹلائیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) ان سے پہلے کتنی قومیں اپنے اپنے وقتوں کے رسولوں کو جھٹلا چکی ھیں: قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم ابراھیم، قوم لوط، اصحاب مدین، اور موسیٰ بھی جھٹلایا گیا (اگرچہ خود اس کی قوم نے نہیں جھٹلایا) .

اور ہم نے (ہمیشہ ایسا ہی کیا کہ) پہلے منکروں کو (کچھ عرصے کے لیے ڈھیل دے دی. پھر (مواخذے میں) پکڑ لیا. تو دیکھ! ہماری ناپسندیدگی ان کے لیے کیسی سخت ہوئی! ٤٢، ٤٣، ٤٤.

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝٤٥

پھر دیکھو! کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے انہیں ہلاک کردیا اور وہ ظلم کرنے والی تھیں. وہ ایسی اجڑیں کہ اپنی چھتوں پر گر کے رہ گئیں، کنویں ناکارہ ہو گئے، سر بفلک محل کھنڈر بن گئے ٤٥.

---

٤١ تا ٤٥ - آیت ٤١ نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیك مسلمانوں کے اقتدار وحکومت کا اصلی مقصد کیا تھا. فرمایا: ان مظلوم مسلمانوں کے اگر قدم جم گئے تو یہ کیا کریں گے؟ یعنی "تمکن فی الارض" کو کن مقاصد کے لیے کام میں لائیں گے؟ اس لیے کہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں، برائیوں سے روکیں اور ظلم و بدعملی کی جگہ عدالت و نیکی کی مملکت قائم ہو جائے!

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ	کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے
فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ	پھرے نہیں کہ عبرت حاصل
يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ	کرتے ؟ ان کے پاس دل ہوتے

=اس کے بعد فرمایا: یہ انقلاب اسی سلسلۂ انقلاب کی ایك کڑی ہے، جو دنیا میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے. پس اگر منکرین حق اسے جھٹلائیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں. پہلے بھی ہمیشہ ظلم و غرور کے متوالوں نے حق و صداقت کی آوازیں جھٹلائی ہیں. اگر ان کے دل اندھے نہ ہو گئے ہوتے تو یہ پچھلوں کی سرگذشتوں سے عبرت پکڑتے. مگر انسان کے ظلم و غرور کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ دوسروں کی حالت سے کبھی عبرت نہیں پکڑتا، یہاں تك کہ خود اس پر بھی وہ سب کچھ گزر جائے جو دوسروں پر گزر چکا ہے.

اس بات پر بھی غور کرو کہ یہاں اسلامی اعمال میں سے اور کسی عمل کا ذکر نہیں کیا. صرف قیام صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا ذکر کیا. اس سے معلوم ہوا قرآن کے نزدیك مسلمانوں کے جماعتی اقتدار کی اصلی علامت یہی دو عمل ہیں. جس گروہ کا اقتدار ان دو عملوں کے قیام سے خالی ہو اس کا اقتدار اسلامی اقتدار نہیں سمجھا جاسکتا.

بِهَا ج فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ اور سمجھتے بوجھتے، کان
وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ ہوتے اور سنتے اور پاتے۔
الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝۴۶ حقیقت یہ ہے کہ (جب کوئی
اندھے پن میں پڑتا ہے تو) آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں (جو سروں
میں ہیں)، دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں ۴۶۔

۴۶ - آیت ۴۶ نے انسان کے ذہنی تعطل اور قلبی غفلت کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے! فرمایا: اگر فہم و بصیرت کی ساری دلیلیں ان کے لیے بے سود ہیں تو کیا آنکھوں کا مشاہدہ بھی کچھ کام نہیں دیتا؟ کیا انھوں نے زمین میں سیر و گردش نہیں کی؟ حوادث و انقلاباتِ عالم کے نتائج نہیں دیکھے؟ کیا ان کے کان بہرے ہو گئے کہ سن نہیں سکتے اور عقلیں ماری گئیں کہ سمجھ کام نہیں دیتی؟ پھر خود ہی ان سارے سوالوں کا جواب دے دیا کہ "فانها لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور"، اصل یہ ہے کہ جب کسی پر اندھے پن کا وقت آتا ہے تو آنکھوں کی بصارت نہیں جاتی، دل کی بصیرت جاتی رہتی ہے اور اسی کی بصیرت سے ساری بصارت ہے:

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ
وَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ
وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ
كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝٤٧

اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تجھ سے عذاب کے مطالبے میں جلدی مچا رہے ہیں (یعنی کہتے ہیں: اگر سچ مچ کو عذاب آنے والا ہے تو کیوں نہیں آچکتا؟). اور اللہ کبھی ایسا کرنے والا نہیں کہ اپنا وعدہ پورا نہ کرے، مگر تیرے پروردگار کے یہاں ایک دن کی مقدار ایسی ہے جیسے تم لوگوں کی گنتی میں ایک ہزار برس ٤٧.

٤٧ - آیت ٤٧ میں قوانین کائنات کی ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مفسروں نے اس کی ساری اہمیت ضائع کردی. فرمایا: یہ عذاب کے لیے جلدی مچاتے ہیں، یعنی از راہ شرارت کہتے ہیں: اگر سچ مچ کو بد عملیوں کا برا نتیجہ پیش آنے والا ہے تو کیوں نہیں آچکتا؟ لیکن یہ نہیں جانتے کہ فطرت کائنات کی اوقات شماری کا وہ حساب نہیں جو دنیا میں لوگوں نے بنا رکھا ہے. اس کی گھڑی کا کانٹا بہت دیر میں چلتا ہے. تمہاری تقویم میں ہزار برس گزر جائیں تو اس کی تقویم کا بمشکل ایک دن گزرے.=

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَاۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُۚ ٤٨

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے (ابتداء میں) ڈھیل دی اور وہ ظالم تھیں، پھر ہم نے مواخذے میں پکڑ لیا اور بالآخر سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے ٤٨.

ع ٦ ١٣

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌۚ ٤٩

(اے پیغمبر!) کہہ دے: اے لوگو! میں اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ (انکار و شرارت کے نتائج سے) تمہیں علانیہ خبردار کردینا چاہتا ہوں ٤٩.

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۞ ٥٠

پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ٥٠.

= پس ظہور نتائج کا فیصلہ اپنی صبح و شام دیکھ کر نہ کر لیا کرو. ٹھیرو اور انتظار کرو. ایک دوسرے موقع پر ہزار برس کی جگہ پچاس ہزار برس کی بھی مدت فرمائی ہے. یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے. تشریح کے لیے تفسیر سورۂ فاتحہ دیکھو.

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۵۱	اور جن لوگوں نے اللہ کی نشانیوں کے خلاف لڑکر کام یاب ہونا چاہا وہ دوزخی ہیں (ان کے لیے ہر طرح کی کام یابیوں اور سعادتوں سے محرومی ہے) ۵۱ ۔
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۙ ۵۲	اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول اور جتنے نبی بھیجے سب کے ساتھ یہ معاملہ ضرور پیش آیا کہ جونہیں انھوں نے (اصلاح و سعادت کی) آرزو کی شیطان نے ان کی آرزو میں کوئی نہ کوئی

۴۹ تا ۵۱ - آیت ۴۹ پچھلے ارشادات کا خلاصہ ہے ۔ فرمایا: اعلان کردو میرا ظہور تمہارے لیے ایک آشکارا انذار ہے اور اب راہیں صرف دو ہی ہیں اور نتیجے بھی دو ہی پیش آنے والے ہیں ۔ ایمان و عمل والوں کے لیے آخرت میں مغفرت اور دنیا میں رزق کریم کی=

فتنے کی بات ڈال دی۔ اور پھر اللہ نے اس کی وسوسہ اندازیوں کا اثر مٹایا اور اپنی نشانیوں کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ وہ (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے سارے کاموں میں) حکمت والا ہے ۵۲۔

= بشارت ہے اور سچائی کی نشانیوں سے لڑنے والوں کے لیے نامرادی و عذاب کی وعید۔ اب جو راہ چاہو اختیار کر لو۔

۵۲ - پھر آیت ۵۲ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ راہ کی ٹھوکروں سے غافل نہ ہو جائیں۔ نتائج کا ظہور یقینی ہے، لیکن ساتھ ہی کشمکش بھی ناگزیر ہے۔ کیوں کہ اس بارے میں سنت الٰہی کی نمود ہمیشہ ایسی ہی رہی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ حق و باطل کی کشمکش کے بغیر حق کی فتح مندی آشکارا ہو جائے۔

چنانچہ فرمایا: کوئی رسول اور نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا کہ اس کی طلب گاریوں کی راہ میں، یعنی اصلاح و ہدایت کی راہ میں، شیطان کی فتنہ پردازیوں نے رخنہ ڈالنا نہ چاہا ہو اور مفسدانہ قوتیں پوری طرح آمادۂ پیکار نہ ہو گئی ہوں۔ پس اس معاملے کی سچائی کا معیار یہ نہیں ہے کہ شیطانی وسوسہ اندازی خالل انداز ہوتی ہے یا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ بالآخر کام یاب ہوتی ہے یا نہیں اور وحی و نبوت کی ربانی قوتیں اس کے اثرات ملیامیٹ کر دیتی ہیں یا نہیں! کیوں کہ شیطانی قوتیں کسی حال میں بھی نابود نہیں ہو جاسکتیں۔ جب تک انسان موجود ہے شیطان اور اس کی =

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ	اس میں (ایك بڑی) مصلحت یه
فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ	رهی هے که شیطان کی وسوسه
مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ	اندازی ان لوگوں کی آزمایش
وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِىْ شِقَاقٍ	کا ذریعه هو جائے جن کے دل
بَعِيْدٍ ۙ ۵۳	روگی هیں اور (سچائی کی طرف

سے) سخت پڑ گئے هیں . اور بلاشبه یه ظلم کرنے والے بڑی هی گهری مخالفت میں پڑے هیں ۵۳ .

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ	نیز (اس میں) یه مصلحت بهی
اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا	تهی که (اے پیغمبر!) جن

= وسوسه اندازیاں بهی موجود هیں . لیکن وحی و نبوت کے اعمال کی خصوصیت یه هے که شیطانی قوتیں کتنی هی ابهریں فتح مند نہیں هو سکتیں" فینسخ الله مایلقی الشیطٰن ثم یحکم الله اٰیٰته"، وه جتنے فتنے بهی اٹهاتی هیں الله ان کے اثرات محو کر دیتا هے اور پهر اپنی نشانیوں کو اور زیاده مضبوط کر دیتا هے. یعنی شیطانی فتنه جتنا جتنا بڑهتا جاتا هے الله کی نشانیوں کا نقش اور زیاده جمتا اور گهرا هوتا جاتا هے.

بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ٥٤

لوگوں نے علم پایا ہے وہ جان لیں کہ یہ معاملہ فی الحقیقت تیرے پروردگار ہی کی طرف سے ہے ۔ اس طرح اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دلوں میں عجز و نیاز پیدا ہو جائے ۔ یقیناً اللہ ایمان والوں کو (سعادت و کامرانی کی) سیدھی راہ چلانے والا ہے ٥٤ .

وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝ ٥٥

(یاد رکھ !) جو لوگ منکر ہیں وہ اس بارے میں برابر شک ہی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ (فیصلہ کن) گھڑی اچانک ان کے سروں پر آجائے یا کسی منحوس دن کا عذاب آنمودار ہو ٥٥ .

---

٥٣ و ٥٤ - پھر آیت ٥٣ اور ٥٤ میں واضح کر دیا کہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے آزمایش ہوتی ہے جن کے دل روگی ہیں ۔ وہ اور زیادہ ضد اور عناد میں بڑھ جاتے ہیں ۔ جو اصحاب علم و بصیرت ہیں ان کا ایمان اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے ۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝٥٦

اس دن بادشاهی صرف الله هی کی هوگی. وه ان سب کے درمیان فیصله کرے گا. پھر ان لوگوں کے لیے نعیم و سرور کے باغ هیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ٥٦

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٥٧ ع

اور ان لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب هے جنهوں نے انکار کیا اور هماری نشانیاں جھٹلائیں ٥٧.

ع ٧ ١٤

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝٥٨

اور (دیکھو!) جن لوگوں نے الله کی راه میں هجرت کی، پھر لڑائی میں قتل هوے یا اپنی موت مر گئے تو (دونوں صورتوں میں) ضروری هے که الله انهیں (آخرت میں) بهتر سے

بہتر روزی دے اور یقینا اللہ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی بخشنے والا ہے! ۵۸

لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ ۵۹

وہ ضرور انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوشنود ہوں گے۔ یقیناً وہ (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے کاموں میں) بڑا بردبار ہے! ۵۹

ذَٰلِكَ ۖ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنصُرَنَّهُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝ ۶۰

(بہرحال) حقیقت حال یہ ہے۔ پس جس کسی نے خود زیادتی نہیں کی، بلکہ جتنی سختی اس کے ساتھ کی گئی تھی ٹھیک اتنی ہی بدلے میں کرنی چاہی اور پھر دشمن مزید زیادتی پر اتر آیا تو ضروری ہے کہ اللہ مظلوم کی مدد کرے۔ اللہ یقیناً معاف کر دینے والا، بخش دینے والا ہے! ۶۰

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ

اور یہ (صورت حال) اس لیے ہوئی کہ اللہ رات کو دن کے

فِي الَّيْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ۝ ٦١
اندر نمایاں کرتا ھے اور دن کو رات کے اندر (یعنی یہاں ھر گوشے میں حالات کی متضاد تبدیلی کا قانون جاری ھے)، نیز اس لیے کہ اللہ سننے والا، دیکھنے والا ھے ! ٦١

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝ ٦٢
نیز اس لیے بھی کہ حق اللہ ھی کی ھستی ھے اور جن ھستیوں کو اس کے سوا پکارتے ھیں باطل ھیں ۔ اور پھر اس لیے بھی کہ اللہ ھی کی ھستی بلند مرتبہ ھے، بڑائی والی ! ٦٢

---

٦٠ تا ٦٢ ۔ آیت ٦٠ سے ٦٢ تک تین آیتوں میں تین " ذٰلك " آئے ھیں، ان کا مطلب سمجھ لینا چاھیے :

" ذلك و من عاقب بمثل ما عوقب بـه "، یعنی اب صورت حال یہ ھے جو اوپر بیان کر دی گئی ھے اور ایسی حالت میں ضروری ھے کہ مظلوموں کو دفع ظلم و تشدد کا موقع دیا جائے ۔ پس جو مظلوم مدتوں تک ستائے جانے کے بعد دفع کے لیے آمادہ ھوں گے اور جس طرح ان پر تلوار اٹھائی گئی ھے ٹھیک اسی طرح خود بھی =

= تلوار اٹھائیں کے اور پھر اس کی وجہ سے ظالم از سرِ نو ظلم و تعدی پر آمادہ ہو جائیں گے تو وہ یقین رکھیں اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا، کیوں کہ وہ ظالم نہیں ہیں، ظلم کا دفاع کرنے والے ہیں۔ آخر میں کہا: "ان اللہ لعفو غفور" اللہ کی بخشش پر بھروسا رکھیں۔ یعنی وہ جو قدم اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں وہ کتنی ہی مجبوری کی حالت میں اٹھایا ہو، مگر پھر قتل و خوں ریزی کا قدم ہے۔ لیکن چوں کہ بڑی برائی کو دور کرنے کے لیے چھوٹی برائی اختیار کر لینی پڑتی ہے، اس لیے وہ یقین رکھیں اللہ درگزر کرنے والا، بخش دینے والا ہے۔

"ذلك بان اللہ یولج الیل فی النہار"، اور اللہ کی مدد کیوں ان کا ساتھ دے گی؟ اس لیے کہ قانونِ الٰہی یہی ہے کہ یہاں حالت بدلتی رہے۔ وہ دن کے اندر سے رات کو ابھارتا اور رات کے اندر سے دن کو نمایاں کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ہی حالت سدا قائم رہے۔ پس ضروری ہے کہ تمہاری حالت میں بھی اب انقلاب ہو۔ "وان اللہ سمیع بصیر" نیز اس لیے کہ وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ یعنی یہاں اندھے بہرے قوانین کی حکومت کام نہیں کر رہی ہے جو نہ تو ظالموں کا ظلم دیکھتی ہو، نہ مظلوموں کی فریاد سنتی ہو۔ بلکہ ایک سمیع و بصیر عدالت کی کار فرمائی ہے۔ پس ضروری ہے کہ دیکھا جائے اور سنا جائے!

"ذلك بان اللہ ھو الحق"، کیوں دیکھا جائے؟ کیوں =

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ	کیا تم نے (یہ منظر) نہیں دیکھا
السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ	کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ھے
مُخْضَرَّةً اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ	اور (سوکھی) زمین سرسبز
خَبِيْرٌ ۶۳	ھوکر لہلہانے لگتی ھے ؟

یقین کرو ! اللہ بڑا ھی لطف کرنے والا ، ھر بات کی خبر رکھنے والا ھے ! ۶۳

= سمنا جائے ؟ کیوں دیکھنے اور سننے کا نتیجہ یہی نکلے؟ اس لیے کہ حق اللہ ھی کی ھستی ھے اور یہ منکرین رسالت جنھیں پکار رھے ھیں وہ بطلان کے سوا اور کچھ نہیں ھیں. پس ضروری ھے کہ حقیقت دیکھے اور سنے اور بطلان اپنے بطلان کا ثبوت دے دے. "و ان اللہ ھو العلی الکبیر"، نیز اس لیے کہ رفعت و کبریائی اللہ ھی کے لیے ھے . پس ضروری ھے کہ اس کے کلمۂ حق کی رفعت اور بڑائی آشکارا ھوکر رھے.

۶۳ - آیت ۶۳ میں اس انقلاب حال کی مثال دے دی. کیا تم نے یہ منظر نہیں دیکھا ھے کہ سوکھی زمین پر پانی برستا ھے اور پھر وہ اچانك سرسبز ھوکر لہلہانے لگتی ھے؟ ایسا ھی حال اس معاملے کا بھی سمجھو: انسانی سعادت کی زمین پر بھی خشك سالی کا عالم چھا جاتا ھے، پھر جب=

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝٦٤ ؏

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے. وہی ہے جو بے نیاز ہے ہر طرح کی ستایشوں کا سزاوار! ٦٤

٨ ع ١٥

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝٦٥

کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ کس طرح اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لیے مسخر کردی ہیں؟ جہاز کو دیکھو کس طرح وہ اس کے حکم سے سمندر میں تیرتا چلا جاتا ہے! پھر کس طرح اس نے آسمان کو (یعنی فضاء سماوی کے اجرام کو) تھامے رکھا کہ زمین پر گریں نہیں اور گریں تو

= سرسبزی کا موسم آتا ہے تو بارش کا ایك چھینٹا انقلاب حال پیدا کردیتا ہے. وہ موسم اب آچکا اور انقلاب کچھ دور نہیں!

اس کے حکم سے ۔ بلا شبہ اللہ انسان کے لیے بڑی ھی شفقت رکھنے
والا ، بڑی ھی رحمت والا ھے ! ٦٥

وَهُوَ الَّذِيٓ اَحْيَاكُمْ ز ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۖ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُورٌ ۝ ٦٦

اور (دیکھو !) وھی ھے جس نے تمھیں زندگی بخشی ، پھر وہ موت طاری کرتا ھے ، پھر (دوبارہ) زندہ کرے گا . دراصل انسان بڑا ھی ناشکرا ھے ! ٦٦

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۖ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُسْتَقِيمٍ ۝ ٦٧

(اے پیغمبر !) ھم نے ھر امت کے لیے (عبادت کا) ایك طور طریقہ ٹھیرا دیا ھے جس پر وہ چل رھی ھے . پس لوگوں کو اس معاملے میں (یعنی اسلام کے طور طریقے میں) تجھ سے جھگڑنے کی کوئی وجہ نہیں . تو اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو دعوت دے (کہ اصل دین یہی ھے) . یقیناً تو ھدایت کے سیدھے راستے پر گام زن ھے ٦٧ .

وَاِنْ جٰدَلُوكَ فَقُلِ اللّٰهُ

اگر (اس پر بھی) لوگ تجھ سے

أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝٦٨ جھگڑا کریں تو کہہ دے: اللہ تمھارے کاموں سے بے خبر نہیں! ٦٨

٦٧ و ٦٨ - آیت ٦٧ میں اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اصل دین ایک ہے، البتہ "مناسک" میں یعنی عبادت کے طور طریقے میں اختلاف ہوا. کیوں کہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی. جس کی جیسی حالت تھی اس کے مطابق ایک طور طریقہ اسے دے دیا گیا. پس طالب حق کو چاہیے کہ سب سے پہلے اصل کو دیکھے، نہ یہ کہ فرع کے پیچھے پڑ جائے. فرمایا: "فلا ینازعنك فی الامر"، اس بارے میں تم سے نزاع کرنے کا لوگوں کو حق نہیں. جس بات پر انھیں غور کرنا چاہیے وہ تو یہ ہے کہ اصل دعوت کیا ہے؟ "وادع الی ربك انك لعلی ھدی مستقیم"، اصل دین دعوت الی اللہ ہے اور یہی ہے جو ہدایت کی سیدھی راہ ہے!

اس کے بعد فرمایا: اگر لوگ اس پر بھی نہ مانیں اور جھگڑا کریں تو پھر اللہ پر معاملہ چھوڑ دینا چاہیے. وہ قیامت کے دن ان تمام نزاعات کا آخری فیصلہ کر دے گا. اس سے معلوم ہوا کہ اگر دین کے بارے میں لوگ جدل و نزاع سے باز نہ آئیں تو پھر "اللہ اعلم بما تعملون"، کہہ کر جھگڑا ختم کر دینا چاہیے. اس سے زیادہ کسی کے پیچھے =

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ ٦٩

تم جن باتوں میں باہم دگر اختلاف کر رہے ہو قیامت کے دن وہ تمہارے درمیان فیصلہ کر کے حقیقت حال آشکارا کر دے گا ٦٩ .

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ ٧٠

(اے پیغمبر!) کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ پر سب کچھ روشن ہے ، جو کچھ آسمان میں ہے ، جو کچھ زمین میں ہے ؟ یہ ساری باتیں نوشتے میں ضبط ہیں اور ایسا کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ٧٠ .

= پڑنے کا کسی کو اختیار نہیں . اور اگر اللہ کے رسول کے لیے بھی یہی راہ اختیار کرنی تھی تو اور کسی کو اس سے آگے بڑھنے کا کب حق مل سکتا ہے ؟

اگر پیروان مذاہب صرف اتنی بات سمجھ لیں کہ " ان جدلوك فقل الله اعلم بما تعملون " تو مذہبی نزاع و منافرت کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں .

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ ٧١

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی بندگی کرتے ھیں جن کے لیے نہ تو اس نے کوئی سند اتاری اور نہ ان کے پاس علم کی کوئی روشنی ھے۔ اور بے انصافوں کو مدد کا کوئی سہارا نہیں مل سکتا ٧١۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ

اور جب انہیں ہماری روشن آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ھیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کفر ھے ان کے چہروں پر ناپسندیدگی ابھرتی ھوئی دیکھ کر تم پہچان لیتے ھو۔ ایسا معلوم ھوتا ھے کہ مارے ناپسندیدگی کے یہ پڑھنے والوں پر حملہ

٩ ع ١٦

الْمَصِيرُ ع ٧٢ کر بیٹھیں گے. (اے پیغمبر!) تو

کہ دے: کیا میں تمہیں اس سے بھی ایك بدتر صورت حال کی خبر دوں؟ آگ کے شعلے! جس کا اللہ نے منکروں کے لیے وعدہ کر لیا. اور جس کا ٹھکانا یہ ہوا تو کیا ہی برا ٹھکانا ہے! ٧٢.

يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۥٓ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۥ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۞ ٧٣

اے لوگو! ایك مثال سنائی جاتی ہے، غور سے سنو! اللہ کے سوا جن (خود ساختہ) معبودوں کو تم پکارتے ہو انہوں نے ایك مکھی تك پیدا نہیں کی. اگر تمہارے یہ سارے معبود اکٹھے ہو کر زور لگائیں جب بھی پیدا نہ کر سکیں. اور

(پھر اتنا ہی نہیں بلکہ) اگر ایك مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو ان میں قدرت نہیں کہ اس سے چھڑا لیں. تو دیکھو! طلب گار بھی یہاں درماندہ ہوا اور مطلوب بھی درماندہ (یعنی پرستار بھی عاجز ہیں اور ان کے معبود بھی عاجز!) ٧٣.

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝۷۴

اللہ کے مقام کی جو عزت کرنی تھی یہ نہ کر سکے. وہ تو سرتاسر قوت ہے، سب پر غالب! ۷۴

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝۷۵

اللہ نے فرشتوں میں سے بعض کو پیام رسانی کے لیے برگزیدہ کر لیا، اسی طرح بعض انسانوں کو بھی، (لیکن اس برگزیدگی سے انہیں معبود ہونے کا درجہ نہیں مل گیا جیسا ان گمراہوں نے سمجھ رکھا ہے). بلا شبہ اللہ ہی ہے سننے والا، دیکھنے والا! ۷۵

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۷۶

وہ جانتا ہے جو کچھ انہیں پیش آنے والا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا. اور ساری باتوں کا آخری سر رشتہ اسی کے ہاتھ ہے! ۷۶

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا

مسلمانو! رکوع میں جھکو، سجدے میں گرو، اپنے

رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۚ ۷۷
وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ

پروردگار کی بندگی کرو۔ جو کچھ کرو نیکی کی بات کرو، عجب نہیں کہ اس طرح بامراد ہو ۷۷۔

اور اللہ کی راہ میں جان لڑا دو، اس کی راہ میں جان لڑا دینے کا جو حق ہے پوری طرح ادا کرو۔ اس نے تمہیں برگزیدگی کے لیے چن لیا۔ تمہارے لیے دین میں کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی۔ وہی طریقہ تمہارا ہوا جو تمہارے باپ ابراهیم کا تھا۔ اس نے تمہارا نام "مسلم" رکھا، پچھلے وقتوں میں بھی اور اس

السجدة عند الشافعي رحمة الله عليه

هُوَ مَوْلٰىكُمْ ج فَنِعْمَ (قرآن) میں بھی ۔ اور یہ
۱۰ ع ۱۷ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ؏ ۷۸ اس لیے کیا تاکہ رسول
تمھارے لیے (حق کا) گواہ ہو (یعنی معلم ہو) اور تم تمام
انسانوں کے لیے ۔ پس نماز کا نظام قائم کرو، زکوٰة کی ادائگی
کا سامان کرو ۔ اللہ کا سہارا مضبوط پکڑ لو، وھی تمھارا
کارساز ھے ۔ اور جس کا کارساز اللہ ھوا تو کیا ھی اچھا
کارساز ھے اور کیا ھی اچھا مددگار! ۷۸

---

۷۷ و ۷۸ - آیت ۷۷ سے آخر تک سورت کے مواعظ کا خاتمہ ھے ۔ فرمایا:

(ا) اللہ کی بندگی و نیاز میں سرگرم رھو ۔ تمھارے سارے کام خیر و صلاح پر مبنی ھوں ۔ اگر حسن عمل کی یہ روح تم میں بس گئی تو پھر تمھارے لیے فلاح ھی فلاح ھے ۔

(ب) جہد فی اللہ تمھاری زندگی کا شعار ھو ۔ ''جہد'' کے معنی کمال درجہ کوشش کرنے کے ھیں ۔ پس مطلب یہ ھوا کہ زیادہ سے زیادہ کوشش جو ایک انسان کسی مقصد کے لیے کر سکتا ھے وہ تمھیں اللہ کے لیے کرنی چاھیے، کیوں کہ تمھارے مساعی کا نصب العین اس کے سوا اور کچھ نہیں ۔ یہ کوشش نیت سے بھی ھے، =

=زبان سے بھی ، مال سے بھی ، ھاتھ پاوں سے بھی .

(ج) اس نے تمھیں برگزیدگی کے لیے چن لیا .

(د) اس نے تمھیں دین کی بہتر سے بہتر راہ دکھادی. اس بہتری کا معیار کیا ھے؟ یہ کہ کسی طرح بھی تنگی اور رکاوٹ اس میں نہیں ھے . سب سے زیادہ سہل ، سب سے زیادہ سبك ، سب سے زیادہ واضح ، سب سے زیادہ فکر و عمل کی وسعت رکھنے والی : "الحنیفیة السمحة ، لیلها کنهارها"

انسان پر فکر و عمل کے ارتقاء کی راہ جس بات نے روك رکھی تھی وہ یہی دین کی تنگی اور رکاوٹ تھی . اس تنگی نے اس طرح اسے جکڑ بند کر رکھا تھا کہ ایك قدم بھی وسعت و بلندی کی طرف نہیں اٹھا سکتا تھا . اللہ نے اس جکڑ بندی سے تمھیں نجات دے دی اور یہ اس کا بڑے سے بڑا احسان ھے جو کسی انسانی گروہ پر ھو سکتا ھے .

(ہ) یہ تنگیاں جس قدر ھیں بعد کو پیدا کرلی گئیں . اصل دین میں نہ تھیں جو تمھارے بزرگ ابراھیم کا دین تھا . اسی دین خالص کی راہ تم پر کھول دی گئی .

(و) اس نے تمھارا نام "مسلم" رکھا ، کیوں کہ دین=

= خالص اول دن سے "اسلام" ھی ھے، یعنی قوانین حق کی اطاعت. یہی نام پہلے تھا، یہی اب ھوا.

(ز) تمھیں اس لیے چنا گیا کہ اللہ کا رسول تمھارے لیے شاھد ھو، تم تمام انسانوں کے لیے. تم اپنا چراغ اس سے روشن کرو گے، تمھارے چراغ سے تمام دنیا کے چراغ روشن ھو جائیں گے:

یك چراغیست دریں خانه که از پر تو آں
ھر بجا می نگری انجمنے ساخته اند

(ح) یہ فرض کیوں کر انجام پا سکتا ھے؟ اس طرح کہ نماز کا اھتمام کرو، زکاۃ کا نظام استوار کرو، اللہ کا سہارا مضبوط پکڑ لو: "ھو مولٰکم ج فنعم المولٰی و نعم النصیر".

یہاں سے دو باتیں قطعی طور پر معلوم ھو گئیں: ایك یہ کہ دین کی سچائی کی سب سے بڑی کسوٹی یہ ھے کہ اس میں تنگی و رکاوٹ نہ ھو. دوسری یہ کہ مسلمانوں کے لیے دینی نام صرف "مسلمان" ھی ھے. اس کے سوا جو نام بھی اختیار کیا جائے گا وہ اللہ کے ٹھیرائے ھوے نام کی نفی ھو گا. پس مسلمانوں کے مختلف فرقوں، مذھبوں اور طریقوں نے جو طرح طرح کے خود ساختہ نام =

= کھڑ ایے ھیں اور اب انھیں سے اپنے کو پہچنوانا چاھتے ھیں وہ صریح "سمّٰکم المسلمین" سے انحراف ھے۔

* * * * *

سورت کی ضروری تشریحات ختم ہوگئیں، لیکن بعض مقامات کی اھمیت مزید تفصیل کی طالب ھے، خصوصًا سورت کا ابتدائی حصہ جس میں "بعث بعد الموت" کا اثبات ھے۔ اس میں پہلے دلائل بیان کیے ھیں، پھر ان سے نتائج نکالے ھیں۔ یہ نتائج حسب ذیل ھیں۔ آیات (٦ و ٧) پر غور کرو:

(ا) "ذٰلك بان الله هو الحق"، الله کی هستی ایك حقیقت ھے۔

(ب) "و انه یحی الموتی"، وہ مردوں کو زندہ کر دیتا ھے۔

(ج) "و انه علی کل شیء قدیر"، اس کی قدرت سے کوئی چیز باھر نہیں۔

(د) "و ان الساعة اٰتیة لا ریب فیها"، ایك مقررہ گھڑی آنے والی ھے، اس میں کوئی شبہ نہیں۔

(ہ) "و ان الله یبعث من فی القبور"، جو مر گئے ھیں الله انھیں اٹھا کھڑا کرے گا۔ =

بعث بعد الموت اور قرآن کا استدلال

= یہ پانچ باتیں ہیں جن پر اس مقام کی موعظت نے روشنی ڈالی ہے۔ یہ شک کو دور کرتی اور اذعان و یقین کی طمانیت پیدا کر دیتی ہے۔ جو موعظت ایسی ہو اسے قرآن اپنی اصطلاح میں دلیل، برہان اور حجۃ سے تعبیر کرتا ہے، نہ کہ دلیل مصطلحۂ منطق و فنون جدلیہ۔ اب غور کرو! ان پانچوں باتوں کے لیے یہاں دلیل کی روشنی کس طرح نمایاں ہوئی ہے! فرمایا: "ان کنتم فی ریب من البعث"، اگر تم شک میں پڑے ہو کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ اٹھنا کیسے ہو سکتا ہے تو اس بات پر غور کرو جو بیان کی جاتی ہے۔ تمہارا سارا شک اور استغراب دور ہو جائے گا۔

خلقتِ حیات اور اعادۂ حیات

"فانا خلقنکم من تراب"، تمہیں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ انسان مر کر پھر اٹھ کھڑا ہو، یعنی زندگی کا دوسرا اٹھان تمہیں عجیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ بات عجیب ہے تو کیا اس سے زیادہ یہ بات عجیب نہیں کہ زندگی کا پہلا اٹھان ظہور میں آ گیا؟ تم اپنی ہستی میں تو شک نہیں کر سکتے؟ اچھا یہ ہستی کس طرح ظہور میں آئی؟ دوسری مرتبہ اگر انسانی ہستی اٹھے گی تو یہ زندگی کی ابتداء نہیں ہوگی، زندگی کا اعادہ ہوگا۔ لیکن اس کی ابتداء کیوں کر ہوئی؟ "من تراب" =

= مٹی سے ، یعنی "من صلصال من حما مسنون" (۱۵ : ۲۸)، مٹی کا گارا جس میں مدتوں تک خمیر اٹھتا رہا اور پھر سوکھ کر کھنکھنانے لگا. سب سے پہلے زندگی کا جرثومہ اسی میں نمودار ہوا تھا، پھر حکمت الٰہی نے اسے درجۂ تکمیل تک پہنچایا. سوال یہ ہے کہ اگر زندگی عدم حقیقی سے وجود میں آ سکتی تھی تو کیا ایک مرتبہ وجود میں آ کر پھر دہرائی نہیں جا سکتی؟ زیادہ عجیب بات کونسی ہے؟ کسی چیز کی ابتدائی پیدایش یا پیدایش کے بعد اعادہ؟ اگر تمہارے لیے ابتدائی پیدایش میں کوئی اچنبھا نہیں تو اعادے میں کیوں ہو؟ کیوں تم قطعی فیصلہ کردو کہ ایسا نہیں ہو سکتا؟ جس قدرت پر یہ دشوار نہ ہو کہ زندگی پیدا کر دے، اس پر کیوں دشوار ہونے لگا کہ پیدا شدہ زندگی کو کہ بکھر گئی ہے پھر سمیٹ دے؟ اگر کمہار نئی مٹی سے نیا برتن بنا سکتا ہے تو یقیناً ٹوٹے ہوئے برتن کے ٹکڑوں کو بھی دوبارہ ڈھال لے سکتا ہے!

پیدائش کا تناسلی سلسلہ اور قانون تحول

اچھا! یہ تو ابتدائی پیدایش ہوئی. اس کے بعد پیدایش کا جو سلسلہ قائم ہوا اس کا کیا حال ہے؟ اس کا حال یہ ہے کہ دو حقیقتیں ہر وقت تمہارے سامنے آتی رہتی ہیں: ایک یہ کہ انسانی وجود کا پورا درخت صرف ایک بیج =

= سے پیدا ہو جاتا ہے جس کا نام ''نطفہ'' ہے۔
لیکن ''نطفہ'' کیا ہے؟ کیا گوشت پوست ہے؟
ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے؟ ڈیل ڈول ہے؟ شکل و صورت
ہے؟ عقل و حواس ہے؟ نہیں، کچھ بھی نہیں ہے اور
پھر سب کچھ ہے! ایک قطرۂ حقیر، مگر اسی سے انسان کا
جسم، اس کی قامت، اس کی صورت، اس کی ساری
معنوی قوتیں ظہور میں آ جاتی ہیں! دوسری بات یہ کہ
یہاں یکسر تغیر و تحول کا قانون جاری ہے۔ شکم مادر
میں جنین کو دیکھو کتنی مختلف حالتوں سے گزرتا ہے!
نطفے سے علقہ، علقے سے مضغہ، مضغے سے عظم و لحم،
عظم و لحم سے تشکل و صورت۔ پھر پیدایش کے بعد
بچے کو دیکھو کس طرح یکے بعد دیگرے نشو و بلوغ
کے درجے بدلتا رہتا ہے! جوان آدمی کو دیکھو کس
طرح جسم و عقل کے کمال تک پہنچتا اور پھر زوال کی
طرف پلٹتا ہے! گویا انسان کی ہستی سراسر تبدیل ہے،
تطوّر ہے، تحول ہے، ایک حالت سے بدل کر دوسری
حالت میں داخل ہوتے رہنا ہے۔

یہی حال عالم نباتات کا ہے۔ زمین کی گود میں بھی
زندگیاں اور پیدایشیں ہیں۔ جس طرح یہاں ''نطفہ'' ہے،
وہاں بھی تخم اور تخم کے ذرات ہیں۔ تم دیکھتے ہو =

عالم نباتات اور اعادہ و تحول

= کہ اس کی گود زندگیوں کی نمود سے بالکل خالی ہو گئی، پھر دیکھتے ہو کہ زندگیوں کی فراوانی سے شاداب ہو گئی۔ یہ انقلاب کس طرح ظہور میں آیا؟ اسی طرح کہ محض ایک تخم سے، تخم کے ایک ذرے سے، حیات نباتی کی ایک جوہری تلقیح سے پورا وجود نباتی پیدا ہو گیا اور تبدل و تحول کی تمام حالتیں اس پر بھی اسی طرح گزریں جس طرح تمہاری ہستی پر گزرتی رہتی ہیں۔

قانون اجل

ساتھ ہی غور کرو! یہاں ایک تیسرا قانون بھی کام کر رہا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ہر تبدل کے لیے ایک "اجل مسمی" یعنی مقررہ وقت ہے۔ جونہیں وہ وقت آیا احیاء و اجسام ظہور میں آ گئے۔ "نطفہ" کو دکھو: "نقر فی الأرحام ما نشاء الی اجل مسمی"، وہ اندرونی طور پر بنتا رہتا ہے مگر ایک مقررہ وقت تک ارحام کے اندر چھپا رہتا ہے۔ اجسام نباتیہ کو دیکھو ان کی زندگی کا جوہر موجود ہوتا ہے مگر ابھرتا نہیں۔ ابھرتا کب ہے؟ "اذا انزلنا علیها الماء"، جب بارش کی گھڑی آتی ہے اور زندگی کے بروز و نمود کا اعلان کر دیتی ہے اس وقت "اهتزت و ربت و انبتت من کل زوج بهیج" کا عالم نمایاں ہو جاتا ہے۔ =

حیات اور اعادۂ نشأة

= یہ انسان و حیوان کی کامل ہستی جو محض "نطفه" سے ظہور میں آجاتی ہے، کیوں ظہور میں آتی ہے؟ اس لیے کہ اس میں جوہر حیات "بالقوة" موجود ہے اور پھر وہ بالفعل نمود کرتا ہے۔ اچھا! اگر تمھاری روزانہ زندگی کا یہ معاملہ تمھارے لیے عجیب نہیں تو یہ بات کیوں عجیب ہو جائے کہ اسی طرح کوئی نطفۂ حیات ہے جو مرنے کے بعد بھی موجود رہتا ہے اور اس سے دوبارہ وجود انسانی ظہور میں آجائے گا؟ تم کہو کے اس کی کوئی مثال نہیں۔ لیکن تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو جب کہ اس کی مثال ہمیشہ تمھاری نگاہوں سے گزرتی رہتی ہے: "وتری الارض هامدة"، تم زمین کو دیکھتے ہو وہی زمین جو کچھ عرصے پہلے شاداب تھی یک قلم سوکھ گئی ہے۔ پھر جب اس کی زندگی کی "اجل مسمی" آجاتی ہے، یعنی پانی برسنے لگتا ہے تو اچانک مری ہوئی شادابی دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے اور ہر تخم نباتی اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جس طرح نباتات کے اعادۂ نشأة کا یہ منظر ہمیشہ دیکھتے رہتے ہو ٹھیک اسی طرح انسانی زندگی کے اعادۂ نشأة کا معاملہ بھی سمجھو۔ بارش نے نئی زندگی پیدا نہیں کر دی۔ اسی پیدا شدہ زندگی کو دہرا دیا جو زمین کی آغوش میں محفوظ موجود تھی۔ قیامت کی =

=" اجل مسمی" بھی نئی زندگی پیدا نہیں کرےگی . اسی پیدا شدہ زندگی کو دھرا دےگی جو کائنات کی آغوش میں موجود ہے . اب تم کہو گے: اگر موجود ہے تو وہ دکھائی کیوں نہیں دیتی؟ لیکن تمہیں کونسی چیز دکھائی دیتی ہے؟ تمہیں نطفے میں انسان اور تخم میں درخت دکھائی دیتا ہے؟ تم کہو گے: مگر نطفہ اور تخم تو دکھائی دیتا ہے اور زندگی کے جو جراثیم آنکھوں سے نہیں دیکھے جا سکتے، آلات کے ذریعے دیکھ لیے جا سکتے ہیں. ہاں! دیکھ لیے جا سکتے ہیں، مگر اس لیے کہ زیادہ دقیق نہیں. جو دقیق نہیں تھے وہ تمہیں صاف نظر آتے رہے، جو دقیق تھے وہ ہزاروں برس تک نظر نہیں آئے، یہاں تک کہ تم نے طاقت ور خرد بینیں ایجاد کیں. پس تم کیسے حکم لگا دے سکتے ہو کہ ان سے بھی دقیق تر تخمہائے حیات موجود نہیں؟ اگر تمہیں صرف اتنی سی بات کے لیے دس ہزار برس تک انتظار کرنا پڑا کہ نطفۂ حیوانی کے جراثیم دیکھ لو تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان سے بھی دقیق تر تخمہائے حیات کے لیے تمہیں چند ہزار برس اور مطلوب نہیں اور ان کا مرئی نہ ہونا ان کی معدومیت کا قطعی ثبوت ہے؟ (١١٢) =

تفصیل استدلال

= اب دیکھو مندرجۂ صدر موعظت سے ان پانچوں باتوں پر کس طرح اذعان و یقین کی روشنی پڑ رہی ہے!

(ا) "ان اللہ ھو الحق"، کیوں کہ یہ سب کچھ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ خالقیت اور قدرت کی ایک حقیقت کام کر رہی ہو۔ تم وجدانی طور پر ایسا اعتقاد رکھنے پر مجبور ہو.

(ب) "انہ یحی الموتٰی"، کیوں کہ زندگی نہ تھی، اس نے پیدا کی اور پھر برابر اسے دھراتا رہتا ہے.

(ج) "انہ علی کل شیء قدیر"، کیوں کہ جس کی قدرت نے ایک ایسے مواد سے جو مٹی اور پانی کا ملا جلا کیچڑ تھا زندگی کا شعلہ روشن کیا اور اس کا ایسا نظم قائم کر دیا کہ نطفے کے ایک قطرے اور تخم کے ایک ذرے سے پیدایشیں نکلتی اور زندگیاں بنتی رہتی ہیں، اس کی قدرت سے کونسی بات بعید ہو سکتی ہے؟

(د) "ان الساعة اٰتیة لا ریب فیھا"، ایک مقررہ گھڑی قیامت کی ضرور آنے والی ہے، کیوں کہ یہاں تبدیلی کا قانون نافذ ہے اور ہر تبدیلی کے لیے ایک "اجل مسمی" مقرر ہے۔ پس جس طرح بارش کی مقررہ گھڑی تمام اجسام نباتیہ کو موت کی حالت سے زندگی کی حالت میں لے آتی ہے، ضروری ہے نوع انسانی کے لیے بھی =

= ایك ایسی ہی " اجل مسمی " ہو .

(٥) " و ان اللہ یبعث من فی القبور " (١١٣)، اور جب وہ گھڑی آئے تو تمام اموات لہلہاتی ہوئی کونپلوں کی طرح اٹھ کھڑی ہوں .

قرآن کی اصطلاح میں " بعث "

قرآن کی اس موعظت کو ٹھیك طور پر سمجھ لینے کے لیے ضروری ہے کہ چند مقامات واضح ہو جائیں :

اولاً ، قرآن نے جا بجا حیات بعد الموت کو " بعث " سے تعبیر کیا ہے . " بعث " کے معنی اٹھ کھڑے ہونے کے ہیں . گویا اس کے نزدیك یہ معاملہ ایسا ہوگا جیسے کوئی سو رہا تھا پھر اٹھ کھڑا ہوا . وہ اسے خلقت کے " اعادہ " سے بھی تعبیر کرتا ہے : " کما بدأنا اول خلق نعیدہ (٢١ : ١٠٤) .

موت اور حیات

ثانیاً ، موت اور حیات کا اطلاق وہ صرف انہیں حالتوں پر نہیں کرتا جو فلسفیانہ اصطلاح کی معدومیت اور تخلیق ہیں ، بلکہ ہر ایسی حالت پر کرتا ہے جس میں زندگی کی نمود مفقود ہو جائے ، یا بالفاظ دیگر صورت معدوم ہو جائے اور پھر نمایاں اور متشکل ہو جائے . اس باب میں اس کا اطلاق اس درجہ وسیع ہے کہ نیند کی حالت پر بھی اس نے موت کا اطلاق کیا ہے . اور در اصل یہ خود عربی زبان کا لغوی اطلاق ہے . بعد کو =

= موت اور حیات نے جو فلسفیانہ معانی پہن لیے وہ قرآن کی زبان نہیں ہے۔

انسان کا عام مشاہدہ اور اعتقاد بھی یہی ہے "نطفہ" کو ہم زندہ نہیں کہتے، حالانکہ اس میں زندگی کا جرثومہ موجود ہے۔ آم کی گٹھلی اور پتھر کے ایک ٹکڑے میں ہم کوئی فرق نہیں کرتے۔ دونوں ہماری زبان، ہمارے اعتقاد اور ہمارے مشاہدے میں بے جان ہیں، حالانکہ علمی اصطلاح میں گٹھلی بے جان نہیں اس میں نباتی زندگی کا تخم موجود ہے۔ پس قرآن کے اختیارات لغویہ کو کہ لغت کے اعتبار سے ہیں، علمی مصطلحات پر ڈھالنا نہیں چاہیے۔ اس کی زبان میں "موت" عام ہے، خواہ انعدام محض ہو، خواہ انعدام صورت ہو۔ اسی طرح "حیات" بھی عام ہے، خواہ معدومیت محضہ سے تخلیق ہو، خواہ کسی جوہر حیات سے بروز و انبعاث ہو۔ چنانچہ جس طرح وہ اس ابتدائی حالت کو موت سے تعبیر کرتا ہے جو عدم محض کی حالت تھی، اسی طرح نطفے کی اور تخمہائے نباتات کی حالت کو بھی موت سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے: پہلے زندگی نئی سے ہوئی جب کہ حیات حیوانی میں سے کچھ نہ تھا۔ پھر نطفے سے ہوتی ہے جب کہ نطفے کا =

= جوہر حیات موجود ہوتا ہے ۔

ثالثًا ، اس نے حشر اجساد کے معاملے کو بھی اسی حالت سے تشبیہ دی ہے جو نطفے سے زندگی کے ابھرنے اور تخم سے درختوں کے نکلنے کی حالت ہوتی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا انسان کی دوسری زندگی کا ظہور اس طرح کا ظہور نہ ہوگا جیسا ابتدائی تخلیق کا ظہور تھا ، یعنی بغیر کسی اصل حیات کے حیات ظہور میں آگئی تھی ۔ بلکہ ایسا ہوگا جیسا نطفے سے ایک نئی پیدایش اور بزور نباتات سے ایک نیا انبعاث ظہور میں آجاتا ہے ، یعنی اصل حیات بالقوۃ موجود ہوتی ہے اور بالفعل ظہور میں آجاتی ہے ۔ اسی لیے وہ اسے ''بعث'' سے تعبیر کرتا ہے ، یعنی جیسے کوئی آدمی دیر تک سوتا رہا تھا پھر اٹھ کھڑا ہوا ۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اس انبعاث کے احساسات و واردات ایسے بیان کیے ہیں جیسے نیند کے بعد بیدار ہونے پر طاری ہوا کرتے ہیں ۔ مثلاً جا بجا کہا ہے : اس وقت لوگ سوچیں گے : ہم کتنے عرصے تک بے خبر رہے ؟ کوئی کہے گا : تھوڑی دیر ، کوئی کہے گا : زیادہ عرصے تک : '' لم یلبثوا إلا عشیة او ضحٰها '' (٧٩ : ٤٦) ، '' قالوا لبثنا یومًا او بعض یوم '' (٢٣ : ١١٣) ۔ اور پھر یہی وجہ ہے کہ =

"انبعاث" تخلیق نہیں ہے ، اعادہ و تبدل حیات ہے

= وہ اس حالت کو اعادۂ حیات سے تعبیر کرتا ہے اور عالم ہستی کے تبدل و تحول سے استدلال کرتا ہے . یعنی جب فطرت کائنات کے ہر گوشے میں تبدل حالت کا قانون کام کر رہا ہے اور یہاں ہر قدم پر تبدل اور ہر منزل پر تجدد ہے تو کیوں تمہیں اس سے انکار ہو کہ ایک اور تبدل بھی پیش آنے والا ہے اور اس کا نام " بعث و حشر " ہے ؟

انسان اپنی ہستی کی جس منزل تک پہنچ چکا ہے وہاں سے گردن موڑ کر پیچھے کی طرف دیکھے کتنے بے شمار تبدلات ہیں جن سے اس کی ہستی گزرتی رہی ہے! پھر اگر ماضی میں بے شمار تبدلات ہو چکے ہیں تو کیوں مستقبل میں بھی نہ ہوں؟ کیوں تبدلات کا سفر اسی منزل تک پہنچ کر رک جائے؟ کیوں اس پر تعجب ہو کہ جہاں ایک ہزار تبدیلیاں ہو چکی ہیں وہاں ایک آخری تبدیلی اور بھی ہونے والی ہے؟ ہم نے اضافی حیثیت سے یہاں " آخری " کہہ دیا، ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ تبدل بھی آخری ہو گا؟ " و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا " (۱۷ : ۸۵) .

رابعاً، ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں جو چیز بھی اپنا وجود پالیتی ہے پھر اس کی حقیقت معدوم نہیں ہوتی، =

یہاں وجود کی حقیقت نہیں مٹتی، صورت مٹتی ہے

= صرف صورت معدوم ہو جاتی ہے اور اسی صورت کا انعدام ہمارے لیے اس کا معدوم ہو جانا ہوتا ہے۔ تم درخت کو چیر کر تختہ بنا لیتے ہو۔ اب درخت معدوم ہو گیا، تختہ پیدا ہو گیا۔ مگر جو چیز معدوم ہو گئی وہ کیا تھی؟ صورت یا حقیقت؟ محض صورت جو پیدا ہو گئی وہ کیا پیدا ہوئی؟ نئی حقیقت یا نئی صورت؟ نئی صورت، کیوں کہ درخت پر جو تبدیلی طاری ہوئی وہ صرف صورت کی ہوئی۔ حقیقت تختے کی بھی وہی ہے جو درخت کی تھی۔ اب تختہ جلا دو، تختہ نابود ہو گیا، راکھ پیدا ہو گئی۔ راکھ بھی اڑا دو، راکھ نابود ہو گئی، منتشر ذرات پیدا ہو گئے۔ مگر ان دونوں حالتوں میں بھی جو انعدام ہوا وہ کس چیز کا ہوا؟ محض صورت کا۔ اگر تم منتشر ذروں کا بھی تعاقب کر سکتے ہو تو کر دیکھو! صورت بدلتی جائے گی، حقیقت کبھی معدوم نہیں ہو گی، کیوں کہ یہاں ہر گوشے میں تبدل صرف صورت کے لیے ہے۔ حقیقت کے لیے نہیں ہے۔

لیکن صورت کے اس تبدل کا سلسلہ کس نقطے پر جا کر ختم ہوتا ہے؟ اس کا کھوج ہم آج تک نہ پا سکے۔ ہماری جستجو کا قافلہ ہمیشہ کی طرح اب بھی رواں ہے =

= هم نے عرصے تك عناصر كا خواب ديكها. هم مدتوں جزء لا يتجزیٰ كی سراغ رسانی میں رهے. هم نے دی مقراطیسی سالمات (molecule) پر صدیوں تك اعتماد كیا. اب هم الكٹرون (Electron) كی مثبت اور منفی لہروں میں اسے دیكھ رهے هیں اور نہیں جانتے كه آگے بڑھیں گے یا نہیں رك رهیں گے. (١١٤) مقادیر عنصری كے نظریه (QuantumTheory) نے حقیقت كا جلوه ایك دوسری هی صورت میں نمایاں كیا هے اور ٹهوس ماده (Solid matter) كی جگه قوت مجرده (Pure energy) اب وجود اور حركت كے هر گوشے میں كام كرتی نظر آرهی هے.

قرآن كہتا هے: جب تم دیكھ رهے هو كه یہاں تبدل صورت اور بقاء حقیقت كا قانون هر گوشے میں كام كر رها هے تو پهر تم نے كیسے سمجھ لیا كه ایك انسانی هستی وجود میں آكر پهر مطلقاً نابود هو جاتی هے اور اس كی كوئی حقیقت جوهری باقی نہیں رهتی؟ فطرت كا جو قانون وجود و هستی كے هر گوشے میں نافذ هے وه زندگی اور روح كے لیے كیوں معطل هو جائے؟ وه انسان كی زندگی كے لیے كیوں معطل هو جائے جو كرۂ ارضی كی تمام مخلوقات كا ماحصل اور سلسلۂ تخلیق كا منتہیٰ اور مقصود هے؟ نہیں! یہاں كوئی هستی بهی جو وجود میں آجائے =

تبدل صورت اور بقاء حقیقت سے استدلال

= نابود محض نہیں ہو جاسکتی. بلا شبہ اس کی صورت مٹ جاتی ہے، مگر حقیقت نہیں مٹے گی. اس کی صورت پر ہزار تبدیلیاں طاری ہو جائیں، مگر بالآخر کوئی نہ کوئی حقیقت جوہری ضرور باقی رہے گی. وہ ایك دانۂ تخم کی طرح ہو، ایك نطفۂ پیدایش کی طرح ہو، ایك ذرۂ حیات کی طرح ہو، مگر ممکن نہیں کہ موجود نہ ہو. وہ کسی نہ کسی حالت میں ضرور موجود رہتی ہے اور پھر جونہیں بعث و اعادے کی گھڑی آئے گی اور زندگی کا صور پھونکا جائے گا ہر انسانی زندگی اس سے نمودار ہو کر اٹھ کھڑی ہوگی، ٹھیك اسی طرح جس طرح نطفۂ پیدایش سے شکم مادر میں، تخم نباتی سے آغوش ارضی میں اٹھ کھڑی ہوتی ہے!

یہاں کوئی ہستی جو پیدا ہو جائے پھر نابود نہیں ہو جاتی. وہ کسی مخفی نشیمن میں سوئی رہتی ہے. اب اسے دوبارہ خلق کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، صرف اٹھا دینے کی ضرورت ہوتی ہے. نباتات کی ہستی ذرات تخم کے نشیمنوں میں سوئی رہتی ہے. جب نمود و بروز کا موسم آتا ہے تو وہ نئی ہستیاں پیدا نہیں کر دیتا، سوئی ہوئی ہستیوں کو بیدار کر دیتا ہے. اسی طرح انسان کی ہستی بھی کسی نہ کسی عنصری مقدار کے ذرے میں بند ہو کر =

= سو رہتی ہے اور جب وقت آئے گا تو اٹھ کھڑی ہوگی.
تم اسے دیکھتے نہیں، لیکن تم اور کتنی حقیقتوں کو دیکھ رہے ہو؟ تمہیں اس کا پتا نہیں. لیکن تم نے اور کتنی حقیقتوں کا پتا لگا لیا ہے؟ تمہارے عدم ادراک سے حقیقت معدوم نہیں ہو جاسکتی. تم اگر اعتقاد وجود کے لیے مشاہدۂ وجود کو شرط سمجھ لو گے تو تمہیں آدھی دنیا سے انکار کر دینا پڑے گا. تم نے اگر ایسا سمجھ لیا ہوتا تو آج حقائق مادیہ کی دو تہائی حقیقتیں غیر معلوم ہوتیں.
تم عرفان حقیقت کی راہ میں صرف حواس کے سہارے چل نہیں سکتے. تمہیں ادراك عقلی کا سہارا پکڑنا پڑتا ہے. اور پھر جب یہ سہارا بھی جواب دے دیتا ہے تو تم رك جاتے ہو اور انتظار کرتے ہو. تمہیں اس گوشے میں بھی رك جانا چاہیے اور انتظار کرنا چاہیے.

خامساً، قرآن نے بعث وحشر کے معاملے کا جس طرح ذکر کیا ہے اور عالم نباتات کے اعادۂ حیات کی مقررہ گھڑی سے جس طرح اسے تشبیہ دی ہے، اس سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ تبدل کائنات کے معاملے کو بھی موسموں کی تبدیلیوں کا سا معاملہ تصور کرنا چاہیے. دنیا میں ہم دیکھتے ہیں خزان و بہار، خشك سالی و سیرابی، گرمی و سردی کے مختلف موسم آتے رہتے ہیں. اسی =

موسم ہستی کی گردش اور تنوع فطرت

= طرح تبدل کائنات کا بھی ایك موسم ہے اور ہمارے سال کی طرح اس کا بھی کوئی سال اور ہماری روز شماریوں کی طرح اس کی بھی کوئی روز شماری ہے. لیکن ہم اپنی تقویم پر جو کائنات کے صرف ایك حقیر کرہ کی سیر و گردش کا نتیجہ ہے، اس کی تقویم کو قیاس نہیں کر سکتے. اس کی مدت کوئی بڑی ہی طولانی مدت ہے، اتنی طولانی کہ ہماری وقت شماری کے پچاس ہزار سال اور اس کا صرف ایك دن. چنانچہ آگے چل کر سورۂ معارج میں پڑھو گے: ''تعرج الملئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ''(٧٠ : ٤). ہمارے سال کے موسموں کی طرح اس کا بھی ایك موسم ختم ہوتا اور دوسرا موسم شروع ہوتا ہے. یہاں جب حیات ارضی کا موسم آتا ہے تو اس کی محرك اول بارش ہوتی ہے. بارش گرتی ہے اور اموات نباتات کو زندگی کا حکم مل جاتا ہے: ''اهتزت وربت وانبتت من کل زوج بهیج''. ٹھیك اسی طرح جب سال کائنات کا وہ مقررہ موسم آئے گا تو بارش ہی کی طرح زندگی کا کوئی صور پھونك دیا جائے گا: ''فاذا نفخ فی الصور نفخۃ واحدۃ''(٦٩ : ١٣)، اور بمجرد حکم تمام اموات انسانی اٹھ کھڑی ہوں گی: '' یخرجون من الاجداث کانهم جراد منتشر لا مهطعین =

= الی الداع '' (٥٤ : ٧ و ٨) .

آخر میں ایك اصل عظیم نہیں بھولنی چاہیے . جہاں تك مسئلۂ حیات کی حقیقت کا تعلق ہے علم انسانی کے سامنے کوئی یقینی روشنی موجود نہیں . ہم اس وقت تك یہ بھی نہ جان سکے کہ زندگی کی حقیقت کیا ہے ؟ ارنست ہیکل (Ernst Haeckel) کے لفظوں میں '' ہم زیادہ سے زیادہ جو کر سکتے ہیں وہ صرف یہی ہے کہ اس کے آنے کا انتظار کریں اور جب آجائے تو اس کے اطوار و احوال اور خواص و افعال کے تعاقب میں نکل جائیں ''. لیکن وہ ہے کیا ؟ وہ آتی کہاں سے ہے ؟ وہ جاتی کہاں ہے ؟ تو اس بارے میں علم انسانی کا قدم اس جگہ سے ایك انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکا جہاں ہزاروں برس سے متحیر و وامانده کھڑا ہے .

جب حقیقت حیات کے بارے میں ہماری عقلی معلومات کا یہ حال ہے تو کیا ہمیں ایسا مقام حاصل ہے کہ وحی الٰہی کے اعلانات علم و یقین کے مقابلے میں نفی و انکار کی جرأت کریں ؟ اگر کریں گے تو یہ ویسی ہی جرأت ہوگی جسے اسی سورت میں '' جدال فی اللہ بغیر علم '' سے تعبیر کیا ہے :
'' ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتب منیر '' . =

=دلائل بعث کے بیان کے بعد فرمایا : ”و من الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم و لا ھدی و لا کتٰب منیر“، اور کتنے ھی آدمی ھیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑے لگتے ھیں اور ان کی حالت کیا ھوتی ھے ؟ یہ کہ نہ تو علم کی روشنی رکھتے ھیں ، نہ کوئی رہ نمائی کی راہ اور نہ کوئی کتاب روشن اور عرفان حق کے یہی تین وسائل ھیں جو انسان کو حاصل ھو سکتے ھیں . پس ایسے لوگوں کے لیے سچائی کی کوئی دلیل بھی سود مند نہیں . وہ دلائل بعث کی یہ تمام موعظت سن کر بھی سر ھلا دیں گے کہ بات سمجھ میں نہیں آتی .

یہ آیت مہمات معارف قرآنی میں سے ھے ، کیوں کہ اس نے ”جدال فی اللہ بغیر علم“ کی حالت کی طرف اشارہ کیا ھے اور یہی حالت قرآن کے نزدیك جہل و ضلالت انسانی کا سب سے بڑا مبدأ ھے . لیکن چوں کہ یہ مقام زیادہ تفصیل کے ساتھ آیندہ سورتوں میں آنے والا ھے، اس لیے یہاں اس کی تشریح میں جانا ضروری نہیں .

سورة المؤمنون - ۲۳

مکية و هی مائة و ثمانی عشرة اٰية

مکی ۱۱۸ آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رکوع ۱ قد افلح المؤمنون - ۱۸

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ لا ۱ بلا شبہ ایمان لانے والے کام یاب ہوے ۱ .

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ لا ۲ (کون ایمان لانے والے؟) جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع رکھتے ہیں ۲ .

وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ لا ۳ جو نکمی باتوں سے رخ پھیرے ہوے ہیں ۳ .

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ لا ۴ جو زکوٰة ادا کرنے میں سرگرم ہیں ٤ .

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ ٥ جو اپنے ستر کی نگہداشت سے کبھی غافل نہیں ہوتے ٥ ۔

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ ٦ ہاں اپنی بیبیوں سے زنا شوی کا علاقہ رکھتے ہیں، یا ان سے جو ان کی ملکیت میں آ گئیں (یعنی غلامی کی حالت میں پڑی ہوئی عورتیں جو ان کے نکاح میں آ گئیں) تو ان سے علاقہ رکھنے پر ان کے لیے کوئی ملامت نہیں ٦ ۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ ٧ اور جو کوئی (اس معاملے میں) اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نکالے تو ایسی صورتیں نکالنے والے ہی ہیں جو حد سے باہر ہو گئے ٧ ۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ ٨ نیز جن کا حال یہ ہے کہ اپنی امانتوں اور عہدوں کا پاس رکھتے ہیں ٨ ۔

زفع لازم

وَالَّذِينَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ	اور اپنی نمازوں کی حفاظت میں
يُحَافِظُونَ ۝ ٩	کبھی کوتاہی نہیں کرتے ٩ .
أُولٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ ١٠	تو یقینا ایسے ھی لوگ ھیں
	جو اپنا ورثہ پانے والے ھیں ١٠
الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ	یہ فردوس کی زندگی میراث
هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝ ١١	میں پائیں کے، ھمیشہ کے لیے
	اس میں بسنے والے ١١ .

١ تا ١١ - یہ مکی زندگی کی آخری تنزیلات میں سے ھے . بالاتفاق الانبیاء کے بعد اتری .

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت مکہ میں پیدا ھوگئی تھی اور دعوت حق کے فیضان نے اس کے خصائص اسلامی آشکارا کر دیے تھے . یہ گویا مریضوں کی پہلی جماعت تھی جو اس شفا خانے سے تندرست ھوکر نکلی . اب طبیب ان کی طرف اشارہ کر کے کہہ سکتا تھا کہ جسے میری طبابت میں شک ھو وہ انھیں دیکھ لے . جو طبیب اپنے نسخۂ شفا سے ایسی تندرست روحیں پیدا کر دیتا ھے وہ طبیب ھے یا نہیں ؟ =

= یعنی یہ جماعت اپنے خصائص ایمانی و عملی میں دعوت حق کی صداقت کی ایک مشہور دلیل بن گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی سورتوں میں جا بجا اس کے اعمال و خصائص کی طرف اشارات کیے ہیں۔

اس سورت کی ابتدا اسی مرقع سے ہوتی ہے۔ غور کرو! اس مرقع کے اصلی نقش و نگار کیا کیا ہیں! یہاں خصوصیت کے ساتھ پانچ وصف بیان کیے۔ گویا قرآن کے نزدیک ایمان و عمل کے مرقع میں سب سے زیادہ نمایاں یہی خط و خال ہیں۔ جس زندگی میں یہ خصائص نہ ہوں وہ مومن زندگی نہیں سمجھی جا سکتی:

(ا) نماز کی محافظت اور اس کا خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنا۔ "خشوع" کا پورا مفہوم کسی ایک لفظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ تم کسی با ہیبت و اجلال مقام میں کھڑے ہو جاؤ تو تمہارے ذہن و جسم پر کیسی حالت طاری ہو جائے گی؟ ایسی ہی حالت کو عربی میں "خشوع" کی حالت کہتے ہیں۔

(ب) ہر اس بات سے مجتنب رہنا جو نکمی ہو۔ صرف انہیں باتوں کا اشتغال رکھنا جو دین و دنیا میں نافع ہوں۔

(ج) اپنی کمائی اپنے محتاج بھائیوں کے لیے خرچ کرنا۔ =

= (د) زنا سے کبھی آلودہ نہ ہونا۔

(ہ) امانت دار ہونا۔ اپنے عہدوں کو پورا کرنا۔

آیت ۷ سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک اتحاد تناسلی کا جائز طریقہ صرف ایک ہی ہے اور وہ ازدواج کا طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا ناجائز ہوگا، خواہ کسی شکل اور کسی نوعیت کا ہو۔

تمام دنیا کی طرح عرب میں بھی غلامی کی رسم جاری تھی اور لونڈی غلاموں کے معاملے کو ملک یمین سے تعبیر کرتے تھے، یعنی کسی چیز پر قابض ہو جانے سے۔ یہاں فرمایا: وہ زنا شوی کا علاقہ بجز منکوحہ عورتوں کے اور کسی سے نہیں رکھتے۔ ان کی بیبیاں ہوں جو سوسائٹی کے آزاد افراد میں سے ہیں یا لونڈیاں ہوں جو ان کے نکاح میں آ گئی ہیں۔

چوں کہ وقت کی سوسائٹی میں آزاد اور غلام افراد کی یہ دو قسمیں پیدا ہو گئی تھیں، اس لیے ان کا ذکر کرنا ناگزیر تھا۔ باقی رہی یہ بات کہ خود قرآن نے رسم غلامی کے باب میں کیا حکم دیا اور کس طرح اسے مٹانا چاہا تو اس کا جواب سورۂ محمد کی تشریحات میں ملے گا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ اور (دیکھو!) یہ واقعہ ہے کہ

مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ج ۱۲ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ

سے پیدا کیا (یعنی زندگی کی ابتدا مٹی کے خلاصہ سے ہوئی) ۱۲ .

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ پھر ہم نے اسے "نطفه" بنایا

قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ص ۱۳ ایک ٹھیر جانے اور جماؤ پانے

کی جگہ میں ۱۳ .

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً پھر "نطفہ" کو ہم نے

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً "علقه" بنایا ، پھر "علقه"

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا

فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق کر دیا ، پھر اس میں ھڈیوں

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط کا ڈھانچا پیدا کیا ، پھر

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ ڈھانچے پر گوشت کی تہ چڑھا

الْخٰلِقِيْنَ ط ۱۴ دی ، پھر دیکھو! کس طرح

اسے بالکل ایک دوسری ھی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کر دیا!

تو کیا ھی برکتوں والی ھستی ھے الله کی، پیدا کرنے والوں میں
سب سے بہتر پیدا کرنے والا ١٤

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝١٥ پھر (دیکھو! اس پیدایش کے بعد) تم سب کو ضرور
مرنا ھے ١٥.

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝١٦ اور پھر (مرنے کے بعد) ایسا ھونا ھے کہ قیامت کے دن
اٹھائے جاؤ ١٦.

١٢ تا ١٦ - آیت ١٢ میں وھی بات کہی جو سورۂ حج میں گزر چکی ھے. یعنی انسان کی ابتدائی پیدایش کس چیز سے ھوئی؟ "سلالة من طین" ایك ایسے جوھر سے جو کیچڑ کا خلاصه تھا. یعنی مرطوب مٹی مدتوں تك خمیر کی حالت میں رھی، پھر اس میں کوئی ایسی چیز پیدا ھو گئی جسے اس کا خلاصه اور ست سمجھنا چاھیے. اسی خلاصے سے زندگی کی اولین نمود ھوئی اور اسی سے بالآخر وجود انسانی متشکل ھوا.

یه تو پہلی پیدایش ھوئی. اس کے بعد پیدایش کا سلسله کس طرح جاری ھوا؟ توالد و تناسل سے. چنانچه پہلے=

= "نطفه" رحم مادر میں جگہ پکڑ تا ہے، پھر اس پر نشو و نما کے مختلف دور طاری ہوتے ہیں۔ قرآن نے یہاں اور دوسرے مقامات میں تشکیل جنین کے جو مراتب خمسه بیان کیے ہیں گزشتہ زمانے میں ان کی پوری حقیقت واضح نہیں ہوئی تھی، کیوں کہ علم تشریح جنین (Embryology) بالکل ناقص حالت میں تھا۔ لیکن اب انیسویں صدی کی تشریحی تحقیقات نے تمام پردے اٹھا دیے ہیں اور ان سے پوری طرح ان تصورات کی تصدیق ہو گئی ہے، خصوصاً "ثم انشانه خلقا اُخر" کی۔ تفصیل اس کی سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

انسان اگر غور کرے تو حقیقت کے دلائل و شواهد اسے تین راهوں سے گھیرے ہوئے ہیں۔ خود اس کی ہستی کا ہر گوشہ سر تاسر دلیل حقیقت ہے۔ یہ قرآن کی اصطلاح میں "عالم نفس" ہے۔ اس سے باہر جو کچھ ہے وہ بھی حقیقت کا پیام ہے۔ یہ "عالم آفاق" ہے۔ پھر عالم آفاق کے دلائل کی بھی دو قسمیں ہوئیں: کائنات ہستی کی خلقت و قوانین کے مظاهر، یه آیات کونیه ہیں۔ اقوام ماضیه کے احوال و تجارب، یه براهین عملیه ہیں۔

قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ان تمام اقسام سے استدلال کرتا اور ایک قسم کے دلائل کے بعد دوسری =

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِينَ ۝ ۱۷

اور (دیکھو!) یہ ہماری ہی کار فرمائی ہے کہ تمہارے اوپر (گردش کے) سات راستے بنا دیے اور ہم مخلوق کی طرف سے غافل نہ تھے ۱۷ ۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ

اور ہم نے ایک خاص اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی برسایا

= قسم کے دلائل لاتا ہے ۔ اس سورت میں علی الترتیب تینوں قسموں کے دلائل جمع ہوگئے ہیں ۔ آیت ۱۲ سے ۱۶ تک انسان کو توجہ دلائی ہے کہ خود اپنی خلقت پر غور کرے ۔ آیت ۱۷ سے ۲۲ تک عالم آفاق کے دلائل کونیہ بیان کیے ہیں کہ اپنے نفس سے باہر کے عالم میں تفکر کرے ۔ آیت ۲۳ سے ۵۲ تک گزشتہ دعوتوں کی سرگذشتوں سے استدلال کیا ہے کہ حوادث ماضیہ سے حال و مستقبل کے لیے عبرت پکڑے ۔ اس کے بعد آخر سورت تک جو کچھ بیان ہے وہ اسی سلسلۂ استدلال کے قدرتی نتائج و عبر ہیں ۔

فِى الْاَرْضِ ق وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ ١٨
اور اسے زمین میں (حسب ضرورت) ٹھیرائے رکھا اور هم یقیناً قادر هیں که اسے (جس طرح نمودار کیا اسی طرح اڑا) لے جائیں ١٨ .

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ م لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ لا ١٩
پھر اسی پانی کی آبیاری سے تمهارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغوں کو نشو و نما دے دی . ان باغوں میں تمهارے لیے بہت سے پھل پیدا هوتے هیں، بعض تمهارے کھانے میں کام آتے هیں ١٩ .

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ ٢٠
اور وہ درخت جو طور سیناء میں پیدا هوتا هے (یعنی زیتون کا درخت) جو چکنائی اگاتا هے اور کھانے والوں کے لیے (نہایت اچھا) سالن ٢٠ .

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ ۲۱

اور (دیکھو!) تمھارے لیے چار پایوں کی خلقت میں بھی بڑی ھی عبرت ھے۔ جو کچھ ان کے شکم میں بھرا ھے (یعنی ناگوار آلایشیں) اسی میں سے تمھارے لیے پینے کی (خوش گوار) چیز پیدا کر دیتے ھیں (یعنی دودھ) اور تمھارے لیے ان کے وجود میں اور بھی طرح طرح کے فائدے ھیں۔ انھیں میں سے بعض تمھارے لیے غذا کا کام بھی دیتے ھیں ۲۱۔

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۚ ۲۲

تم (خشکی میں) ان پر اور جہازوں پر (سمندر میں) سوار بھی ھوتے ھو ۲۲۔

ع ۱ ۱

۱۷ تا ۲۲ - آیت ۱۷ سے ۲۲ تک جن دلائل کونیہ پر توجہ دلائی ھے وہ برھان ربوبیت کا استدلال ھے۔ تفصیل کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھو۔ آیت ۱۷ میں فرمایا: "خلقنا فوقکم سبع طرائق"۔ "طرائق" کے صاف معنی عربی میں راہ=

= کے ھیں ، لیکن چوں کہ ھمارے مفسروں کے سامنے نظام بطلیموسی موجود تھا اور اس میں کواکب کی جگہ طبقات سماوی کی گردش تسلیم کی گئی تھی ، اس لیے مجبور ہوے کہ کسی نہ کسی طرح اسے طبقات کے معنوں میں لے جائیں ۔ مگر اب نظام بطلیموسی کا پورا کارخانہ ھی ملیامیٹ ھو گیا ۔

سات بڑے ستاروں کا تعین انسانی علم کی نہایت قدیم معلومات میں سے ھے ۔ اسی لیے قرآن جا بجا ان کی سیر و گردش اور عجائب آفرینش پر توجہ دلاتا ھے ۔ خصوصیت کے ساتھ ان کی خلقت پر اس لیے بھی زور دیا گیا کہ تمام قدیم قوموں میں ان کی پرستش کا اعتقاد پیدا ھو گیا تھا ، اس لیے ضروری تھا کہ ان کی مخلوقیت کے پہلو پر بار بار زور دیا جاتا ۔

آیت ۲۰ میں خصوصیت کے ساتھ زیتون کے درخت کا ذکر کیا ھے ۔

فطرت کے افادہ و فیضان عام کا یہ ایک خاص گوشہ ھے ۔ اس نے دانوں اور پھلوں میں ھر طرح کی ٹھوس غذا ھی پیدا نہیں کر دی ، بلکہ دھنیت کے ایسے ذخیرے بھی مہیا کر دیے جن سے بکثرت تیل نکلتا ھے اور انسان کے لیے نہایت مقوی غذا اور دوا کا کام دیتا ھے ۔ =

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اور (پھر دیکھو!) یہ واقعہ ہے

اِلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ کہ ہم نے نوح کو اس کی

= ان میں سب سے زیادہ عجیب و نافع درخت زیتون کا درخت ہے۔ اس کا دانہ سرتاسر دھنیت ہے، حتی کہ اگر چٹکی میں لے کر زور سے مسل ڈالو تو تیل کے قطرے ٹپکنے لگیں گے۔ خواص کے لحاظ سے کوئی چکنائی اتنی معتدل اور موافق نہیں جتنی زیتون کی ہے۔

شاید بہت کم لوگوں نے اس بات پر غور کیا ہو گا کہ دھنیت کے لیے تمام دنیا کا اعتماد ہمیشہ سے نباتاتی دھنیت ہی پر رہا ہے اور اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ زیتون پر۔ یہ صرف ہندوستان ہے جہاں مکھن کو گھی بنا کر استعمال کرنے کا رواج پیدا ہوا اور لوگ اسے نباتاتی دھنیت پر ترجیح دینے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی دوسری زبانوں میں گھی کے لیے کوئی خاص لفظ نہیں ملتا۔ وہ اس سے آشنا ہی نہ تھے۔

زیتون کے لیے طور سیناء کی طرف اس لیے اشارہ کیا کہ منابت زیتون میں سے قریب تر مقام جزیرہ نمائے سیناء ہی کا علاقہ تھا۔ گویا زیتون کی اصلی دنیا یہاں سے شروع ہو جاتی ہے۔

اُعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝۲۳

قوم کی طرف (ھدایت کے لیے) بھیجا تھا۔ اس نے کہا تھا: بھائیو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم (بدعملی کے نتائج سے) ڈرتے نہیں؟ ۲۳

فَقَالَ الۡمَلَؤُا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ مَا هٰذَاۤ

اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی

---

۲۳ - آیت ۲۳ سے اقوام ماضیہ کی سرگذشتوں کا جو بیان شروع ہوا ھے وہ تمام تر مجمل اشارات پر مشتمل ھے، کیوں کہ یہاں یہ موعظت مقصود بالذات نہیں ھے، پچھلی دو موعظتوں کو دلائل قصص سے مزید تقویت دینی ھے۔

چوں کہ گزشتہ دعوتوں کا تذکرہ ھر جگہ حضرت نوح کی دعوت سے شروع کیا گیا ھے اور حضرت مسیح کی دعوت پر ختم ھو جاتا ھے، اس لیے یہاں بھی ابتداء دعوت نوح ھی سے ھوئی اور حضرت مسیح کے تذکرے پر ختم ھوگئی۔ درمیان میں جو دعوتیں اور قومیں گزریں ان کی طرف صرف اجمالی اشارہ کردیا گیا۔ البتہ حضرت موسیٰ کا خصوصیت کے ساتھ نام لیا گیا، کیوں کہ ان سے سلسلۂ دعوت کے ایک نئے دور کی ابتدا ھوئی تھی۔

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ ۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۚ ۲۴

وہ یہ سن کر (لوگوں سے) کہنے لگے: یہ آدمی اس کے سوا کیا ہے کہ تمھارے ہی جیسا ایک آدمی ہے! مگر چاھتا ہے تم پر اپنی بڑائی جتائے۔
اگر اللہ کو کوئی ایسی ہی بات منظور ہوتی تو کیا وہ فرشتے نہ اتار دیتا؟ (وہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی کو اپنا پیامبر کیوں بنانے لگا؟) ہم نے اپنے اگلے بزرگوں سے تو کوئی ایسی بات کبھی سنی نہیں ۔ ۲۴

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ ۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ ۲۵

کچھ نہیں، یہ پاگل ہوگیا ہے، بس (اس کی باتوں پر کان نہ دھرو) کچھ دنوں تک انتظار کرکے دیکھ لو اس کا انجام کیا ہوتا ہے ۔ ۲۵

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ ۲۶

اس پر نوح نے دعا مانگی: خدایا! انھوں نے مجھے

جھٹلایا ہے تو تو میری مدد کر! ٢٦

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ٢٧

پس ہم نے نوح کی طرف وحی بھیجی کہ: ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔ پھر جب ایسا ہو کہ ہمارے حکم کا وقت آجائے اور تنور کے شعلے بھڑک اٹھیں (یعنی ظہور نتائج کا معاملہ پختہ ہو جائے) تو کشتی میں ہر جانور کے دو دو جوڑے ساتھ لے لے اور اپنے گھر والوں کو بھی، مگر گھر کے ایسے آدمی کو نہیں جس کے لیے پہلے فیصلہ ہو چکا۔ اور (دیکھ!) جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں ہم سے کچھ عرض معروض نہ کیجیو۔ وہ ڈوب کر رہیں گے! ٢٧

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۲۸

اور جب تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو جائے تو اس وقت تیری زبان سے یہ صدا اٹھے : ساری ستایشیں اللہ کے لیے جس نے ہمیں ظالم قوم (کی معیت) سے نجات دی ! ۲۸

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۲۹

نیز یہ دعا بھی مانگیو کہ : خدایا ! مجھے اب زمین پر اس طرح اتار کہ برکت کا اترنا ہو اور تو سب سے بہتر جگہ دینے والا ہے ! ۲۹

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۳۰

بلا شبہ اس واقعہ میں (سمجھنے والوں کے لیے) بڑی ہی نشانیاں ہیں ، نیز یہ کہ یہاں ضرور ایسا ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو آزمایش میں ڈالیں ۳۰ .

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۳۱

پھر ہم نے قوم نوح کے بعد قوموں کا ایک دوسرا دور

پیدا کر دیا ۔ ۳۱

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا ان میں بھی اپنا رسول بھیجا
مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ جو خود انہیں میں سے تھا
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ (اس کی پکار بھی یہی تھی :)
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۳۲ع که الله کی بندگی کرو ۔ اس کے ۲ ع ۲

۳۱ ـ ایك صورت حال یه هے که افراد انسانی پیدا هوں اور آباد هوں ۔ ایك یه هے که ان کی جماعتی زندگی اور اس کی مدنی خصوصیات اس طرح ابھریں اور عروج تك پهنچیں که ایك خاص قومی عهد پیدا هو جائے ۔ عربی میں دوسری حالت کو کسی قوم و ملك کے "قرن" سے تعبیر کریں گے ۔ یہی وجه هے که قرآن نے جا بجا "قرن" اور "قرون" کا لفظ اختیار کیا هے، یعنی صرف قوموں کا پیدا هونا اور آبادیوں میں بسنا هی نہیں بلکه قومی عروج و اقبال کے دور اور مد ۔

همارے مترجموں اور عام مفسروں نے اس پهلو پر غور نہیں کیا ۔ وه قرن اور قرون کا مطلب ادا کرنے کے لیے صرف قوم و اقوام کے الفاظ پر قناعت کر لیتے هیں ۔

ـوا تمهارا کوئی معبود نهیں .کیا تم (انکار و فساد کے نتائج بد سے) ڈرتے نهیں ؟ ٣٢

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لا يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ لا ٣٣

اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور آخرت کے پیش آنے سے منکر تھے اور جنھیں دنیا کی زندگی میں هم نے آسودگی دے رکھی تھی (اوکوں سے) کهنے لگے : اس سے زیادہ اس کی کیا حیثیت هے که تمهارے هی جیسا ایك آدمی هے ، جو کچھ تم کهاتے هو یه بهی کهاتا هے ، جو کچھ تم پیتے هو یه بهی پیتا هے . ٣٣

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ لا ٣٤

اگر تو نے اپنے هی جیسے ایك آدمی کی اطاعت کر لی تو بس سمجھ لو تم تباه هوے ٣٤ .

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ	(تم سنتے ہو یہ کیا کہتا ہے؟)
وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا	یہ تمہیں امید دلاتا ہے کہ جب
اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ لا ص ۳۵	مرنے کے بعد محض مٹی اور

ہڈیوں کا چورا ہو جاؤ گے تو پھر تمہیں (موت سے) نکالا جائے گا ۳۵ .

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا	کیسی ان ہونی بات ہے جس
تُوْعَدُوْنَ لا ص ۳۶	کی تمہیں توقع دلاتا ہے ۳۶ .
اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا	(بھلا دوبارہ زندہ ہونا کیسا؟)
نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ	زندگی تو بس یہی زندگی ہے
بِمَبْعُوْثِيْنَ لا ص ۳۷	جو دنیا میں ہم بسر کرتے ہیں.

یہیں مرتے ہیں، یہیں جینا ہے. ایسا کبھی ہونے والا نہیں کہ مر کر پھر جی اٹھیں ۳۷ .

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ﹰافْتَرٰى	کچھ نہیں، یہ ایک مفتری آدمی ہے
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ	جس نے اللہ کے نام سے جھوٹ
لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۳۸	موٹ بات بنا دی. ہم کبھی

اس پر یقین لانے والے نہیں ۳۸ .

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ ۳۹
اس پر اس رسول نے دعا مانگی : خدایا ! انھوں نے مجھے جھٹلایا ، پس تو میری مدد کر ! ۳۹

---

۳۳ تا ۳۸ - منکرین حق کے یہاں جو عقائد و اقوال نقل کیے ھیں ان پر غور کرو . یہ گویا تمام منکرین رسالت کے وجوہ انکار و اعراض کا خلاصہ ھے اور سب کا مشترك اور متفقہ مسلك ، کیوں کہ یہاں کسی خاص دعوت اور اس کے منکروں ھی کا ذکر نہیں ھو رھا ھے . بلکہ ان سب کا جنھوں نے حضرت نوح کے بعد اپنے اپنے وقتوں اور اپنے اپنے ملکوں میں دعوت وحی سے رو گردانی کی . یہ انکار دو باتوں پر مشتمل ھے : ایك یہ کہ ھماری طرح کا ایك آدمی جو ھماری ھی طرح کھاتا پیتا ھے ، خدا کی سچائی کا پیام بر کیسے ھوسکتا ھے ؟ دوسری یہ کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ھونا اور عذاب و ثواب کا پیش آنا نہایت ھی عجیب بات ھے . ایسی بات کیوں کر مانی جا سکتی ھے ؟

قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِينَ ۚ ٤٠ حکم ہوا عن قریب ایسا ہونے والا ہے کہ یہ اپنے کیے پر شرم سار ہوں گے ٤٠ ..

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ٤١ چنانچہ فی الحقیقت ایك ہول ناك آواز نے انہیں آ پکڑا اور ہم نے خس و خاشاك کی طرح انہیں پامال کر دیا۔ تو محرومی ہو اس گروہ کے لیے کہ ظلم کرنے والا ہے ! ٤١

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۭ ٤٢ پھر ہم نے ان کے بعد قوموں کے اور بہت سے دور پیدا کیے ٤٢ ۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۭ ٤٣ کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے (سب کو قانون الٰہی کے مطابق اپنا دور پورا کرنا ہے) ٤٣ ۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ پھر ہم نے لگاتار، یکے بعد
كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا دیگرے اپنے رسول بھیجے،
كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ لیکن جب کبھی کسی قوم میں
بَعْضًا وَّ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ اس کا رسول ظاہر ہوا معا
فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ٤٤ وہ جھٹلانے پر آمادہ ہو گئی۔
پس ہم بھی ایک کے بعد ایک کرکے انہیں ہلاک کرتے گئے اور ان کی ہستیاں (روایت کا) افسانہ بن گئیں۔ تو ان کے لیے محرومی و نامرادی ہو جو آیات حق پر یقین نہیں کرتے! ٤٤

---

٤٢ تا ٤٤ - حضرت نوح کے بعد قومی نشأۃ کے جس عہد کا ذکر کیا ہے غالبا قوم عاد و ثمود کا عہد تھا، کیونکہ دوسری جگہ انہیں قوم کا جانشین کہا ہے۔ پھر ان کے بعد جن "قرون" کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مقصود وہ بے شمار قومیں ہیں جو حضرت موسی کے ظہور سے پہلے گزری ہیں اور جن کی نسبت سورۂ ابراہیم کی آیت (٩) میں گزر چکا ہے: "و الذین من بعدھم ؕ لا یعلمھم الا اللہ"۔

آیت ٤٤ سے معلوم ہوا کہ ان عہدوں میں بے شمار =

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ	پھر (دیکھو!) ہم نے موسٰی
هٰرُوْنَ ۵لا بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ	اور اس کے بھائی ھارون کو
مُّبِيْنٍ لا ۴۵	اپنی نشانیاں اور آشکارا

دلیلیں دیں ۴۵ .

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ	اور فرعون اور اس کے
فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا	سرداروں کی طرف بھیجا .
عَالِيْنَ ج ۴۶	لیکن انھوں نے گھمنڈ کیا،

وہ سرکشوں کا گروہ تھا ۴۶ .

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ	وہ (آپس میں) کہنے لگے:
مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا	"کیا ہم اپنے ھی طرح کے
عٰبِدُوْنَ ج ۴۷	دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں،

= قومیں ابھریں اور پامال ھوئیں اور خدا کے رسولوں کا بھی بکثرت اور لگاتار ظہور ھوا، کیوں کہ فرمایا: "ارسلنا رسلنا تترا" اور "اتبعنا بعضھم بعضا" یکے بعد دیگرے، لگاتار رسول ظاھر ھوتے رھے اور ایك کے بعد ایك قومیں ابھرتی اور پاداش عمل میں پامال ھوتی رھیں .

حالانکه ان کی قوم همارے آگے جهکی هوئی اور هماری
پرستار هے"؟ ٤٧

فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ۝ ٤٨
پس انهوں نے موسیٰ اور هارون کو جهٹلایا، نتیجه یه
نکلا که هلاك هو جانے والوں میں سے هوے ٤٨ .

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ ٤٩
اور یه بهی واقعه هے که هم نے (اس واقعه کے بعد) موسیٰ
کو الکتاب (یعنی تورات) دی تهی تاکه لوگ هدایت پائیں ٤٩ .

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۝ ع ٥٠
اور (اسی طرح) ابن مریم (یعنی مسیح) اور اس کی ماں
٣ ع ٣ کو (اپنی سچائی کی) ایك بڑی
نشانی بنایا اور انهیں ایك مرتفع مقام میں پناه دی جو بسنے کے
قابل اور شاداب تهی ٥٠ .

---

٥٠ - آیت ٥٠ میں حضرت مسیح اور ان کی والده
(علیهما السلام) کی طرف اشاره کرتے هوے فرمایا :
"وآوینٰهما الی ربوة ذات قرار و معین"، هم نے انهیں =

= ایك مرتفع مقام میں پناہ دی جو بسنے کی اچھی جگہ اور پانی کی فراوانی سے شاداب تھی ۔

غالبًا اس سے مقصود وادی نیل کی بالائی سطح ہے ، یعنی مصر کا بالائی حصہ ۔ اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کی پیدایش کے بعد مریم کے شوہر یوسف نے ماں بیٹے کو ساتھ لیا اور فلسطین سے مصر چلا گیا ، چنانچہ حضرت مسیح کا بچپن وہیں گزرا ۔ غالبًا ان کی زندگی کے اس واقعے کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے ۔

دریاے نیل کے پانی کی فراوانی اور اس کے سالانہ سیلابوں کی عجیب و غریب نوعیت سر زمین مصر کا ایك امتیازی وصف رہی ہے ۔ اس کی آبادی و سیرابی ، یعنی اس کا ”ذات قرار و معین“ ہونا ضرب المثل کی طرح زبان زد ہو گیا تھا ۔ چنانچہ عبرانی کی یہ قدیم مثل آج تك ملتی ہے کہ ” فلاں ملك میں پانی کی اتنی فراوانی ہے جیسے مصر میں“ ۔ چونکہ یہ مصر کا ایك امتیازی وصف ہو گیا تھا ، اس لیے اسی وصف سے اسے یاد کیا گیا ۔ اس تعبیر میں یہ پہلو بھی پوشیدہ ہے کہ وہ فلسطین جیسا سر سبز ملك ترك کر دینے پر مجبور ہو گئے ، لیکن اللہ کے فضل نے ایسی جگہ پناہ دے دی جو فلسطین ہی کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ” ذات قرار و معین“ تھی ۔ =

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝٥١

اے گروہ پیغمبراں! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، جیسے کچھ تمہارے اعمال ہوتے ہیں، مجھ سے پوشیدہ نہیں ۵۱ ۔

وَإِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ ۝٥٢

اور (دیکھو!) یہ تمہاری امت در اصل ایک ہی امت ہے اور تم سب کا پروردگار میں ہی ہوں ۔ پس (انکار و بدعملی کے نتائج سے) ڈرو ۔ (ان تمام پیغمبروں کے ذریعے جو تعلیم دی گئی وہ یہی تعلیم تھی) ۵۲ ۔

=حضرت مریم اس سفر پر کیوں مجبور ہوئیں؟ اناجیل میں اس کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہیرودس (Herod) حاکم شام کے ظلم و تشدد سے۔ اسے نجومیوں نے پیدایش مسیح کی خبر دے دی تھی اور وہ چاہتا تھا انہیں قتل کر دے۔ تب فرشتے نے یوسف کو خواب میں حکم دیا: "اٹھ! بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر بھاگ جا" (متی ۲ : ۱۳) لیکن قرآن نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا ہے ۔

فَتَقَطَّعُوٓا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ ۝۵۳

لیکن لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کٹ کر الگ ہو گئے اور اپنا دین الگ الگ کر لیا۔ اب جو جس کے پلے پڑ گیا ہے اسی میں مگن ہے ۵۳۔

۵۱ تا ۵۳ ـ آیت ۵۱ میں وحدت دین و امت کی وہی اصل عظیم بیان کی گئی ہے جو پچھلی سورتوں میں جا بجا گزر چکی ہے اور ابھی سورۂ انبیاء میں پڑھ چکے ہو۔ فرمایا: ان تمام رسولوں پر جو ان بے شمار قوموں میں آتے رہے، جو تعلیم نازل کی گئی تھی وہ کیا تھی؟ یہی کہ اچھی چیزیں کھاؤ، نیک عملی کی زندگی بسر کرو، الگ الگ نہ ہو، تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہاری امت بھی ایک ہی امت ہے۔ یہی سچائی کی سیدھی راہ ہے۔

لیکن لوگوں نے وحدت کی جگہ تفرقے کی اور جمعیت کی جگہ تشتت و تحزب کی راہ اختیار کی۔ اب جو جس کے پلے پڑ گیا ہے اسی میں مگن ہے۔

غور کرو! آیت ۵۳ میں ”کل حزب“ فرمایا،=

فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ ٥٤

پس (اے پیغمبر!) ان منکروں کو ان کی غفلت و سرشاری میں پڑا رهنے دے ایك مقرره وقت تك (یه اسی حالت میں رهیں گے، پهر حقیقت حال کا فیصله هو جائے گا جیسا که همیشه هوتا رها هے) ٥٤.

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ۙ ٥٥

کیا یه لوگ خیال کرتے هیں هم مال اور اولاد (کی فراوانی) سے اس لیے ان کی مدد کر رهے هیں که بهلائی پهنچانے میں

= "کل امة" نهیں کها، کیوں که قرآن کے نزدیك نوع انسانی کی امت ایك هی هے. ایك سے دو نهیں هو سکتی. یه تفرقے جو لوگوں نے گمراه هو کر پیدا کر لیے هیں حزب هیں، یعنی جتهے هیں، امت نهیں.

٥٤ - آیت ٥٤ میں خطاب پیغمبر اسلام سے هے. فرمایا: هدایت کی طرح شقاوت کا مزاج بهی همیشه ایك هی طرح کا رهتا هے. پس جس طرح پهلے هوتا رها هے اب بهی هوگا اور جو ماننے والے نهیں وه کبهی نهیں مانیں گے. پس انهیں ان کی حالت میں چهوڑ دو اور اپنا کام کیے جاؤ!

نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ ٥٦	سرگرمی دکھائیں؟ نہیں! (حقیقت حال دوسری ہی ہے، مگر) وہ شعور نہیں رکھتے ٥٥ و ٥٦ .
اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۙ ٥٧	جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں ٥٧ .
وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۙ ٥٨	جو اپنے پروردگار کی نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں ٥٨ .

٥٥ و ٥٦ - آیت ٥٥ سے ٥٦ تک قانون امہال کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے، نیز پچھلی سورتوں کی تشریحات میں بھی . فرمایا : یہاں مہلت سب کے لیے ہے ، اچھوں کے لیے بھی ، بروں کے لیے بھی . پس اگر مفسدوں کو دنیوی زندگی کی خوش حالیاں مل رہی ہیں تو یہ اس لیے نہیں ہے کہ ہمارا قانون مجازات معطل ہوگیا ہے اور ہم چاہتے ہیں بدعملیوں پر بھی انہیں فوائد سے بہرہ اندوز کریں ، بلکہ محض اس لیے کہ مقررہ وقت ابھی آیا نہیں اور یہاں ہر نتیجے کے لیے ایک اجل مسمّٰی کا قانون کام کر رہا ہے .

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۙ ۵۹
جو اپنے پروردگار کے ساتھ کسی ہستی کو شریک نہیں ٹھہراتے ۵۹ .

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۙ ۶۰
جو (اس کی راہ میں) جتنا کچھ دے سکتے ہیں بلا تامل دیتے ہیں اور (پھر بھی) ان کے دل ترساں رہتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے حضور لوٹنا ہے ۶۰ .

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۶۱
تو بلا شبہ یہ لوگ ہیں جو بھلائیوں کے لیے تیز گام ہیں اور یہی ہیں جو اس راہ میں سب سے آگے نکل جانے والے ہیں ! ۶۱

---

۵۷ تا ۶۱ - اس کے بعد فرمایا : خیرات و برکات کے حصول کی اصلی راہ تو ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کی . ان کی کامرانیاں کبھی ختم ہونے والی نہیں . ان کی بھلائیاں عارضی اور مؤجل نہیں . وہ اس لیے بلند نہیں ہوتے کہ زیادہ بلندی سے گریں ، بلکہ اس لیے کہ اور زیادہ بلند ہوں .

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ ٦٢

اور ہم کسی جان پر ذمہ داری نہیں ڈالتے مگر اتنی ہی جتنی کی اس میں طاقت ہے (یعنی استعداد ہے)۔ ہمارے پاس (ان سب کی حالت و استعداد کے لیے) نوشتہ ہے جو ٹھیک ٹھیک (حقیقت حال کے مطابق) حکم لگا دیتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی جان کے ساتھ نا انصافی ہو! ٦٢

٦٢ - آیت ٦٢ میں فطرت کائنات کی ایک بہت بڑی حقیقت چند لفظوں کے اندر بیان کر دی ہے۔ فرمایا:

• یہاں فطرت کا یہ قانون کام کر رہا ہے کہ کسی جان پر اس کی جسمانی اور معنوی استطاعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی۔ ہر جان سے فطرت کا مطالبۂ عمل اتنا ہی ہے جتنے کی اس میں استعداد ودیعت کر دی گئی ہے۔

یعنی فطرت نے ہر وجود کو استعداد دی ہے اور اس استعداد کے جواب میں عمل چاہتی ہے۔ لیکن عمل کا یہ تقاضا ٹھیک ٹھیک اتنا ہی ہوتا ہے جتنے کی استعداد اسے دے دی گئی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی کو استعداد عمل تو چھٹانک بھر دی ہو اور مطالبۂ عمل کا =

= بوجھ اس پر سیر بھر کا ڈال دیا جائے۔

یہ مطالبۂ عمل کس بات میں ہوتا ہے؟ فرائض ہستی کی انجام دہی میں۔ ہر وجود کو اپنی بقاء و تکمیل کے لیے جد و جہد کرنی پڑتی ہے لیکن جتنی کچھ اور جیسی کچھ جد و جہد کرنی پڑتی ہے اتنی ہی اور اسی کیفیت کی استعداد بھی اسے دے دی گئی ہے۔ ادائے فرض کا مطالبہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا جتنی اس کی طاقت و گنجایش ہے۔ اگر استعداد اور مطالبۂ عمل میں یہ تطابق کلی نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ کوئی جان یہاں زندہ رہ سکتی۔

قرآن کہتا ہے: جب اللہ کا یہ قانون ہر جان کے لیے ہے تو ضروری ہے کہ انسان کے لیے بھی ہو اور جس طرح عالم جسم و صورت میں جاری ہے ضروری ہے کہ روح و معنی میں بھی ہو۔ پس سعادت روحانی کے لیے بھی جو مطالبۂ عمل ہے وہ ٹھیک ٹھیک انسان کی استعداد عمل کے مطابق ہے اور یہاں عالم جسم و روح دونوں کے لیے اس کا قانون ایک ہی ہے۔

یاد رہے کہ اس آیت میں ''تکلیف'' کو صرف تکلیف شرعی پر لے جانا صحیح نہیں ہو سکتا۔ یہاں ''تکلیف'' عام معنوں میں بولا گیا ہے اور اس میں ہر طرح کی تکلیف آ گئی ہے۔ تکلیف کے لیے ہمیں=

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ ٦٣

لیکن (اصل یہ ہے کہ) ان لوگوں کے دل اس حقیقت کی طرف سے غفلت و سرشاری میں پڑ گئے۔ ان کے اور بھی اعمال (بد) ہیں جو ہمیشہ کرتے رہتے ہیں ٦٣ ۔

حَتّٰىٓ اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ۝ ٦٤

(یہ کرتے رہیں گے) یہاں تک کہ (ظہور نتائج کی گھڑی سامنے آ جائے) جب ہم ان کے خوش حال آدمیوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے تو پھر اچانک دیکھو گے کہ (سرکشی کی جگہ) آہ و زاری کر رہے ہیں ٦٤ ۔

= کوئی موزوں لفظ نہیں ملا، اس لیے مجبوراً ہم نے "ذمہ داری" کی ترکیب اختیار کی۔ یہ نئی اردو ترکیب ہے، لیکن ادائے مفہوم کے لیے نسبتاً بہتر اور جامع ہے۔

٦٣ و ٦٤ - آیت ٦٤ میں فرمایا: "حتی اذا اخذنا مترفیهم بالعذاب" جب ان میں سے خوش حال اور دولت مند لوگوں کو ہم نے مؤاخذے میں پکڑا۔ نیز =

= جا بجا ان لوگوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے
جو قوم کے دولت مند طبقے میں سے ہوتے ہیں۔
سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ١٦ میں گزر چکا ہے:
"امرنا مترفیها ففسقوا فیها فحق علیها القول"۔ اس سے معلوم
ہوا انفرادی زندگی میں بد عملی کا بڑا مرکز دنیوی خوش
حالی کی زندگی ہو جاتی ہے اور ہمیشہ حق و صداقت کی
مخالفت وہیں سے شروع ہوتی ہے۔

سبب اس کا ظاہر ہے۔ خوش حالی و ثروت کی
حالت ایک ایسی حالت ہے کہ اگر کسی جماعت میں پھیلی
ہوئی ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی برکت نہیں۔ اور اگر
صرف چند افراد میں سمٹی ہوئی ہو تو اس سے بڑھ کر
کوئی فتنہ نہیں، کیوں کہ جب دولت صرف چند افراد
ہی کے قبضے میں آگئی، باقی افراد جماعت محروم رہ گئے
تو قدرتی طور پر ہر طرح کا غلبہ و تسلط چند افراد کے
ہاتھ آ جائے گا اور ایسے غلبہ و تسلط کا نتیجہ غرور
باطل اور استکبار عن الحق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن جس جماعتی خوش حالی کو
اللہ کا سب سے بڑا فضل قرار دیتا ہے اسی کو انفرادی
حالت میں فتنہ اور متاع غرور بھی کہتا ہے۔ چوں کہ=

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ ﵞ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ "اب آج آہ و زاری نہ کرو (اس سے کیا فائدہ؟)۔ تم ہماری طرف سے مدد پانے والے نہیں ۶۵۔

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ ایک وقت تھا کہ ہماری آیتیں تمہارے آگے پڑھی جاتی تھیں اور تم الٹے پاؤں بھاگنے لگتے تھے ۶۶۔

= ہمارے مفسروں کی نظر اس پہلو پر نہ تھی، اس لیے یہ مقام واضح نہ ہو سکا۔ آج تمام دنیا میں شور مچ رہا ہے کہ انفرادی سرمایہ داری دنیا کے لیے مصیبت ہے۔ لیکن قرآن تیرہ سو برس پہلے اسے فتنہ قرار دے چکا اور اس کے لیے "اکتناز" کا لفظ بول چکا ہے: "الذین یکنزون الذهب و الفضة و لا ینفقونها" (۹ : ۳۴)۔ مشکل یہ ہے کہ جب تک قرآن کی صدا صرف قرآن کی صدا ہے تمہاری نظر میں جچتی نہیں۔ جب وہی بات وقت کے ذہن و فکر کے حلقوں سے اٹھنے لگتی ہے تو تم فوراً اس کی پرستش شروع کر دیتے ہو!

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝۶۷

تمہارے اندر ان (کی سماعت) سے گھمنڈ پیدا ہوجاتا تھا، تم اپنی مجلسوں کی داستان سرائیوں میں انہیں مشغلہ بناتے، تم ان کے حق میں ھذیان بکتے تھے" ۶۷ ۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۶۸

پھر (انہیں کیا ہوگیا ہے؟) کیا انہوں نے اس بات پر (یعنی قرآن پر) غور نہیں کیا؟ یا ان کے سامنے کوئی ایسی عجیب بات آگئی ہے جو ان کے اگلے بزرگوں کے سامنے نہیں آئی تھی؟ ۶۸

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝۶۹

یا یہ اپنے رسول کو پہچان نہ سکے، اس لیے منکر ہوگئے ۶۹ ۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝۷۰

یا یہ کہتے ہیں: اسے جنون ہوگیا۔ نہیں! (ان میں سے کوئی بات نہیں ہوسکتی) اللہ کا رسول

ان کے پاس سچائی کے ساتھ آیا، مگر ان میں سے اکثروں کا یہ حال
ہو گیا ہے کہ سچائی کا ماننا انہیں گوارا ہی نہیں ہے ۷۰.

۶۸ تا ۷۰ - آیت ۶۸ پر غور کرو کس طرح قرآن بار بار اس پہلو پر زور دیتا ہے کہ کیا لوگوں نے اس پر تدبر نہیں کیا! کیونکہ اس کا سارا مطالبہ تدبر و تعقل ہی سے ہے. وہ کہتا ہے: سچائی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ عقل و بصیرت اسے پالے گی اور جہل و کوری اس سے روگرداں رہے گی. پس اگر لوگ قرآن میں تدبر و تفکر کریں تو ممکن نہیں کہ اس کی سچائی انہیں گرویدہ نہ کرلے۔

یہاں سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ قرآن کا مطالبہ غور و فکر کا ہے نہ کہ تقلید کا. پس جو شخص قرآن کے مطالب میں غور و فکر نہیں کرتا وہ اس کا مطالبہ پورا نہیں کرتا اور پھر جب قرآن کے لیے کہ وحی الٰہی ہے، تدبر ضروری ہوا تو کیونکر یہ بات جائز ہوسکتی ہے کہ کسی مجتہد اور امام کی تحقیق میں تدبر ضروری نہ ہو؟ اور اہل علم کے لیے ضروری ہو کہ ازروے تقلید سر اطاعت خم کردیں!

یہاں تین باتیں فرمائیں: کیا انہوں نے قرآن پر غور نہیں کیا؟ اگر کرتے تو یقیناً حقیقت پالیتے. کیا انہیں رسول=

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ؕ ۷۱

اور اگر ایسا ہوتا کہ سچائی ان کی خواہشوں کی پیروی کرتی تو یقیناً آسمان و زمین اور وہ سب جو ان میں ہے یک قلم درہم برہم ہوجاتا۔ ہم نے ان کے لیے ان کی نصیحت کی بات مہیا کردی تو یہ اپنی نصیحت کی بات سے گردن پھیرے ہوے ہیں ۷۱۔

= کی معرفت نہ ہوئی؟ اگر ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں تو اس کی پاکی و صداقت کی معرفت سے کبھی انکار نہیں کرسکتے۔ پھر کیا یہ سمجھتے ہیں یہ مجنون ہوگیا ہے کہ ایسی باتیں کرنے لگا ہے؟ لیکن کیا راست بازی کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کرسکتے ہیں کہ سچ مچ کو وہ مجنون ہے؟

یہاں سے معلوم ہوا کہ دعوت اسلام کی معرفت کی دو راہیں ہیں: قرآن میں تدبر کیا جائے اور صاحب قرآن کی زندگی میں۔

۷۱ - آیت ۷۱ میں ایک بہت بڑی اصل کائنات کی طرف =

= اشارہ کیا ھے جو قرآن کے مہمات معارف میں سے ھے ، یعنی قرآن جس حقیقت کو ''حق'' سے تعبیر کرتا ھے وہ محض کسی ایک گوشے ھی کی نہیں ھے جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ھے ، بلکہ اصل کائنات کی ایک عالم گیر حقیقت ھے . وہ کہتا ھے : یہاں اصل تخلیق و تکوین ''حق'' اور ''قیام حق'' کا قانون ھے . اسی کا نام عدل وقسط بھی ھے اور اسی پر تمام نظام کائنات قائم ھے . عالم جسم ومادے کا ایک ایک گوشہ دیکھو ! تمھیں ھر گوشے میں وجود، تکوین ، تعمیر ، ایجاب ، زندگی ، بناؤ کی اصل یہی حقیقت ملے گی . یہی حقیقت جب افکار و اعمال انسانی میں ظاھر ھوتی ھے تو اس کا نام ایمان اور عمل صالح ھوجاتا ھے اور یہی حقیقت ھے جس کی طرف ھدایت وحی بلاتی ھے .

یہاں فرمایا : اگر حقیقت ان منکرین حق کی خواھشوں کی پیروی کرے تو تمام نظام ارضی وسماوی درھم برھم ھو جائے . کیوں کہ انھیں معلوم نہیں جس حقیقت سے یہ انکار کر رھے ھیں وھی حقیقت ھے جس پر یہ تمام کارخانۂ ھستی چل رھا ھے .

یہ مقام بہت دقیق ھے . تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاھیے

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ٧٢

(اے پیغمبر !) کیا (وہ سمجھتے ہیں) تو ان سے مال و دولت کا طالب ہے؟ تیرے لیے تو تیرے پروردگار کا دیا مال ہی بہتر ہے (تو ان سے کیوں طالب زر ہونے لگا؟). وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے! ٧٢

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ٧٣

بلا شبہ! یقیناً تو انہیں (کام یابی و سعادت کی) سیدھی راہ کی طرف بلا رہا ہے ٧٣.

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝ ٧٤

اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ یقیناً راہ سے بھٹکے ہوے ہیں ٧٤.

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ٧٥

اور اگر ہم ان پر (مزید) رحم کریں اور جو کچھ انہیں دکھ پہنچتے رہتے ہیں دور کردیں

تو (کیا یہ شکر گزار ہوں گے؟ نہیں) یہ اپنی سرکشی میں
بھٹکتے ہوئے اور زیادہ بڑھ چلیں گے ۷۵۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ ۷٦

اور (دیکھو!) ہم نے انھیں عذاب میں مبتلا بھی کیا، اس پر بھی وہ اپنے پروردگار کے آگے نہ جھکے اور نہ ہی عاجزی کی ۷٦۔

حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ ع ۷۷

٤ ع ٤

پھر جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا کہ ہم ان پر ایک بڑے ہی عذاب کا دروازہ کھول دیں تو اس وقت اچانک متحیر ہو کر رہ جائیں گے ۷۷۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ ۷۸

اور (دیکھو!) وہی ہے جس نے تمہارے (سننے کے) لیے کان، (دیکھنے کے لیے) آنکھ، (سوچنے کے لیے) دل (۱۱۰) پیدا کر دیے، مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم شکر بجا لاؤ ۷۸۔

وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ۷۹

اور وهی هے جس نے تمهیں زمین کی سطح پر هر طرف پهیلا دیا هے (اور گزران و معیشت کے مختلف سامان پیدا کردیے هیں) اور پهر وهی هے جس کے حضور اکٹها کر کے لائے جاؤ کے ۷۹ .

وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ۸۰

اور وهی هے جو جلاتا هے اور مارتا هے اور اسی کی کارفرمائی هے که رات دن ایك دوسرے کے پیچهے آتے رهتے هیں . کیا تم عقل سے کام نهیں لیتے ! ۸۰

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ ۸۱

نهیں ، انهوں نے تو ویسی هی بات کهی جیسی ان سے پچهلے کهه چکے هیں ۸۱ .

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ ۸۲

انهوں نے کها : جب هم مر گئے اور مٹی اور هڈیوں کا چورا هو گئے تو پهر کیا هم (دوباره) اٹهائے جائیں گے ؟ ۸۲

---

۸۰ تا ۸۲ – آیت ۸۰ کے چند لفظوں کے اندر قرآن کا =

=ایك بہت بڑا استدلال پوشیدہ ہے۔ جلد نہ گزر جاؤ، اس پر غور کرلو۔ فرمایا: وہی ہے جو جلاتا ہے اور موت طاری کرتا ہے اور یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ رات دن کے پیچھے آتی رہتی ہے اور دن رات کے پیچھے۔

یہاں ''اختلاف الیل و النہار'' کہہ کر اس قانون ہستی کی طرف اشارہ کیا ہے جسے قرآن قانون ازواج سے تعبیر کرتا ہے۔ ہم نے اپنی مقررہ مصطلحات میں اسے قانون تثنیہ کہا ہے۔ یعنی کارخانۂ ہستی کے ہر گوشے میں ہم دیکھتے ہیں یہاں کوئی حقیقت اکہری اور طاق نہیں ہے۔ کسی نہ کسی شکل میں دو دو ہونے کی نوعیت ضرور پائی جاتی ہے۔ ہر چیز کی تکوین و تشکیل اسی طرح ہوئی کہ دو متماثل اور متقابل نوعیتیں ابھریں گی اور اسی تماثل و تقابل کا تثنیہ ایك مکمل حقیقت کی شکل اختیار کرے گا، مثلاً نر کے لیے مادہ۔ مرد کے لیے عورت، زندگی کے لیے موت، رات کے لیے دن، صبح کے لیے شام، مثبت کے لیے منفی۔ تکوین کے لیے افساد۔ جس گوشے میں بھی دیکھو کے ہر حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی نہ کوئی مثنیٰ بھی ضرور موجود ہے: ''ومن کل=

= شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون" (٥١ : ٤٩) .

قرآن کا استدلال یه هے که اگر کارخانۂ هستی کے هر گوشے میں دو دو هونے کی حقیقت کام کر رهی هے اور یہاں هستی کی کوئی نمود بغیر اپنے مثنیٰ اور زوج کے نہیں هے تو پھر تمہیں اس بات پر کیوں تعجب هوتا هے که انسانی زندگی کی نمود بھی اکہری نہیں هے، دوهری هے اور دنیوی زندگی کے لیے بھی ایك مثنیٰ هے، اس کا نام آخرت هے! جس حقیقت کو تم بیس بھیسوں میں دیکھتے هو اور پہچانتے رهتے هو اسی کو اکیسویں بھیس میں دیکھ کر کیوں چونك اٹھتے هو. اسی لیے آیت کا خاتمه اس پر هوا که " افلا تعقلون "، کیوں که اس معاملے میں خطاب تعقل سے تھا اور وهی مفقود هو جاتا هے!

اب غور کرو! اس کے بعد کی آیت کس طرح اس آیت سے مربوط هو گئی اور اس کی ابتدا میں حرف "بل" کا آنا کس طرح ٹھیك اپنی جگه میں بیٹھ گیا: "بل قالوا مثل ما قال الاولون ۞ قالوا ءاذا متنا و کنا ترابا و عظاما ءانا لمبعوثون"

مزید تشریح کے لیے دیکھو تفسیر فاتحه، مبحث تسکین حیات.

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٨٣

ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں سے ایسی ہی بات کا وعدہ ہوتا آیا ہے۔ کچھ نہیں، پہلے عہدوں کے افسانے ہیں ۸۳۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٨٤

(اے پیغمبر! ان منکروں سے) کہہ دے: اچھا! اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ زمین اور وہ تمام مخلوقات جو اس میں ہیں کس کے لیے ہیں؟ ۸٤

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝٨٥

وہ فوراً کہیں گے: اللہ کے لیے۔ تو کہہ: پھر کیا ہے کہ تم غور نہیں کرتے! ۸٥

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝٨٦

تو ان سے پوچھ: وہ کون ہے جو ساتوں آسمانوں کا پروردگار ہے اور (جہاں داری کے) عرش عظیم کا مالك؟ ۸٦

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ٨٧

وہ فوراً کہیں گے: یہ سب کچھ تو اللہ ھی کے لیے ھے۔ تو کہہ: پھر تمہیں کیا ھو گیا ھے کہ (شرک و انکار کے نتیجے سے) ڈرتے نہیں! ٨٧

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ٨٨

تو ان سے پوچھ: اگر تم جانتے ھو تو بتلاؤ وہ کون ھے جس کے قبضے میں تمام چیزوں کی پادشاھی ھے اور وہ سب کو پناہ دیتا ھے اور کوئی نہیں جو اس سے اوپر پناہ دینے والا ھو؟ ٨٨

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ ٨٩

وہ فوراً کہیں گے: یہ صفتیں تو اللہ ھی کے لیے ھیں۔ تو کہہ: پھر یہ کیا ھے کہ تمہاری عقل ماری گئی! ٨٩

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ٩٠

حقیقت یہ ھے کہ ھم نے سچائی انہیں جتلادی اور یہ اپنے (انکار

و ادعاء میں) قطعاً جھوٹے ھیں ! ٩٠

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا	نہ تو اللہ نے کسی ھستی کو
كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا	اپنا بیٹا بنایا، نہ اس کے ساتھ
لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ	کوئی دوسرا معبود ھوسکتا ھے۔
وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى	اگر ھوتا تو ھر معبود اپنی ھی
بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا	مخلوق کی فکر میں رھتا اور ایك
يَصِفُوْنَ ۙ ٩١	معبود دوسرے معبود پر

چڑھ دوڑتا۔ اللہ کی ذات ان باتوں سے پاك ھے جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ھیں ! ٩١

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ	وہ غیب اور شہادت دونوں کا
فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۟ ٩٢	جاننے والا ھے (یعنی محسوسات

ع

اور غیر محسوسات سب کا جاننے والا ھے ۔ اس کے لیے کوئی چیز غیر محسوس نہیں) ۔ انھوں نے جو کچھ شرك کی باتیں بنا رکھی ھیں وہ ان سب سے بالا تر ھے ! ٩٢

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُوْنَ ۙ ٩٣ (اے پیغمبر!) تو کہہ: خدایا!

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ جن باتوں کا تو نے وعدہ کیا ھے

الظّٰلِمِيْنَ ۞ ٩٤ اگر ان کا ظہور میرے سامنے

ھونے والا ھے تو خدایا! مجھے اس گروہ میں نہ رکھیو جو ظالم گروہ ھے! ٩٣ و ٩٤

وَ اِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ اور ھم بلا شبہ اس پر بھی قادر

لَقٰدِرُوْنَ ۞ ٩٥ ھیں کہ جن جن باتوں کا ان سے

وعدہ کیا ھے انھیں (تیری زندگی ھی میں ظاھر کر کے) تجھے دکھادیں ٩٥.

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (اے پیغمبر!) برائی کو (برائی

السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا سے نہیں، بلکہ) ایسے طرزعمل

يَصِفُوْنَ ۞ ٩٦ کے ذریعے جو بہتر طرزعمل ھو

دور کر (یعنی عفو و در گذر کر کے). ھم ان باتوں سے بے خبر نہیں جو یہ تیری نسبت کہتے رھتے ھیں ٩٦.

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ ٩٧ تیری دعا (ہمارے حضور یہ) ہو کہ: خدایا! میں شیطانی وسوسوں سے تیرے دامن میں پناہ لیتا ہوں ۔ ٩٧

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۞ ٩٨ میں اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں ٩٨ ۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ ٩٩ (ان منکروں کا حال ایسا ہی رہے گا) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سرہانے موت آ کھڑی ہوگی تو اس وقت کہنے لگے گا "خدایا! مجھے پھر (دینوی زندگی میں) لوٹا دے ٩٩ ۔

لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۞ ١٠٠ کہ زندگی کے جو موقعے میں کھو دیے شاید (اس دفعہ) ان میں نیک کام کر سکوں"۔ حکم ہوگا: ہرگز نہیں!

یہ محض ایک کہنے کی بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے (اب ایسا ہونے والا نہیں) . ان لوگوں کے (مرنے) پیچھے ایک آڑ ہے جو اس دن تک رہے گی کہ دوبارہ اٹھائے جائیں ١٠٠ .

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ ١٠١

پھر جب وہ گھڑی آجائے گی کہ نرسنگا پھونکا جائے (یعنی تمام انسانی ہستیوں کو دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے اور اکٹھا ہو جانے کا حکم ہو) تو اس دن نہ تو ان لوگوں کی باہمی رشتہ داریاں باقی رہیں گی نہ کوئی ایک دوسرے کی بات ہی پوچھے گا ١٠١ .

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ١٠٢

اس دن جن لوگوں (کے نیک عملوں) کا پلا بھاری نکلا بس وہی ہیں جو کام یاب ہوں گے ١٠٢ .

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

اور جن کا پلا ہلکا ہوا تو وہی ہیں جنھوں نے اپنے کو بربادی

أَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ | میں ڈال دیا، ہمیشہ جہنم میں

خٰلِدُوْنَ ۚ ١٠٣ | رہنے والے! ١٠٣

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ | آگ کے شعلوں کی لپٹ ان

فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝ ١٠٤ | کے چہروں کو جھلستی ہوگی،

وہ ان میں منہ بگاڑے پڑے ہوں گے! ١٠٤

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى | کیا ایسا نہیں ہو چکا ہے کہ

عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا | میری آیتیں تمہارے آگے پڑھی

تُكَذِّبُوْنَ ۝ ١٠٥ | جاتی تھیں اور تم انہیں جھٹلاتے

رہتے تھے؟ (ان سے یہ بات کہی جائے گی) ١٠٥ .

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا | وہ کہیں گے: اے ہمارے

شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا | پروردگار! در اصل ہماری

ضَآلِّيْنَ ۝ ١٠٦ | بدبختی ہم پر چھا گئی تھی .

ہمارا گروہ گم راہوں کا گروہ تھا ١٠٦ .

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا | اب ہمیں اس حالت سے

فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝١٠٧ نکال دے۔ اگر ہم پھر ایسی
گمراہی میں پڑیں تو بلا شبہ نافرمان ہوے ١٠٧ ۔

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝١٠٨ اللہ فرمائے گا: جہنم میں جاؤ اور زبان نہ کھولو ١٠٨ ۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝١٠٩ ہمارے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کہتا تھا: خدایا! ہم ایمان لے آئے۔ پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم
فرما۔ تجھ سے بہتر رحم کرنے والا کوئی نہیں! ١٠٩

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝١١٠ لیکن تم نے انہیں اپنے تمسخر کا مشغلہ بنالیا تھا، یہاں تك کہ اس مشغلے نے ہماری یاد بھی
بھلادی تھی۔ تم ان لوگوں کی باتوں پر ہنسا کرتے تھے ١١٠ ۔

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا آج (دیکھو!) ہم نے انہیں

صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ۱۱۱ ان کے صبر کا بدلا دے دیا ۔
وہی ہیں جو فیروز مند ہوے ۱۱۱ ۔

قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ ان سے کہا جائے گا: تمھیں خیال
عَدَدَ سِنِيْنَ ۝ ۱۱۲ ہے زمین میں کتنے
برس تک رہے؟ ۱۱۲

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ وہ کہیں گے : بس ایک دن
يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ۝ ۱۱۳ یا ایک دن کا بھی کچھ حصہ (ہمیں
ٹھیک وقت کا اندازہ نہیں)۔ ان سے پوچھو جو گنتے رہے ہیں ۱۱۳ ۔

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ان سے کہا جائے گا: ہاں تمہارا
لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۱۴ زمین میں رہنا اس کے سوا
کچھ نہ تھا کہ ایک بہت ہی تھوڑے زمانے کا رہنا ۔ کاش تم نے
یہ بات جانی ہوتی! ۱۱۴

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ کیا تم خیال کرتے ہو ہم نے
عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا تمھیں بے کار کو پیدا کیا ہے
لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ ۱۱۵ اور تم ہماری طرف لوٹنے

والے نہیں؟ ۱۱۵ .

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۞ ۱۱۶

الله که بادشاه حقیقی هے، ایسی بات کرنے سے پاك و بلند هے. وه که کوئی معبود نہیں هے مگر اسی کی ایك ذات، جہاں داری کے تحت عزت کا مالك! ۱۱۶

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لا لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ لا فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ط اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۞ ۱۱۷

اور جو کوئی الله کے سوا کسی دوسرے (من گھڑت) معبود کو پکارتا هے تو اس کے پاس اس کے لیے کوئی دلیل نہیں. س کے پروردگار کے حضور اس کا حساب هونا هے. یقیناً کفر کرنے والے کبھی کامیابی نہیں پائیں گے! ۱۱۷ .

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ع ۱۱۸ ٦ ع ٦

اور (اے پیغمبر!) تو کہہ: خدایا! بخش دے، رحم فرما! تجھ سے بڑھ کر کوئی رحم کرنے والا نہیں ۱۱۸.

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

سورت کا ترجمہ ختم ہوگیا، مگر چند مہمات کی تشریحات باقی رہ گئی ہیں :

تخلیق و تکمیل جنین کے مراتب ستہ

قرآن حکیم نے اس سورت میں اور دوسرے مقامات میں انسانی پیدایش کے مختلف احوال و مراتب پر توجہ دلائی ہے اور ان سے اللہ تعالی کی قدرت و حکمت اور بعث بعد الموت کے وقوع پر استشہاد کیا ہے. یہ مراتب تطور چھ ہیں جیسا کہ یہاں آیت ۱۳ میں بیان کیے گئے ہیں :

(ا) ''نطفه'' کی حالت جب کہ وہ ''قرار مکین'' میں ہوتا ہے.

(ب) ''علقه'' کی حالت.

(ج) ''مضغه'' کی حالت.

(د) ''خلقنا المضغة عظاما'' کی حالت.

(ہ) ''کسونا العظام لحما''.

(و) ایک ایسی آخری حالت جسے ''خلقاً آخر'' سے تعبیر کیا ہے.

مفسرین کی حیرانی

ان میں سے آخری حالت کو قرآن نے ''خلقاً آخر'' سے تعبیر کیا ہے، یعنی اس مرتبے میں پہنچ کر کوئی ایسا انقلاب طاری ہو جاتا ہے کہ بالکل ایک دوسری ہی طرح کی خلقت ظہور میں آجاتی ہے. گویا مرتبۂ (الف) سے لے کر مرتبۂ (ہ) تک جنین کی جو حالتیں رہیں اور جس نوعیت کی

ـــ مخلوق بنتی رهی وه کوئی دوسری طرح کی چیز تهی اور اب اس مرتبے میں آکر بالکل ایك دوسری طرح کی چیز نمایاں هوگئی . چوں که مراتب پیدایش کی کوئی ایسی انقلابی حالت همارے مفسروں کے سامنے نه تهی ، اس لیے قدرتی طور پر اس کی کوئی جچتی هوئی تفسیر ان سے بن نه آئی اور مختلف وادیوں میں نکل گئے . بعضوں نے کہا : اس سے مقصود نفخ روح کی حالت هے ، کیوں که اس مرتبے سے پہلے روح نہیں هوتی . بعضوں نے کہا : یه شکم مادر سے باهر نکلنے کی طرف اشاره هے ، کیوں که وضع حمل اسی کے بعد هوتا هے . بعضوں نے کہا : مقصود بالوں کا پیدا هونا هے ، اس سے پہلے بال نہیں هوتے . بعضوں نے کہا : نہیں ! مقصود دانت هیں ، دانت اسی مرتبے میں پیدا هوتے هیں . بعضوں نے جمع و تطبیق آراء کی راه اختیار کرنی چاهی تو کہا : دراصل مقصود تمام قوٰی کی تکمیل هے ، اس میں بال بهی آ گئے ، دانت بهی آگئے . مگر ظاهر هے که ان میں سے کوئی تفسیر بهی " خلقاً اٰخر " کا تقاضا پورا نہیں کرتی ، منطوق کے اعتبار سے بهی اور مفهوم کے اعتبار سے بهی .

اسی طرح پچهلے مراتب تطور کی بهی حقیقت واضح نه هو سکی . " علقه " کو جمے هوئے خون کے معنوں میں لیے گئے اور " مضغه " کو گوشت بن جانے کے معنوں میں اور =

= ترتیب نشأۃ یوں سمجھی گئی کہ پہلے خون پیدا ہوتا ہے اور وہ کلیجی کی طرح جما ہوا ہوتا ہے، پھر یہ منجمد خون گوشت بن جاتا ہے، پھر اس گوشت میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں، پھر ہڈیوں پر چمڑا چڑھ جاتا ہے۔ اس چمڑے کو "کسونا العظام لحما" میں مجازاً "لحم" کہا ہے۔

مفسرین قدیم معذور ہیں

لیکن اگر اس مقام کی تشریح و تحقیق کا حق ادا نہ ہوسکا تو اسے مفسروں کے قصور فہم پر محمول نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ اس باب میں وہ یقیناً معذور تھے۔ علم و تحقیق کا یہ گوشہ تمام تر زمانۂ حال کی پیداوار ہے اور زمانۂ حال کی پیداوار میں بھی سب سے آخری عہد کی پیداوار۔ انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ جو تمام علوم حدیثہ کے انکشاف و تکمیل کا سب سے زیادہ شاندار زمانہ ہے پورا گزر گیا اور کارخانۂ فطرت کے اس گوشۂ مستور کے تمام حجاب نہ اٹھ سکے۔ پس اگر اٹھارویں صدی کے حکماء معذور تصور کیے جاسکتے ہیں کہ اس بارے میں بالکل غلط رخ پر جا رہے تھے، حالانکہ خورد بین ایجاد ہو چکی تھی اور انسانی نعش کی تشریح کا باب مسدود کھل چکا تھا تو ظاہر ہے نویں اور دسویں صدی کے مفسرین قرآن کیوں معذور نہ تصور نہ کیے جائیں، جن کے سامنے اس سے زیادہ کچھ تھا جتنا ارسطو اپنی کتاب الحیوانات میں اور جالینوس اپنے=

= مقالات میں لکھ چکا ہے؟ .

دراصل پیدایش حیوانات کے بارے میں گزشتہ دو ہزار سال تک انسانی علم کی پرواز اسی حد تک رہی ۔ علم و نظر کی تمام شاخوں کی طرح علم الجنین (Embryology) میں بھی ارسطو ہی کی تحقیقات پر تمام تردارومدار تھا. ستر ہویں صدی میں جب خوردبین کی ایجاد ایک خاص حد تک ترقی پذیر ہوئی تو پرندوں کے انڈوں کا خورد بینی مطالعہ شروع ہوا اور بتدریج ایک نئے نظریے کی بنیاد پڑ گئی جسے اس وقت نظریۂ ارتقاء سے تعبیر کیا گیا تھا، لیکن اب "تشکیل ما قبل" کے نظریے سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی (Preformation Theory) سے . اس نظریے کا ماحصل یہ تھا کہ اصل پیدایش جنس اناث کا مبیض (Ovary) ہے . جنین پر تطورات کی کوئی نئی حالت طاری نہیں ہوتی، بلکہ مبیض میں جو کامل و متشکل وجود موجود ہوتا ہے وہی کھلنے اور بڑھنے لگتا ہے . مثلاً انسان کے تخم حیات میں ایک کامل انسان اپنے تمام خارجی و داخلی اعضاء کے ساتھ موجود ہوتا ہے، لیکن اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ خوردبین سے بھی اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا. اسی کامل و متشکل ذرۂ وجود کا بڑھ جانا نطفہ کا انسان بن جانا ہے . سنہ ١٦٩٠ء =

علم الجنین کا مختصر تاریخ

=میں جب ایك ڈچ عالم خورد بینی لیون ھاك (Leeuwen hock) نے جنس رجال کے مادۂ منویہ کے جراثیم کا انکشاف کیا تو ایك گروہ پیدا ھو گیا جس نے مبیض اناث کی جگہ جراثیم منویہ کو اصل حیات قرار دیا ، تاھم اس رائے میں کوئی تبدیلی نہیں ھوئی کہ جنین پر تطور کی نہیں بلکہ محض بروز و نمو کی حالت طاری ھوتی ھے ۔ اٹھارھویں صدی کے وسط تك یہی رائے وقت کی مقبول و معتمد رائے رھی ، یہاں تك کہ سنہ ۱۷۵۹ ء میں ایك جرمن محقق فریڈرك وانف (Frederick Wolf) نے یہ پورا نظریہ غلط ٹھہرایا اور تولید و تطور کی اصل پر زور دیا ۔ پھر سنہ ۱۸۱۷ ء مین پانڈر نے اور سنہ ۱۸۲۸ ء میں بیر نے اسے مزید ترقی دی ۔ اس کے بعد سے اسی رخ پر قدم اٹھنا شروع ھو گئے ۔ پھر جب سنہ ۱۸۵۹ ء میں ڈارون (Darwin) کی کتاب " اصلیت انواع " (Origin of Species) شائع ھوئی تو اس نے علم کے تمام گوشوں کی طرح اس گوشے کے لیے بھی ایك نئی روشنی مہیا کر دی اور بالآخر انیسویں صدی کے آخری سالوں میں ارنسٹ ھیکل (Ernst Haeckel) کے ھاتھوں یہ تحقیقات تکمیل تك پہنچ گئی ۔ اب علم الجنین کا ھر گوشہ نظریوں اور قیاسوں کے سہاروں سے بالکل بے پروا ھو گیا ھے اور جو کچھ ھے تمام تر استقراء و مشاھدات پر مبنی ھے ۔ =

= یہ اب فلسفہ کی بحث و تعلیل کا محتاج نہیں ، کیوں کہ خود علم کی ایك حقیقت ہے ۔

اس باب میں سب سے زیادہ معتمد خود ارنسٹ ھیکل کی دو کتابیں ہیں : نیچرل ہسٹری آف کریشن (Natural History of Creation) اور ایوولیوشن آف مین (Evolution of man) . اس مبحث میں ہمارا اعتماد انہیں پر ہے .

جدید تحقیقات

قبل اس کے کہ قرآن کے بیان کردہ مراتب پر نظر ڈالی جائے، معلوم کر لینا چاہیے کہ انسانی وجود کی پیدایش اور اس کے جنین کے احوال و تطورات کے باب میں علم کے حقائق کیا ہیں . یہ مبحث بہ تفصیل مقدمہ میں ملے گا. یہاں مختصر اشارات کریں گے :

تمام حیوانات کی طرح انسان کی پیدایش بھی ایك بیضہ سے ہوتی ہے جسے اصطلاح میں (Ovum) کہتے ہیں، یعنی خلیۂ تخم (خلیہ یعنی Cell) . یہ خلیۂ تخم جنس اناث میں بھی پیدا ہوتا ہے اور جنس رجال میں بھی . فعل تلقیح اس وقت واقع ہوتا ہے جب جنس رجال کے خلیات تخم جنس اناث کے بیضہ میں پہنچ جاتے ہیں . یہ خلیۂ تخم ایك بہت ہی دقیق ذرہ کا سا حجم رکھتا ہے ، یعنی اس کا قطر ایك انچ کا ایك سو بیسواں حصہ بلکہ اس سے بھی کم ہوتا ہے . =

= یہی خلیه زندگی اور وجود کا اصلی تخم ہے .

نطفه کے قرار پانے کے معنی یه ہیں که جنس رجال کا خلیۂ تخم جنس اناث کے مبیض میں جگه پاجائے . استقرار کے بعد جنین کا تطور شروع ہوتا ہے . ابتداء میں وہ محض خلیات کا ایک کروی مجموعه ہوتا ہے، پھر ایک مجوف گیند کی سی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کے اطراف کی دیوار خلیات سے مرکب ہوتی ہے . اس کے بعد یه خلیات ایک دوسرے سے بالکل مل جاتے ہیں اور آہسته آہسته ان میں طولانیت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے ، یہاں تک که بالکل ایک نعل نما (Sole shaped) صورت اختیار کر لیتے ہیں . اب ان میں ایک ایسی ہیکلی ہیئت پیدا ہو جاتی ہے جیسی مچھلی کی ہوتی ہے . پھر یه ہیئت حیوانات ذوازب (Amphibia) (۱۱٦) کا سا ہیکل اختیار کر لیتی ہے . اس کے بعد حیوانات لبونه (Mammals) کا ہیکل نمایاں ہوتا ہے . لیکن پہلے ادنی درجے کے حیوانات لبونه کا ، مثلاً ایسا جیسا آسٹریلیا کے خالد آبی (Duck Bill) کا ہوتا ہے یا ان حیوانات کا جنھیں ذوات الکیس (Marsupils) کہتے ہیں . پھر اونچے درجے کے حیوانات لبونه کا ، مثلاً گھوڑا ، کتا ، بیل . پھر یه مرتبه ترقی کر کے ایک ایسے ہیکل تک پہنچتا ہے جو ٹھیک ٹھیک بندر کا سا ہوتا ہے ، دم بھی =

=موجود ہوتی ہے ۔ پھر اس میں تبدیلی شروع ہوتی ہے اور بندر کے ترقی یافتہ اعلی اقسام کا سا ہیکل نمایاں ہونے لگتا ہے، یعنی گوریلا (Gorilla)، شمپانزی (Chimpanzee)، گیبون (Gibbon) وغیرہ اقسام کا۔ اب اس کے بعد آخری مرتبۂ تطور آتا ہے اور اچانک ایک انقلابی حالت طاری ہونے لگتی ہے، یعنی تمام حیوانی و میمونی خصوصیات مفقود ہو جاتی ہیں، ایک نئی نوعیت کا ہیکل نمایاں ہو جاتا ہے، اور وجود انسانی اپنی ساری خصوصیتوں اور رعنائیوں کے ساتھ ابھر آتا ہے۔

ابتداء کے تمام تطورات ایک مہینے کے اندر طاری ہو جاتے ہیں۔ آخری تطورات دوسرے مہینے کے اندر اور پھر حمل کا بقیہ زمانہ جس قدر گزرتا ہے صورت انسانی ہی کی تکمیل پر گزرتا ہے۔

قانون حیات کی عالمگیر وحدت

اس سلسلے میں جو حقیقت سب سے زیادہ اہم نمایاں ہوئی ہے اور جس نے علم و نظر کے بہت سے گوشوں میں انقلاب پیدا کر دیا وہ پیدایش حیات کے قانون کی عالمگیر وحدت ہے۔ نباتات سے لے کر وجود انسانی تک اصل و بنیاد حیات ایک ہی ہے اور جس قدر امتیازی اختلافات پیدا ہوتے ہیں ٹھیک ٹھیک انہیں حدود کے اندر اور انہیں ترتیبات سے جو قانون نشو و ارتقاء کی بنا پر=

مدارج تطور

= ضروری ہیں۔ اس اعتبار سے اگر انسان کے جنین پر نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل مدارج اور ان کے احکام سامنے آئیں گے :

(ا) پہلا درجہ وہ ہے جس میں خلیۂ تخم کی حالت ٹھیک ٹھیک ویسی ہی ہوتی ہے جیسی تمام نباتات اور حیوانات کی، گویا اس ابتدائی درجے میں ایک انسان کا جنین بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ایک درخت کا، ایک مچھلی کا، ایک چارپایے کا، ایک پرند کا۔

یہ حالت نطفہ کی ابتدائی حالت ہوتی ہے۔

(ب) پھر خلیات کا کروی مجموعہ ایک دوسرے درجے میں داخل ہوتا ہے۔ اس درجے میں پہلا امتیاز نمایاں ہوتا ہے، یعنی اب جنین نباتات کے دائرے سے بلند ہو کر صرف حیوانات کے دائرے کی چیز بن جاتا ہے۔ ہم تمام حیوانات کا جنین ایسا ہی پاتے ہیں، مگر نباتات کا نہیں۔

یہ حالت دو ہفتہ کے اندر طاری ہو جاتی ہے۔

(ج) تیسرے ہفتہ میں جنین دو کنی طوالت پیدا کر لیتا ہے اور نعل کی سی شکل بن جاتی ہے۔ نیز ایک نشان ظاہر ہو جاتا ہے جو آگے چل کر سر بننے والا ہوتا ہے۔ یہی نشان تین بنیادی حاسوں کی پہلی داغ بیل ہے۔ =

=اس درجے میں دوسرا امتیاز نمایاں ہوتا ہے، یعنی اب جنین حیوانات کے عام دائرے سے نکل کر حیوانات لبونہ کے خاص دائرے میں آجاتا ہے، لیکن ادنیٰ درجے کے ائرے میں.

(د) چوتھے ہفتہ میں سر کا نشان ایک غیر متشکل گنبد کی سی ہیئت پیدا کرنے لگتا ہے، اس کے اندر بھیجے کے چاروں خانے بھی نمایاں ہو جاتے ہیں، عنصری نالیاں بھی ابھر آتی ہیں، دل کے چاروں حصے بھی وجود پذیر ہو جاتے ہیں اور سب سے زیادہ یہ کہ ریڑھ کی ہڈی کا ڈھانچا پوری طرح نشوونما پانے لگتا ہے.

اس درجے میں پہنچ کر جنین اعلیٰ درجے کے حیوانات لبونہ کی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے، یعنی اب انسان کا جنین ایسا ہو جاتا ہے جیسا گھوڑے، بیل، کتے وغیرہ شیر خوار جانوروں کا ہوتا ہے.

اب حمل کا پہلا مہینا ختم ہو گیا.

(ہ) پانچویں ہفتہ سے صورت آرائی کا زیادہ مشخص دور شروع ہوتا ہے، لیکن یہ بندر کے سے ہیکل کا ہوتا ہے. اس درجے کے جنین کی تصویر بندر کے جنین کی تصویر کے ساتھ رکھی جائے تو دونوں میں کوئی نمایاں فرق دکھائی نہیں دے گا. =

= (و) پھر یہ ھیکل بندر کی اونچی قسم کے ھیکلوں کی طرف بڑھتا ھے اور گوریلا اور شمپانزی وغیرہ کے جنین کی سی ھیئت پیدا کرنے لگتا ھے ۔

(ز) اس کے بعد ایک آخری انقلاب طاری ھوتا ھے اور انسانی جسم و صورت کی خصوصیات یکایک ابھرنے لگتی ھیں ، حتی کہ بالکل ایک نئی قسم کا تناسب و اعتدال ظہور میں آجاتا ھے ۔

دوسرے مہینے کے اختتام پر یہ درجہ پوری طرح صورت پذیر ھو جاتا ھے ۔

(ح) اس کے بعد فطرت کی نقاشی زیادہ دقیق قسم کے امتیازات کا نوک پلک درست کرنے لگتی ھے ، یعنی نوع انسانی کی مختلف وطنی ، موسمی ، نسلی اور معنوی اختلافات ابھرنے اور بننے لگتے ھیں ۔ پھر جدی اور آبائی اثرات کی نمود شروع ھوتی ھے اور ھر والدین کو اپنی قوم ، اپنے ملک ، اپنی نسل اور اپنے ماحولی مؤثرات کا مولود میسر آجاتا ھے ۔

یہ آخری انسانی دور سب سے بڑا دور ھے ، یعنی ابتداء کے دو مہینے چھوڑ کر باقی تمام ایام حمل جن کی مدت چار سے سات مہینوں تک پہنچ جاتی ھے اسی دور میں بسر ھوتے ھیں ۔ ==

= اب ان تمام تفصیلات کو پیش نظر رکھ کر قرآن کی تصریحات پر غور کرو اور پچھلی تفاسیر پر بھی ایک نظر ڈال لو۔ جس وقت تک انسانی جنین کے یہ تمام حقائق منکشف نہیں ہوئے تھے قرآن کے بیان کردہ مدارج ستہ کی تشریح کس درجہ دشوار تھی! قدیم نظریوں کا ساتھ دینے کے لیے مفسرون کو کیسی کیسی توجیہیں ڈھونڈھنی پڑیں اور پھر بھی بات بنی نہیں! لیکن اب ان انکشافات کے بعد کس طرح سارا معاملہ صاف ہو گیا ہے! کس طرح دونوں بیان ٹھیک ٹھیک ایک دوسرے کے مطابق ہیں اور ایک کے اجمال کی دوسرا تفصیل کر رہا ہے! کس طرح آج علم کی آنکھیں بھی وہی دیکھ رہی ہیں جو وحی کی زبان نے آشکارا کر دیا تھا!

قرآنی تصریحات

وحی کی یہ صدا کس کی زبان سے نکلی تھی؟ ساتویں صدی عیسوی کے ایک امی کی زبان سے جو ریگستان عرب کے بادیہ نشینوں میں پیدا ہوا اور جس کی ساری زندگی انہیں بادیہ نشینوں میں بسر ہوئی تھی!

سترھویں صدی میں خورد بینی مطالعے سے جراثیم حیات کا انکشاف ہوا، لیکن حکماء عہد اصل حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے اور مذہب ظہور و بروز کا نظریہ قائم کر لیا گیا۔ اب دیکھو! جس طرح قدیم قیاسات قرآن کا =

قرآن کا سترھویں صدی کے حکماء سے انکار

= ساتھ نہیں دیتے تھے اسی طرح یہ مذہب بھی ساتھ چلنے سے صاف انکار کر رہا تھا۔ قرآن جنین کے تمام تغیرات کو صاف صاف ایک انقلابی تطور قرار دے رہا ہے: "ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة" (۲۲: ۵) اور "ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة" (۲۳: ۱۴) یعنی تخلیق کی ایک حالت نطفہ کی ہوتی ہے، پھر تخلیق کی دوسری حالت علقہ کی ہوتی ہے، پھر تخلیق کی تیسری حالت مضغہ کی ہوتی ہے۔ پس یہ محض کسی ایسے کیڑے کا نشو و بروز نہیں ہوسکتا جس کے اندر وجود انسانی اپنے تمام اصول و جزئیات کے ساتھ موجود ہو، بلکہ ایک حالت کے بعد صریح دوسری حالت کی پیدایش اور دوسری کے بعد تیسری کی اور تیسری کے بعد چوتھی کی پیدایش ہے اور ہر پیدایش تخلق و تطور کی نوعیت میں ظاہر ہوئی ہے۔ ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے طرح طرح کے تطورات طاری ہوں، ضروری ہے کہ ہر تطور ایک نئی پیدایش کا حکم رکھتا ہو۔

چوں کہ انیسویں صدی کے اواخر تک یہی نظریۂ "ظہور و بروز" عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا اور فن طب و تشریح نے بھی اسی کو اختیار کر لیا تھا، =

= اس لیے جس طرح قدیم مفسروں کو شرح و تحقیق آیت میں دشواریاں پیش آئیں اور طرح طرح کی توجیہات کرنی پڑیں اسی طرح مصر اور ہندوستان کے بعض نئے مفسروں کو بھی ٹھوکر لگی اور رفاعہ بك طہطاوی، حسن پاشا محمود، سر سید احمد خاں، شیخ محمد عبدہ وغیرھم اسی نظریے کی وادیوں میں گم ہو گئے. انہوں نے کوشش کی کہ قرآن کی تصریحات کو اس کے مطابق کر دکھائیں. مطابق ہو نہیں سکتی تھیں، اس لیے ہر طرح کا تجوز و تکلف جو لغت و زبان سے کیا جا سکتا ھے جائز کر لیا گیا اور نہیں سمجھے کہ یہ تمام قطع و برید چند سالوں کے بعد یکسر بے کار ہو جائے گی.

لیکن قرآن کی تصریحات اپنی جگہ بدستور قائم رہیں. جس طرح قدیم جامہ ان پر راست نہیں آیا تھا اسی طرح نئے جامے سے بھی انہوں نے انکار کر دیا. یہاں تك کہ جمال حقیقت بے پردہ ہوا اور نظریوں کی شب کوری کی جگہ انکشاف و مشاہدے کی صبح نمودار ہو گئی. اب ہر نگاہ دیکھ سکتی ھے کہ قرآن کو اپنی جگہ سے ہلنے کی کوئی ضرورت نہ تھی. یہ علم کا نقص تھا کہ صحیح جگہ نہ پا سکا. آخر اسے اپنی جگہ چھوڑنی پڑی =

قرآن اپنی جگہ سے نہیں ہلا مگر علم کو ہلنا پڑا

= اور وہیں آ گیا جہاں تیرہ صدیوں سے قرآن کی صداقت جمی کھڑی ہے: "لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید" (۴۱ : ۴۲).

تم علم کی ایک ذرا سی نمود دیکھ کر مرعوب ہو جاتے ہو اور چاہتے ہو قرآن کو فوراً اس کی جگہ سے ہٹا دو۔ لیکن اگر تم جلدی نہ کرو تو قرآن کو ہلنے کی ضرورت کبھی نہ ہوگی۔ جلد یا بدیر علم اپنی جگہ چھوڑے گا اور آگے بڑھ کر قرآن کی تصدیق کرے گا.

اب غور کرو علم کی روشنی میں کس طرح قرآن کی تمام تصریحات واضح ہو رہی ہیں بغیر اس کے کہ لغت و زبان کے قدرتی مقتضیات سے رائی برابر بھی انحراف کیا جائے:

قرآن کے مدارج ستة

(۱) سب سے پہلے "جعلنه نطفة فی قرار مکین" پر غور کرو۔ استقرار حمل یوں ہوتا ہے کہ جنس رجال کا جنسی خلیه جنس اناث کے مبیض میں پہنچتا ہے اور اس طرح ٹک جاتا ہے گویا اپنے اصلی مکان میں پہنچ گیا. اس صورت حال کے لیے "فی قرار مکین" کی ترکیب کس درجہ صحیح اور اوفق ہے! دو لفظوں کے اندر پوری وضاحت کے ساتھ دونوں حالتیں آ گئیں: اس کا ٹھیر جانا =

= اور تمکن کے ساتھ قرار پا جانا . یہ استقرار و تمکن کس طرح پیدا ہوا؟ دونوں جنسوں کے خلیوں کے اتحاد سے . اس اتحاد و امتزاج کی ان میں قدرتی طلب تھی، بغیر اس کے قرار نہیں پا سکتے تھے .

اس وقت تک ہم نے اس کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ نطفہ رحم میں قرار پا جاتا ہے ، لیکن فی الحقیقت بات پوری طرح جمتی نہ تھی . رحم تو ایک طرح کا مجوف خول ہے . اس میں ایک ذرۂ تخم کا پڑجانا ''فی قرار مکین'' سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا . یہ تعبیر کہہ رہی ہے کہ کوئی نطفہ ہی کی طرح کا دقیق محل ہونا چاہیے جہاں وہ پہنچ کر اس طرح ٹک جائے جیسے ٹھیک اپنے حجم اور اپنی نوعیت کے مطابق ایک جگہ اسے مل گئی . پس یقیناً اس سے مقصود مبیض کا خلیہ ہے ، نہ کہ پورا عضو رحم .

(۲) اس کے بعد ''نطفہ'' پر مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں ، لیکن سب سے پہلی انقلابی حالت کون سی ہوتی ہے جو بالکل ایک نئی قسم کی نوعیت پیدا کر دیتی ہے اور جو تمام آیندہ انقلابوں کے لیے سنگ بنیاد کا کام دیتی ہے؟ وہ حالت جب خلیات کا کروی مجموعہ اچانک طول میں بڑھنے لگتا ہے اور پھر اس طرح کی لمبی چیز =

= بن جاتا ھے جس کے دونوں سرے کمی قدر پھیلے ہوئے ہوتے ھیں . پروفیسر ھیکل نے اس مرتبے کی ابتدائی حالت کو (Sole shaped) سے اور پختہ حالت کو (Sandal shaped) سے تعبیر کیا ھے (۱۱۷) اور ھم نے اس کے لیے صرف ’’ نعل نما ‘‘ حالت کی تعبیر کی ھے . اسی مرتبۂ تحول کو قرآن نے ’’ علقه ‘‘ کے لفظ سے تعبیر کیا ھے . ’’ علقـه ‘‘ کی تعبیر اس مرتبے کے لیے ھر اعتبار سے اتنی صاف چسپاں تعبیر ھے کہ جونہیں میری پہلی نظر اس نعل نما جنین کی تصویر پر پڑی تھی میری زبان سے بے اختیار ’’ خلق الانسان من علق ‘‘ نکل گیا تھا .

جونك کے لیے علوق ، عَلوقه ، عولق ، علقه ، سامی زبانوں کی نہایت قدیم تعبیر ھے ، عبرانی میں اسے علوقه کہتے تھے اور بجنسه علقـه کا نام بھی ملتا ھے . چنانچہ سفر امثال میں ایك جگہ آیا ھے : جونك کی دو بیٹیاں ھیں جو چلاتی رھتی ھیں کہ لاؤ لاؤ (۳۰ : ۱۵) . عبرانی نسخے میں یہاں جونك کے لیے ’’ علوقه ‘‘ کا لفظ ھے . یہی علوقه عربی میں علق اور علقه ھے اور جونك کے لیے مستعمل ھے . اب جونك کی حالت اور صورت کا معاینه کرو . اس =

= میں هڈی نہیں هوتی ۔ محض ایك لوتهڑ ے کی لنبان هوتی هے اور خون پی کر جب سیراب هو جاتی هے تو ٹهیك ٹهیك ویسی هی صورت هو جاتی هے جیسی اس مرتبۂ جنین کی تصویر میں نظر آتی هے ۔

"علقه" کی تعبیر

هیکل نے اس حالت کو محض اس کی جزئی مشابہت کی بنا پر "نعل نما صورت" سے تشبیه دی ، لیکن قرآن نے "علقه" سے دی جو خود سلسلۂ حیوانات کی ایك خاص زنده کڑی هے اور اس طرح عجب نہیں که ایك دوسری مخفی حقیقت کی طرف بهی اشاره کردیا هو ۔

پیدایش انسانی کے مختلف مدارج کی جو تفصیلات اوپر گزر چکی هیں ان سے تمہیں پتا لگ گیا هو گا که قانون نشو و ارتقا کے مختلف مدارج کس طرح نطفۂ انسانی نے مدارج میں جمع هو گئے هیں اور کس طرح هر انسان کا جنین اب بهی ان مدارج سے گزر کر انسان بنتا هے جن مدارج سے گزر کر انسان اپنے موجوده مرتبۂ خلقت تك پہنچا هے ۔ اچها ! اب غور کرو ان مدارج خلقت میں ابتدائی مخلوقات کا درجه کونسا هے ؟ آبی مخلوقات کا ۔ یعنی بحکم " وجعلنا من الماء کل شیء حی " زندگی کا سب سے پہلا ظہور پانی میں هوا اور پہلی مخلوقات آبی مخلوقات هوئیں ۔ ان کے بعد خشکی کی مخلوقات =

= کا سلسلہ شروع ہوا ۔ اچھا! آبی مخلوقات میں ابتدائی مراتب کی مخلوقات کونسی ہیں؟ جونک کی قسم کی غیر عظمی مخلوقات ۔ انہیں کے ارتقاء سے تمام اونچی قسم کی آبی کڑیاں وجود پذیر ہوئیں ۔ پس اگر حیوانی نطفہ اپنے تمام ارتقائی تطورات سے گزر کر آخری درجے تک پہنچا کرتا ہے تو کیا ضروری نہیں کہ اس کا ابتدائی درجہ آبی مخلوقات کی حالت کے درجے کا ہو اور اس میں بھی سب سے پہلے جونک کی قسم کی نوعیت اپنی نمود دکھائے؟ یقیناً ضروری ہے اور یقیناً یہی نوعیت ہے جو اس نعل نما صورت کے درجے میں نمایاں ہوتی ہے ۔ پس اسے ''علقہ'' سے تعبیر کرنا گویا اس کے درجۂ خلقت کو ٹھیک ٹھیک اس کے اصلی نام سے پکار دینا ہے ۔

(۳) اس کے بعد تیسرا انقلابی تطور وہ ہے جب یہ نعل نما چیز اور زیادہ بڑھتی ہے اور اس کے مادے میں گوشت کی صلابت پیدا ہو جاتی ہے ۔ اسی حالت کو قرآن نے ''مضغہ'' سے تعبیر کیا ہے ، کیوں کہ اب جنین بوٹی کی طرح بن جاتا ہے ۔ اور چوں کہ یہی مرتبہ ہے جس میں ارتسام و انقسام اعضاء کی پہلی داغ بیل پڑتی ہے ۔ اس لیے سورۂ حج میں اشارہ کر دیا کہ ''مخلقۃ و غیر مخلقۃ'' (۲۲ : ۵) یعنی یہی مضغہ کا درجہ ہے جس =

= میں یا تو داغ بیل پڑ جاتی ہے یا بگڑ کے رہ جاتا ہے .

(٤) چوتھا درجہ وہ ہے جب اس مضغہ میں ریڑھ کی هڈی کا ڈھانچا نشو و نما پانے لگتا ہے اور ایك ایسا هیکل نمایاں هو جاتا ہے جسے مچھلی سے مشابہ کہا گیا ہے . اسی کو "خلقنا المضغة عظاما" سے تعبیر کیا ہے . اسی درجے میں آکر جنین حیوانات فقاریہ (Vertebrate) کی امتیازی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے .

(٥) پھر اس کے بعد هڈیوں اور گوشت پوست کا الحاق تکمیل تك پہنچتا اور ایك حیوانی صورت متشکل هو کر نمایاں هو جاتی ہے . اسی کو "فکسونا العظام لحما" کے درجے سے تعبیر کیا ہے .

(٦) لیکن جو صورت اب بنتی ہے وہ کیا انسان کی صورت هوتی ہے؟ نہیں، ایسی جو تمام حیوانات لبونہ کی مشترك صورت هوتی ہے . وہ ترقی بھی کرتی ہے تو بندر کی صورت کی طرف، لیکن اس کے بعد نقاش قدرت کی دست کاری اچانك ایك نیا انقلاب و تحول پیدا کر دیتی ہے . وهی جنین جو محض مضغہ تھا، وهی مضغہ جو مچھلی کی طرح کا ایك ڈھانچا تھا، وهی ڈھانچا جس نے عام حیوانی هیکل کی شکل اختیار کرلی تھی، وهی حیوانی هیکل جو بندر کی سی صورت میں = "ثم انشأناہ خلقا"

= ابھر آیا تھا، اچانك انسانی جسم و صـورت کی ساری خصوصیتیں اور رعنائیاں پیدا کر لیتا ھے: "فتبٰرك الله احسن الخالقین".

یہی آخری مرتبۂ تحول ھے جسے "ثم انشأناہ خلقاً اٰخر" سے تعبیر کیا ھے.

سورة النور - ٢٤

مدنية و هی اربع و ستون اٰية

مدنی - ٦٤ آیات

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سُوۡرَةٌ اَنۡزَلۡنٰهَا وَ فَرَضۡنٰهَا وَ اَنۡزَلۡنَا فِيۡهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ۝ ١

یہ ایک سورت ہے جو ہم نے اتاری اور اس کے احکام لازمی ٹھیرا دیے. نیز اس میں (احکام حق کی) واضح نشانیاں اتاریں تا کہ تم لوگ نصیحت پکڑو . ١

---

١ - یہ مدنی عہد کی درمیانی تنزیلات میں سے ہے . اب مدینہ میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پوری طرح نشو و نما پا چکی تھی اور ہر طرح کے حوادث و وقائع پیش آنے لگے تھے . چنانچہ اس سورت کا مرکز موعظت ازدواجی زندگی اور اس کے خطرات و مفاسد کا ازالہ ہے .

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۲

اگر عورت اور مرد زنا کریں ان دونوں میں سے ھر ایک کو سو سو تازیانوں کی سزا دو. اگر تم اللہ پر اور آخرت کے آنے والے دن پر یقین رکھتے ھو تو ایسا نہ ھو کہ قانون الٰہی کی تعمیل کرتے ھوے ان (مجرموں) کے لیے نرمی اور مہربانی کا جذبہ تمھارا ھاتھ پکڑ لے. نیز چاھیے کہ سزا دیتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موقع پر موجود رھے (یعنی علانیہ سزا دی جائے) ۲.

۲ - اجتماعی زندگی کی ایک سب سے بڑی بنیاد نکاح مدنی ھے، یعنی یہ بات کہ ایک مرد اور ایک عورت ازدواجی زندگی بسر کرنے کے لیے جنسی رفاقت و اشتراک کا عہد کرلیں اور پھر صرف ایک دوسرے ھی کے لیے ھو کر جییں. زنا ٹھیک اس کی ضد ھے. یہ مرد اور عورت کو اشتراک حیات کے لیے نہیں، بلکہ محض نفسیاتی تقاضے=

اَلزَّانِىْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ؗ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ ٣

زنا کرنے والا مرد زنا کرنے والی عورت یا مشرک عورت ھی سے رشتہ جوڑے گا. اسی طرح زنا کرنے والی عورت زنا کرنے والے مرد یا مشرک مرد ھی سے رشتہ جوڑے گی. مگر یاد رکھو! مومنوں پر ایسے علاقے حرام کر دیے گئے ھیں ٣ .

= کی عارضی تسکین کے لیے جمع کرتا ھے اور ازدواجی زندگی کے تمام معاشرتی احساسات فنا کر دیتا ھے .

جس سوسائٹی میں زنا کا دروازہ کھلا رھے گا وہ کبھی ازدواجی زندگی کی استواری حاصل نہیں کر سکے گی اور اگر ازدواجی زندگی استوار نہ ھوئی تو اجتماعی زندگی کی ساری بنیادیں ھل گئیں !

یہی وجہ ھے کہ یہاں پہلے اس فساد کی شناعت پر زور دیا ، پھر اس کی سزا کا اعلان کیا . اصطلاح میں ان سزاؤں کو "حد" کہتے ھیں .

٣ - آیت ٣ میں " نکاح " سے مقصود نکاح مصطلحۂ شرع نہیں ، بلکہ لغوی ھے ، جیسا کہ "حتی تنکح زوجا=

غیرہ" (٢ : ٢٣) میں مستعمل ہوا ہے ۔ یعنی اتحاد تناسلی کا معاملہ ۔ پس مطلب یہ ہوا کہ جس مرد کو زنا کا چسکا پڑجاتا ہے وہ زنا پیشہ عورت ہی سے رسم وراہ پیدا کرتا ہے اور جو عورت بدچلن ہوجاتی ہے وہ اپنے ہی طرح کے مرد کی خواہاں رہتی ہے ۔ مگر مؤمنوں کے لیے ایسے تعلقات یك قلم حرام کردیے گئے ہیں ۔

یہ مطلب نہیں ہے کہ جس مرد اور عورت سے زنا کا ارتکاب ہوگیا پھر اس سے نکاح شرعی کرنا جائز نہیں ، کیوں کہ توبہ کے بعد ہر گنہگار پاك ہوجاتا ہے ۔ اور اگر ایك زنا پیشہ فرد تائب ہوکر نکاح کرلے اور پاك دامنی کی زندگی بسر کرے تو اس سے زیادہ خوبی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے ؟

زانی اور زانیہ کے ساتھ "مشرك" اور "مشرکہ" کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ مشرکین عرب میں نکاح کے جو طریقے رائج تھے ان میں سے بعض صریح زنا تھے اور دونوں کا امتیازی خط زیادہ نمایاں نہ تھا ۔ پس اگر ایك مؤمن مرد کسی مؤمن عورت سے علاقہ پیدا کرنا چاہتا تو بجز اس کے کوئی صورت ہی نہ تھی کہ نکاح قطعی=

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمٰنِينَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ج وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ لا ۴

اور جو لوگ دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر (ثبوت میں) چار گواہ نہ لا سکیں تو انہیں اتی تازیانوں کی سزا دو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو. ایسے ہی لوگ ہیں جو پکے فاسق ہوئے ! ٤

ہو . لیکن ایک مشرک عورت ہر طرح کے جاہلی طریقوں کے لیے آمادہ ہو جاتی تھی . یہی حال . مشرک مردوں کا تھا .

٤ ـ زنا کی حد مقرر کرنے کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ اس کے اثبات کے لیے قانوناً کس درجے کی گواہی ضروری ہے . آیت ٤ میں فرمایا : جب تک چار گواہ آنکھ سے دیکھی شہادت نہ دیں اس وقت تک جرم کا اثبات تسلیم نہیں کیا جائے گا . معاملے کی نزاکت چاہتی تھی کہ جس سختی کے ساتھ زنا کا دروازہ بند کیا گیا ہے ویسی ہی سختی سے =

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْاۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۵	ہاں ! جن لوگوں نے اس بدعملی کے بعد توبہ کرلی اور اپنی زندگی سنوار لی تو بلا شبہ اللہ بخشنے والا ، رحمت والا ہے ! ۵
وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۶	جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا عیب لگائیں اور خود ان کے سوا ان کا کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے مدعیوں میں سے ہر ایک کی گواہی یہ ہوگی کہ (پہلے) چار مرتبہ اللہ کو گواہ ٹھیرا کر قسم کھائے کہ وہ ضرور اپنے بیان میں سچا ہے ۶۔

= الزام تراشی کی جرأتوں کا دروازہ بھی بند کردیا جائے ، تاکہ مفسدوں کو فتنہ پردازیوں کا موقع نہ ملے.
چنانچہ آیت ٤ میں فرمایا :
جو کوئی کسی عورت پر عیب لگائے گا اور چار عینی گواہ نہ لا سکے گا تو وہ بہتان لگانے کا مجرم متصور =

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ ٧

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ ۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ ۝ ٨

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ٩

پھر پانچویں مرتبہ کہے : اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی پھٹکار ! ۷

اور اگر (شوہر کے قسم کھانے کے بعد) عورت بھی چار مرتبہ اللہ کو گواہ ٹھہرا کر قسم کھالے کہ یہ آدمی اپنے بیان میں سر تا سر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہہ دے : "اگر یہ آدمی اپنے بیان میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ ہی کا غضب پڑے !" تو

= ہوگا اور ایسے مجرموں پر اسی تازیانوں کی حد جاری کی جائے گی .

یہاں اگرچہ خصوصیت کے ساتھ عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے مگر حکم عام ہے . خواہ عورت پر عیب لگایا جائے خواہ مرد پر ، بہتان لگانے والے پر حد جاری ہوگی .

(اس صورت میں) عورت کے سر سے سزا ٹل جائے گی ۸ و ۹

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اور اگر اللہ کا فضل اور اس

وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ کی رحمت تمہارا ساتھ نہ دیتی

۱ ع ۷ حَكِيْمٌ ۱۰ اور ایسا نہ ہوتا کہ وہ بڑا ہی

توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے (تو غور کرو تمہارا کیا حال ہوتا ؟) ۱۰

---

۶ تا ۹ ـ اگر خود شوہر اپنی بیوی پر عیب لگائے اور کہے : ”میں نے خود دیکھا ہے مگر گواہ نہیں لا سکتا“ تو اس صورت میں کیا کیا جائے ؟ آیت ۶ میں اس کے لیے «لعان» کا حکم دیا ہے ۔ یعنی شوہر کو پانچ مرتبہ قسم کھا کر اپنا دعوی دہرانا چاہیے اور بصورت کذب اپنے کو لعنت الٰہی کا مستوجب ٹھہرانا چاہیے ۔ اگر بیوی اس کے جواب میں خاموش رہے گی تو الزام ثابت ہوجائے گا ۔ اگر اس نے بھی اسی طرح پانچ مرتبہ قسم کھالی تو پھر عدالت اسے بری کردے گی اور اصلیت کا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے گا ۔ دنیا میں انسان کے مخفی اعمال کے لیے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا جاسکتا ۔

إِنَّ الَّذِينَ جَآءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ١١

(مسلمانو!) جن لوگوں نے اصلیت الٹ پلٹ کر (١١٨) ایك جھوٹی بات تراش لی وہ تمھیں میں کا ایك جتھا ھے (١١٩)۔ یہ نہ سمجھنا کہ تمھارے حق میں برا ھوا۔ نہیں، اس میں تمھارے لیے بہتری ھی ھوئی۔ ان جھوٹی بات تراشنے والوں میں سے ھر ایك کو وہ نتیجہ ضرور پانا ھے جو اس نے اپنے گناہ کی کمائی سے سمیٹ لیا۔ ان میں سے جس کسی نے اس جھوٹے ھنگامے میں نمایاں حصہ لیا ھے اور اس کا اھتمام کیا ھے اس کے لیے بڑا ھی سخت عذاب ھے! ١١

١١- آیت ١١ اور اس کے بعد کی آیات میں وقت کے ایك خاص معاملے کی طرف اشارہ کیا ھے۔ یعنی اس بہتان کی طرف جو منافقوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگانا چاھا تھا اور نامراد رھے تھے۔ یہاں چوں کہ اس الزام تراشی کو "افك" سے تعبیر کیا ھے اس لیے سیرۃ کی روایات میں اسی لفظ سے یہ واقعہ مشھور ھو گیا۔ =

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ جب تم نے ایسی (نالائق) بات
الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ سنی تھی تو کیوں یہ بات بھول
بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا لا وَّ قَالُوْا گئے کہ مؤمن مردوں اور
هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝ ١٢ عورتوں کو ایك دوسرے کے
لیے هیشه نیك گمان رکھنا چاهیے؟ کیوں تم بول نه اٹھے که یه تو
صریح گھڑی هوئی جھوٹی بات هے؟ ١٢
لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ (اگر اس بات کی کچھ بھی اصلیت
شُهَدَآءَ ج فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا تھی تو) کیوں اس پر چار گواہ
بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ نہیں لائے؟ جب گواہ نہ لاسکے
عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ ١٣ تو ثابت هو گیا یهی لوگ هیں
جو الله کے نزدیك قطعا جھوٹے هیں ١٣ .

= اس بہتان کا چرچا پھیلانے کے لیے بعض شریروں نے اپنا ایك سازشی جتھا بنالیا تھا. ''عصبة منکم '' میں اسی طرف اشارہ هے. '' و الذی تولی کبرہ '' میں اشارہ عبد الله بن ابی کی طرف هے جو اس جتھے کا سرغنه تھا .

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (مسلمانو!) اگر ایسا نه هوتا كه
وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تم كو دنيا و آخرت ميں
لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ الله كا فضل مهلتوں پر مهلتيں
فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۚ١٤ ديتا هے اور آخرت ميں اس

كی رحمت بخشنے والی هے تو جس بات كے پيچهے تم پڑ گئے تهے اس كی وجه سے ضرور تمهيں كوئی سخت عذاب آ لگتا! ١٤

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ تم يه بات (بے سوچے سمجهے)
وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ ايك دوسرے سے نقل كرنے
لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ لگے. تم اپنے منه سے ايسی
هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝١٥ بات نكالنے لگے جس كے ايسے

تمهارے پاس كوئی علم نه تها. تم نے اسے ايك هلكی سی بات سمجها حالانكه الله كے نزديك بڑی هی سخت بات تهی! ١٥

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ جب تم نے ايسی (نالائق) بات
مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ سنی تهی تو كيوں نه بول اٹهے:

بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝١٦ ”همیں زیبا نہیں کہ ایسی بات منہ سے نکالیں۔ خدایا! تیرے لیے پاکی ہو! یہ تو بڑا ہی سخت بہتان ہے“! ١٦

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ ۝١٧ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے اگر تم مؤمن ہو تو پھر کبھی ایسا کام نہ کرنا ١٧ ۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝١٨ وہ (حق کی) نشانیاں تم پر واضح کردیتا ہے۔ وہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے! ١٨ ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝١٩ جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ مؤمنوں میں شرمناک برائیوں کا چرچا پھیلے ان کے لیے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہوگا اور آخرت میں بھی۔ یاد رکھو! اللہ (سب کچھ) جانتا ہے، تم کچھ نہیں جانتے! ١٩

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ع ۲۰

اور (پھر دیکھو! کیا ہوتا؟) اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا، اگر اس کی رحمت چارہ سازی نہ فرماتی، اگر ایسا نہ ہوتا کہ وہ بڑا ہی شفقت رکھنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے ۲۰.

النصف ۲ ع ۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۲۱

مسلمانو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو. جو کوئی اس کے قدم بقدم چلا تو (وہ جان رکھے) شیطان اسے شرم ناك برائیوں اور نا پسندیدہ کاموں ہی کی راہ چلائے گا. اور اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت اپنے سایہ میں نہ لے لیتی تو تم میں ایك آدمی بھی ایسا نہ نکلتا جو کسی حال میں بھی

پاك وصاف هوسكتا. مگر هاں! الله جسے چاهتا هے پاك كر ديتا هے.
وه (سب كچھ) سننے والا، (سب كچھ) جاننے والا هے! ٢١

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ ٢٢

اور (ديكھو!) تم ميں جو لوگ بزرگی ركھنے والے اور صاحب مقدرت هيں وه ايسا نه كريں كه رشتے داروں، مسكينوں اور راه خدا ميں هجرت كرنے والوں كی مدد سے اپنا هاتھ كھينچ ليں (١٢٠). انهيں چاهيے ان كے قصور بخش ديں اور (ان كی كوتاهيوں سے) درگذر كريں. كيا تم نهيں چاهتے الله تمهارے قصور بخش دے؟ الله تو بڑا هی بخشنے والا، رحمت والا هے! ٢٢.

٢٢ - آيت ٢٢ سے اندازه كيا جاسكتا هے كه معاشرتی زندگی كے اخلاقی فرائض كے ليے قرآن كا معيار عمل كس درجه بلند هے! فرمايا: اگر خدا نے تمهيں استطاعت دی هے اور تم اپنے قرابت دار حاجت مندوں اور مسكينوں كی اعانت كرتے هو تو تمهارا فرض هے هر حال ميں ان كی اعانت كرو. تمهارے ليے كسی طرح يه بات جائز نهيں كه ان كے =

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ	جو لوگ پاك دامن عورتوں پر
الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوا	كه ایسی باتوں سے محض
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ص وَلَهُمْ	بے خبر هیں اور الله پر ایمان
عَذَابٌ عَظِيمٌ لا ۲۳	رکھتی هیں تهمت لگاتے هیں

تو (یاد رکھو!) ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت دونوں میں پھٹکار پڑی اور انهیں ایك بڑے هی سخت عذاب سے دوچار هونا هے! ۲۳

= کسی قصور اور جرم سے خشمگیں هو کر دست اعانت کھینچ لو اور عهد کرلو که ایسے نالائقوں کی کبھی مدد نهیں کرو گے. ان کا جرم کتنا هی سخت هو مگر تمهارے عفو و درگذر کو کوتاه نهیں هونا چاهیے. یهاں هر حال میں اصل عمل عفو و بخشش هے، نه که غضب و انتقام.

کیا تم اس کے طلب گار نهیں که خدا تمهارے قصور بخش دے؟ لیکن اگر تم اس کے بندوں کے قصور نهیں بخش سکتے تو تمهیں کیا حق هے اپنے قصوروں کے لیے اس کی بخشش کی طلب گاری کرو؟

روایات سے معلوم هوتا هے که بعض صحابه کو جب معلوم هوا ان کے بعض رشتے داروں نے حضرت عائشه کے خلاف بهتان لگانے میں حصه لیا هے تو انهوں نے قسم کھالی ایسے لوگوں کو آینده کچھ مدد نه دیں گے. چنانچه =

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ	اس دن (ان کا کیا حال ہوگا)
اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ	جب کہ ان کے خلاف خود
وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا	ان کی زبانیں ، ان کے ہاتھ
يَعْمَلُوْنَ ۝ ٢٤	اور ان کے پاؤں گواہی دیں کے

کہ ان کے کرتوت کیسے کچھ رہ چکے ہیں ! ٢٤

يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ	اس دن اللہ ان کے اعمال کا
دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَ يَعْلَمُوْنَ	پورا پورا بدلا انہیں دے
اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۝ ٢٥	دے گا، ایسا بدلا جو ٹھیک

ٹھیک انہیں ملنا چاہیے . پھر اس دن وہ جان لیں کے کہ اللہ ہی
کی ہستی سچائی ہے ، بے پردہ آشکارا سچائی ! ٢٥

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ	گندی عورتیں گندے مردوں
وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ع	کے لیے ہوئیں ، گندے مرد

= حضرت ابو بکر نے بھی اپنے ایك رشتے دار مسطح
بن اثاثہ کی اعانت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا ، اس پر یہ آیت
نازل ہوئی .

وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ گندی عورتوں کے لیے،
وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ج پاك عورتیں پاك مردوں
اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا کے لیے ہوئیں، پاك مرد پاك
يَقُوْلُوْنَ ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ عورتوں کے لیے. (ایسا نہیں
٣ ع ٩ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ع ٢٦ ہو سکتا کہ گندگی اور پاکی
ایك دوسرے سے میل کھائیں) ایسے پاك افراد ان باتوں سے مبرا ہیں جو لوگوں نے ان کے بارے میں کہی ہیں. ان کے لیے (آخرت میں) بخشش ہے اور (دنیا میں) عزت کی معیشت! ٢٦

---

٢٦ - آیت ٢٦ پر پچھلا بیان ختم ہو گیا. فرمایا: ازدواجی تعلقات و معاملات کے بارے میں اصل یہ ہے کہ ہمیشہ ہم جنس طبیعتیں ایك دوسرے سے میل کھائیں گی. پاکی اور گندگی کا باہم پیوند نہیں لگ سکے گا. نیك عورت نیك مرد کے ساتھ خوش رہے گی، نیك مرد نیك عورت کے ساتھ خوش حال ہو گا. جو پاك دامن ہیں انہیں فتنہ پردازوں کے جھوٹے الزام عیبی نہیں بنا دے سکتے اور جو عیبی ہیں وہ کبھی کسی کے کہے سے پاك دامن نہیں بن جائیں گے.

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا	مسلمانو! اپنے گھر کے سوا
لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ	کسی دوسرے کے گھر میں
بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوا	اس وقت تك قدم نه رکھو
وَتُسَلِّمُوا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۚ	جب تك حال معلوم نه کر لو
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ	(یعنی اجازت نه لے لو) اور
تَذَكَّرُوْنَ ۝ ٢٧	گھر والوں پر سلام نه بھیج لو.

اس میں تمھارے لیے بہتری ہے اور یه اس لیے ہے که تم غفلت میں نه پڑو ٢٧ .

٢٧ - آیت ٢٧ سے سلسلۂ بیان نے یه رخ اختیار کیا ہے که معاشرتی زندگی کی شایستگی اور انضباط کے لیے چند بنیادی حدود ضروری ہیں اور ضروری ہے که لوگ سختی کے ساتھ ان کی پابندی کریں. جو سوسائٹی ان حدود سے بے پروا ہو جائے گی وہ اخلاق پاکیزگی کا اعلیٰ معیار قائم نہیں رکھ سکے گی.

ما قبل سے ان احکام کا ربط واضح ہے. پہلے زنا کے جرم کی شناعت واضح کی، پھر اسی طرح بہتان تراشی کو سخت ترین جرم قرار دیا. اب میل جول، آمد و رفت=

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا	پھر اگر (ایسا ھو کہ) گھر میں
فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ	کسی کو نہ پاؤ (یعنی کوئی
لَكُمْ ج وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ	جواب نہ ملے، یا تمھیں معلوم
ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى	ھو کہ گھر خالی ھے) تو جب
لَكُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	تك تمھیں اجازت نہ مل جائے.
عَلِيْمٌ ۝ ٢٨	اس میں قدم نہ رکھو. اور

اگر تمھیں جواب ملے: "لوٹ جاؤ (یہ ملنے کا موقع نہیں)" تو بلا تأمل لوٹ جاؤ. اس طرح لوٹ آنا تمھارے لیے زیادہ پاك نفسی کی بات ھوگی. اور (یاد رکھو!) تم جو کچھ کرتے ھو اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں! ٢٨

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ	اگر ایك مکان غیر آباد ھے اور
تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ	اس سے تمھیں کچھ فائدہ اٹھانا ھے

= اور مرد و عورت کے باھمی اختلاط کے ان احکام پر زور دیا ھے جن سے معاشرتی زندگی کی اخلاقی فضا زیادہ سے زیادہ پاکیزہ ھو جائے اور اس طرح کے جرائم کو سر اٹھانے کا موقع ھی نہ ملے.

فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝٢٩
(۱۲۱) تو کوئی گناہ کی بات نہیں اگر اپنے مکان میں (بغیر باقاعدہ اجازت کے) چلے جاؤ۔ (یاد رکھو!) تم جو کچھ کھلم کھلا کرتے ہو اور جو کچھ چھپا کر کرتے ہو سب کچھ اللہ جان رہا ہے! ۲۹

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝٣٠
(اے پیغمبر!) مسلمان مردوں سے کہہ دے: (عورتوں کے سامنے آئیں تو) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کی نگہداشت سے غافل نہ ہوں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاک نفسی کا طریقہ ہوگا۔ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں! ۳۰

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ
اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے بھی کہہ دے: (مردوں کے سامنے آئیں تو) نگاہیں نیچی

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ج
وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى
جُيُوْبِهِنَّ ص وَلَا يُبْدِيْنَ
زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ
بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ
اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ
اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوَاتِهِنَّ
اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ
غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ
اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ

رکھیں، اپنے ستر کی نگہداشت
سے غافل نہ ہوں ، اپنا بناؤ چناؤ
لوگوں کو نہ دکھائیں ، مگر
ہاں! اسی قدر کہ (لازمی طور
پر) دیکھنے میں آتا ہے ، اپنے
سینوں پر اوڑھنی کا پلا ڈالے
رہیں ۔ اپنا بناؤ چناؤ صرف اپنے
شوہروں ہی کے سامنے کھلا
رکھیں، یا پھر باپ ہو، خسر ہو،
بیٹا ہو، شوہر کا لڑکا ہو،
بھائی ہو، بھتیجا ہو، بھانجا ہو،
خاندان کی عورتیں ہوں،
لونڈی غلام ہوں، گھر کے

لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ٣١

ایسے خادم ہوں جنھیں (عورتوں کی) کوئی طلب نہیں (یعنی بوڑھے خدمت گار)، کم سن لڑکے ہوں جو ابھی عورتوں کے پردے کی باتوں سے آگاہ نہیں ہوے. نیز (راہ میں چلتے ہوے) اپنے پاؤں اس طرح نہ ماریں کہ زینت کی چیزیں جو اندر پہنے ہوے ہیں ان سے لوگ باخبر ہو جائیں (یعنی پازیب کی جھنکار نہ اٹھے). اور مسلمانو! (اصل کار تو یہ ہے کہ) تم سب (خواہ مرد ہو، خواہ عورت) اللہ کے حضور (اپنی لغزشوں اور غفلتوں سے) توبہ کرو تا کہ (دین و دنیا میں) کام یاب ہو. ٣١

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ۚ اِنْ يَّكُوْنُوْا

اور تم میں جو عورتیں بغیر شوھر کے ہوں (١٢٢) (انھیں بٹھائے نہ رکھو) ان کا نکاح

فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ۳۲

کردو. اور تمہارے زیر دستوں میں (یعنی لونڈی غلاموں میں) جو نیک چلن ہوں ان کا بھی نکاح کردو. اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں تونگر کردے گا. اللہ تو بڑی ہی وسعت رکھنے والا، (سب کچھ) جاننے والا ہے! ۳۲

---

۳۲ – زنا کے سد باب کی کوئی کوشش سود مند نہیں ہو سکتی اگر وہ ان رکاوٹوں کو دور نہیں کر دیتی جو نکاح کی راہ میں پیدا کر دی گئی ہوں. یہ رکاوٹیں دو راہوں سے آتی تھیں: مذھب کی راہ سے کہ لوگوں نے رھبانیت کو روحانی سعادت کے حصول کا ذریعہ سمجھ لیا تھا اور مردوں کی جنسی خود پرستی اور ذاتی غرض مندی کی راہ سے کہ متعدد حالتوں میں عورتوں کو نکاح سے باز رکھنا چاھتے تھے. از ان جملہ ایک حالت بیوگی کی تھی. چنانچہ یہاں آیت ۳۲ میں خصوصیت کے ساتھ نکاح کے اھتمام کا حکم دیا اور فرمایا: جو جوان عورتیں بغیر شوھر کے ہوں، خواہ باکرہ ہوں خواہ رانڈ، ان کا نکاح کر دو، بٹھائے رکھنے کے خواھش مند نہ ھو.

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ	اور جو لوگ نکاح کا مقدور
لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى	نہیں رکھتے انہیں چاہیے ضبط
يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ	کریں یہاں تک کہ اللہ اپنے
وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ	فضل سے انہیں صاحب مقدور
مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ	کر دے۔اور تمہارے زیردستوں
فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ	(یعنی غلاموں) میں سے جو
فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ	لوگ آزادی کا نوشتہ چاہیں
مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ	اور تم دیکھو ان میں اس کی

= ساتھ ہی لونڈی غلاموں کے نکاح کے اہتمام کا بھی حکم دیا ۔ عرب کے گھر گھر میں لونڈی غلام بسے ہوے تھے ۔ قرآن یہ رسم مٹانی چاہتا تھا ۔ لیکن جو لوگ اس حالت میں مبتلا ہو چکے تھے ضروری تھا کہ پہلے ان کے حقوق و مصالح کی اہمیت کا عام اعتراف دلوں میں پیدا کر دیا جائے ۔ یہی وجہ ہے کہ احکام و مواعظ میں ہر جگہ ان کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ	صلاحیت بھی ہے تو ان سے
عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ	نوشتے کا معاملہ ضرور کر لو
تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ	اور چاہیے کہ اللہ کے مال میں
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ	سے جو اس نے دے رکھا ہے
يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ	ان کی مدد بھی کرو۔ اور اپنی
بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ	لونڈیوں کو کہ پاک دامن رہنا
رَّحِيْمٌ ۝ ٣٣	چاہتی ہیں، محض دنیا کے عارضی

فائدے کے لیے حرام کاری پر مجبور نہ کرو۔ اور جو انہیں مجبور کرے گا، اور وہ اپنے کو بے بسی کی حالت میں پائیں گی تو (وہ رحمت الہی سے مایوس نہ ہو جائیں) اللہ بخشنے والا، رحمت والا ہے! ۳۳

---

۳۳ - اگر غلام اور آقا میں اس طرح کا سمجھوتا ہو جاتا تھا کہ غلام محنت مزدوری کر کے یا کسی دوسرے ذریعے سے ایک خاص رقم آقا کو ادا کر دے گا اور اس کے معاوضے میں وہ اسے آزاد کر دے گا تو اسے "مکاتبہ" کہتے تھے، یعنی آپس میں آزادی کا نوشتہ =

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ	(مسلمانو!) ہم نے تمہارے لیے
اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا	کھلے کھلے احکام نازل کر دیے
مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا	اور تم سے پہلے جو لوگ
مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً	گزر چکے ہیں ان کی مثالیں بیان
لِّلْمُتَّقِيْنَ ع ٣٤	کر دیں، نیز ایسی باتیں بھی جن

٤ ع ١٠

= ہو گیا ۔ قرآن نے غلامی کی رسم مٹانے کے لیے جو تدریجی اصلاحات شروع کی تھیں ان میں ایک اصلاح یہ بھی تھی کہ مکاتبت کی درخواست منظور کر لینے کا حکم دیا ۔ چنانچہ یہاں آیت ۳۳ میں ان کے نکاح کا حکم دیتے ہوئے اس بات پر بھی زور دیا اور فرمایا: نہ صرف ان کی درخواست منظور کر لینا ضروری ہے، بلکہ اس کے لیے انہیں مالی مدد بھی دینی چاہیے۔ مال کو ''مال اللہ'' کہہ کر یہ حقیقت یاد دلا دی کہ مال جو کچھ ہے اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، پس اس میں اس کے بندوں کا بھی حق ہے!

کلدانیوں، ہندوؤں اور رومیوں کی طرح عربوں میں بھی یہ طریقہ عام تھا کہ لونڈیوں سے پیشہ کراتے تھے اور اس کی کمائی کھاتے تھے ۔ ان کے نکاح کا حکم دیتے ہوئے آیت ۳۳ میں اس طرف بھی اشارہ کر دیا تاکہ اس فساد کا بکلی انسداد ہو جائے ۔

میں پرہیز گاروں کے لیے سر تا سر نصیحت ہے ۳٤ .

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اللہ کی ہستی آسمان اور زمین کی
مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا روشنی ہے . اس کی روشنی
مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ کی مثال ایسی سمجھو جیسے ایك

---

۳٤ – آیت ۳۳ پر احکام سورت کا پہلا حصہ ختم ہوگیا اور ۳٤ سے سلسلۂ بیان تذکیر وموعظت کی طرف متوجہ ہوگیا ہے، تاکہ ازدواجی زندگی اور جنسی پاکیزگی کے جو احکام دیے گئے ہیں ان کے فہم و عمل کے لیے طبیعتیں مستعد ہو جائیں . یہ قرآن کا عام اسلوب بیان ہے کہ وہ احکام ونواہی کو بھی موعظت کے پیرایے میں بیان کرتا ہے، قانون کی کتابوں کی طرح بیان نہیں کرتا .

چنانچہ یہاں فرمایا : قرآن تین طرح کی باتوں پر مشتمل ہے : آیات بینات ، پچھلی قوموں کا تذکرہ اور متقیوں کے لیے موعظت . پھر ایك خاص موعظت شروع ہوئی ہے اور یکے بعد دیگرے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں : پہلی ایمان اور ایمان والوں کے کاموں کی ہے ، دوسری کفر اور اصحاب کفر کے اعمال کی . تشریح آخر میں ملے گی .

زُجَاجَةٍ ۚ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا
كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ
شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ
لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ
زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ
تَمْسَسْهُ نَارٌ ۚ نُوْرٌ عَلٰى
نُوْرٍ ۗ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ
مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ
الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ
بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ٣٥

قندیل ہے (١٢٣)، قندیل میں چراغ، چراغ شیشے کے کنول میں، شیشے کا کنول اس درجہ صاف و شفاف جیسے ایك چمکتا ہوا ستارہ، زیتون کے مبارك درخت کے تیل سے اسے روشن کیا گیا. (اس کی روشنی) نہ تو پورب کے رخ (ہوئی) نہ پچھم کی طرف، تیل کی صفائی کا یہ حال کہ اگر آگ نہ چھوئے جب بھی معلوم ہو آپ ہی آپ روشن ہو جائے گا، گویا ایك روشنی پر دوسری روشنی ہوئی! اللہ جسے چاہتا ہے اپنی روشنی کی راہ پر لگا دیتا ہے اور وہ لوگوں کے سمجھنے بوجھنے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے. اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں! ٣٥

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ ٣٦

ان گھروں میں جن کے لیے اللہ نے حکم دیا کہ بلند کیے جائیں اور ان میں اس کا نام لیا جائے، لوگ صبح و شام اس کی تسبیح میں زمزمہ سنج رہتے ہیں ٣٦ ۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۙ ٣٧

ایسے لوگ جنھیں کوئی دھندا اس کی یاد سے اور نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائگی سے غافل نہیں کرسکتا، نہ تو سوداگری کا کاروبار، نہ جنس و مال کی بکری! وہ اس (آنے والے) دن سے ڈرتے ہیں جس کی ہولناکی سے دل الٹ جائیں گے اور آنکھیں پھری کی پھری رہ جائیں گی! ٣٧ ۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ

(وہ یہ سب کچھ کیوں

مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ٣٨

کرتے هیں؟) اس لیے که الله انهیں ان کے کاموں کا بهتر سے بهتر بدلا دے اور (صرف اتنا هی نهیں بلکه) اپنے فضل سے ان کا اجر اور زیاده کر دے۔ وه جسے دینا چاهتا هے، بے حساب دے دیتا هے۔ ٣٨

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۙ ٣٩

مگر جنهوں نے کفر کی راه اختیار کی تو (ان کا حال دوسرا هے) ان کے کاموں کی مثال ایسی هے جیسے ریگستان میں نظر کا دھوکا (١٢٤) که پیاسا اسے پانی سمجھ کر دوڑے، مگر جب پاس پهنچے تو کچھ بھی نه پائے، هاں! الله کو اپنے پاس موجود پائے جو اس (کی سعی لا حاصل) کا پورا پورا حساب چکا دیتا هے اور وه حساب چکانے

میں بڑا ہی تیز ہے ٣٩ .

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۞ ٤٠ ع ٥ ١١

یا پھر ان کی مثال ایسی سمجھو جیسے گہرے سمندر کی اندھیری اور سمندر کو لہروں (کی چادر) نے ڈھانك رکھا ہو، ایك لہر کے اوپر دوسری لہر اور لہروں کے اوپر بادل چھایا ہوا. گویا تاریکیاں ہی تاریکیاں ہوئیں، ایك تاریکی پر دوسری تاریکی. آدمی اگر خود اپنا ہاتھ نکالے تو امید نہیں که سجھائی دے. اور جس کسی کے لیے الله ہی نے اجالا نہیں کیا تو پھر اس کے لیے روشنی میں کیا حصه ہو سکتا ہے؟ ٤٠

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کیا تم نے اس بات پر نظر نہیں کی که آسمان و زمین میں

وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ جتنی مخلوقات ہیں سب اللہ کی
عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ تسبیح میں سرگرم ہیں، پرندے
وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ ٤١ بھی جو اپنے پر کھولے ہوئے
(فضا میں اڑتے رہتے ہیں) . سب نے اپنی اپنی عبادت و تسبیح
کا طریقه جان لیا ہے (اور سب اس پر کار بند ہیں). اور وہ جو
کچھ کرتے رہتے ہیں اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں ٤١ .

---

٤١ – قرآن نے جابجا اس حقیقت پر توجہ دلائی ہے کہ کائنات ہستی میں جتنی چیزیں ہیں سب اللہ کے آگے جھکی ہوئی ہیں ، سب اس کی تسبیح و تقدیس میں زمزمہ سنج ہیں ، سب اس کی عبادت میں سرگرم ہیں "و لکن لا تفقهون تسبيحهم" (١٧ : ٤٤) تمہیں ان کی تسبیح کی فہم و بصیرت نہیں . تم انہیں عالم تسبیح و تقدیس میں مگر سمجھتے نہیں .

اس تسبیح و صلاۃ کی حقیقت کیا ہے ؟ اس کی تشریح گزشتہ سورتوں کے نوٹوں میں کی جا چکی ہے، خصوصاً بنی اسرائیل کی آیت ٤٤ کے نوٹ میں اور تفسیر سورۂ فاتحہ میں . یہاں آیت ٤١ میں جو مزید اشارات کیے گئے ہیں ان کی تشریح آخر میں ملے گی .

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝٤٢

اور آسمان و زمین کی ساری پادشاهت الله هی کے لیے هے ، اسی کی طرف سب کو لوٹنا هے ! ٤٢

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝٤٣

کیا تم نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ یہ الله هی هے جو ابر کی چادروں کو آهسته آهسته چلاتا هے(١٢٥) ، پهر انهیں آپس میں جوڑ دیتا هے ، پهر انهیں اس طرح کر دیتا هے کہ ایك تہ پر دوسری تہ چڑھ جاتی هے اور سب مل جل کر ایك هو جاتے هیں (١٢٦)، پهر تم دیکھتے هو کہ اس کے اندر سے پانی کے قطرے نکل رهے هیں (اور مینہ کا سماں بندھ گیا

ھے) ۔ اسی طرح آسمان سے ٹھنڈك کے پہاڑ (١٢٧) اتارتا ھے (یعنی برف کرتی ھے اور پہاڑوں کی طرح اس کے تودے جم جاتے ھیں) ، پھر جس کو چاھتا ھے اس کا اثر پہنچا دیتا ھے ، جس کسی سے چاھتا ھے اسے ھٹا دیتا ھے ۔ اور اس عالم میں بجلی کی چمك کا یہ حال ھوتا ھے کہ معلوم ھوتا ھے بس اب آنکھیں خیرہ ھو کر رہ گئیں ٤٣ ۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

(مگر) وہ رات اور دن کا الٹ پھیر کرتا رھتا ھے (اس لیے کوئی حالت بھی یہاں یك ساں نہیں رھتی) ۔ بلا شبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے بڑی ھی عبرت ھے جو صاحب بصیرت ھیں ! ٤٤

---

٤٣ - آیت ٤٣ میں وہ استدلال ھے جسے ھم نے اپنی جدید تدوینات میں "برھان ربوبیت" سے تعبیر کیا ھے اور یہاں خصوصیت کے ساتھ اس حقیقت پر توجہ دلائی ھے جسے ھم "نظام ربوبیت" کے عنوان سے تفسیر سورۂ فاتحہ میں لکھ چکے ھیں ۔ ضروری ھے کہ اس موقع پر اس مبحث کا مطالعہ تازہ کر لیا جائے ۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ط يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٤٥	اور (پھر دیکھو!) یہ اللہ ھی کی کار فرمائی ھے کہ اس نے تمام جان داروں کو پانی سے پیدا کیا ۔ ان میں کچھ ایسے ھوے جو پیٹ کے بل چلتے ھیں، کچھ ایسے ھوے کہ دو پانووں سے چلتے ھیں، کچھ

ایسے جو چار پانووں سے چلے ۔ اللہ جو چاھتا ھے پیدا کرتا ھے، اس کی قدرت سے کوئی چیز باھر نہیں! ٤٥

٤٥ - قرآن نے یہاں آیت ٤٥ میں اور بعض دوسرے مقامات میں اس حقیقت کا اعلان کیا ھے کہ تمام جان دار اجسام کی پیدایش پانی سے ھوئی ۔ چوں کہ زندگی کی ابتدائی پیدایش کے بارے میں طرح طرح کے دور از کار خیالات پھیلے ھوے تھے، اس لیے اس آیت کی تفسیر میں مفسروں کو حیرانیاں پیش آئیں ۔ بعضوں نے اس کا مطلب یہ بتانا چاھا کہ تمام جان داروں کی زندگی کا =

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ	بلا شبہ ہم نے ایسی آیتیں
مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ	نازل کر دی ہیں جو (حقیقت
مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ	حال) روشن کر دینے
مُّسْتَقِيْمٍ ۞ ٤٦	والی ہیں اور اللہ جسے

چاہتا ہے (کام یابی کی) سیدھی راہ دکھا دیتا ہے ۴٦

= دار و مدار پانی پر ہے۔ بعض اس طرف گئے کہ پانی سے مقصود نطفہ ہے۔ حالانکہ اگر آیت کے صاف صاف مطلب پر قناعت کر لیتے تو وہ وقت دور نہ تھا جب خود انسانی علم کی کاوشیں اسی حقیقت کا اعلان کرنے والی تھیں۔ چنانچہ اب علم الحیات کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اجسام حیہ کی ابتدائی نشو و نما پانی ہی میں ہوئی ہے اور پانی ہی کے حیوانات نے بتدریج خشکی کے حیوانات کا چولا پہنا ہے۔

٤٦ – آیت ٤٦ پر موعظت ختم ہو گئی ہے اور خاتمہ اس اعلان پر ہوا کہ "لقد انزلنا اٰیٰت مبینٰت" الخ، ہم نے اس موعظت میں ایسی دلیلیں بیان کر دی ہیں جو ہر طالب حق کے آگے عرفان حقیقت کی روشنی نمایاں کر دیتی ہیں اور سعادت کی صراط مستقیم وہ اپنے سامنے پا لیتا ہے۔ =

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ	اور (دیکھو!) یہ لوگ کہتے
وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ	ہیں: ہم اللہ اور اس کے رسول

= اب پچھلی موعظت کے دلائل پر بار بار غور کرو اور دیکھو وہ "مبین" یعنی حقیقت واضح کر دینے والی دلیلیں ہیں یا نہیں!

اس موقع پر یہ بات بھی یاد کر لو کہ قرآن جن دلیلوں کو عرفان حقیقت کی راہ روشن کر دینے والی دلیلیں قرار دیتا ہے وہ یہ دلیلیں ہوئیں، نہ کہ ہمارے گھڑے ہوے منطقی مقدمات۔ یہ حقیقت امام رازی نے آخر عمر میں پائی جیسا کہ آخری مصنفات میں اعتراف کیا ہے۔ اگر پہلے پا لیتے تو اس بے کار کی زحمت سے بچ جاتے جو تفسیر کبیر لکھنے میں انھوں نے برداشت کی اور تمام پچھلے مفسروں کے لیے ایک غلط رہ نمائی کا نشان راہ چھوڑ گئے!

اس کے بعد سلسلۂ بیان ایک نہایت اہم بنیادی معاملے پر متوجہ ہو گیا ہے، یعنی احکام و قوانین حق کی کامل اطاعت و انقیاد کی ضرورت۔ کیوں کہ جماعت کے تزکیہ و سعادت کا تمام تر دار و مدار اسی بات پر تھا اور معاشرتی احکام کے اعلان کے بعد خصوصیت کے ساتھ اس پر زور دینا ضروری تھا۔

پر ایمان لائے اور اس کی يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ
اطاعت کی، پھر یہ سب کچھ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَآ اُولٰٓئِكَ
کہہ دینے کے بعد انہیں میں بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝٤٧
ایك فریق ہے جو (اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے) رخ
پھیر لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ سرے سے مؤمن
ہی نہیں ہوئے! ٤٧

اور جب ان لوگوں کو اللہ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
اور اس کے رسول کی طرف لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ
بلایا جاتا ہے کہ انؐ کے درمیان مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝٤٨
فیصلہ کر دیا جائے تو (دیکھو!) اچانك ان میں ایك فریق
نکلتا ہے جو یك قلم رخ پھیرے ہوئے ہے! ٤٨

اور اگر کوئی معاملہ ایسا وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ
ہوتا ہے جس میں حق ان کے يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝٤٩
ساتھ ہوتا ہے تو پھر (کبھی رخ نہیں پھیرتے اور) اللہ کے
رسول کے پاس سر جھکائے دوڑتے چلے آتے ہیں! ٤٩

---

٤٧ تا ٤٩ - آیت ٤٧ میں ان لوگوں کی حالت بیان کی =

اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ	کیا ان کے دلوں کو روگ
ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ	لگ گیا ہے؟ کیا وہ شک

= ہے جنھوں نے زبان سے تو ایمان کا اقرار کر لیا تھا، لیکن داوں میں اترا نہیں تھا. وہ اپنے اقرار و ادعا میں پورے مؤمن تھے، مگر عمل میں پورے منکر! قرآن نے انھیں "منافق" کے لقب سے یاد کیا ہے اور سورۂ توبہ کی تشریحات میں اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں.

یہاں ان لوگوں کے مؤمن ہونے کی نفی کی ہے جو زبان سے تو اطاعت حق کا اقرار کریں، لیکن عمل کا یہ حال ہو کہ وقت پر صاف رخ پھیر لیں. آیت ٤٩ میں فرمایا: اگر کوئی قضیہ ایسا ہوتا ہے جس میں وہ اپنے کو بر سر حق پاتے ہیں تو فوراً پیغمبر اسلام کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر دیتے ہیں، کیوں کہ سمجھتے ہیں یہاں کا فیصلہ حق و انصاف کا فیصلہ ہوگا اور اس قضیے میں انصاف ہمارے ساتھ ہے. لیکن جن قضیوں میں انصاف کا تقاضا ان کے خلاف ہوتا ہے ان میں پیغمبر اسلام کے محاکمے سے ہمیشہ بچنا چاہیں گے، کیوں کہ سمجھتے ہیں یہاں کا فیصلہ ان کی غرض مندی کے لیے مفید نہیں ہو سکتا!

يَحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ — میں پڑ گئے ھیں؟ کیا انہیں

وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ — اندیشہ ھے کہ اللہ اور اس کا

٦ ع ١٢ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ع ٥٠ — رسول ان کے بارے میں زیادتی

نہ کر بیٹھے؟ نہیں! اصل یہ ھے کہ خود یہی ھیں جو انصاف کا خون کرنے والے ھیں! ٥٠

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ — مؤمنوں کی شان تو یہ ھے کہ

اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ — جب اللہ اور اس کے رسول کی

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ — طرف فیصلے کے لیے بلائے

يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ — جائیں تو ان کا جواب اس کے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥١ — سوا کچھ نہ ھو کہ "ھم نے

حکم سنا اور حکم مانا"۔ یقیناً ایسے ھی لوگ ھیں جو (دنیا و آخرت میں) کام یاب ھوے! ٥١

---

٥١ - آیت ٥١ کا تعلق اگرچہ معاملۂ قضا سے ھے، لیکن منشاء اس کا عام ھے۔ یہاں سے معلوم ھو گیا کہ جب قرآن و سنت کا کوئی فیصلہ مسلمانوں کے سامنے آجائے تو انہیں فوراً "سمعنا و اطعنا" کہہ کر اس کے=

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ ٥٢

اور (یاد رکھو!) جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کی، اللہ سے ڈرا اور پرہیزگاری کی راہ چلا تو بس ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنی مراد کو پہنچے ٥٢ .

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں نے (یعنی منافقوں نے) بڑی

= آگے جھک جانا چاہیے اور سارے حیلوں اور حجتوں کا خاتمہ ہو جانا چاہیے. پھر یہ جو لوگوں نے مختلف اماموں اور پیشواؤں کے اقوال و آراء کو اپنی تقلید و اطاعت کا مرکز بنا رکھا ہے اور قرآن کی کوئی آیت، سنت کی کوئی تصریح، عقل و درایت کی کوئی روشنی بھی ان کا رخ اس خود ساختہ قبلہ سے نہیں پھرا سکتی، کیا وہ ایسے طریقے کو ایمان باللہ و رسولہ کا سچا طریقہ کہہ سکتے ہیں؟ اگر ان کے سامنے اللہ اور اس کے رسول کا فرمان پیش کیا جائے تو ان کی زبانوں کو حرکت نہ ہوگی، لیکن جونہیں ان کے مشایخ و فقہاء کا قول سامنے آ جائے بے اختیار پکار اٹھیں کے ''سمعنا و اطعنا''!

لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ | سخت قسمیں کھا کھا کر کہا

طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ | "(ہم تو آپ کے فرمان بردار

خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۵۳ | ہیں) کہ اگر حکم دیجیے تو

ابھی (گھر بار چھوڑ کر) نکل کھڑے ہوں". ان لوگوں سے کہہ دے: قسمیں نہ کھاؤ (اس سے کچھ نہیں بنتا). اصلی بات جو مطلوب ہے وہ تو اطاعت ہے، سمجھی بوجھی ہوئی اطاعت (۱۲۸) (نہ کہ زبان کی قسمیں). تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی (پوری پوری) خبر رکھنے والا ہے! ۵۳

---

۵۳ - سچے آدمی کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ کبھی قسمیں کھا کھا کر اپنی سچائی کا یقین نہیں دلائے گا. وہ سیدھے سادے طریقے پر ایک بات کہہ دے گا اور سمجھے گا میں نے جو کچھ کہا ہے سچ ہے اور ضروری ہے کہ ہر آدمی اسے سچ ہی سمجھے:

بکیش صدق و صفا حرف عہد بی کار است
نگاہ اہل محبت تمام سوگند است

لیکن جس کے دل میں چور ہوگا وہ بات بات پر قسمیں کھائے گا اور دس دس مرتبہ اپنی سچائی کا یقین دلائے گا، کیوں کہ وہ جانتا ہے جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ نہیں اور=

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا	نیز کہہ دے "اللہ کی اطاعت
الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا	کرو اور اللہ کے رسول کی
عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ	اطاعت کرو (ایمان کی راہ
مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ	اس کے سوا اور کچھ نہیں
تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ	ہو سکتی). اور اگر تم نے
اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ ٥٤	روگردانی کی تو (اس کا نتیجہ

خود تمہیں کو بھگتنا ہے) جو ذمے داری رسول کے سر ڈالی گئی ہے اس کی جواب دہی اس کے سر ہے، جو ذمے داری

= کوئی وجہ نہیں کہ سننے والا بھی اسے سچ سمجھے۔

آیت ٥٣ میں منافقوں کی اسی روش کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا: وہ قسمیں کھا کھا کر اپنی اطاعت و انقیاد کا یقین دلاتے ہیں، حالانکہ ان کا عمل انہیں صاف جھٹلا رہا ہے۔ ان سے کہہ دو: قسموں سے کچھ نہیں بنتا، اصل شے جو مطلوب ہے وہ عمل ہے۔

آگے چل کر سورۂ نون میں تمہیں بدکردار آدمیوں کا سب سے پہلا نمایاں وصف یہی ملے گا کہ "حلاّف" ہوتے ہیں، یعنی بہت قسمیں کھانے والے (٦٨ : ١٠)۔

تم پر عائد هو گئی هے اس کے لیے جواب ده تم هو. اگر اس کی اطاعت کرو گے راه پاؤ گے. اور الله کے رسول کے ذمے تو اس سے زیاده کچھ نهیں که (پیام حق) صاف صاف پهنچا دے! ٥٤

٥٤ - آیت ٥٤ جوامع کلمات میں سے هے. چند لفظوں کے اندر وه سب کچھ واضح کر دیا جو تبلیغ دین کے مقاصد و نتائج کے باب میں کها جا سکتا هے. جس قدر غور کرتے جاؤ گے مطالب کا دائره وسیع هوتا جائے گا. فرمایا: تمام باتوں کا خلاصه یه هے که الله اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو. یهی سعادت کی راه هے اور اسی میں ساری باتیں آ گئیں. اور اگر تم الله کے رسول سے روگردانی کرتے هو تو اس کا خمیازه خود تمهیں کو بهگتنا هے، کسی دوسرے کا کچھ نهیں بگڑے گا. اس کے ذمے یه بات نهیں ڈالی گئی هے که تمهیں جبراً کسی نه کسی طرح اپنی راه چلا کر هی چهوڑے. اس کی ذمے داری تو صرف اتنی هے که پیام حق پهنچا دے. سننا، سمجهنا اور کار بند هونا یه تمهارا فرض هے. اگر ادا کرو گے کام یاب هو گے، انکار کرو گے هلاکت میں پڑو گے. رسول تمهارے عمل کے لیے ذمے دار نهیں!

غور کرو! ان چند لفظوں نے مهمات مسائل عمل کے ـــ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۵۵

جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور ان کے عمل بھی اچھے ہیں ان سے اللہ کا وعدہ ہوا کہ زمین کی خلافت انھیں عطا فرمائے گا، اسی طرح جس طرح ان لوگوں کو دے چکا ہے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ نیز ایسا بھی ضرور ہونے والا ہے کہ ان کے دین کو کہ ان کے لیے پسند کر لیا گیا ہے، ان کے لیے جما دے اور خوف و خطر کی زندگی کو امن و امان کی زندگی سے بدل دے۔ وہ (بے خوف و خطر) میری بندگی میں لگے رہیں گے اور میرے ساتھ

= کتنے گوشوں کا احاطہ کر لیا ہے! اگر دنیا قرآن کی صرف اس ایک آیت کا مطلب اچھی طرح سمجھ لے تو اختلاف فکر و عمل کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں!

کسی ہستی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے ۔ پھر جو کوئی اس کے
بعد بھی نا شکری کرے تو ایسے ہی لوگ ہیں جو نا فرمان
ہوے ۵۵ ۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا اور چاہیے کہ نماز کا اھتمام
الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کرو ، زکوٰۃ ادا کرنے میں
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ سرگرم رھو اور اللہ کے رسول
کا کہا مانو ۔ کچھ بعید نہیں کہ رحمت الٰہی کے سزاوار ہو! ۵۶

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (اے پیغمبر!) ایسا خیال نہ کرنا
مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ کہ جن لوگوں نے کفر کی راہ
۷ ع ۱۳ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ اختیار کی ھے وہ ایسے ھیں
کہ (اس) سرزمین میں (سب کو) عاجز کر دیں ۔ (نہیں! انھیں خود
ایک دن سچائی کے آگے عاجز ھو کر کرنا ھے) اور (بالآخر) ان کا
ٹھکانا دوزخ ھے ، ٹھکانا پانے کی کیا ھی بری جگہ! ۵۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ مسلمانو! جو آدمی تمہارے
الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ زیردست ھیں (یعنی لونڈی غلام)

وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ
مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۚ مِنْ قَبْلِ
صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ
ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ ۢ
بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۟ۛ ثَلٰثُ
عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ ۢ بَعْدَهُنَّ ۚ
طَوّٰفُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ
عَلٰى بَعْضٍ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ۝ ٥٨

اور جو تم میں ابھی بلوغت کو نہیں
پہنچے انہیں چاہیے کہ ان تین
وقتوں میں تمہارے پاس آئیں
تو اجازت لے کر آئیں : صبح
کی نماز سے پہلے ، دوپہر کے
وقت جب (آرام کرنے کے لیے)
کپڑے اتار دیا کرتے ہو ،
نماز عشاء کے بعد . یہ تین وقت
تمہارے پردے کے وقت ہوے .
ان وقتوں کے سوا باقی وقتوں
میں کوئی گناہ کی بات نہیں ،

نہ تو تمہارے لیے نہ ان کے لیے . ان کا تمہارے پاس برابر آنا
جانا رہتا ہے . تم میں سے ایک کو دوسرے کے پاس آنے کی

ضرورت اسکی رہتی ہے . تو (دیکھو!) اس طرح اللہ کھول کھول کر احکام بیان کر دیتا ہے . وہ سب کچھ جاننے والا اور اپنے کاموں میں حکمت والا ہے ! ٥٨

وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ	اور جب تمہارے بچے باوغت
الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا	کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ
اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ	جس طرح ان سے بڑے اجازت
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ	لے کر داخل ہوا کرتے ہیں
وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٥٩	اسی طرح وہ بھی اجازت

لے کر داخل ہوں . اس طرح اللہ کھول کھول کر احکام بیان کر دیتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا ، (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے ! ٥٩

٥٨ - آیت ٢٧ میں استئذان کا حکم دیا تھا ، یعنی جب کسی کے یہاں جاؤ تو اجازت لے کر مکان میں داخل ہو . یہاں اس امر پر توجہ دلائی ہے کہ خود اپنے گھر کے اندر بھی ایک دوسرے کے کمرے میں جاتے ہوئے استئذان ضروری ہے . تشریح اس کی آخر میں ملے گی .

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِي لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝٦٠

اور بوڑھی عورتیں جنھیں نکاح کی اب امید نہیں رہی، اگر اپنے (اوپر کے) کپڑے (یعنی چادر وغیرہ) اتاردیں تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں، بشرطیکہ اپنے بنا ؤچناؤ کا دکھاوا منظور نہ ہو۔ اور اگر اس سے بھی احتیاط رکھیں تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتر بات ہوگی۔ اور الله سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے! ٦٠

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

اگر ایک آدمی اندھا ہو یا لنگڑا ہو یا بیمار ہو تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں، اور خود تمھارے لیے بھی کوئی حرج نہیں کہ اپنے گھر سے

اَبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ	کھانا کھاؤ، یا ایسے گھروں
اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ	سے کھاؤ جو تمہارے باپ،
اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ	ماں، بھائی، بہن، چچا، پھوپی،
اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ	ماموں، خالہ کے گھر ہوں، یا ان
اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ	لوگوں کے جن کی کنجیاں
اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ	تمہارے اختیار میں ہوئیں
اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ	یا دوستوں کے گھر ہوں .
جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا	اور اس میں بھی کوئی گناہ کی
اَوْ اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ	بات نہیں کہ تم سب مل کر
بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓي	کھانا کھاؤ یا الگ الگ .
اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	پھر جب ایسا ہو کہ تم کسی
مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ	گھر میں داخل ہو تو چاہیے
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ	کہ اپنے لوگوں پر سلام بھیجو،

٨ ع ١٤ تَعْقِلُوْنَ ع ٦١ ایك دعا جو الله کی طرف سے
ٹھیرا دی گئی ہے ، مبارك اور پاکیزہ ۔ اس طرح الله اپنے
احکام کھول کھول کر بیان کردیتا ہے تاکہ تم سمجھو بوجھو! ٦١

٦١ - معذوروں کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور بیماروں کو کراہیت کی نظر سے ، اس لیے ان کے ساتھ کھانا پینا پسند نہیں کرتے تھے ۔ عام رجحان یہ تھا کہ ایسوں سے بچے رہنا چاہیے ۔ اسلام آیا تو اس نے اس طرح کے تمام جذبات مٹا دینے چاہے ۔ چنانچہ اس کی تعلیم کے اثر سے اب لوگ سنبھل گئے تھے، لیکن پھر بھی پچھلے اثرات کبھی کبھی ابھر آتے تھے ۔ خود معذوروں اور بیماروں میں بھی جو خود دار طبیعتیں تھیں وہ پسند نہیں کرتیں کہ دوسروں کے ساتھ کھانے پینے کے لیے بیٹھ جائیں اور اپنے کو کسی کی کراہیت و حقارت کا نشانہ بنائیں ۔

علاوہ بریں باہمی ارتباط و یگانگت کے لیے ضروری تھا کہ کھانے پینے کے معاملے میں کسی طرح کا تکلف وحجاب باقی نہ رہے ۔ لوگ ایك دوسرے کے یہاں بے تامل کھائیں پییں ۔ ہر آدمی اپنے دستر خوان کو دوسروں کے لیے کشادہ رکھے اور دوسرں کے دستر خوان کو=

= اپنا دسترخوان سمجھے. لیکن اس بارے میں طرح طرح کی رکاوٹیں لوگوں نے بنا رکھی تھیں . ایك خاندان کے مختلف رشتے دار بھی ایك دوسرے کے گھر کو اپنا گھر تصور نہیں کرتے تھے .

پھر ایك اور بھی رسم تھی اور گو وہ ایك بہت بڑی خوبی کے دروازے سے آئی تھی ، لیکن اس کی پابندی کا التزام اب تکلف کی حد تك پہنچ گیا تھا ، یعنی اکیلے کھانے کو برا سمجھنا اور کسی نہ کسی مہمان کی ڈھونڈھ میں ضرور رھنا ، نہ ملے تو راہ چلتے کی جستجو کرنا . یہ بات فیاض طبعی اور مہمان نوازی کی راہ سے آئی تھی ، جیسا کہ حاتم نے کہا ھے :

اذا ما صنعت الزاد فالتمسي له

اكيلاً فـاني لست آكله وحدي

لیکن پھر بعض لوگوں نے یہاں تك اس کا التزام کرلیا کہ ھر حال میں اکیلے کھانے کو برا سمجھنے لگے . اس سے معیشت کی آزادہ روی میں خواہ مخواہ ایك نئی رکاوٹ پیدا ھوگئی . آیت ٦١ میں انہیں امور کی اصلاح کی ھے .

فرمایا : نہ تو معذور اور بیمار اپنے عزیزوں اور دوستوں =

= کے ساتھ کھانے میں مضائقہ کریں، نہ لوگوں کو اس میں مضائقہ ہونا چاھیے . اس میں کوئی تکلف نہیں ہونا چاھیے کہ تم نے اپنے گھر میں کھانا کھایا یا اپنے عزیزوں اور دوستوں کے یہاں کھایا . کھانے کا معاملہ ایسا معاملہ ھے جس میں کسی طرح کا امتیاز من و تو نہیں ھونا چاھیے . ھر عزیز و دوست کے گھر کو بلا تکلف و حجاب اپنا گھر تصور کرو اور اپنے گھر کا دروازہ تمام عزیزوں اور دوستوں کے لیے کھلا رکھو . اگر خود داری کے بے جا خیالات اور تکلفات کی بے جا بندشیں اس معاملے میں راہ پا جائیں گی تو باھمی اخوت کی وہ بے داغ زندگی پیدا نہ ھوگی جو قرآن چاھتا ھے کہ انسانی مجامع میں پیدا ھو جائے .

پھر اس دائرے کو یہاں تک وسیع کیا کہ فرمایا " ماملکتم مفاتحہ " ان لوگوں کے گھر جن کی کنجیاں تمھاری سپردگی میں ھوں . یعنی اگر کوئی عزیز یا دوست اپنا گھر سپرد کردے اور گھر میں کھانے کا سامان ھو تو اسے برتنے میں تکلف نہیں کرنا چاھیے اور ایسا نہیں سمجھنا چاھیے کہ یہ کوئی عیب کی بات ھوگی .

"مل کر کھاؤ یا الگ الگ، کوئی مضائقہ نہیں" ۔
یعنی اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ کوئی ساتھی نہ ہو تو اکیلے کھالینے کو علوء نفس اور فیاض منشی کے خلاف سمجھ کر بہ تکلف نہ رکو۔ خوبی کی بات تو یہی ہے کہ دسترخوان پر اکیلے نہ بیٹھیں، لیکن اگر اتفاقاً ایسی ہی صورت پیش آگئی ہے تو اکیلے ہی بیٹھ جائیں گے۔ اکیلا بیٹھ کر کھالینا کوئی برائی کی بات نہیں۔

آیت کے آخر میں سلام کرنے کا حکم دیا ہے "فسلموا علی انفسکم"۔ اس سے پہلے آیت ۲۷ میں بھی سلام کا حکم گزر چکا ہے، لیکن وہاں ذکر اس بات کا تھا کہ آدمی دوسرے کے گھر جائے تو کس طرح جائے؟ یہاں عام طور پر حکم دیا کہ جب گھروں میں داخل ہو، خواہ خود تمہارا گھر ہو، خواہ کسی دوسرے کا تو آپس میں ایک دوسرے کو سلام کر لیا کرو۔ یہ ظاہر ہے کہ یہاں گھر سے مقصود در و دیوار نہیں۔ پس ماحصل یہ ہوا کہ جب کبھی ایک آدمی دوسرے آدمی سے ملے تو اسے پہلی بات یہ کرنی چاہیے کہ سلام کرے۔

اس آیت میں خطاب اگرچہ مسلمانوں سے ہے، لیکن سلام کرنے کے معاملے میں شرعاً مسلمان اور غیر مسلمان کی=

= خصوصیت نہیں ۔ مسلمان جس کسی کے گھر جائے گا اور جس کسی سے ملے گا ، کہے گا " السلام علیکم " تم پر سلامتی ہو ۔ کیوں کہ مسلمان ہر انسان کے لیے امن و سلامتی چاہتا ہے ۔ وہ کسی کے لیے بھی تباہی اور ہلاکت کا خواہش مند نہیں ہو سکتا ۔ چنانچہ تاریخ نے خود پیغمبر اسلام اور ان کے صحابہ کا طرز عمل آج تک محفوظ رکھا ہے ۔ وہ جب کسی سے ملتے تھے تو اس پر سلامتی بھیجتے تھے ، خواہ مسلمان ہو ، خواہ غیر مسلمان ۔

ایک دوسرے سے ملتے ہوئے اور رخصت ہوتے ہوئے سلامتی کا کلمہ کہنا سامی اقوام کی نہایت قدیم رسم ہے ۔ تورات کے صحائف سے معلوم ہوتا ہے کہ عبرانیوں میں یہ طریقہ رائج تھا اور شعراء جاہلیت کے کلام میں مُردوں کے لیے " علیك سلام اللہ " اور زندوں کے لیے " سلام علیکم " کی ترکیبیں جا بجا آئی ہیں ۔ خود قرآن نے گزشتہ واقعات بیان کرتے ہوئے یہ ترکیب استعمال کی ہے اور سورۂ مریم میں پڑھ چکے ہو کہ حضرت ابراہیم کا اپنے باپ سے رخصت ہونا ان لفظوں میں بیان کیا گیا کہ " سلام علیك ج ساستغفر لك ربی " اچھا ! سلام ، میں رخصت ہوتا ہوں (۱۹ : ٤۷) ۔ پس =

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ	سچے مومن تو وہ ہیں جو اللہ
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول پر (سچے
وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ	دل سے) ایمان لائے ہیں اور
جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى	اگر کسی ایسے کام میں جو
يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ	لوگوں کے اکٹھے ہونے کا
يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ	کام ہے، اللہ کے رسول کے

= اسلام اس کلمے کا واضع نہیں ہے، البتہ اس نے یقین و اہتمام کے ساتھ اسے مقرر کر دیا اور اس پر اتنا زور دیا کہ سلام کا جواب دینا فرض ہو گیا۔

مصر و شام میں جہاں مسلمان اور غیر مسلمان سب عربی بولتے ہیں، آج بھی یہ بات دیکھ لی جا سکتی ہے کہ سلام کا عام کلمہ یہی "السلام علیکم" ہے۔ بعلبك کے ہوٹل کی مالکہ ایك مسیحی خاتون تھی، لیکن جب مجھے دیکھتی تھی "السلام علیکم" کہتی تھی۔ البتہ اب متوسط طبقے کے جدید تعلیم یافتہ گھرانوں نے "صبحکم اللہ بالخیر" اور "مساکم اللہ بالخیر" پر قناعت کر لی ہے اور اعلیٰ طبقے نے فرنچ کلمات اختیار کر لیے ہیں۔

الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ‌ۚ فَاِذَا اسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِبَعۡضِ شَاۡنِهِمۡ فَاۡذَنۡ لِّمَنۡ شِئۡتَ مِنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمُ اللّٰهَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝ ٦٢

ساتھ ہوتے ہیں تو کبھی اٹھ کر نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہیں لے لیتے. (اے پیغمبر!) جو لوگ ایسے موقعوں پر تجھ سے اجازت لینی چاہتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول کے سچے مؤمن ہوے. پس جب ایسے لوگ اپنے کسی ضروری کام کے لیے اجازت مانگیں تو جسے اجازت دینی مناسب سمجھے اجازت دے دیا کر اور اللہ کے حضور اس کے لیے بخشش کی دعا کر. بلا شبہ اللہ بڑا ھی بخشنے والا، بڑا ھی رحمت والا ھے! ٦٢

لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا‌ ؕ قَدۡ يَعۡلَمُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ يَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡكُمۡ

(مسلمانو!) جب پیغمبر اسلام تم میں سے کسی کو بلائیں تو ان کے بلانے کو آپس میں ایسی (معمولی) بات نہ سمجھ لو

لِوَاذًا ج فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥ [٦٣]

جیسے تم میں سے ایك آدمی دوسرے آدمی کو بلایا کرتا ہے ۔ اللہ اِن لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے جو (مجمع سے) چھپ کر کھسك جاتے ہیں ۔ حکم رسول کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو ان پر کوئی آفت آ پڑے یا عذاب دردناك سے دو چار ہوں ![٦٣]

---

٦٢ و ٦٣ - سورت کے آخر میں پھر اطاعت رسول پر زور دیا ہے ، کیوں کہ بغیر اس کے احکام و قوانین کے انقیاد کی سچی روح پیدا نہیں ہو سکتی تھی ۔

پیغمبر اسلام جب کبھی کسی اہم معاملے کے لیے لوگوں کو جمع کرتے تو منافق دکھاوے کے لیے آجاتے ، پھر نظر بچا کے کھسك جاتے ۔ فرمایا : مؤمنوں کا یہ شیوہ نہیں ۔ انھیں جب کسی اہم معاملے کے لیے طلب کیا جائے جو جماعت و امت کی مصلحت کا معاملہ ہے تو چاھیے کہ پوری طرح جی لگا کے اس میں حصہ لیں اور جب تك معاملہ انجام نہ پا جائے جلسے سے اٹھنے کا نام نہ لیں ۔ ھاں ! اگر کوئی ایسی ہی مجبوری پیش آ گئی ہو =

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ	سن رکھو! آسمان و زمین میں
وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ	جو کچھ ھے سب اللہ ھی کا
اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ	ھے . وہ خوب جانتا ھے تم
اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ	جیسی کچھ چال چل رھے ھو .
ع ٩ ١٥ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۟ ٦٤	جس دن یہ لوگ اللہ کے حضور

لوٹا کر لائے جائیں گے ، اس دن وہ انھیں بتا دے گا کہ ان کے کام کیسے کچھ رہ چکے ھیں اور اللہ کے علم سے تو کوئی چیز باھر نہیں ! ٦٤

= تو اٹھ سکتے ھیں ، مگر نظر بچا کے نہیں ، رخصت لے کر .

پھر متنبہ کیا کہ اللہ کے رسول کے بلانے کو ویسا بلانا نہ سمجھو جیسا آپس میں ایك دوسرے کا بلاوا سمجھتے ھو . اس کی ھر صدا تمھارے لیے قانون ھے اور ھر بلاوا واجب التعمیل !

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ھو گئی کہ جو شخصیت جماعت کی ھدایت و قیادت کا مرکز ھو ، ضروری ھے کہ اس کی صدائیں احترام کے ساتھ سنی جائیں . ورنہ نظم جماعت درھم برھم ھو جائے گا .

حواشی ترجمان القرآن ج - ٤

عبارت حاشیه	صفحه نمبر	حاشیه نمبر
پانی کو مٹھی میں لینا چاھو تو وہ کسی جمی ھوئی چیز کی طرح کبھی مٹھی میں نہیں آئے گا۔ اس لیے عربی میں کہتے ھیں : فلاں آدمی قبض علی الماء کی کوشش کرتا ھے، یعنی ایسی بات کے در پے ھے جو ملنے والی نہیں ۔ اردو میں بھی کہتے ھیں : پانی مٹھی میں بند کرنا چاھتا ھے ۔ پس یہاں فرمایا: جو لوگ اپنے بنائے ھوے معبودوں کو پکارتے ھیں ان کی مثال ایسی ھے جیسے کوئی پیاسا مٹھی میں پانی بند کرنا چاھے، حالانکہ یہ بات ھونے والی نہیں ۔ وہ کتنی ھی مرتبہ پانی کو مٹھی میں لے گا پانی ٹکنے گا نہیں اور اس کے لب تشنہ کے تشنہ ھی رہ جائیں گے ۔	٢١	١

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
٢	٩٣	شرح التبریزی علی الحماسہ، جلد ٣ صفحہ ١٣٥، طبع مصر. قس بن ساعدۃ الایادی کی طرف جو خطبہ منسوب ہے اس میں بلا شبہ "بُرج" کا لفظ آیا ہے: لیل داج و سماء ذات ابراج. لیکن اول تو اس کی صحت بہت مشکوک ہے، ثانیاً اس میں بھی برج کا استعمال لغوی معنی میں ہو سکتا ہے، ضروری نہیں کہ مصطلحۂ فلکیین ہو. عربی میں "برج" کے اصلی معنی ظہور و نمایش کے ہیں اور اسی سے "تبرج" ہے، زینت کی نمایش کرنا. پھر اس کا اطلاق قصر، محل، منزل اور شاہ راہ پر بھی ہونے لگا کہ یہ تمام چیزیں ظاہر و نمایاں ہوتی ہیں.
٣	١٧٣	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں ترجمہ اس طرح ہے: ہے کہ (اللہ کی صفتوں کا) برا تصور کریں، حالانکہ اللہ تعالی کے لیے تو (ہر اعتبار سے) بلند ترین تصور ہے.
٤	١٩٨	"تشخص" سے یہاں مقصود تصور کی وہ

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		نوعیت هے جسے انگریزی میں پرسنل گاڈ (Personal God) سے تعبیر کیا جاتا هے .
٥	١٩٨	سلبی تصور سے مقصود یه هے که صرف نفی کی جائے ، اثبات نه هو . یعنی کہا جائے : وه ایسا نہیں هے ، ایسا نہیں هے ، ایسا نہیں هے ، مگر یه نه کہا جائے که اس میں یه یه صفتیں هیں ، مثلا وه رحیم هے ، علیم هے ، پروردگار هے .
٦	٢٠٤	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں مندرجۂ ذیل فقره بهی هے اور لفظ حکماء پر نوٹ هے : ''اور اس کے بعد بدھ مذهب کے حکماء نے''. انیسویں صدی میں جن مستشرقین نے بدھ مذهب کی تحقیقات کی ان میں سے اکثر اس غلط فہمی میں مبتلا هو گئے که گوتم بدھ کے عقیدے میں خدا کے لیے کوئی جگه نه تهی ، لیکن اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا هے که یه بدھ مذهب کی زیاده سے زیاده غلط تعبیر هے ، جہاں تك خدا کے اعتقاد و تصور کا تعلق هے ، گوتم بدھ نے بهی وهی راه اختیار کی جو اپنشد کی هے ،

حاشیه نمبر	صفحة نمبر	عبارت حاشیه
		لیکن اس پر حقیقت کے اطلاق کا استغراق اس درجه طاری هو گیا تها که کوئی مثبت بات اس بارے میں نه کہه سکا. اس کا مسلك انکارِ ذات کا نه تها، نفی صفات کا تها. یه خیال بهی صحیح نهیں هے که اس نے زندگی میں رنج و عذاب کے سوا کچھ نه دیکها اور نجات کی راه اس کے نزدیك ترك و فنا میں هے. وه زندگی کے رنج و عذاب کا یقین ضرور پیدا کرنا چاهتا هے، لیکن اس لیے که رنج و عذاب سے نکلنے اور طمانیت و سعادت حاصل کرنے کی طلب پیدا کرے. اس نے نجات کی راه ترك خواهشات نهیں قرار دی هے، بلکه "درمیانی راه" پر زور دیا هے، یعنی نه تو خواهشوں کا استغراق اور نه ترك، بیچ کی راه. میں خود بهی عرصے تك اسی غلط فهمی میں مبتلا رها. لیکن اب مطالعه و تحقیق کے بعد اس رائے کی غلطی واضح هو گئی هے.
٧	٢٢٤	بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق (م).

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
۸	۳۲۳	بخاری ، باب کیف کان بدء الوحی (م) .
۹	»	مسلم ، باب الاسـراء ، ص ٦٩ ، ج ۱ ، مطبـع مصطفی البابی ، مصر (م) .
۱۰	۳۲۵	بخاری ، کتاب بدء الخلق ، باب حدیث الاسراء ، ص ۲۰۲ ، ج ۲ ، مطبع بہیہ ، مصر (م) .
۱۱	۳٤٤	مندرجۂ ذیل عبارت پہلے اور دوسرے اڈیشن میں نہیں ھے : " خدا کے لیے ...... قالوا و ما الرحمن " .
۱۲	۳٥٦	قرآن میں " ورق " کا لفظ ھے . " ورق " چاندی کے ٹکڑے کو کہتے ھیں ، خواہ مسکوک ھو خواہ مسکوک نہ ھو . لیکن قرینہ کہہ رھا ھے کہ مقصود سکہ تھا ، اس لیے ھم نے ترجمے میں یہی لفظ اختیار کیا .
۱۳	۳۸۱	یعنی ھم نے ایسا ھی قانون ٹھیرا دیا ھے کہ جو سچائی سے اعراض کرتا ھے اس کے دل پر پردے پڑ جاتے ھیں . تشریح اس کی پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں بار بار گزر چکی ھے .
۱٤	٤۰۹	جنگ کے بعد اس شاہ راہ کا سراغ لگایا گیا

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
٥١		تو پوری طرح نمایاں هوگئی . اب یه اپنے اصلی خط پر دوباره تعمیر کی جا رهی هے اور عقبه سے عمان تك تعمیر هو چکی هے . آج کل جہاں عقبہ هے وهاں حضرت سلیمان نے ایك ساحلی شہر ایزین جبر (Ezion-geber) تعمیر کیا تھا ، اسی بندرگاه سے ان کے جہاز هندوستان جایا کرتے تھے اور بحر احمر کے تجارتی بیڑے کا مرکز تها (سلاطین اول - ۹ : ۲٦) .
	٤٠٩	مندرجۂ ذیل عبارت پہلے اور دوسرے اڈیشن میں نہیں هے : "عرب جاهلیه میں .... فی الکهف همد"
١٦	"	انظر "فحول الشعراء" دیوان امیة بن ابی الصلت، ص ۲۹ - (م) .
١٧	٤١٤	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں مندرجۂ ذیل عبارت بھی هے : اس تفسیر میں اشکال یه هے که عربی میں نیند کی حالت کے لیے "ضرب علی الآذان" کی تعبیر ملتی نہیں . لیکن وه کہتے هیں : یه ایك طرح کا

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		استعاره ہے ۔ گہری نیند کی حالت کو ''ضرب علی الآذان '' کی حالت سے تشبیه دی گئی ہے ۔ ففی الکلام تجوز بطریق الاستعارة التعبیة ۔
١٨	٤٢٠	عیسائیوں نے عبادت کی یه وضع غالباً رومیوں سے لی ، کیوں که یہودیوں کے اوضاع نماز میں اس وضع کا پتا نہیں چلتا ۔ ان کا رکوع تقریباً ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ہم نماز میں کیا کرتے ہیں ۔ دنیا کی مختلف قوموں نے بندگی و نیاز مندی کے اظہار کے ایسے مختلف وضعیں اختیار کر لی تھیں ۔ رومی گھٹنا ٹیك کر جھك جاتے اور بادشاہ کے قدموں کو یا دامن کو بوسه دیتے۔ مجرموں کے لیے بھی ضروری تھا که مجسٹریٹ کا فیصله گھٹنے ٹیك کر سنیں ۔ مصر، بابل اور ایران میں سجدے کی رسم پیدا ہوئی اور ہندوستان میں اوندھے منہ ہو کر بالکل لیٹ جانے کی ، و کل حزب بما لدیهم فرحون ۔
١٩	٤٢٢	مندرجۂ ذیل عبارت پہلے اور دوسرے اڈیشن

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		میں نہیں ہے :- " تیرھویں صدی میں . . . . تین اصول پر رکھی گئی تھی " .
٢٠	٤٢٩	اخرج ابن ابی حاتم و ابن مردویه عن ابن عباس قال : ان الرجل لیفسر الآیة یری انها کذلك فیهوی أبعد ما بین السماء و الأرض . ثم تلا " و لبثوا فی کهفهم ". ثم قال : کم ابث القوم؟ قالوا ثلاث مائة و تسع سنین . قال : لو کانوا لبثوا کذلك لم یقل الله " قل الله اعلم بما لبثوا " و لکنه حکی مقالة القوم فقال " سیقولون ثلاثة " الی قوله " رجما بالغیب " فأخبر انهم لا یعلمون . ثم قال : سیقولون " و لبثوا فی کهفهم ثلاث مائة سنین و ازدادوا تسعا " (فتح القدیر ـ للشوکانی ص ٢٧٠ ج ٣ مصر سنه ١٣٥٠ھ) . اس سے یه بات بھی معلوم ہوگئی که جو لوگ اس آیت کو قرآن کی تصریح قرار دیتے تھے حضرت ابن عباس کے نزدیك وہ سخت غلطی میں تھے اور حقیقت سے بالکل دور گئے تھے .

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
٢١	٤٢٩	اخرجه ابن جرير عن قتادة فى حرف ابن مسعود و قالوا "و لبثوا فى كهفهم" يعنى انما قاله الناس ، ألا ترى انه قال" قل الله اعلم بما لبثوا "(فتح القدير) .
٢٢	٤٣٠	The Paradise or Garden of the Holy Fathers, By: E.A.W. Budge The Evolution of the Monastic Ideal, By: H. Workman Five Centuries of Religion' By: G.G. Coulton The Medieval Mind, By: H.O. Taylor
٢٣	"	بخاری ، کتاب التفسیر ، سورۃ الکہف (م) .
٢٤	٤٣٧	اس تمثال کے لیے فرنچ مصنف Dieulafoy Marcel کی (L' Art antique en Perse) دیکھنی چاہیے .
٢٥	"	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں مندرجۂ ذیل فقرہ بھی ہے اور "ارتازرکسیز" پر نوٹ ہے : تمثال میں پروں کا ہونا اس کے ملکوتی صفات و فضائل کی طرف اشارہ ہے ، کیونکہ نہ صرف پارسیوں میں بلکہ تمام معاصر قوموں میں یہ اعتقاد عام طور پر پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ایک غیر معمولی نوعیت کا انسان تھا . دو سینگوں کا تخیل ابتداء میں کیونکر پیدا

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		هوا؟ کیا اس کی بنیاد دانیال نبی کا خواب تها . یا بطور خود سائرس نے یا باشندگان پارس نے یه تخیل پیدا کیا؟ اس کا فیصله مشکل هے . لیکن اگر تورات کی روایات تسلیم کرلی جائیں تو سائرس سے لیے کر ارٹازرکسیز (ارتخششت) اول تك تمام شهنشاهان پارس انبیاء بنی اسرائیل سے عقیدت رکهتے تهے اور اس لیے هوسکتا هے که اسی خواب سے "ذو القرنین" کا لقب پیدا هوگیا هو بهر حال اب اس میں شك کی کوئی گنجایش نهیں رهی که سائرس کو ذو القرنین سمجها جاتا تها اور یقیناً عرب کے یهودی بهی اسے اسی لقب سے پکارا کرتے تهے".
		ارٹازرکسیز پر مندرجۀ ذیل نوٹ هے :
		"یاد رکهنا چاهیے که شاهان فارس کے ناموں نے مختلف زبانوں میں مختلف صورتیں اختیار کر لی هیں اور اس کی وجه سے مؤرخوں نے سخت غلطیاں کی هیں . سائرس کا اصلی نام غالباً کورو یا کوروش تها جیسا که دارا کے کتبے

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		سے متون سے معلوم ھوتا ھے، لیکن یونانی اسے سائرس (Cyrus) کہنے لگے اور یہودیوں نے اس کا تلفظ خورس کی شکل میں کیا، چنانچه یسعیاہ ، یرمیاہ اور دانیال کے صحائف میں جابجا یه نام آیا ھے . اور یہی کورش ھے جس نے عربی میں خسرو کی شکل اختیار کر لی، چنانچه عرب مؤرخ اسے کے خسرو کے نام سے پکارتے ھیں . سائرس کا لڑکا کیم بی سیز (Cambyses) ھوا. یه بھی یونانی تلفظ ھے . اس کا پارسی نام کمبوجیه تھا، جس نے یہودیوں اور عربوں کی زبان پر کے قباد کی شکل اختیار کر لی . شاھنامه نے بھی اسی کو اختیار کیا، کیونکه اس کی بنیاد عربی تراجم پر تھی . کے قباد کے بعد دارایوش (Darius) ھوا، جسے عام طور پر دارا کے نام سے پکارا جاتا ھے اور تورات میں بھی یہی نام آیا ھے . دارا کے بعد ارٹازرکسیز (Artaxerxes) ھے . اسے تورات میں ارتخششت کے نام سے یاد کیا ھے اور عربوں میں اردشیر مشہور ھوگیا .

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
٢٦	٤٣٨	دارا اور اردشیر کے چند کتبوں کو اس سے مستثنی کردینا چاہیے جو مرودشت کے گرد و نواح میں موجود ہیں جہاں قدیم دارالحکومت آباد تھا ۔ ان کتبوں سے خصوصاً دارا کے کتبۂ بے ستون سے بعض اہم تاریخی انکشافات ہوے ہیں اور ہیروڈوٹس کے بعض بیانات کی تصدیق بھی ہو گئی ہے ۔
٢٧	٤٣٩	مندرجۂ ذیل عبارت پہلے اور دوسرے اڈیشن میں نہیں ہے : ”عرب مؤرخ یونانی روایات .... تاریخی افسانے پر نظر رکھتا تھا“ .
٢٨	٤٤٠	دارا کے کتبۂ بے ستون میں اس کا نام مادا آیا ہے ، اس لیے میڈیا یونانی تلفظ سمجھنا چاہیے ۔ عرب مؤرخوں نے اسے ماہات، سے تعبیر کیا ہے ۔
٢٩	٤٤١	دارا نے بے ستون کے کتبے میں اپنا سلسلۂ نسب ہخامنش نامی بادشاہ سے ملایا ہے ۔ یہی ہخامنش یونانی میں (Achaemenes) ہو گیا ۔

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		هیرو ڈوٹس کی روایت کے مطابق یه سائرس کا پڑ دادا تها . یعنی ایکیمی نیز سے ٹیزپیز (چائش پش) پیدا هوا . اس سے کیم بی سیز (کمبوجیه یا کیقباد) اول اور کیم بی سیز سے سائرس . سائرس نے اپنے بڑے لڑکے کا نام بهی کیم بی سیز رکها تها .
٣٠	٤٤٤	دانیال نبی کی کتاب میں اسے جا بجا بیلش فار کے نام سے پکارا گیا هے ، لیکن بابل کے کتبوں سے اس کا نام جو معلوم هوا هے یهی هے . علاوه بریں معلوم هوتا هے که نوشتے کے لکهنے والوں نے سائرس اور دارا کے دو مختلف حملوں کا امتیاز ملحوظ نهیں رکها هے اور کهیں سائرس کی جگه دارا کا نام آ گیا هے ، کهیں دارا کی جگه سائرس کا . تاریخی حیثیت سے جو واقعه ثابت هوا هے وه یه هے که بابل پر فارس کے دو حملے هوے هیں : پهلا سائرس نے کیا ، دوسرا دارا نے . سائرس نے بابل فتح کرکے اس کی اندرونی حکومت وطنی امراء کے هاتهه چهوڑ دی تهی . پهر تقریباً بیس برس بعد

عبارت حاشیہ	صفحہ نمبر	حاشیہ نمبر
امراء بابل نے بغاوت کی اور دارا مجبور ہوا کہ دوبارہ بابل کو فتح کرے۔		
Mene, Mene, Tekel, Upharsin(دانیال-٥ : ٢٥)	٤٤٤	٣١
"جرمن نقادوں نے .... عام عقیدہ اس بارے میں کیا تھا"۔ اس عبارت کی جگہ پہلے اور دوسرے اڈیشن میں مندرجۂ ذیل عبارت ہے: وہ کہتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ پیشین گوئیاں واقعات کے ظہور کے بعد بڑھا دی گئی ہوں۔ خصوصاً یسعیاہ کی پیشین گوئی جس میں صریح خورس (سائرس) کا نام موجود ہے۔ لیکن وہ اس اشتباہ کی تائید میں عقلی استغراب کے سوا اور کوئی دلیل پیش نہیں کرسکتے اور محض عقلی استغراب ان صحائف کے خلاف حجت نہیں ہو سکتا جن کی نسبت یقین کیا گیا ہے کہ الہام سے لکھے گئے تھے۔ علاوہ بریں تورات کے آخری صحائف جو فتح بیت المقدس کے اثناء میں یا اسیری بابل کے زمانے میں لکھے گئے ہیں، تاریخی حیثیت سے محفوظ	٤٤٩	٣٢

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		تسلیم کر لیے گئے هیں ، کیوں که وه اس وقت سے برابر یهودیوں میں متداول رهے اور کوئی حادثه ایسا رونما نهیں هوا که ان کے نسخے نابود هوگئے هوں . ممکن هے که یسعیاه نبی کی پیشین گوئی میں بهی دانیال نبی کے خواب کی طرح خورس کا نام نه بتلایا گیا هو ، صرف قوم و ملك کا ذکر هو اور بعد کو یه نام بڑها دیا گیا هو .
٣٣	٤٥٤	یاد رهے که پچهم اور پورب کے لیے مغرب الشمس اور مطلع الشمس کی تعبیر تورات میں بهی جا بجا آتی هے ، مثلاً زکریاه نبی کی کتاب میں هے ''رب الافواج فرماتا هے : میں اپنے لوگوں کو سورج کے نکلنے کے ملك اور اس کے ڈوبنے کے ملك سے چهڑا لوں گا'' (٨ : ٧) .
٣٤	٤٥٥	دارا کے کتبوں میں اس کا نام یهی آیا هے ، مگر هیروڈوٹس وغیره یونانی مؤرخوں نے اسے اك بتانا (Ecbatana) لکها هے اور یهی

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		نام یورپ میں مشہور ہو گیا تھا .
۳۵	٤۰۰	هیرو ڈوٹس مترجمه اے - ڈی - گاڈلے A. D. Gadley (Leeb Edition)
۳٦	٤۵۷	ٹی سیاز (ctesias) ایك یونانی تھا جو سنه ٤١٤ قبل مسیح سے لے کر سنه ۳۹۸ ق م تك شہنشاهان پارس کا درباری طبیب رها اور اس زمانے کے کچھ عرصے بعد اس نے اپنی مشہور تاریخ لکھی . بعد کے یونانی مؤرخوں نے اس کے بعض بیانات شبه کی نگاہ سے دیکھے هیں اور اس لیے اسے استناد کا وہ درجه حاصل نه هو سکا جو هیرو ڈوٹس (المتولد سنه ٤٨٤ قبل مسیح) کی تاریخ کو حاصل هوا هے . مگر موجودہ زمانے کے محققین تاریخ کا ایسا خیال نہیں هے .
۳۷	٤٦١	دارایوش اول کا یه کتبه تاریخ قدیم کا ایك نهایت قیمتی سرمایه هے . اس میں اس نے اپنے تمام مفتوحه ممالك اور زیر حکومت صوبوں کے نام گنا دیے هیں جو تعداد میں ۲۸ هیں . ان میں سے اکثر ناموں کا جغرافیائی محل روشنی

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		میں آ چکا ہے . صرف ایك دو ناموں کی حقیقت اب تك محل غور و بحث ہے .
٣٨	٤٦٤	ہم نے (oracle) کے لیے ہاتف کا لفظ استعمال کیا ہے . یہ اگرچہ اس کے لیے مرادف لفظ نہیں ہے ، لیکن اصطلاح کا مطلب بہتر طریقے پر واضح کرتا ہے . یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ مندروں میں ہاتف غیبی کی صدائیں سنی جاتی ہیں اور خاص پجاریوں پر دیوتاؤں کا الہام ہوتا ہے . اس غرض سے خاص خاص مندروں کی شہرت تھی . لوگ چڑھاوے چڑھا کر اپنے سوالات پیش کرتے اور مجاور دیوتاؤں کی طرف سے جوابات سنا دیتے .
٣٩	٤٧٦	پروفیسر موصوف کے اس مقالے کے لیے "یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ" کی دوسری جلد (صفحہ ١٠٨٥) کا مطالعہ کرنا چاہیے جو جے - اے - ہیمرٹن (J. A. Hammerton) نے مرتب کی ہے اور حال میں شائع ہوئی ہے .
٤٠	٤٨١	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں مندرجۂ ذیل جملہ بھی ہے :

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		خدا صرف انہیں کا ھاتھ پکڑتا ھے جو برگزیدہ اور مقدس ھوتے ھیں اور صرف انہیں کو اپنا فرستادہ کہتا ھے جو اس کے چنے ھوے اور اس کی ٹھیرائی ھوئی راھوں پر چلنے والے ھوتے ھیں .
٤١	٤٨٤	غالباً صحیح تلفظ اس لفظ کا " زارا تھسترا " ھے . سنسکرت کی طرح قدیم پہلوی الفاظ میں بھی آخری حرف اس طرح منصوب ھوتا تھا کہ ھمزہ کی ایک ناقص آواز نکلتی تھی . یورپ کے مستشرقوں نے اس کے لیے ایک طریقہ اختیار کرلیا کہ آخر میں الف بڑھانے لگے . پس " زارا تھسترا " کو " زارا تھستر " سمجھنا چاھیے . بعد کے پہلوی تلفظ میں عموماً 'ت' کی آواز نے "ذال" کی سی شکل اختیار کرلی تھی ، مثلاً " یزتا " کو " یزدا " بولنے لگے تھے . یہی " یزدا " " یزدان " ھوگیا . یا مثلاً ایک فرشتے کا نام " امرتات " تھا ، اسے " امرداد " کہنے لگے . اسی کے نام سے ایک فارسی مہینا

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		پس اسی طرح ''زاراتھسترا'' زآرادشتر ہو گیا اور پھر جدید فارسی میں زردھشت کہنے لگے جیسا کہ دقیقی نے کہا ہے: ''مے خوں رنگ و کیش زردھشتی'' اور فردوسی شاہ نامے میں کہتا ہے: خجستہ پے و نام او زردھشت کہ اھریمن بدکنش را بکشت یہی زردھشت عربی کے زیر اثر زردشت یا زرتشت بولا جانے لگا.
٤٢	٤٨٥	گشتاسپ کو یونانیوں نے ھسٹاس پیز (Hystaspes) لکھا ہے. اصلی نام جیسا کہ اوستا میں جا بجا آیا ہے وشتاسپ ہے.
٤٣	"	شپیگل (spiegel) نے اسے آریا ویج پڑھا ہے. ''ویج'' یعنی پاك. (وندیداد، فرگرد اول، فقرہ ٢ - '' اھورا مزدا امر فرماید: نخستین کشور ے کہ من بیافریدم آریانا ویج یا ویجو می باشد''). ہرمزدیشت کے فقرہ ٢١ میں بھی اس کا ذکر ہے اور اس پر درود بھیجا گیا ہے ''درود بہ آریا ویج''.

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
٤٤	٤٨٥	اے . وی . ولیمز جیکسن (A. V. Williams Jackson) پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی کی کتاب "اینشینٹ پرشیا اینڈ ھر پرافٹ" کا مطالعہ اس باب میں کفایت کرے گا . (کتاب کا نام اس طرح ھے): Zoroastra—The prophet of Ancient Iran-م.
٤٥	٤٨٧	موگوش کا لفظ ایك جگــہ اوستا میں بھی آیـا ھے اور یہ بـات اب قطعی طور پر تسلیم کرلی گئی ھے کہ "موگوش" سے مقصـود میڈیا کے اس مذھب کے پیرو ھیں جو زردشت کے ظہور سے پہلے وھاں رائج تھـا . چوں کہ میڈیا کے باشندے بابل اور شام میں موگوش مشہور ھو گئے تھے ، اس لیے عربوں مـیں بھی یہی نام مشہور ھو گیا اور موگوش نے مجوس کی شکل اختیار کر لی . پھر تمام ایرانیوں کو مجوس کہنے لگـے . زردشـتی اور غیر زردشتی کا امتیاز باقی نہیں رھا ، حالانکہ اصلاً مجوسی زردشتیوں کے مخالف تھے .

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
٤٦	٤٨٨	دارا کی وفات بالاتفاق سنہ ٤٨٦ قبل مسیح میں ہوئی اور ھیروڈوٹس سنہ ٤٨٤ ق م میں پیدا ہوا تھا، یعنی دارا کی وفات سے صرف دو سال بعد.
٤٧	٤٩٢	"برائی کے دیو ...... غضب ٹھنڈا کرنا ضروری تھا". اس عبارت کی جگہ پہلے اور دوسرے اڈیشن میں مندرجۂ ذیل عبارت ھے: نور و ظلمت کی یہی کشمکش ھے جس سے تمام اچھے برے حوادث ظہور میں آتے ھیں. چوں کہ روشنی پاك روحانیتوں کی نمود ھے، اس لیے ہر طرح کی عبادتیں اور قربانیاں اسی کے لیے ہونی چاھیں. اس روشنی کا مظہر آسمان میں سورج اور زمین میں آگ تھی.
٤٨	٤٩٣	مندرجۂ ذیل عبارت پہلے اور دوسرے اڈیشن میں نہیں ھے: "گاتھا میں زرتشت نے ...... وان من البیان لسحرا".
٤٩	٤٩٤	اشا، وھومنا (بہمن)، خشترا، ارمیتی، ھوروتات

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		اور امرتات کا ذکر گاتھا میں ملتا ہے اور بعد کے نوشتوں میں دوسرے امش سپند بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ امش سپند کے علاوہ یزتا (جو آگے چل کر یزداں ہو گیا) کے نام سے ملکوتی قوتوں کا ذکر کیا گیا ہے: اتر (آذر)، سروش اور اشی۔ اسی طرح ہندوستان کے ویدوں میں ہم قربانیوں اور دیوتاؤں کی پرستش کے جو اعمال و رسوم پاتے ہیں غالباً اسی نوعیت کے رسوم فارس اور میڈیا کے زراعت پیشہ قبیلوں میں بھی جاگزیں ہو گئی تھیں اور جادوگروں کو عوام میں بڑا اقتدار حاصل تھا۔ شراب نوشی مذہبی رسوم کا جزء تھی اور جس مسکر مشروب کو ویدوں میں "سوم" کے نام سے پکارا گیا ہے وہ "ہوم" کے نام سے وہاں پکارا جاتا تھا۔ اوستا میں زرتشت خدا کو مخاطب کرکے کہتا ہے: خدایا! کب ایسا ہوگا کہ اس ملک کے رؤساء گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت کی راہ اختیار

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		کریں گے؟ کب ایسا ہوگا کہ "کارپان" اور "کاوی" کی بدکاریوں سے لوگوں کو نجات ملے گی؟ کب ایسا ہوگا کہ یہ پینے کی گندگی جس کے ذریعے "کارپان" لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں، جڑ سے اکھاڑ دی جائے گی" (یسنا - ٤٨ : ١٠)۔
		ایک اور موقع پر لوگوں کی اس گمراہی کا ذکر ملتا ہے کہ "جانوروں کی قربانیاں کرتے ہیں اور اس پر خوش ہوتے ہیں" (یسنا ٣٢)۔
		اسی لیے پیروان زرتشت نے اپنے مذہب کو "مزدیسنا" کے نام سے پکارا تھا، یعنی دیوتاؤں کی جگہ خدائے واحد کی پرستش کا مذہب۔
		رگ وید میں "اسورا" قریب قریب اسی معنی میں آیا ہے جس معنی میں "اوستا" کا "اھورا" ہے۔ لیکن بعد کے ویدوں میں "اسورا" کے معنی برائی کی روح کے ہو گئے، گویا ایران کا خدا ہندوستان کا شیطان ہو گیا۔ ایسا ہی متضاد مفہوم "دیو" کا بھی بن گیا۔

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		یہاں دیوتا الٰہی قوتوں کے لیے بولا جانے لگا. اوستا میں دیو شیطانی قوتوں کے لیے مستعمل ہوا ہے . مگوئی که آتش پرستان بدند پرستندگان نیك یزدان بدنـد (فردوسی)
٥٠	٤٩٤	یہی انگرو مے نیوش (Angro Mainyus) ما بعد زمانے کی لغوی تبدیلیوں میں "آنرومین" ہو گیا پھر "اهرمن" بولا جانے لگا .
٥١	٤٩٥	دیکھو پروفیسر گرنڈی کا مقالہ "یونیورسل هسٹری آف دی ورلڈ" جلد ۲ صفحـه ۱۱۳۰ Prof. Grundy's Article—Universal History of the World —Vol. 2, p. 1130.
٥١	٤٩٦	ساسانی مذهب میں آخرت کے واردات کے تصورات نے ایك خاص شکل اختیار کی . هر انسان تین حقیقتیں اپنے ساتھ رکھتا ہے : دینیه (ایگو=Ego یا ضمیر) اصلاً "دین"، اُروان (نفس، سول=Soul) ، فراوَشی (فرشتۂ محافظ) . مرنے کے بعد نیك عمل روح کے پاس دینیه ایك

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		نوجوان حور کی شکل میں آتا ھے۔ بد عمل کے آگے بد شکل ''ھاذوخت نسك''. وہ صورت کہے گی: میں تیرا دینیه ھوں۔
		زرتشت نے پل صراط کا ''چنوت'' کے نام سے ذکر کیا ھے۔ نیك عمل به آسانی اس پر سے گزر جائیں گے۔ لیکن بد عملوں کے لیے وہ تلوار کی دھار کی طرح تیز ثابت ھوگی۔
		اعراف کا تصور سامانی عہد کا یا اس کے بعد کا ھے۔ اعراف کو ''ھمستگان'' سے تعبیر کیا ھے۔
		آخری زمانے میں ''سوشیانتو'' کا ظہور ھوگا۔ پہلوی نصوص کے مطابق اس کا ظہور سنه ۲۳۹۸ بعد مسیح ھونا چاھیے۔
		یه واقعه قابل ذکر ھے که مسلمانوں کا سابقه جس ایرانی مذھب سے پڑا تھا وہ حقیقی مزدیسنا کی ایك نہایت ھی محرف صورت تھی۔ تاھم وہ اس کی حقیقی نوعیت سے بے خبر نه تھے۔ یہی وجه ھے که پیغمبر اسلام نے ان کے ساتھ اھل کتاب کا سا سلوك کیا: ''سنوا لھم سنة

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		اهل الکتاب''. اور حضرت علی نے کہا (یہاں صرف نقطے هیں، جگه خالی هے .... اجمل). عرب مؤرخوں میں البیرونی اور عرب حکماء میں شیخ الاشراق کی تحقیقات ایرانی مذهب کو آتش پرستی اور ثنویت سے الگ کرکے دیکھتی هے .
٥٣	٤٩٨	جی . رالن سن (Rawlinson) ''فائیو گریٹ منارکیز آف دی اینشینٹ ایسٹرن ورلڈ''. Five Great Monarchies of the Ancient Eastern World.
٥٤	٥٠٠	مندرجۂ ذیل عبارت پہلے اور دوسرے اڈیشن میں نہیں هے : '' اس باقی مانده اوستا ...... ایك ناقص شبیه مل جاتی هے ''
٥٥	''	مارکھم (Markham) نے ''هسٹری آف پرشیا'' میں اعتراف کیا هے که قدیم ایرانیوں کا بت پرستی سے اجتناب ان کی ایك نمایاں خصوصیت هے . دنیا کی تمام قوموں میں صرف ایرانی هی ایك ایسی قوم

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		هے جس نے اپنی تاریخ کے کسی دور میں بهی کسی صورت اور مجسمے کی پرستش سے اپنی روحانی زندگی کو آلوده نهیں کیا هے ۰
٥٦	٥٠١	بے ستون دراصل بهستون تها. غالبًا فرهاد اور شیریں کے قصے سے ملا کر لوگوں نے اسے بے ستون کردیا اور اب عام طور سے بے ستون هی بولا جاتا هے. مرزا فرخت شیرازی کهتے تهے که بے ستون اور بهستون دو الگ الگ مقام هیں ۰
٥٧	٥٠٢	عام رائے یهی هوگئی هے، لیکن ایسی صدائیں برابر اٹهتی رهی هیں جنهیں اس رائے سے اختلاف هوا ۰ کرنیل رالن سن کی اشاعات کے چند سال بعد لغات شرقیه کے ایك عالم ریورنڈ چارلس فارسٹر (Forster) نے یه خیال ظاهر کیا تها که یه تصویر اس نقاش کی هے جس نے مرقع نقش کیا تها اور جو حلقه اس کی کمر کے گرد نظر آرها هے یه معماروں کی ٹوکری هے جس میں بیٹھ کر بلندی پر کام کیا کرتے تهے. (دیکهو مصنف مذکور کی کتاب One Primeval Language جلد سوم صفحه ١٧٩) ۰

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
٥٨	٥٠٤	سنہ ١٩١٣ ء میں میں نے اپنا یہ خیال مسٹر اڈورڈ براؤن (Edward Browne) (پروفیسر کیمبریج یونیورسٹی و مصنف لٹریری ہسٹری آف پرشیا = (Literary History of Persia) وغیرہ) کو لکھا تھا۔ انہوں نے مجھ سے اتفاق کیا تھا اور بہت اصرار کے ساتھ لکھا تھا کہ بعض مستشرقین جرمنی سے اس بارے میں مراسلت کروں۔ پھر کچھ دنوں کے بعد انہوں نے لکھا کہ وہ خود اس کے بارے میں خط و کتابت کر رہے ہیں: لیکن اس کے بعد جنگ عظیم شروع ہوگئی اور میری خط و کتابت کا سلسلہ سنسر (Censor) کی سخت گیریوں نے بالکل مسدود کردیا۔ پھر میں نظر بند کردیا گیا اور جب چھوٹا تو اس کے چند دنوں بعد ان کے انتقال کی خبر آگئی۔
٥٩	٥٠٩	ترجمۂ سبعینی (یعنی Septuagint) سے مقصود تورات کا وہ پہلا یونانی ترجمہ ہے جو اسکندریہ میں شاہی حکم سے ہوا تھا اور جس میں بہتر ٧٢ علماء یہود شریک تھے - ٢٨٤ تا ٢٤٧ ق م۔
٦٠	٥٢١	یہ تعین اس طرح کے تمام تعینات کی طرح محض

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		تاریخی قیاسات پر مبنی هے اور اسی لیے اس بارے میں نظار تاریخ کی رائیں مختلف هوئیں. البته حال کے انکشافات سے ایك بات تقریبًا پایۂ ثبوت تك پہنچ چکی هے. یعنی ڈھائی هزار سال قبل مسیح اناتولیا میں «حتی» یا «ختی» تمدن شروع هو چکا تھا اور قدیم مصری تمدن کا معاصر تھا. بوغازکوئی میں جو حتی کتب خانه برآمد هوا هے اور جس میں بیس هزار کے قریب منقوش تختیاں نکلی هیں، اس نے انیسویں صدی کے تاریخی تخمینے بہت کچھ بدل دیے هیں اور اب یه رجحان که اس زمانے کی مدت گھٹائی جائے، تقریبًا مفقود هو رها هے.
٦١	٥٢٢	هیرودوٹس: ١ - ١٠٤.
٦٢	٥٣٠	عرب جغرافیه نویس دربند هی کے نام سے اس کا ذکر کرتے هیں. لیکن چوں که عام نام باب الابواب پڑ گیا تھا، اس لیے عنوان کے لیے اکثروں نے باب الابواب اختیار کیا هے. چنانچه یاقوت نے معجم البلدان میں اس مقام کا حال

حاشيه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشيه
		«باب الابواب» هی کے نام سے لکھا ہے ۔ پس حرف «با» میں دیکھنا چاھیے نہ کہ 'دال' میں .
٦٣	٥٣١	یونانی کا کیشیا ، روسی کیوکز اور فارسی قفقاز ایك هی لفظ ہے .
٦٤	٥٣٢	مروج الذهب ، صفحه ٢٠ .
٦٥	٥٣٣	بہت ممکن ہے کہ سکندر کی نسبت یہ خیال اس بنا پر پیدا ہوگیا ہو کہ بعد کے بعض مؤرخوں نے غلطی سے اس سلسلۂ کوہ کو کاکیسس لکھ دیا ہے جو بحر خزر کے مشرق جانب واقع ہے اور جسے سکندر نے وسط ایشیا سے هندوستان جاتے ہوے طے کیا تھا . اسٹرابو (Strabo) نے اس غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے . (دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب 'فروم کونسٹینٹی نوپل ٹو دی ہوم آف عمر خیام'. From Constantinople to the Home of Omar Khayyam - صفحه ٦٢ هم ان کی ایك دوسری تصنیف کا زردشت کے حالات میں حوالہ دے چکے هیں) .
٦٦	٥٣٥	دربند نامه صفحه ٢١ . دربند کی تاریخ میں یه

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		ایک نہایت جامع کتاب ہے جو سنہ ۱۸٤٥ ء میں ایک ترک مصنف کاظم بک نے لکھی ہے. یہ سینٹ پیٹرس برگ یونیورسٹی میں ترکی وفارسی کا پروفیسر تھا اور خود دربند کا باشندہ تھا۔ سنہ ۱۸٥۱ ء میں اس کا انگریزی ترجمہ 'ھسٹری آف دربند' (History of Darband) کے نام سے شائع ھوا.
٦٧	٥٣٦	مندرجۂ ذیل عبارت پہلے اور دوسرے اڈیشن میں نہیں ہے: رابعًا، اس علاقے سے ...... سی نام سے پکارا گیا ہے.
٦٨	٥٣٧	ترجمۂ دربند نامۂ کاظم بک صفحہ ۲۱. پروفیسر جیکسن نے بھی اس نام کا ذکر کیا ہے اور اسے قدیم ایام کے نام سے تعبیر کیا ہے (فروم کونسٹینٹی نوبل ٹودی ھوم آف عمر خیام، صفحہ ٦۱).
	٥٣٨	مندرجۂ ذیل عبارت پہلے اور دوسرے اڈیشن میں نہیں ہے: غالبًا سب سے پہلا انگریز سیاح ... (Library)
٧٠	٥٤٩	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں آیت ۱٦ پر

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		مندرجۂ ذیل نوٹ تھا : آیت ١٦ میں "مکانا شرقیا" کا مطلب یه معلوم ہوتا ہے که حضرت مریم ہیکل چھوڑ کر جہاں ان کی پرورش ہوئی تھی ، اپنے آبائی وطن ناصرہ میں چلی گئیں . یه یروشلم کے شمال مشرق میں واقع ہے اور باشندگان یروشلم کے لیے مشرق کا حکم رکھتا ہے . انجیل سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے ، کیوں که وہ اس معاملے کا محل وقوع ناصرہ ہی بتلاتے ہیں .
٧١	٥٥٢	اصل میں «سریا» ہے . عربی میں «السری» عظیم الشان انسانوں کے لیے بولا جاتا ہے : من قولهم 'فلان سری' ای عظیم و 'من قوم سراة' ای عظام (ابن سیده) . لیکن چوں که 'السری' کے ایک معنے چھوٹی نہر کے بھی ہیں ، اس لیے عام طور پر یہاں 'سریا' کا ترجمه نہر اور چشمه کیا گیا ہے . ہم نے پہلے مطلب کو ترجیح دی ، کیوں که محل بیان کا مقتضا ایسی ہی کوئی بات

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		چاهتا هے . یه ظاهر هےکه حضرت مریم کا غم پانی نه ملنے کی وجه سے نه تها ، اس حالت کی وجه سے تها جس میں وہ مبتلا هو گئی تهیں . پس فرشتے کا یه کهنا که « غمگین نه هو ، تیرے لیے ایك نهر جاری کردی هے » بالکل بے معنی هو جاتا هے . جب پانی کا فقدان غم کا سبب هی نه تها تو اس کی موجودگی کیوں وجه تسکین هو ؟ البته جو مطلب هم نے اختیار کیا هے ، اس سے وجه تسکین بالکل واضح هو جاتی هے ، یعنی غمگین نه هو ، تیری گود میں ایك عظیم انسان پیدا کر دیا گیا هے .
		ائمۂ تابعین میں سے ایك جماعت نے یهی تفسیر اختیار کی هے . فتح القدیر ، ج ۳ صفحه ۳۲۰ .
۷۲	۱۰۷۰	متقی کے معنی سورۂ بقره کے نوٹ ' هدی للمتقین ' میں دیکھیے .
۷۳	"	اس ترجمے پر یه شبه وارد نه هو که حضرت ابن عباس نے روایت مندرجۂ بخاری

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		میں اس قول کا مخاطب خود آنحضرت کر قرار دیا ھے . اس میں صرف یہ ھے که ایك مرتبه آپ نے وحی کے جوش طلب میں مزید تنزیل کی خواهش ظاهر کی تهی . اس پر یه جواب ملا . اس سے یه لازم نہیں آتا که آیت کا ابتدائی شان نزول یہی هو . چونکه آیت میں یه بات کہی گئی ھے که ملائکه کا ورود بغیر حکم الٰہی کے نہیں هوسکتا ، اس لیے جب آنحضرت نے مزید تنزیل کا جوش ظاهر فرمایا تو جواب میں یہی آیت دهرائی گئی (کتاب التفسیر ، سورۂ مریم ـ م)
٧٤	٥٩٥	Encyclopaedia Biblica
٧٥	٥٩٧	عربی میں '' طاها '' ایك کلمه ندا ھے . کسی کو مخاطب کرنا هو تو پکارتے هیں '' طاها ''، یعنی اے شخص ! چنانچه ابن جریر نے اس شعر سے استشهاد کیا ھے : دعوت بطاها فی القتال فلم یجب فخفت علیه ان یکون موائلا

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		کلبی اور قطرب اس طرف گئے ہیں که یه قبائل عکل، عك اور طی کی زبان میں بولا جاتا ہے. اور ابن الانباری نے تصریح کی ہے که 'لغة قریش وافقت تلك اللغة فی ہذا المعنی'. حضرت ابن عباس اور اکثر ائمۂ تابعین سے بھی ایسا ہی منقول ہے (تفسیر ابن جریر، سورۂ طٰهٰ).
٧٦	٦٠٤	ولله در من قال : لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم چنانکه حرف عصا گفت موسی اندر طور
٧٧	٦١٤	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں جمله اس طرح ہے : (یعنی انہیں تو تمہارے اس پروردگار کی خبر بھی نه تھی)
٧٨	٦١٧	اصل میں 'مکاناً سُوًی' ہے. اس کا ترجمه مفسروں نے ہموار جگه کیا ہے. لیکن اسلوب کلام اس ترجمے کے حق میں ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے. قال سیبویه : یقال : سُوی و سِوی، ای عدل، یعنی عدل بین المکانین. قال زهیر :

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		ارو ناخطة لاضیم فیها　　یسوی بیننا فیها السواء (فتح القدیر للشوکانی ج ۳ ص ۳۵۸ – م) .
۷۹	٦٠٢	جس طرح اردو میں کہتے ہیں : تمہاری لاش درخت پر لٹکائی جائے گی ، اسی طرح عربی کا محاورہ ہے کہ کھجور کے تنے پر سولی دی جائے گی . کیوں کہ وہاں زیادہ تر درخت کھجور ہی کے ہوتے ہیں . سوید بن ابی کاہل کہتا ہے : وهم صلبوا العبدیّ فی جذع نخلة فلا عطست شیبان الا باجدعا (فتح القدیر ج ۳ ص ۳٦۳ – م)
۸۰	٦۳۱	جب لوگ آپس میں باتیں کرتے ہیں تو اردو محاورہ یہ ہے کہ کہتے ہیں : "ہمیں ایسا کرنا چاہیے" اور "ہمارا ایسا حال ہو رہا ہے" . لیکن عربی میں اس موقع پر "ہم" نہیں بلکہ "تم" کہیں گے . مثلاً " آپس میں لوگوں نے کہا : تمہیں ایسا کرنا چاہیے" . چنانچہ برادران یوسف نے آپس میں مشورہ کرتے ہوئے کہا تھا "اقتلوا یوسف" اور " و تکونوا من بعده قوما صٰلحین – ۹ " آؤ یوسف

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		کو مار ڈالیں . اس کے بعد ہماری ساری باتیں سدھر جائیں گی . اسی طرح اس سورت کی آیت ٦٢ میں بھی اردو کے محل متکلم کی جگہ ضمیر خطاب جا بجا آچکی ہے . یہاں بھی اصل میں "الھکم" تھا . ہم نے وضاحت کے لیے اردو محاورے کی رعایت کی اور "ہمارا" ترجمہ کیا . اتنی سی بات کی عدم وضاحت نے مترجموں کو بے شمار مشکلوں میں ڈال دیا ہے .
٨١	٦٣٩	"خشعت" ای سکنت و منه قول الشاعر : لما اتی خبر الزبیر تواضعت سور المدینة و الجبال الخشع
٨٢	٦٤٠	الھمس صوت نقل الاقدام . یقال للاسد "الھموس" لانه یھمس فی الظلمة . قال رؤبة یصف نفسه : لیث یدق الاسد الھموسا ولا یھاب الفیل و الجاموسا (فتح القدیر ج ٣ ص ٣٧٤ - م) .
٨٣	٦٥٢	"تقوی" کے لیے دیکھو سورۂ بقرہ کا ابتدائی نوٹ .
٨٤	٦٥٤	ڈیویلپ منٹ آف رلیجن اینڈ تھاٹ ان

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		اینشینٹ ایجیپٹ ، مصنفہ جے ۰ ایچ ۰ بریسٹڈ Development of Religion and Thought in Ancient Egypt by J. H. Breasted, اور ''انسائیکلو پیڈیا آف رلیجن اینڈ ایتھکس'' ـ مصنفہ جے ۰ ہیسٹنگس ۰ Encyclopaedia of ReligionandEthics,byJ.Hastings
٨٥	٦٦٣	یہ نینوا کا وهی عظیم الشان شاهنشاه هے جسے یونانی نوشتوں میں سردانا پالس (Sardana palus) کے نام سے پکارا گیا هے ۰
٨٦	٦٦٤	یہ لغت کی کتاب قدیم اقوام کے علوم و ادبیات میں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا هے کہ اب سے تین هزار سال پہلے دوآبۂ دجلہ و فرات کی علمی ترقیاں کہاں تک پہنچ چکی تھیں ۰ اس لغت میں صرف اکادی اور سمیری زبان هی کے هم معنی الفاظ جمع نہیں کیے گئے هیں ، بلکہ حتی ، قاصی اور مصری زبان کے هم معنی الفاظ بھی آ گئے هیں ۰ اس کتاب کے انکشاف نے قدیم زبانوں کے حروف و اصوات کے لیے ایك مستند اور قطعی ذریعہ بہم پہنچادیا ـ (حتی وهی قوم هے جسے آج کل (Hittites) لکھا جاتا هے اور قاصی سے

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		مقصود (Kassite) هے. ان دونوں کے لیے تورات میں حتی اور قاضی کے الفاظ مستعمل هوے هیں ، اس لیے هم نے بهی وهی اختیار کیے. تفصیل کے لیے دیکهو ایم. جسٹرڈ کی "دی سیوی لائزیشن آف بابیلونیا اینڈ اسیریا" مطبوعہ سنہ ۱۹۱۰ The Civilization of Babylonia and Assyria by M. Justerd (1915) اور سر ای. اے. ڈبلیو. بج کی "بائی نائل اینڈ ٹائگریز" مطبوعہ سنہ ۱۹۲۰ ع. By Nile and Tigris by Sir E.A.W. Budge 1920)
٨٧	٦٨٨	یقال: 'رسا یرسو'، اذا ثبت و قام. قال الشاعر: فصبرت عارفة لذلك حرة ترسو اذا نفس الجبان تطلع
٨٨	٦٨٩	قال الزجاج: کل مخترق بین جبلین فهو «فج».
٨٩	٦٩٥	العرب تقول: صحبك الله ای حفظك و اجارك. قال الشاعر: ینادی باعلی صوته متعوذا لیصحب منا و الرماح دوانی
٩٠	٦٩٧	قال ابن کیسان «النفحة» ای الشی القلیل، ماخوذ

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		من نفح المسك . و قال المبرد : « النفحة » الدفعة من الشيء التي دون معظمه . يقال : نفحه نفحة بالسيف . اذا ضربه ضربة خفيفة .
٩١	٧٠٠	« و لقد آتينا ابرٰهيم رشده » اى الرشد اللائق به و بامثاله من الرسل . مترجموں نے 'رشده' کی ضمیر کا مطلب بالکل ضائع کر دیا .
٩٢	٧٠٤	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں ترجمه اس طرح ھے : اس میں شك نہیں نا انصافی کی بات تو ھم ھی سے ھو گئی
٩٣	٧١١	التسبيح اما حقيقة او مجز ، و قد قال بالأول جماعة و هو الظاهر . و قال بالمجاز آخرون و حملوا التسبيح على تسبيح من رآها ، تعجبًا من عظم خلقها و قدرة خالقها (فتح القدير للشوكانى) . قلت : و لكل وجهة هو موليها فاستبقوا الخيرات .
٩٤	٧٢٦	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں جمله اس طرح ھے : « جو قوم عاد کا مسکن تسلیم کیا گیا ھے ، یعنی عمان سے لے کر حضرموت تك کا علاقه » اس کے بعد مندرجۂ ذیل فقره بھی ھے :

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		کتاب پیدایش اور تواریخ اول میں ایك اور سامی نام بھی ہمیں ملتا ہے، یعنی «یوباب» Jobab. یه بنی یقطان میں سے تھا. یقطان عبو سے پیدا ہوا اور عبر سلح بن ارفکسد بن سام سے. سوال پیدا ہوتا ہے که کیا «یوباب» اور «ایوب» ایك ہی نام نہیں ہیں؟
٩٥	٧٢٩	حروف نحویه، یعنی مصطلحۂ نحو، ورنه حروف ابجد تو سب کے سب موجود ہیں.
٩٦	»	'ملك' بمعنی بادشاہ نے تو ایسی لفظی صولت و تاثیر حاصل کرلی تھی که ایران کی آرین زبان بھی اسے برتنے پر مجبور ہوگئی، چنانچه دارائے اعظم اپنے کتبوں میں اپنے کو شہنشاہ کہنے کی جگه « ملك ملکان » کہتا ہے (دیکھو کتبۂ اصطخر و بے ستون). بعد کو اردشیر بابکان نے « شاہ شاہان » کا لقب اختیار کیا جسے عربوں نے « ساسان » بنادیا. تاہم « ملك ملکان » کا لقب بھی شاپور ساسانی کے کتبوں میں بار بار آتا ہے جیسا که حاجی آباد کے کتبوں

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		سے ظاہر ہے۔ علاوہ بریں ساسانی عہد میں عربی اسماء و الفاظ کے غلبہ و رسوخ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ خود اوستا کی زبان عربی آمیز ہو گئی۔ ساسانی اوستا کے جو اجزاء ہندوستان کے پارسیوں سے ملے ہیں ان میں جابجا عربی الفاظ و اصوات پائے جاتے ہیں۔ ایک مدت تک یہ آمیزش محل تعجب رہی، حتی کہ سر ولیم جونس (Sir William Jones) نے ان اجزاء کی اصلیت ہی سے انکار کر دیا مگر اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جس طرح بعد از اسلام کی فارسی جدید عربی سے مخلوط ہوئی ہے، اسی طرح قبل از اسلام کی قدیم فارسی قدیم عربی الفاظ سے مخلوط ہو گئی تھی۔ (پوری شرح اس مسئلے کی مقدمے میں ملے گی)۔
۹۷	۷۳۰	تورات میں حیرام (Hiram) کا ذکر ہے جو صور (ٹائر ـ Tyre) کا بادشاہ اور حضرت سلیمان کا معاصر تھا (سلاطین اول ـ ٥ : ١) ـ م

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
۹۸	۷۳۰	یہ جنگ کے بعد کے نہایت اہم انکشافات میں سے ہے . اس وقت تك حروف ابجدی (یعنی غیر تصویری و غیر مساری) کی منضبط کتاب کا سب سے قدیم نمونہ «حجر سیناء» سمجھا جاتا تھا، یعنی وہ پتھر جو سنہ ۱۸۲٤ء میں جزیرہ نمائے سیناء میں ملا اور جس پر «میشا» (Mesha) شاہ موآب نے سنہ ۹۰۰ قبل مسیح میں اپنی ایك فتح کا حال کندہ کرایا ہے . یہ فتح اسے بنی اسرائیل کے مقابلے میں حاصل ہوئی تھی . لیکن اب اس تابوت کے انکشاف نے اس سے ساڑھے تین سو برس پیشتر کی کتابت مہیا کردی اور اس طرح معاملہ سنہ ۹۰۰ ق م کی جگہ سنہ ۱۲۵۰ ق م تك پہنچ گیا . گویا دست انسانی کی علمی کتابت کا سب سے زیادہ قدیمی نمونہ جو اس وقت ہمارے قبضے میں ہے وہ سنہ ۱۲۵۰ ق م کا ہے اور عربی زبان اور عربی کے فینیقی رسم الخط میں ہے .
۹۹	۷۳۱	ویدوں کے عہد تصنیف و تدوین کی نسبت

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		میکس ملر (Max Muller) کا مسلك اس وقت تك ماهرین موضوع میں مقبول چلا آتا هے اورعلمی حیثیت سے اس پر کوئی اضافه نہیں هوا . میکس ملر نے ویدوں کی تصنیف کا زمانه چار عهدوں مین منقسم کردیا هے . سوتر کا زمانه سنه ٦٠٠ سے سنه ٢٠٠ ق م تك · برهمن سنه ٨٠٠ سے سنه ٦٠٠ ق م تك . منتر اور رگ وید کا آخری باب سنه ١٠٠٠ سے سنه ٨٠٠ ق م تك . جهنڈ سنه ١٢٠٠ سے سنه ١٠٠٠ ق م تك . گویا رگ وید کی سب سے قدیم نظمیں سنه ١٢٠٠ ق م سے زیاده پیچھے نہیں جاتیں . حال میں مسٹر اے . بی . کیتھ (A.B. Keith) پروفیسر سنسکرت اڈنبرا یونیورسٹی نے اس موضوع پر جو مقاله کیمبرج هسٹری آف انڈیا کے لیے لکھا هے اس میں بھی یہی مسلك اختیار کیا هے . وه تمام بحث کا خاتمه اس نتیجے پر کرتے هیں که رگ وید کے قدیم ترین ترانے مثلاً « اشا » (Usha) ممکن هے سنه ١٢٠٠ ق م تك پیچھے لے جائے

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		جاسکیں ، لیکن اس سے زیادہ اسے پیچھے لے جانا موجودہ معلومات کی روشنی میں ممکن نہیں (کیمبرج هسٹری آف انڈیا ، جلد اول ، ص ١١٣) .
١٠٠	٧٣٢	دیکھو پروفیسر ای . واشبرن هاپکنس (Wash burn Hopkins) کا مقاله «رزمیه نظموں کا عهد» مندرجهٔ کیمبرج هسٹری آف انڈیا ، جلد اول ص ٢٥٨ .
١٠١	٧٣٣	'لن نقدر علیه' ای لن نضیق علیه . یقال: قدر وقدر ، و قتر و قتر ، ای ضیق . و منه قوله « یبسط الرزق لمن یشآء و یقدر » ای یضیق « و من قدر علیه رزقه » .
١٠٢	٧٥٣	کتاب الفتن ، باب ویل للعرب من شر قد اقترب ـ (م) .
١٠٣	«	ذکر کے شمار کے لیے عربوں میں تسبیح کا رواج نه تھا . تسبیح پیروان بدھ کی ایجاد ھے اور انھیں سے مسلمانوں نے لی . عرب جب شمار کرنا چاھتے تو انگلیوں پر شمار کرتے . اسی کو

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		عقد انامل کا طریقہ کہتے ہیں . عقد انامل میں ایک علامت نوے کی ہے ، ایک سو کی . دونوں میں حلقہ بن جاتا ہے ، ایک ذرا بڑا ، ایک چھوٹا . سفیان نے یہ روایت بیان کرتے ہوے ایسا ہی حلقہ بنا کر دکھایا تھا . لیکن آخری راوی کو شبہہ پڑ گیا کہ نوے ڈالا تھا یا سو ڈالا ، اس لیے اس نے دونوں کا ذکر کردیا .
١٠٤	٧٥٥	اس واقعے کی طرف اشارہ اگرچہ تمام مؤرخوں نے کیا ہے ، لیکن تفصیل ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغة میں ملے گی جو ایران اور مصر میں چھپ گئی ہے .
١٠٥	٧٦٥	غیر ضروری ہے ، کہ یہاں « الأرض » سے مقصود فلسطین کا ملک قرار دیا جائے جیسا کہ مفسرین نے قرار دیا ہے . کیوں کہ اسلوب بیان عموم کا طالب ہے اور صاف نظر آرہا ہے کہ « الأرض » سے مقصود روے زمین ہے . علاوہ بریں حوالہ زبور کا ہے اور زبور میں عموم و استغراق کے ساتھ زمین ہے ، نہ کہ ارض موعود .

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
١٠٦	٧٧٠	فلیڈلفیا یونیورسٹی (امریکہ) کے عجائب خانے اور برطانی عجائب خانے کی ایک مشترک اثری مہم نے تل العبید کی کھدائی کا کام شروع کیا تھا جو جنگ کی وجہ سے رک گیا تھا، مگر اب جاری ہو گیا ہے. اس کے انکشافات نے حضرت ابراہیم کی سرگذشت متذکرۂ قرآن کے متعدد گوشوں پر نہایت اہم روشنی ڈالی ہے. سورۂ والصّٰفّٰت کی تشریحات میں مختصراً اس کا ذکر کیا جائے گا اور تفصیل مقدمے میں ملے گی.
١٠٧	٧٨٤	بخاری، کتاب بدء الخلق، باب قوله تعالی 'واتخذ الله ابرٰهیم خلیلا' (م).
١٠٨	٧٩٠	کتاب التوحید. باب ماجاء فی قوله عز و جل: 'و کلم الله موسی تکلیما' (م).
١٠٩	"	باب ابتداء الخلق (م)
١١٠	٨٠٠	'الحرف' الشك. اصله من حرف الشیء وهو طرفه، مثل حرف الجبل و الحائط، فان القائم علیه غیر مستقر.
١١١	٨٢٠	'صواف' صف سے ہے. چونکہ اونٹ کو کھڑے کھڑے ذبح کرتے ہیں اس لیے اس لفظ سے تعبیر

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		کرنے لگے، یعنی صفت قوائمها. گھوڑے کے لیے بھی بولتے ھیں: صفن الفرس فهو صافن، اذا قام علی ثلاث قوائم و ثنی الرابعة.
١١٢	٨٥٩	این جا تفصیل عالم حقائق صغار باید نمود.
١١٣	٨٦١	'من فی القبور' کا یه مطلب نهیں ھے که جو مردے قبر نامی محل دفن میں مدفون کیے گیے. بلکه یه عربی کا محاوره ھے که مردوں کو اصحاب قبور کهتے ھیں "ما انت بمسمع من فی القبور" (٢٢:٣٥) یعنی تو مردوں کو مخاطب نهیں کرسکتا، زندوں سے بات چیت کی جاتی ھے.
١١٤	٨٦٦	پهلے اور دوسرے اڈیشن میں "مقادیر عنصری... نظر آرهی ھے" کی جگه مندرجهٔ ذیل عبارت ھے: البته اس آخری منزل نے حقیقت کا ایك نیا جلوه آشکارا کردیا ھے. یعنی یه بات واضح ھو چکی ھے که ماده کا آخری بقایا محض ایك جامد ذره ھی نهیں ھے، بلکه حرکت و خواص حرکت کی ایك مشتعل قوت ھے اور نهیں معلوم اس نقطهٔ

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		قوت میں فعل و انفعال کی کتنی دنیائیں پوشیدہ هیں .
۱۱۵	۹۱۳	یاد رهے که عربی میں " قلب " اور " فؤاد " کا اطلاق صرف اس عضو هی پر نہیں هوتا جو علم تشریح کا دل هے ، بلکه قوت مدرکه و عاقله پر بهی هوتا هے ، یعنی ذهن و عقل پر .
۱۱٦	۹۳۳	Amphibia کا لفظی ترجمه ذوات الحیاتین هے . یعنی ایسے جانور جو تری اور خشکی دونوں طرح کے گرد و پیش میں رهتے هیں . هم نے اس کے لیے قوازب کا لفظ اختیار کیا جو میجر جنرل امین معلوف صاحب معجم الحیوانات کے اختیارات میں سے هے .
۱۱۷	۹٤۳	دیکهو پروفیسر موصوف کی کتاب "دی ایوالیوشن آف مین" کا انگریزی ترجمه مترجمه جوزف مکیب ، جلد اول صفحه ٢٥٤ مطبوعه سنه ۱۹۱۰ ع . The Evolution of Man. English Translation By Joseph McCabe.
۱۱۸	۹۵٦	آیت میں " افك " کا لفظ آیا هے ، وهو

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		ماخوذ من افك الشيء ، اذا قلبه عن وجهه . فالافك هو الحديث المقلوب . "افك" کے معنی بات کے الٹ پھیر کر دینے کے هیں . پس صرف بہتان کا لفظ اس کے لیے کافی نہیں هو سکتا . بعض اردو مترجموں نے اس کا ترجمہ "طوفان اٹھانا" کیا ہے ، لیکن یہ ترکیب تو یہاں اور بھی غلط ہے .
۱۱۹	۹۵۶	آیت میں "عصبة" کا لفظ ہے ، و العصبة الجماعة الذين يتعصب بعضهم لبعض . پس اردو میں اس کا ترجمہ محض "گروہ" اور "جماعت" نہیں هو سکتا . "جماعة" خود قرآن بھی بول سکتا تھا ، مگر اس نے "جماعة" اور "عصبة" کا فرق ملحوظ رکھا ہے . پس هم نے یہاں "جتھے" کے لفظ کو ترجیح دی ، کیونکہ اردو بول چال میں ایسے سازشی گروهوں کو جو گروہ بندی کی غرض سے بنا کرتے هیں اسی لفظ سے تعبیر کرتے هیں .
۱۲۰	۹۶۱	"ولا یاتل" کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا گیا

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		ہے کہ " قسم نہ کھائیں " اور اسے "الیۃ" سے مشتق سمجھا گیا ہے جس کے معنی قسم کے ہیں ۔ لیکن زیادہ قوی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ قصر اور کمی کرنے کے معنوں میں بولا گیا ہو اور "الوت فی کذا ، اذا قصرت" سے ماخوذ ہو ، چنانچہ عام طور پر بولتے ہیں : لم آل جھدا ، ای لم اقصر ، و منہ قول الشاعر : و ما المرء ما دامت حشاشۃ نفسہ بمدرک اطراف الخطوب ولا آل سب سے زیادہ قوی قرینہ اس کی تائید میں یہ ہے کہ خسوف قرآن نے دوسری جگہ یہ مادہ اسی معنی میں استعمال کیا ہے "لا یالونکم خبالا" (۳ : ۱۱۸) ۔
۱۲۹	۹٦۷	اصل آیت میں "فیھا متاع لکم" ہے اور "متاع" کا مطلب اردو فارسی کے تمام مترجموں نے مال و اسباب ٹھیرایا ہے ، لیکن بات بنتی نہیں ۔ ذکر غیر آباد مکانوں کا ہے ۔ ایسی جگہوں

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		میں کوئی اپنا مال اسباب رکھنے کیوں لگا اور اس کے لیے جانے کی ضرورت کیوں پیش آنے لگی؟ در اصل یہاں "متاع" لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے جیسا کہ قرآن نے ہر جگہ استعمال کیا ہے، یعنی فائدہ اٹھانے اور متمتع ہونے کے معنی ہیں. مطلب یہ ہے کہ کوئی غیر آباد مکان ہو اور تمھیں اس میں جانے کی ضرورت پیش آ جائے تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے. قال العطاء: المراد بها الخرب التی یدخلها الناس للبول و الغائط (ابن کثیر).
۱۲۲	۹٦۹	اصل آیت میں "ایامی" کا لفظ ہے. عربی میں "ایم" کا اطلاق ایسی عورت پر ہوتا ہے جس کا شوہر نہ ہو، خواہ باکرہ ہو خواہ بیوہ اور مطلقہ. قال ابوعمرو و الکسائی: اتفق اهل اللغة علی ان الایم فی الأصل هی المرأة التی لا زوج لها، بکرا کانت أو ثیبا. و قال ابو عبید: یقال: رجل أیم و امرأة أیم. و اکثر ما یکون فی النساء و هو کالمستعار فی الرجال. و منه قول امیة

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		بن ابی الصلت : لله در بنی علی أیم منهم و ناکح (دیوان امیة بن ابی الصلت فی فحول الشعراء ص ۲۲) . ارذو کے مترجموں نے اس کا ترجمہ "بیوہ عورتیں" کیا ہے . یہ بلا وجہ عام کو خاص بنا دینا ہے .
۱۲۳	۹۷۵	روشنی کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ چراغ جلا کر طاق میں رکھ دیتے تھے جو دیوار میں اسی غرض سے بنایا جاتا تھا اور اب بھی بنایا جاتا ہے . لیکن پادشاہوں اور امیروں کے یہاں قندیلیں بھی لٹکائی جاتی تھیں . چنانچہ بابل ، مصر ، روم اور شام کی بے شمار پرانی قندیلیں عجائب خانوں میں موجود ہیں . عربی میں "مشکاۃ" کے لغوی معنی تو ظرف کے ہیں جس میں کوئی چیز رکھی جائے : اصل المشکاۃ الوعاء یجعل فیه شیء (ابن سیدہ) . لیکن پھر اس کا اطلاق اس طاق پر بھی ہونے لگا جس میں چراغ

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		رکھا جائے اور قندیل پر بھی جو لٹکائی جائے. پس یہاں "مشکاۃ" سے مقصود دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں. ہم نے مجاہد کی تفسیر کو ترجیح دی اور "قندیل" ترجمہ کیا. کیوں کہ تمثیل کا مقتضیٰ اجزاء تمثیل کا زیادہ سے زیادہ حسن و توافق چاہتا ہے اور اس کے لیے قندیل ہی زیادہ موزوں ہے.
١٢٤	٩٧٧	"السراب" ما یری فی المفاوز من لمعان الشمس عند اشتداد حر النهار علی صورة الماء. و سمی سرابا لأنه یسرب، ای یجری کالماء.
١٢٥	٩٨٠	اصل میں "یزجی سحابا" ہے اور "ازجاء" کے معنی کسی چیز کو آہستہ آہستہ چلانے کے ہیں: "الازجاء" السوق قلیلا قلیلا. و منه قول النابغة: انی أتیتك من اهلی و من وطنی ازجی حشاشة نفس بانها رمق چوں کہ بادل کی چادریں آہستہ آہستہ آتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، اس لیے بلاغت چاہتی تھی کہ اسی لفظ سے اسے تعبیر کیا جائے. افسوس

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		هے که اردو فارسی کے مترجموں نے الفاظ کی لغوی خصوصیات کی بہت کم رعایت کی هے . چنانچه اس کا ترجمه بهی محض "روان کردن" اور "چلانا" اور "هنکانا" کیا هے اور اس طرح اصل لفظ کی لغوی خصوصیت کم هو گئی هے .
۱۲۶	۹۸۰	اصل آیت میں "یجعله رکاما" هے اور "رکم" کے معنی هیں چیزوں کا تہ در تہ هو جانا اور مل جل کر ایك هو جانا، دونوں مفہوم شامل هیں . یقال: رکم الشیء یرکمه رکما، ای جمعه و القی بعضه علی بعض . و الرکمة الطین المجموع (ابن سیده) .
۱۲۷	۹۸۱	قال الأخفش: ان "من" فی "من جبال" و فی "من برد" زائدة، و الجبال و البرد فی موضع نصب، ای ینزل من السماء بردا یکون کالجبال (کشاف) .
۱۲۸	۹۸۹	"طاعة معروفة" میں اگر "طاعة" کو مبتدا محذوف کی خبر قرار دیا جائے تو یه مطلب

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کی طاعت جس پر یہ قسمیں کھا رہے ہیں، مشہور و معلوم ہے، یعنی منافقانہ طاعت ہے۔ لیکن ہم نے "طاعة" کو مبتدا قرار دیا ہے اور اس کی خبر مقدر ٹھیرائی ہے: ای طاعة معروفة اولٰی بکم من ایمانکم، کیوں کہ یہ اس محل میں زیادہ موزون معلوم ہوتا ہے۔

اشاریہ

ترجمان القرآن ج – ٤